

مکتبہ انسانیت

کتابت

جامعہ ملیہ اسلامیہ

دہلی

تعمیر ۸۱۲
نمبر ۷۵۴
۲-ج
مردود رقم ۲۲۵۲۲



(٢)

ماہنامہ
جمال احمد سنوی



مختار

الف

ط

(۲)

کتابخانه ملی افغانستان

RARE BOOK

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳۶۱



حملہ حقوق محفوظ

مرتبہ کمال احمد رضوی

طابع سیخ نواز احمد

مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور

۱۹۶۰ء

کھول، موسیقی اور چاندنی رات کے نام

مترجلا

۱۳	کمال احمد رضوی	سیدھی بات
۱۷	ابراہیم حاس	اجالے سے ۲۱
۱۱۳	ایمدرناہ اسک	قید حیات
۱۷۷	حبیب تمبیر	آگرہ بازار
۲۴۹	سعادت حسن منٹو	اس منجھار میں
۲۹۹	ڈاکٹر عابد حسین	پردہ عفت
۳۶۷	عصمت چغتائی	دھانی بانکین
۴۱۱	عشر نرحمانی	شاہجہاں
۴۳۳	اشتیاق حسین	نفرت کا بیج
۴۸۱	مجتبیٰ حسین	انکار
۵۲۱	محمد مجیب	حبہ خاتون
۵۶۹	مرزا ادیب	تند کپار
۶۰۵	ناصر شمسی	ترے کوچے سے ہم نکلے

سپہ صحابہ

منتخب اردو ڈرامے کی پہلی جلد، یک باہی ڈراموں کے لیے مخصوص تھی لیکن زیر نظر مجمرعہ اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے اور اس میں طویل اردو ڈراموں کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

یک باہی ڈرامے اور طویل ڈرامے میں وہی فرق ہے جو انسانے اور ناول میں ہوتا ہے۔ زندگی کے وہ چند لمحات، افسانہ کی ہیئت میں سوئے جاتے ہیں جو انفرادی زندگی میں ایک موڑ، سنگ میل یا ذہنی انقلاب کی حیثیت رکھتے ہوں۔ انسانہ میں کردار یا ماحول کی کش مکش ہوتی ہے۔ فرد کے عمل اور عمل کا بیان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کامیاب ناول بیک وقت معاشرہ اور افراد کی جدوجہد زندگی کا مرقع ہوتا ہے۔ جس طرح لہجہ و تاثرات کی گہرائیاں ناول میں ابھرتی ہیں اس طرح مکمل ڈرامہ زندگی کے ان حقائق و نظریات کی کش مکش اور تضاد کی بنیادوں پر تعمیر ہوتا ہے جو انسانی جد و جہد کا ازلی و ابدی نقطہ آغاز ہے۔ ناول کی حدیں جہاں پر آکر ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے ڈرامہ کا آغاز ہوتا ہے۔

ڈرامہ کی عمارت عمل اور الفاظ کے ایسے ٹوٹ پھروں سے تعمیر ہوتی ہے جو زندگی کے جذبات و احساسات، خواہشات اور تصورات سے سرمد ہونے کے باعث یادگار عمارت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہی عمارت ہمہ گیر اور اجتماعی زندگی کی ایک عظیم رمزہ علامت بھی ہوتی ہے۔ لہذا ڈرامہ والعات اور حادثات کے ماورا انہی حقائق کو پیش کرنے کا نام ہے جہاں ادب کی دیگر اصناف شدت عمل اور تاثر کو قائم رکھنے میں بے مایہ ثابت ہوئی ہیں۔ ڈرامہ کی نکتہ-آجری نقطہ ا-یج ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا اردو ڈرامہ اس نقطہ سے محروم ہے۔ تاہم ادیبوں نے ادب کی اس عظیم صنف کو اپنانے کی ضرورت محسوس کی کیونکہ اجتماعی زندگی کے تغیرات و انقلابات کا نقاضا تھا کہ

ان تغیرات و انقلابات کے پس منظر ان حقائق اور احساسات کو شعور اور جذبات کے متوازی زاویوں میں پیش کیا جائے، جہاں ناول اور شاعری اپنے ایک طرفہ ناثرات کی وجہ سے کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

ان ڈراموں کے انتخاب میں ڈرامہ کی اہمیت اور معیار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ان ڈراموں کو اسٹیج کی کسوٹی میسر نہیں آئی ان میں تکنیک کی پختگی اور حقائق کی ہمہ گیر اہمیت اپنی حکمہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ اور اس لیے مجھے یقین ہے کہ ان ڈراموں کو جب بھی اسٹیج کی روشنی اور سائے میسر آئیں گے تو یہ ڈرامے اپنی بھر پور کیفیت کی وجہ سے اپنی تاریخی اور عبوری دور کی پوری پوری نمائندگی کر سکیں گے۔

ان ڈراموں کی ادبی اور فنی نوعیت ایک تاریخی اور عبوری دور کی حامل ہے، چنانچہ موضوعات کے اعتبار سے یہ ڈرامے اجتماعی زندگی کے ان تفسیر آسز ادوار کو پس منظر کرتے ہیں۔ جنہیں ہماری ملکی اور قومی زندگی کے انقلاب آفرین دور سے تعبیر کیا جانا ہے۔

ڈرامہ نگار ان ادوار کو جس فنکارانہ انداز سے پیش کرتا ہے یہی ڈرامہ کے فن کی جان ہے۔ چنانچہ یہ ڈرامے وقت کے ان دھاروں کو کامیابی سے پیش کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جن کے سنگم پر جدید تاریخ کا عالی شان قصر تعمیر ہو رہا ہے۔

برعظیم ہاک و ہند میں انگریزوں کی عملداری کے ابتدائی دور کے لیے کر پاکستان کے نئے معاشرے کی تشکیل تک کے عہد پر یہ ڈرامے محیط ہیں۔ مرزا ادیب کا ڈرامہ ”نند کمار“ انگریزی حکومت کے خلاف پہلا احتجاج تھا اور یہ احتجاج اس عظیم الشان تحریک آزادی کے لیے ہج ثابت ہوا جس کا ثمر آزادی وطن میں ملا۔ ابراہیم جلیس کا ڈرامہ ”اجالے سے پہلے“ اور محتہبی حسین کا ”انکار“ پاکستان کے اس معاشرہ کی کشن مکش پر مبنی ہے جس میں پرانی قدروں کو مایا میٹ کر کے نئی قدروں پر معاشرہ کی چار دیواری کھڑی کی جا رہی ہے۔

”تیرے کوچے سے ہم نکلے“ اور ”دھانی بانکیں اس پر آشوب دور کی تصویر ہے، جب ملک کی تقسیم عمل میں آئی تھی۔ دلی کے وہ خاندان جن کو لسل بعد نسل کتے ہی انقلابات دیکھنے پڑے تھے۔ اب انہیں اس دنیا، معروف کو چھوڑنا پڑا۔ قوموں کی راہ آزادی میں ایسے ہزاروں خاندانی المیے وقوع پذیر ہوتے ہیں، لیکن تاریخ کا کارواں ان المیوں کو روندنا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ اور ماضی کی گردان خاندانی اور انفرادی المیوں کو ہمیشہ کے لیے معدوم کر دیتی ہے۔ لیکن فن خصوصاً ڈرامے کا فن ماضی کے گرد و غبار کے درمیان ان المیوں کی ایک شاندار عمارت کھڑی کر دیتا ہے جو تاریخ و ثقافت کی مخصوص منزلیں بن جاتی ہیں۔

ان ڈراموں میں حقیقت نگاری یا واقع نگاری کا رنگ غالب ہے اور اس کی وجوہات بھی واضح ہیں۔ دراصل ڈرامہ نگار کے سامنے واقعات کا انقلاب آفریں سلسلہ ہمہ گیر شدت سے جاری و ساری ہے۔ اسے ان واقعات کو جو ہماری تاریخ کے مختلف مگر اہم ایوان ہیں سمجھنے اور پھر فن میں سمونے سے فرصت نہیں ملتی کہ، وہ ان واقعات سے ماورا نظریات کے تصادم کو علامتی کرداروں سے پیش کرنے کی طرف متوجہ ہو تاہم ان واقعات میں اتنی جان موجود ہے اور یہ اتنے نتیجہ خیز ہیں کہ انہیں ڈرامہ کی ہیئت میں پیش کرنے سے ادب میں ان کا مخصوص مقام پیدا ہو گیا ہے۔

محمد مجیب کا ڈرامہ ”حبہ خاتون“ اور حبیب تنویر کا ”آگرہ بازار“ مزاج اور تنوع کے لحاظ سے دو الگ الگ موضوعات ہیں لیکن ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ ثقافت کے اس دور کی نشان دہی کرتے ہیں جو دور ماضی کے خزانے میں مدلون ہو چکا ہے۔ آگرہ اور کشمیر کے درمیان ایک بڑا فاصلہ حاہل ہے لیکن اس فاصلہ کو ادب نے اس طرح دور کیا ہے کہ کشمیر کی ہر سکون وادی اور آگرہ کی چہل پہل کے تفصیلی نقوش ایک ہی نظر میں دیکھ سکتے ہیں۔

سعادت حسن منٹو مرحوم کا ڈرامہ ”اس منجداہار میں“ ایک نیا تجربہ ہے۔ اور اس سے قطع نظر کہ اس میں منٹو کا مخصوص انداز تحریر جلوہ گر ہے،

اس میں جذباتی کشن مکش اور معروضی آرزو کو بڑے موثر ننگاراندہ انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ اور یہی اس کی عظمیٰ ہے۔

اندروناٹھ اسک کا ڈرامہ 'قید حیات'، متوسط طبقہ کی ان اخلاقی اور تمدنی تدروں پر ابھرتا ہے۔ جن میں معمولی سا جھول پڑ جانے سے اس طبقہ کی زندگی درہم درہم ہوا جاتی ہے۔ اقدار کی ان سلوٹوں ہی سے ڈرامہ نگار فن کا اہدیٰ پورا کرنا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ ڈرامے رواں دواں زندگی کے ایسے نقوش ہیں جنہیں ڈرامہ اپنی ہیئت اور اپنے اندرونی استدلال کی مدد سے غیر فانی بنا دیا ہے۔ ڈرامے کی خصوصیت بھی یہی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ڈرامہ پر نئے نئے تجربات ہوتے رہیں گے نئے بھٹیٹر کی تعمیر اور اسٹیج کی ترقی سے ڈراموں میں نیا خون نئی زندگی اور نئی نشوونما پیدا ہوگی، لیکن ڈراموں کے زیر نظر مجموعہ کی اپنی تاریخی اور ثقافتی اہمیت قائم رہے گی۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان ڈراموں کی ادبی حیثیت زیادہ واضح ہوتی جائے گی۔ اور لہ صرف ڈرامے کے طالب علم کے لیے یہ تاریخی دستاویز ثابت ہوگا بلکہ ڈرامہ کھیلنے والوں کے لیے بھی اس میں نمائندہ مواد حاصل ہو سکے گا۔

آخر میں ان تمام اہل قلم دوستوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جن کے تعاون کے بغیر یہ ادبی دستاویز کبھی مکمل ہو کر منظر عام پر نہیں آ سکتی تھی۔

کمال احمد رضوی

لاہور ۱۳ مئی ۱۹۶۰ء

اُجالے سے پہلے

ابراہیم حلیم



کردار

اعظم : ایک خوبصورت صحت مند بے روزگار گریجویٹ
 مجید : اعظم کے کالج کا ساتھی۔ بے روزگار گریجویٹ۔
 نورا قتال : نوجوان خوبصورت بینک سے ایس ایس ٹی۔
 کرنل ارباب خاں : نورا قتال کا باپ۔ ریٹائرڈ کرنل۔
 مسعود علی خاں : نوجوان سرمایہ دار۔ نورا قتال کا عاشق
 حاکم علی خاں : پروفیسر گوٹ اینڈ ٹریپ فرم۔



کتابتِ سیدنا ابوالفضلؑ

پہلا منظر

ایک دن تو سڑکوں کے گھرانے کا کمرہ جس میں دو چار بیٹیاں
بچھیں ہوئی ہیں۔ کھنے کی میز دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہے جس پر
بہت سی کتابوں، اخباروں اور رسالوں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے اس
میز کے اوپر نائے کی دو ڈگریاں فرموں میں لگی ہوئی اور بال میں
جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کمرے میں دو گریجویٹ رہتے
ہیں جن میں سے ایک اس وقت چار پاٹوں کے سر نائے آئے
سائے لکھی ہوئی ادارہ کر سیر میں ہے ایک اور کرسی
پر بیٹھا کچھ پڑھنے میں مشغول ہے اس نے شب خراب کا دھبہ
اجامہ اور رٹے موٹے ٹنوں والی کھلے گریبان کی سیاہ قمیض پہن
رکھی ہے وہ ایک خوبصورت اور صحت مند نوجوان ہے۔ سائے
دیوار پر ایک پرانی وضع کا وال کلاک گیا رہ جیتے کے گھٹے ہوا
ہے۔ نوجوان جو تک کر کلاک کی طرف دیکھتا ہے۔

نوجوان : (بند آواز سے) آہ — کیا رہ بچ گئے !

اگر کسی سے اٹھتا ہے چار پائی کسے نیچے سے سرٹ کس گھیٹ
کہ باہر کا قہار ہے۔ اس میں سے ایک صاف ستھری ملا ہوئی سفید
فیض اور نیاں نکال کر کندھے پر ڈال لیتا ہے اور چار پائی سے
نکدہ اٹھا کر دیکھتا ہے کہ اس کی پیٹوں فائب ہے جو کر پڑی خاطر
اور نئے تکیے کے نیچے رکھی تھی وہ کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے اور

بچے۔ نہ ہے !

بانو ————— بانو ————— !

(اندر سے ایک نسیمی تپتی کی آواز آتی ہے)

جی ————— ائی بھائی جان ————— !

ہاں آواز کے دو تین لمحوں کے بعد ایک ٹھٹھوسا لڑکھوڑت

سہی بچی جی کے دونوں اقد آٹے میں گندھے ہوئے ہیں۔ جیسے

وہ ابھی ابھی آٹا لٹو دھ کر آ رہی ہو۔ کمرے میں داخل ہوتی ہے

اس وقت اس نوجوان کی چٹھے لڑک کی طرف ہے !

بانو : اعظم بھائی جان ————— سونے مجھے بلایا ؟

اعظم : اپٹ کر ! ہاں ————— دیکھو بانو ! میری گرہ پتلون اندر تو نہیں ہے وہ جو بطور رنگ کر رہے ،

بانو : (کچھ سوچ کر) وہ پتلون ! وہ پتلون ! تعمیر بھائی جان ہیں کر گئے ہیں

اعظم : اب گھر ہٹا اور اٹے کے سے چٹھے لچھے میں ! کینجھت آٹو کا پٹھا اسے نہیں معلوم تھا۔ آج ۱۲ بجے میرا انٹرویو

ہے۔

بانو : (سہلین سے) مجید بھائی جان میں تو انٹریو میں گئے ہیں ان کا انٹرویو صبح نو بجے تھا۔ اس وقت آپ سو

ہتے تھے وہ کہہ گئے تھے کہ میں ساڑھے گیارہ بجے تک ضرور واپس آ جاؤں گا۔

اعظم : اگر وہ ان سس ساڑھے گیارہ بجے تک واپس نہیں آیا تو پھر میں اپنے انٹریو میں کیا ہیں کر جاؤں گا۔

بانو : (پیار سے اعظم کی ٹھٹھوڑ کر آٹا گندھا اٹھانے لگتی ہے جس سے تعجباً آٹا اعظم کی ٹھٹھوڑی پر لگ جاتا ہے) بھائی جان

————— انٹریو میں آپ وہ پتلون ہیں کر نہ جائیں تو بہتر ہے۔

اعظم : (حیرت سے) کیوں ؟

بانو : وہ پتلون تو بڑی نمونہ س ہے۔ میں کب سے دیکھ رہی ہوں۔ آپ اور مجید بھائی جان ہر انٹریو میں وہی پتلون ہوتی ہے

جاتے ہیں لیکن تو آپ کو تو کوئی ملتی ہے اور نہ مجید بھائی جان کو۔

اعظم کھیا انچر سکڑا ہے اور انوکھا کر اس کی بنیادی ہوتا

ہے اور سے اپنے ساتھ بھاگ کر شہر بھانسنے کے انداز میں کھتا ہے

اعظم : انی ڈیر چوہوں کی خالہ — تم تراب بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ سکو بانو — دراصل

پرتیوں نمونہ نہیں ہے بلکہ یہ نظام نمونہ ہے اور جب تک یہ نظام بحال نہ ہوگا اس وقت تک میں اور

مجھ سے فرسٹ کلاس گریجویٹ رہتی ہے لہذا گری کے چکر میں ہمیشہ لڑتی رہے گی — !

بانو : (ہرلین سے) جی نہیں سمجھی — کون نظام ؟ — وہ جو آپ کے در دست نہیں ہے

ہے۔ کلاس ہے۔ وہ جنہوں نے مجھے چاکلیٹ کا ڈبہ دیا تھا ؟

اعظم : اسی وہ نہیں ہوگی — یہ ہر زمانہ معاشی اور اقتصادی نظام ہے۔ (یہ ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہ لمبا بھی ہے اور

کالا بھی) — لیکن وہ کسی غریب اعظم کی تنہا بہن کو چاکلیٹ کا ڈبہ کبھی نہیں دیتا۔

(اندھے اعظم کی ان کی آواز آتی ہے)

آواز : بانو — بیٹی بانو — !

بانو : آئی امی — اور ہالو اور ہالو — ایک ننھی سی جان پرستی مصیبت ہے۔

— امی امی — امی امی

(انہرے ہواگ جاتی ہے)

ایک لمحے کے بعد پھر کے دروازے سے ایک نوبوان کوٹ

کندھے پر ڈالے۔ کھٹائی کی گرہ ٹھیک کیے۔ اٹھتی ہی اسے

کی مگر کی سرٹیکٹوں کا پینڈ ویسے تھکے آئے تھروں اندر دین

جتا ہے کوٹ اور کاغذات کا پینڈہ چارپائی پر پھینک کر دھڑل

(صغلا آرام کو رہی پر گر جاتا ہے)

اعظم : او مجھ کے بچے۔ تم میری تیلون بہن کر چلے گئے۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ بارہ بجے میرا انٹرویو ہے۔

مجید : (وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی بارہ بجتے ہیں بہت دیر ہے یار۔

اعظم : اس طرح لٹ صاحب کا طرح منٹ بیخود۔ اٹھو طہری سے میری تہن انا کر مجھے دے دو کجنت ساری کر رہتا ہوں
کدی۔

مجید : اگر کسی سے اٹھے جوئے (اماں کہا کر مجھے بار ایسے انٹرویزوں جا کر اپنے پاس نہ تھرتھرتے نہ ہمیشہ۔ سن عامشے
میں تو کئی تو صرف ملے ہمنوائی قسم کے لوگوں کو بڑا ہے۔ سمجھ گئے ستر محمد اعظم امی ملے ہلیک

اعظم : ایسا کیسا اس نہ کر۔ جاؤ جلدی سے تھکوں ہلو۔

(مجید اپنی چارہ پانی کی ہانسی بریل اٹھا پتا دعاری دارا ہوا اور
گرتا اٹھا کر اور جاتا ہے اور اعظم مینز سے بائسنگ شوٹ کر لیتا
کی ڈن سے مک شوٹ نکال کر طمان ہے اور کتاب اٹھا کر نہ لپو
کے پھرتی ہی کی خاطر ٹپ کے اٹھا میں نونو سے پرتھرتھرتو
گردیتا ہے)

اعظم :

(مجید اندھے دعاری رار یا ہوا اور گرتے سینے اٹھتا ہے اور
اعظم کے کندھے پر تھوٹا پھیلنے لگے کتاب ہے)

مجید : ٹوڈیر سنا لو اپنی عزت اٹھ کر کی محافظ تھن

(اعظم کتاب بند کر کے مینز پر بکتا ہے چار پانی رستہ اپنی تھن پرتا
اٹھا لگے اور پکھا شوٹ مجید کے ہالے کر کے اٹھا جاتا ہے
مجید شوٹ کر کچھم کر آرام کر سی برہا زور جاتا ہے اور تھائی پرت
لہا لہیں پھیلا کر ڈاؤن تر تم کے ساتھ گفتنا لگتا ہے)

بڑا دکھ ہے ہم تو کہ بیکار ہیں ہم
حیات ہل کے گھر گھر ہیں ہم

یہ گیت ہے جس میں دفینے کیس ہیں
 وہ دیا ہے جس میں گنہگار نہیں ہیں
 یہ جنگل ہیں جو رشکِ خلد بریں ہیں
 یہ فطرت کے انعام اپنے نہیں ہیں

تمہی دست و محروم دنا دار ہیں ہم
 بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم

کمان زر پرستی کمان تددوانی
 کمان لوط و عارت کمان ہرمانی
 کمان اک یہ بالجبر سر رکے جینا
 لہو سچ کھولیں ہیں پر بسینہ
 دھرتی کیا نہیں لگتا ہے سینہ

بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم
 سیات و مل کے گنہگار ہیں ہم

(اعظم قیام اللہ پتھان اپنے نکل ہوتا ہے مجید کو گننا آدیکھ کر گننا)

اعظم : او کہو اس پسند شاہر بند کرد اپنا روضہ اند بنا دے مجھے کہ تمہارے اس سٹریوں میں کیا کیا سوالات پوچھے گئے؟

(یہ کہ کر وہ کئی اصراروں میں سے دیوار پر لگے ہوئے چھوٹے سے

آئینے کے سامنے کھڑا ہوا اور گنٹائی باندھنے لگا ہے)

مجید : (ایک لمبی ٹنڈی ماس جس کو) ملے ملے اسٹریو تھا بنک کی کلر کی کا۔ اور سوالات یہ پوچھے گئے

سوال نمبر ایک : پاکستان کے دشمن ملک افغانستان کو روکیں بنک یا بنکوں کی معرفت بھیجتے ہیں؟

اعظم : (گنٹائی باندھتے ہوئے) تم نے کیا جواب دیا۔

مجید : میں نے جواب دیا کہ یہ ایک راز ہے جس کو ناکشس کرنا مفادِ عامہ کے لیے معرفت کا باعث ہو سکتا ہے۔

اعظم : جرنلہ !
مجید : سوال نمبر ۱۔ "فغان سڑاواٹر کی ایک بوتل کی کیا قیمت ہے ؟" میں نے جواب دیا۔ خریدار کی
حیثیت میں جتنے بھی پیسے ہوں۔

(انہم سوٹائی ، دھڑکے سے ، باروں میں نکلتا کر رہے)

مجید : سوال نمبر ۲۔ "وہ کتابوں میں سے کونسی کتاب عالمگیر شہرت کی حامل ہے ؟" جب آٹن ناگھیا ایک ٹبک ؟

اعظم : دیری انٹر سٹنگ کو سچین ! تم نے کیا جواب دیا۔

مجید : میں نے جواب دیا — بلا سٹریجیک — بک سٹراب۔

اعظم : بڑے میزبان فیکٹ قسم کے آدمی ہو یا تم۔

مجید : شکریہ۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ اب رہا آخری سوال۔ پوچھا گیا کہ — پاکستانی عوام نے

اپنے مکن اہتمام کا جو کچھ اپنے رہنماؤں کو دیا تھا آیا وہ لکیش ٹرایا نہیں؟

اعظم : (کوٹ بچتے ہوئے) اگر کیا آپ نے مقل سوال پوچھا گیا۔ تم نے کیا جواب دیا۔ یہ سوال سن کر تو تمہاری سچی
گم ہو گئی ہوگی۔

مجید : امان جاؤید — وہ فرسٹ کلاس دیا ہے کہ اسٹریٹیجی طور پر پیش کرنے لگ گیا۔ میں نے جواب دیا
" حضور! عوام کے مکمل اہتمام کا بینک چک ایک آرڈر جیک تھا اور رہنماؤں کی بینک میں تو آرڈر ٹھکانا تھا اور
درکریٹ۔

اعظم : بہت اچھے۔ ایسا سلام ہوتا ہے کہ میری محبت میں تم دن بدن عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔

مجید : (طنز پر لہجے میں) جی ہاں اٹیٹے نولہ صورت ہیں آپ۔

(اعظم منکرات ہے اور میز پر سے اپنی تباہی کے ڈگری اور شکلیوں

کا پڑا ہوا تھا ہے اور کہتا ہے)

اعظم : اچھا۔ جی گونا۔ کوشش ہی لڑا ایک۔

مجید : ابا ابائی — سے سکشن برڈیو۔

ہنگے ہیں۔ کیونکہ یہاں اسکول کی عمارت کو ایک ٹیپے افسر کی رہائش گاہ کے
 لیے لاکھ لگا دیے ہیں۔ اس لیے وہ لاکھ لگانے کا سبب ختم ہو گیا ہے۔ دو مہر
 ٹرکوں پر بھی ڈنڈا اور گولیاں کھینٹتے بیٹھتے ہیں اور بازاری گالیاں سیکسٹر پر بھی
 مولدوم کے تمھاری ان کی آنکھیں بست خراب ہو گئی ہیں۔ وہ بلیک رنگ کا
 چاہتی ہیں۔ جب تم ٹنڈو آدم آؤ تو ان سے ایسے ایک۔ میں زبیری بینک ضرور لیتے آؤں۔
 اعظم اوس زبیری بینک۔ بہت خوب۔

مجید : (پڑھتے ہوئے) پیاری بیگم کی بڑی ہو گئی ہے۔ جوڑاں پہنے ہوئے تھے ایک نچر گیا
 دوسرا عمارت ہے۔ رچا اور تچہ دونوں اللہ کے فضل سے تندرست ہیں۔ اب
 کی بغیر چھوڑنا آدم ضرور آؤں۔ اور ہاں آتے ہوئے کراچی کا ایک کراچی منٹو
 لیتے آؤں بڑی تعریف سنی ہے کراچی کے بکروں کی۔ کس جلسہ جلسے کے ذریعہ
 گھر کا تیار کرو۔ ایک سکھ کا ڈر بھیوں گا ہر کھانے میں کھن استعمال کرو اور ت
 کا خیال رکھو۔ اپنے دست اعظم کو سلام کہنا

اعظم : دو علیکم سلام۔ اور دیگر سوال یہ ہے کہ مکمل کا ڈر ضرور بھیجے کراچی میں ہر جگہ مکمل کی ضرورت پڑتا ہے۔
 مجید : (پڑھتے ہوئے) خط کا جواب جلد اور کم از کم تو یہی ہے ہوا لسی ڈاک بذریعہ
 تاجی اسٹڈ بھی دو سخت انتظار رہے گا۔

تھار اپ

محمد صری یوسف خاں

خط بند کرتے ہوئے ایک لادو ————— روپیہ بھیجا بذریعہ کارمنی آؤں

بجو —————

اعظم : یا محمد! محمد صری صاحب نے روپیہ تو ایسی بے تکلفی سے منگوا لیا ہے۔ جیسے ان کا فرزند
 بلینڈ پاکستان کا ذریعہ خزانہ لگا کر لیا ہے۔

مجید: (اسی ٹھنکی سالس لیسکو) واہ جی، میرے پیارے والد چودھری دیرت خاں صاحب! اشد آپ کو
 ہمیشہ اچھا رہے۔

اعظم: اچھا بھئی اب میں چلا۔ بڑی دیر ہو گئی۔

مجید: آن رائٹ۔ ہائی۔ ہائی۔

(اعظم ابرو چلا آتا ہے۔ مجید آرام کرکے کسی پردہ اڑھاتا ہے)

پردہ



دوسرا منظر

ایک شرک میں ہوتا۔ میں اسٹاپ۔ بے طلبے کے ساتھ ایک
 نوجوان انڈیو لکھنؤ کے راکٹ لکھنؤں کا انتہائی آدمی ہے۔ اس کے
 ہاتھ میں ایک آکسر سائیکل کا ایک پلہ ہے۔ آکھوں، سیاہ
 رنگ کا کیشیر۔ سارہ مگر طوب۔ لکھنؤ میں پتے جوڑے ہیں
 کے انتظام میں وہ ایک آکسر سائیکل کھچ رہی ہے۔ اس کے علاوہ
 میں اسٹاپ پر کہانی نہیں ہے۔ شرک میں سنا ہے تھے میں
 عظیم ایک طرف سے ڈائل ہوتا ہے اس نوجوان لڑکی کو دیکھ کر
 رکنا تے سکرنا تے اور دینے پاؤں اس کی طرف بڑھتا ہے
 اور اس کے قریب جا کر کھتا ہے

عظیم: یہ بیویس تو آفتاں بنائے۔ بی بی

نورا آفتاں: (جو کد کر) اور عظیم! بڑے عرصے کے بعد میں آپ! کہاں تھے میں آج کل؟

عظیم: یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا نور کو کچھ کل میں کہاں رہتا ہوں بہتہ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو پھر سرچنے

گگ جاتا ہوں کہ مجھے کہاں رہنا چاہئے! جی تو جا رہا ہے کہ اس شرک کو پھوڑ کر اس راستہ پر عطا شروع کر لیں

جس پر تمہارے چہرے کی چاندنی پھیل جاتی ہے جس کی فضا تمہاری سرپوں کی کھنک نکھارے پار میوں کی

بھنک اور تمہارے جسم کی خوشبو سے حرکت کر رہی ہو جس کے کنارے تمہارے جسم کا سر دکھڑا ہے

اور لکھنؤ کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھوٹا پھیل جاتی ہے اور

نورا آفتاں: (اثرات ہرے) انا کی سنس کہ ایک اس کہ ہے تو یہ شرک ہے۔ میں اسٹاپ ہے کوئی باتیں سننے لے

اعظم : اس کی پرواہ نہ کرو توڑو۔ اہل نزدیک سسرے یہاں موجود ہی نہیں۔ اگر ہوتے بھی تو وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ
 میں شاپ میں بیٹا لے کر روٹیاں کھاؤں گی۔

تورافشاں : اب اسے لے کر چلے آؤ۔ اچھا اعظم! بااؤراج کل اسکول کیوں نہیں آ رہی تھی؟
 اعظم : یہ وجہ یہی ہونے لگی ہے۔ یہ لایا تھا اس کی مرنے سے یہ کہا تھا کہ اگر اس بیٹے بھی اسکول نہیں گیا تو
 تو اسکول آنے کی ضرورت نہیں خودی منہج کرتی ہو اور جو ہی پڑھتی تھی ہو۔

تورافشاں : راہ! میں اس کی مرنے سے نہیں ہوں اس کی کلاس ٹیچر تو س رخصت ہے۔ رخصت نے کہا ہے کہ اس کے
 صرف انگلیس پڑھاتی ہیں میں بھلا ایسے کیسے کھڑے ہوں جیسے

اعظم : اہل کاشے مجھے سب کچھ عظیم کی چھوٹی ہے کیوں؟
 تورافشاں : (پیارے ہرٹھ اب ایک بڑی تعلیم نہ روکیں۔ وہ بڑی زمین کی ہے اور میں کا کیل ہے
 وہ کون سا بڑا اسٹڈ ہے۔

اعظم : میں تورافشاں تعلیم کا مسئلہ ملک کے نفع کے بعد سب کے ام مسئلہ ہے لیکن میں کا مسئلہ تو عام سماجی
 کا نام لانا (FATHER IN LAW) ہے۔

تورافشاں : دن فضول باتوں کو بھڑکائیے۔ آپ کل سے باؤ کو اسکول بھیجے۔ میں میں دے دیا کروں گی۔
 اعظم : ہنہ سیدم نہ۔ یہ تکلیف نہ کیجئے۔ اب باؤ کو آنا ہی گوندھنے دیجئے۔ اس نامے میں اٹا کتاب سے
 زیادہ ضروری ہے۔

تورافشاں : خواہ مخواہ غیر سب سے بہتر رہتا ہے۔

اعظم : خیریت نہیں بلکہ خیریت بہتر رہا ہوں۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ مجھے انسٹریو میں جانا
 ہے۔ ابھی بارہ بجے۔

(اچھے کتاب سے زور افشاں کہتی ہے)

تورافشاں : آؤنا۔ میں ہیں چیتے ہیں۔

(اعظم کوٹ کے دونوں جیسے ہارٹ کر)

اعظم : ادھر تو بے بسی ہے فوراً۔

نور افشاں : کلٹ میں سے نوں گی۔

اعظم : اب تو صرف ایک کلٹ کو لانے کا ارادہ ہے بیٹے مگر اور وہ بھی اس حدیوں میں برائی ذرا سے جاتی ہے۔

نور افشاں : بے کو تکف چھوڑو اعظم آؤ۔

اعظم : (اس کے قریب جا کر) انتظار کرو نور۔ چارنی نڈگی ہیں وہ دن بہت جلد آنے والا ہے تمہیں دو دنوں

میں۔ ٹرام ٹریں۔ اسپر ہوائی جہاز۔ سینا اور کرکٹ میچ کے کلٹ اکٹھا خرید کر لے۔

نور افشاں : بہت اچھے تھے (خندی کہیں کے) اچھا اعظم۔ دیکھو آج شام کو تو آگے نا۔ مجھے تم سے بہت سہمی

ضروری آئیں کرنی ہیں میں آج شام چھ بجے برس گا دن میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آؤ گے نا!

اعظم : آتے کو رہیں۔

نور افشاں : مجھے بہت شدت سے انتظار رہے گا۔

اعظم : میں ضرور آؤں گا۔ وہ دیکھو تمہاری بس آ رہی ہے اعظم۔

نور افشاں : (اتھڑھٹے صدمے میں کی طرف بڑھتی ہے) اعظم اپنے لٹے رہ جاؤ (اے)

پیرہ



منظریہ

(ایک ایک جوانی اپنے سے دو حصوں میں بنا کر لے۔ ایک طرف ایک
 کوئی ایک مسیحا اور دوسرے کے سامنے ایک کرسی ہے۔ بیٹھ جیسے
 کہم پڑھتا ہے جس پر دعوات ظلم اور کینڈا سے لڑ کر وہ سارا کا
 اسٹیشن ہی بھی ہوئی ہے جو ایک دفتر کی بیڑی جو تیس جوانی اپنے
 کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ رہی ہو ہے اور ساتھ ہی ایک بی
 بھی بیٹھ بھی پڑی ہے۔ پتہ اسٹیشن کے تھوڑی دیر بعد ایک
 بہت اونٹن کا قندیل بد شکل آدمی جو اس دفتر کا مالک ہے داخل
 ہوتا ہے۔ چہرہ کی کوئی گنتا ہے کہ وہ سرور ہے یا پلہ اپنے
 ڈنڈے کی نوک ان کی نوک کی نوک پر کھتا ہے۔ چہرہ ہی
 قندیل بھی اسٹیشن کے انداز میں اتھار دیا ہے۔ اس کے بعد
 دفتر کا مالک اپنے ڈنڈے کو پٹ کر وہ سراجوں کے اتھار
 بیڑی پر بیٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ چہرہ ہی ٹرڑا کر جاگ
 پڑتا ہے دفتر کا مالک فصد سے پوچھتا ہے)

مالک : دفتر کے دعوات میں مستعد ہو۔

بیٹھ رہی : ممان کیجئے صاحب۔ رات بھر میرے پیچھے نہ رو رو کر مجھے سونے نہیں دیا۔
 مالک : کل سے اپنے پیچھے کو بیڑی دفتر لایا کرو۔

بیٹھ رہی : احیراں ہو کر آجی !

مالک : آکر وہ تھیں یہاں بھی دیکھنے سے۔

یہ کہہ کر اندھے سے اندھا بنا جاتا ہے اور اپنی کسی پریشانی کو ختم کر لیتا ہے
 ہو کر انہیں بند کر لیتا ہے۔ جیسے عورتوں میں ہوتے ہیں۔ اس میں پریشانی
 داسے عورتوں میں اظہم داخل ہوتی ہے اور سیدھے اندھا بنانے لگتا
 ہے۔ (پریشانی اتھرو چھوڑ کر اسے روکتا ہے)

پریشانی : اہا ہا ہا ہا ! اہا اندھا کہاں جا رہے ہو ؟

اظہم : صاحب ہیں ؟

پریشانی : (اندھا کی طرف جھانک کر) ہر بھی اندھے ہیں تو۔

اظہم : کیا مطلب ؟

پریشانی : میں اس لیے تو ہیں۔ اور نہیں کچھ کر سکتے ہیں۔

اظہم : یہ توں ماسوئہ کا وقت ہے۔ اب تو بارہ بج گئے ہیں۔

پریشانی : اہا ہا ہا ہا ! میں نے تو ہمیشہ پوچھا بارہ بجتے ہیں۔

اظہم : لیکن صاحب نے تو مجھے ٹھیک بارہ بجے دیا تھا۔

پریشانی : ٹھیک ہے۔ ان وقت تھا کہ بارہ بج رہے ہیں جب صاحب نے بارہ بجیں گے۔ دیکھا جانے تو

جاؤ۔ رات بھی پریشانی جاؤ۔

یہ کہہ کر چلے گئے جب سے جہے نکال کر نکل کر گئے ہیں جہاں تک

ہوتا ہے (

اظہم : کچھ سوچ کر تعین کی سبب میں، اندھا بن گیا ہے اور پھر

مکھنڈے برسے پریشانی کے اس اندھا بننے پر چل کر اٹھ کر اٹھ کر

سے اڑا رہا تھا ہے اور پریشانی ہے (

اظہم : کیا تمہارا نام کیا ہے ؟

پریشانی : دیکھ کر پریشانی کے آنکھوں میں ہلکے اور بڑوں پر سکرٹ

آجاتی ہے اور چنے پھاگنا گھٹیا کر سکتا اور اور بڑی مہاجت
کے لیے میں کہتا ہے)

چیرپراسی: محمد رمضان۔

عظلم: واہ بھئی واہ۔ نام محمد رمضان اور یوں دن اٹھے چنے پھاگنا کر کے جو۔
اس کے بعد ایک بار اور بڑی اچھوٹے پر چھا ہوا ہے اور اسے اچھالتے
ہوئے کہتا ہے)

بھئی محمد رمضان اگر تم چاہو تو بھی صاحب کے بارہ سما سکتے ہو۔

چیرپراسی: جی ہاں، اچھے برائی ہوئی کی کھڑ بڑھا کر ایک لیتا ہے
اور چوٹی کو دکھاتے ہوئے کہتا ہے)

چیرپراسی: اگر یہ بات ہے تو میں سر وقت صاحب کے بارہ بجا سکتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ گاندکی ایک چٹا علم کو دیتا ہے علم اسی پر اپنا
ہم لکھا ہے اور چیرپراسی بے بے پاؤں اندر جاتا ہے صاحب
فرٹنے لہے رہے ہیں۔ چیرپراسی پہلے اُستے سے کھنکارا ہے۔
لیکن صاحب نہر جاگتے۔ چیرپراسی سے کھنکارا ہے۔ صاحب
بڑبڑا کر جاتے ہیں اور ٹھیک لگا کر بے دیکھتے ہیں اور نہر چرا کہتے ہیں)

صاحب: ارہ تم ہر کھت۔ میں تو اس وقت لڑکی کیسٹوگرافری کو واقع کر رہا تھا۔ اچھا دیکھو! اس طرح کھنکار
کر کسی کو جگا نامتایت بد فیزیکی کی بات ہے۔ مجھ گئے۔

چیرپراسی: جی ہاں!

دلک: تو جادو پیر۔

چیرپراسی: حضور۔ اچھا صاحب آپ کے ٹٹے اٹھے ہیں۔

(وہ علم کا کارڈ پیش کرتا ہے۔ ایک بلند آواز سے بولتے ہیں)

محمد عظیم بی۔ اے (مالک)

مالک : بیس لدا لدا۔

(چپڑا رکھی جاتا ہے اور عظیم کو اندر بھیجتا ہے)

عظیم : سلام علیکم۔

مالک : وعلیکم السلام رحمت اللہ وبرکاتہ۔

اور پھر عینک لگا کر لے دیکھتا ہے۔ پھر آدھے شیئوں والی

عینک لگا کر دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ایک آنکھ کا چشمہ لگا کر

دیکھتا ہے اور کہتا ہے اور عظیم بڑی حیرت سے اسے دیکھتا دکھتا

رہ جاتا ہے)

مالک : بیٹھ جاؤ۔ اشارہ ذہنیت ندرت اور بصیرت فرمائی ہو۔

عظیم : جی۔ یہ آپ کی ذمہ نوازی ہے۔

مالک : (وقت لگا کر) ابھی یہ بھی خوب ہے۔ ذمہ نوازی؟ اماں یا رقم تو پہاڑ پہ پہاڑ۔

عظیم : (مسکراتے ہوئے) اچھا تو چلیے۔ یہ آپ کی پہاڑ نوازی ہوئی۔

مالک : یہ ہوئی نہ کوئی بات۔ اچھا یہ تباؤ۔ یہاں کیوں آئے ہو؟

عظیم : جی میں ٹیکر ٹھو پونڈر سٹی کا فرسٹ کلاس گر۔ بحیثیت ہوں۔ پچھلے تین سال سے شدید قسم کی میر ونگاری

کے دن گزار رہا ہوں۔

مالک : بہت خوب ! بہت اچھا کہہ رہے ہو

عظیم : (حیران ہو کر) جی !

مالک : جی دہی کچھ نہیں۔ بس کہے جاؤ۔ کہتے چلے جاؤ۔ تاکہ ہر سنتے جائیں اور سنتے چلے جائیں۔

عظیم : مجھے آپ کے دوست سفارش علی خاں صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ کے

دفتر کے سپرنٹنڈنٹ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کو جگہ خالی ہے۔ اگر آپ اس کی جگہ مجھے مامور۔

مالک : (بات کاٹ کر) ہاں بھول کر ہی میں جگہ کا نام نہ لے، جب سے ہماری فرم قائم ہوئی ہے۔ ہم نے کوئی وعدہ پیر ٹنڈٹ ملازم رکھے۔ لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے۔ جیسے ہی کوئی پیر ٹنڈٹ ملازم مرتا ہے تین چار فوٹوں کے اندر اندر انتقال کر جاتا ہے مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ آسانی پر پیر ٹنڈٹ کی نہیں بلکہ موت کی آگاہی ہے۔

اعظم : جی میں موت سے نہیں ڈرتا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کیونکہ انجمن میں جو زندگی گزار رہے ہیں وہ موت سے بھی بتر ہے۔

مالک : اہاں بھی کیوں اپنا انتقال کرانے کے پیچھے ہٹ گئے ہو۔

اعظم : قبل میں نے عرض کیا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔

مالک : بھئی کیا ڈینگ اہے جو موت سے نہیں ڈرتے ؟ اہاں نوجوان ہم نے تو بڑے بڑے رستوں کو موت کے سامنے کا پتہ ہونے رکھا ہے۔ اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب کوئی دوسلر مرتا ہے تو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔

اعظم : جناب عالی آپ میرا امتحان لے سکتے ہیں۔ میں انجمن تنگ آمد جنگ آمد کا مصداق ہو گیا ہوں۔

مالک : نوجوان ابتدا یہیں میں معدوم کو تم ہی وقت کہاں بیٹھے ہو؟ میاں یہ نوجی بھرتی کا دفتر نہیں کہ تم موت اور جنگ کی باتیں کہو۔ بیباک بکروں اور مینڈھوں کی کھالیں اور انہیں دہا دہا کرنا کا دفتر ہے۔

اب تم بناؤ بکروں اور مینڈھوں کی کھالوں اور انہوں کے پاسے میں تمہاری کیا مسلمات ہیں !

اعظم : جی کچھ نہیں۔

مالک : تو پھر کیسے گرجو ٹھہریا تم۔ کالج میں کیا پڑھا تم نے ؟

اعظم : جناب عالی ! میں نے فرسٹ کلاس میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ میں نے ایم فیکس پیر۔ جارج براؤن شا

اور آفاکس کے سالے ڈالنے کیلئے کیٹس، غالب اور اقبال کی ساری غزلیں اور نظمیں پڑھ کر جانسن سے

لے کر ابراہیم علیوں تک سارے مشہور ادیبوں کی تصنیفات، اس کے علاوہ عریات، محاشیات

مالک : ہدایات کاٹ کر / تصنیفات - عمرانیات - معاشیات - سیاسیات - لیکن بکرے کی آنت نہیں - کیوں؟
 اچھا! یہ تباؤ شارٹ ریڈ اور ٹاپ جانتے ہو؟

اعظم : نہیں۔

مالک : اکاؤنٹنسی؟

اعظم : جی نہیں!

مالک : اچھا! تو یہ بتاؤ کہ ولیم شیکسپیر نے بکرے کی کھال، اور آقبال نے فیڈ سے کی آنت کے باسے میں
 کئی ڈرامہ کئی غزل کئی نظم اور کئی مضمون وغیرہ کھا ہے؟

اعظم : جناب عالی امیر ایضاً خیال ہے کہ ولیم شیکسپیر اور علامہ آقبال اس معاملے میں ٹیپے بددق تھے۔
 مالک : واقعی ٹیپے بددق تھے۔

اعظم : وہ تو صرف انسانوں کے باسے میں کھتے تھے۔

مالک : (بھائے کے انداز میں) بھیا اپنا تو یہ تجربہ ہے کہ موجودہ ٹیپے میں بکر انسان سے کہیں زیادہ تمہتی ہے اور
 اپنے لیے تو انسان سے کہیں زیادہ بکر اعزیز ہے۔ میسے بجائی تم جانتے ہو۔ ہم نہ صرف بکر ا کھاتے ہیں
 بلکہ بکرے کا دبا بھی کھاتے ہیں۔

اعظم : آپ بالکل درست سناتے ہیں۔

مالک : درست فرماتا تو اپنی عادت سے ہے۔ اسی لیے میں تم سے یہ درست فرمائیں کہ کوئی روکری کا خیال
 چھوڑو۔ اتنا ارشد سے تندرست اور خوبصورت نوجوان ہو رہے ہیں۔ اپنے ایک عزیز دوست سیٹھ دولت خاں
 کے نام ایک تو کچھ دیا ہوں سیٹھ دولت خاں کو روکری آدمی ہیں۔ ان کی تین کنواری لڑکیاں ہیں ممکن ہے
 تمہارا کام بن جائے۔

اعظم : (حیران ہو کر) کنواری لڑکیاں۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!

مالک : (روتہ بکتے ہوئے) سب کچھ جاؤ گے، سب کچھ جاؤ گے، سب کچھ جاؤ گے۔

(روتہ بکتے ہوئے) سب کچھ جاؤ گے، سب کچھ جاؤ گے، سب کچھ جاؤ گے۔

مالک : بس اب سیدہ دین جاؤ۔ اللہ بہتری کرے گا۔

عظم : مگر —

مالک : اب یہ مگر اگر چھوڑ جاؤ بھی اب۔ سونے دو۔ بھی کمال کرتے ہو۔

(یہ کہہ کر وہ انھیں بند کر لیتا ہے اور کئی کئی لہنت پر دروازہ ہوتا ہے)

عظم : اکھٹے ہو کر بہتر ہوتا اگر آپ بھی اپنے ہی ماؤس

مالک : (یہی طرح انھیں بند کئے ہوئے) بھی اب ہم گری بنڈیں سوئے ہیں۔ یعنی کچھ نہیں سن رہے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جب کچھ نہیں سن رہے ہیں تو جواب بھی نہیں دے سکتے۔ اور اگر جواب بھی دیا تو وہ تمہارے

یہ بیجا ہے کیونکہ خواب میں کسی ہوائی باتیں ہمیشہ جھوٹ ہوتی ہیں۔

(عظم غصے سے ہرٹے مالک کو دیکھتا ہے اور سینہ بھر ٹھنڈی سانس

بیتلے اور اہستہ سے باہر جاتا ہے۔ اس وقت مالک

آنکھ کھول کر غصے سے کہتا ہے)

مالک : سفارش علی خاں اللہ سیدہ درن خاں کو میرے سلام بھی کر دینا۔

(عظم جیسے پٹ کر دیکھتا ہے۔ مالک اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے اور

زندہ کا خرافا لیتا ہے۔ عظم دونوں کندھے چمکا کر پھر باہر نکل جاتا ہے

ابہر چڑھی اس لئے روکتا ہے)

چڑھی : کیوں بھیا! صاحب نے تمہارا کام بنایا؟

عظم : کام تو نہیں بنایا۔ لہنتہ مجھے ضرور دیا ہے۔

چڑھی : تو میرا کاشکرا اور کواں ایک دوسری چوٹی اچھا لو۔

عظم : (رات میں کہ) چوٹی چاہئے چوٹی!

چڑھی : (گھٹیا کر) لال چوٹی!

عظم : (اٹھتے ہوئے سے اپنے کے انما میں) ابے بھاگ مرغی کے

چڑھی : (آستین چیر چیر سے) ابھی آؤ گے تو سبھ لال گا۔

چوتھا منظر

(انجمن) — ایک بیچ پر نوازشاں ٹیٹی ایک کتاب کے

معالف میں جو ہے اعظم پچھے سے داخل ہوا ہے اور اپنی فیٹ

ہریٹ اس کے سر پر رکھ دینا ہے اور کہتا ہے)

اعظم : جیلو میں یونیورس !

نورا نشاں : (مضربہ فصد سے اس کی فیٹ ہریٹ نکال کر سدھائی بیچ پر رکھتی ہے اور کہتی ہے) تم کبھی وقت کی پابندی نہیں کرتے۔ پورے ۴۵ منٹ لیٹ ہو رہی تو میں اب جانے ہی والی ہوں۔

اعظم : جب وقت میری پرواہ نہیں کرتا تو میں نے بھی تم کی پرواہ کرنی چھوڑ کر دی ہے

نورا نشاں : (اس کی کالی کی طنز دیکھتے ہوئے) تمہارے تھکا گھڑی کیا ہو گی اعظم ؟

اعظم : بی بی بی کار پوریشن کے کھاگ ٹاڈر کے لیے ایک گھڑی کی ضرورت تھی ہی لیے میں نے تو گھڑی بیچ دی۔

نورا نشاں : (ٹنڈی سانس بھر کر) تیر نہیں اعظم۔ کب نہیں کوئی کام ملے گا۔ کب تک اس طرح اپنی چیزیں بیچ بیچ کر گزارا کرتے رہو گے ؟

اعظم : ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ یہ باغ ہے۔ یہاں کچھ ایسی باتیں کرو جو بچوں کی طرح خوش رنگ ہوں۔ بکلیوں کا طرح حکمتی ہوں۔ شہنم کی بونوں کا طرح چٹکی ہوں اور اس بری بری گھاس کا طرح نرم اور ملائم ہوں۔

نورا نشاں : اعظم ! میں بہت حرص سے تم سے کچھ کنا جا رہی تھی کہ ————— کہ ————— کہ اگر تم

بڑا انداز تو جب بھی ضرورت پڑے مجھ سے پیسے لیا کرو۔ پھر جب تمہیں نوکری مل جائے گی تم ملے سے پیسے لوٹا دینا۔ ہم دونوں کوئی خیر صورت سے ہی ہیں۔ آج نہیں کہیں —————

(شرابا کہ چپ چوٹا ہے)

اعظم : دو میسٹرم ! میں ایسا کبھی نہ کر سکوں گا جس معاشرے میں تیرا ہوں۔ میں مرد عورت کی تعلق پر

مدیر یہ لکھتے ہیں۔ اس سائے میں ہمیشہ سے کوٹ کھاتا اور سلاخی بیٹہ کرکھاتی ہے
 نورافشاں: تم کسی وقت انومی اتن کہتے ہو۔ تعلیم یافتہ ہو کر بھی عورت کو مرد سے کترتے تھے۔
 اعظم: تین تریں تھتا۔ لیکن نانا ایسا ہی تھتا ہے۔ لیکن باغ میں اور شام کے وقت یہ تم حدت کے سماہی درجہ کا لایا
 موضوع چھپرے میں ہے۔ کوئی چاکلیٹ۔ پیپرٹ اور سو ٹنگ کم سی اتن کرنا
 نورافشاں: ایسی اتن ہی تھیے کرکھی تریں اعظم۔ تم نہیں جانتے میں اسکل کیسے زانی خرابے گذر رہی ہوں تم تباہی
 کو جانتے ہو۔ تم کے مننے اور فر سے نشن لینے کے بعد وہ کیسے غلط راستوں پر پڑ گئے ہوں۔ شراب اور ڈنگ لے
 میں انھوں نے جمع کیا ہرا سارا لاسپہ اڑا دیا ہے۔ اسکل سٹیڈ جاہم رشت اللہ کے حاش بیٹے مسعود سے ان کی
 بڑا گریہ میں رہی ہے وہ اس سے ہزاروں روپے قرض سے چکے ہیں۔

اعظم: نہیں ان کے حال پر مجھ دو۔ اب نہیں اور راست پر نہیں لایا جاسکتا۔
 نورافشاں: بس انھیں ان کے حال پر تو چھوڑ دوں اعظم لیکن۔۔۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسعود سے میرا
 مسود بھی ملے کر لیا ہے۔ اور وہ آدراہ اور بدعاش مسود ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اسکل تک
 جلاتا ہے۔ راستہ چلنا مشکل کرکھا ہے۔ کار لیے میرے پیچھے پیچھے گھورتا ہے مجھے اس سے سخت نفرت
 ہے اعظم سخت نفرت ہے۔

اعظم: اب اگر کبھی مسعود سے ملاقات ہو تو اس سے کتنا کہ اعظم نہ صرف ایک بہت اچھا باکسر لکھ فری ہٹاں
 بھی بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔

نورافشاں: تم سنجیدہ سے سنجیدہ بات کو میں دینی مذاق میں ٹال دیتے ہو۔ حالانکہ یہ میری زندگی کا سب سے
 بڑا مسئلہ ہے۔

اعظم: تو یہ تم چاہتی کیا ہو؟ میں اس سلسلہ میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟
 نورافشاں: تم بہت کچھ کہتے ہو مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ تم زندگی کے راستے پر آخر تک میرے ساتھ چلو گے
 مجھے کبھی کیا نہیں چھوڑو گے۔ تاکہ میں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی قطع فیصلہ کر سکوں۔

اعظم: ہمارے ملک کی زبانوں اور کیاں بھی عجیب بنواتی ہوتی ہیں۔ شادی کا ننگہ میں آئیں کریم کی طرح

چکستی رہتی ہیں۔

نورافشاں : تمہاری ہی باتیں مجھے پسند نہیں۔ تاؤ کیا کروں ؟

اعظم : انتظار میڈیم انتظار !

نورافشاں : آخر کب تک ؟ مگر اس انتظار کے دوران میرا دل میرا دل شراب کا لالچی باپ مجھے نیلام کرے تو اعظم : (نورافشاں کے دونوں کندھے پر لڑکھائیں کا سراپا ہی طرح کھینچتے ہوئے) بھروسہ تمہارے لہجے میں کتابے (دینا کی کوئی حالت تھیں یہ سلام نہیں کر سکتی نور ! امداد اگر تمہارا نیلام نہیں ہوگا تو سب سے اونچی بولی میں بولوں گا یہ ٹھیک ہے کہ میری جیب میں سگریٹ کا آدھا پکیٹ خریدنے کے بجائے بیسویں لیکن میں دندہ کرتا ہوں کہ تم جیسے ضرور خرید سکتا ہوں — ضرور خریدوں گا — ضرور اپناؤں گا۔

نورافشاں : مگر۔

اعظم : (اٹھتا ہے اور نورافشاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا آتا ہے) اب یہ اگر کوئی چھوٹا اور کسی بڑھیا دستہ میں چل کر نہ کھلتے ہیں۔ جیسا ہاں میں روشن پڑھا تھا ہوں۔ وہاں سے مجھے تنخواہ ملے گی اور آج میری تمہیں اپنا ٹک کھلانے کے بہت موقع ہیں۔ آج ماگجو ہوا گئی ہے۔ آج میں اس بعد ادا کا حلیف ہارتوں رشید ہوں۔ آؤ چلو۔

(اعظم اور نورافشاں ہاتھ میں ہاتھ دے چلے جاتے ہیں)

پیردہ



پانچواں منظر

اور انشان کے باب کا ڈرائنگ روم — نور انشان
 کا باب دیا لڑا کر لیا۔ سب سے پہلے صحنے پر بیٹھا ہے
 اور اخبار پڑھ رہا ہے۔ پردہ اٹھنے کے کچھ دیر بعد ایک سوئیڈ
 بوٹیلڈ زونان جس کے منہ میں پائپ لگا ہوا ہے اور جو ہر سے لڑنے
 سے بڑا پر تعلق زونان معلوم ہوا ہے اور داخل ہو کر کچھ سے

کھٹکتا ہے کرنل پر مختاب ہے (

کرنل ارباب خاں باد مسعود آؤ میسی آؤ۔ آجاؤ۔

مسعود (مجھے ہنسے) اشارہ اللہ کرنل صاحب آجکل تو دن بدن آپ کی صحبت نکھرتی چلی جا رہی ہے۔
 کرنل ارباب خاں: اونہوں کو تاؤ دیتے ہرے، میں مسعود! اب کیا رکھا ہے۔ تم جوانی میں دیکھتے اب تو عمر
 ساتھ برس کے ٹک بھاگ ہے لیکن اب بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر حکومت میری خدمات حاصل کرسے تو
 جو میں گھنٹوں کے اندر سری نگہ بندی کروں، راجہ کشمیر کے محل پر پانچ سو ہزار روپے پرچہم نہ لراؤں تو میرا نام
 لدا بہ خاں نہیں۔

مسعود: کوئی ٹرو۔ کوئی ٹرو کرنل صاحب۔

(اسی آتما میں نور انشان داخل ہوتی ہے اور مسعود کو دیکھ کر ٹھٹک

جاتی ہے)

کرنل ارباب خاں: آؤ بیٹر۔ آجاؤ۔ جیواں کوئی پتھر نہیں ٹیٹا ہے۔

(مسعود سے مخاطب ہو کر)

یہ میری جینی نواہ افشاں ہے۔ کہنے کو تو میں اس کا باپ ہوں لیکن جہاں تک میری نگہداشت کا تعلق ہے

پیرری باپ ہے۔ میں تو اپنی ساری پیش کشیں شراب میں اڑا دیتا ہوں۔ یہ بیماری ملازمت کرتی اور گھر کا سارا خرچ چلاتی ہے۔ میں چونکہ آزاد و ضیال آدمی ہوں اس لیے عورتوں کے ملازمت کرنے کو برا نہیں سمجھتا۔

(نور انشاں سے مخاطب ہو کر)

بیٹھ بیٹھی۔ بیٹھ جاؤ۔ تم انھیں مانتی تیرو: تم بھلا انھیں کیسے جان سکتی ہو۔ پہلے تمہارا کبھی تمہارا سنتی ہی نہیں کرنا کیا۔ یہ میں نے مسعود علی خاں میر سے نہایت عزیز دوست سمجھا تھا مجھے اعلیٰ عدالت گورنر اسے کے ادا کرتے جاہل کے حال ہی میں ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لے بیٹھی۔

مسعود: دیری گھنڈ ٹوٹا بیٹا بوا رام!

(مسعود کے لیے اٹھ بٹھا آتا ہے لیکن نور انشاں اپنے دونوں ہاتھ

اندھ مٹی ہے مسعود چھینپ کر اٹھ کھینچتی آتا ہے اور کہتا ہے)

مسعود: نیور اینڈ نیور اینڈ ابھی ہماری کنٹرولی کی گزرتی تھی شامی ہیں۔ تیری تو کچھ انگلیں گزرنے کی ہے کرنل صاحب۔ جب میں لندن میں تھا

کرنل ارباب: (بات کاٹ کر) اہاں بار لندن لندن کن بات چھوڑو، شام ٹرہی ہے۔ کو کچھ پیو گے؟
(نور انشاں سے مخاطب ہو کر)

جاؤ بیٹی! بتی تھانے کا انتظام کرو۔

مسعود: (حیران ہو کر روشنی کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے) بتی تو بیل رہی ہے کرنل صاحب!
کرنل: اہاں یہ بتی نہیں بلکہ وہ بتی جو روج میں جلتی ہے۔

(نور انشاں اٹھتی ہے اور ادا فرما لے سب مسود مسکرا کر کہتا ہے)

مسعود: ادا! خوب خوب!!

کرنل: میان مسود ایسٹریٹ میں خوب چیز ایماڈ ہوتی ہے اسے اُم انخاست کہا جاتا ہے۔ لیکن مجھے تو یہ اُم المظاہرین معلوم ہوتی ہے۔ ایک ٹھونڈ میں ماسے دکھ دو دو دوجا تے ہیں اور تیرے

بصورت پرانی بڑھی دیا جو ان نظر آنے لگتی ہے۔ اپنی تو خداوند تعالیٰ سے ایک گزارش ہے۔ ہم مرنے کے بعد جنت میں جانے سے تو ہے۔ دوزخ کے سوائے اپنا ٹھکانہ اور کوئی نہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ سے صرف اتنی اجازت لوں گا کہ میں جنم کا کوئی گوشہ تمناؤں دیدے اور اسکاچ دہکی کی ایک بوتل۔ بس اپنی آخرت سنور جھٹے گی۔

(اسی آتما میں نورافشاں نوکر کو ساتھ سے کر آتی ہے۔ نوکر کے ہاتھ میں ایک ٹٹے ہے۔ جس میں بیک اینڈ اسٹاک کی بوتل۔ دو گلاس ٹٹے سے پانی کی ایک برتن اور تین کاٹو دکھار کھا پڑا ہے۔ نوکر تر بنے پر ساری چیزیں میز پر چاڑھتا ہے۔ اس کے بعد نورافشاں نوکر کے ساتھ جانے لگتی ہے۔ تو مسعود پوچھتا ہے)

مسعود: آپ یہیں کسپنی نہیں دیں گی؟
نورافشاں: سوری!

(اندھ چل جاتی ہے)

مسعود: ویری سیڈ! کرنل صاحب جب میں لندن میں تھا
کرنل: (ایک بنا تے چمکے بات کاٹ کر) اہاں اب بھول جاؤ لندن کو۔ جب سے ہم آزاد ہوئے ہیں لندن
کراچی سے بہت دور ہو گیا ہے یہ کراچی ہے کراچی۔ جب میں فوج میں تھا
مسعود: (انتقابات کاٹ کر) آپ کی ڈاٹر کا ایجوکیشن کہاں تک ہے؟

کرنل: بی۔ اے۔ بی۔ ٹی پاس ہے۔ میں اسے اہل تہذیب کے لیے لندن بھیجا جاتا تھا — چنانچہ
جب میں فوج میں تھا —

مسعود: (بات کاٹ کر) ویری گڈ۔ ہراری کڈنی کی گلاب کافی ایجوکیشن توئی جاری میں چنانچہ جب میں لندن

میں تھا —

ب کرنل: (بات کاٹ کر) اہاں پیو گے نہیں۔ بناؤں پیگ:

مسعود : تو تھنس۔ میں ڈنک تو کرتا ہوں۔ لیکن آپ میرے گھر کے احول کو جانتے ہیں کہس قدر تھوڑا کس ہے
 اگلے میں اپنے بیٹے میں چھپ کر پتیاروں آکر کسی کو پتہ نہیں چلے۔ چنانچہ جب میں لندن میں تھا۔
 کرنل : (بات کاٹ کر) بہت اچھا کرتے ہیں آپ۔ خدا بخشنے جب والد مرحوم زندہ تھے۔ میرے ساتھ ہی ہی
 مصیبت تھی۔ تم تو بیٹروں میں چھپ کر پتہ چھو اور یاد تو میری میں چھپ کر پی لیا کرتے تھے۔ بہتر پی پتے
 ضرور تھے۔ اور جب میں نوج میں تھا (ٹھنڈی سانس بھر کر) اچھا میاں۔ اب سوج کے وقت فوج کا کیا ذکر؟
 (ہلکا ہوا ہے اور ٹھنڈی ہوا پور کرنے کے انداز میں کہتا ہے)

کرنل : اچھا خدا حافظ!

(مسعود "خدا حافظ" سن کر کچھ پریشان ہوتا ہے۔ گھڑی دیکھتا
 ہے اور کرنل کی طرف۔ لیکن کرنل ایک سانس میں پورا گلاس فٹ
 فٹ چڑھا کر خالی گلاس میز پر رکھتا ہے اور اپنی جھلی ہوئی مرغیوں
 کو مان کرتے ہوئے مسعود سے کہتا ہے)

کرنل : مسود میاں۔ میں جب پتیاروں تو ہمیشہ خدا حافظ کہہ کر پی پتیاروں کیونکہ مجھ جی اپنے والا جب پانچ چھ
 بیگ پی تا ہے تو میرے سچ خدا کی حفاظت میں پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ جب میں نوج میں تھا۔
 مسعود : (بات کاٹ کر) بہت خوب! بڑی نادہلی ہے جس طرح پیسے ہیں! جب میں لندن میں تھا۔
 کرنل : (بات کاٹ کر) آج کل آپ کی بیوی آمدنی کیا ہے مسعود صاحب؟
 مسعود : اسی طرحی بارہ سو روپے! ہزار پانچ سو بیس ہی ہے لیکن آپ تو جانتے ہیں طبعی ٹینسیر کا پتیاروں قادر
 تو اب بولٹھے ہو چکے ہیں ان کے بعد میں ساری جائیداد کا اکیلا وارث ہوں۔

کرنل : ہونہہ! اچھا تو پھر آپ کے قادر کب تک ان نیلے سے تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟
 مسعود : (ہونک کر) کیا فرمایا اپنے کرنل صاحب!

کرنل : (بات سمجھ کر) صاف کہئے۔ ذرا ہلکا ہلکا سنا اسٹا کرنی کیشن خود ہلکے۔ ممکن ہے ہی کے تحت
 یہ واریات بات منہ سے نکل گئی۔

مسعود: (مسکراتے ہوئے) ادکوئی بات نہیں۔ میں بکریچ پوچھیے تو طبی مُدت سے ایسی داہیات بات کا
انتظار کر رہا ہوں۔ میں جب لندن میں تھا

کرنل: (بات کاٹ کر) بڑے سعادت مند ہو۔ ماشاء اللہ۔ آخر ہلاک تک اس طرح بیڈروم میں چھپ چھپ
کر بیٹے رہو گے؟

مسعود: (بسن کر) کرنل صاحب! میں آج جس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اب میں سمجھتا
ہوں کہ مجھے وہ بیان کر دینا چاہیے۔

کرنل: ضرور! ضرور بیان کیجئے۔

مسعود: میں یہ عرض سے کہ حاضر خدمت رہا تھا کہ آپ مجھے اپنی فز زندگی میں لینے کے معاملے میں آخری سے کام
نہیں۔ آپ یقین رکھیے جب تک میرے والد صاحب میرے سر پر شادی کا سہرا نہیں دکھیں گے
وہ بیٹیا پرگز نہیں چھڑیں گے۔

کرنل: اُن سے ہمیشہ کے لیے اجازت لینے کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے؟
مسعود: اُوں ہوں! نبی الحال تو کوئی نہیں۔

کرنل: لیکن مسعود! ابھی ذرا میرا ہاتھ تنگ ہے۔ فوج سے مجھے گیارہ ہزار روپے ملنے لائے ہیں امتیاز
کو اُتدہ یعنی تک مل جائیں۔ دُخر میں اپنی بیٹی کی شادی بڑی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں۔

مسعود: دوپوں کی بات چھوڑیے۔ مجھ سے اور قرض لے لیجئے۔ ویسے میں اب آپ کا اور میرا روپیہ الگ
الگ تو نہیں ہے۔ آج تو تاریخ مقرر کر سی دیجئے گا کرنل صاحب۔ کیونکہ اگلے اوکے پانچ تاریخ کو میں
زنس ٹورپر لندن جا رہا ہوں۔ ارادہ ہے کہ سنی مومن وہیں بناؤں۔

کرنل: (کچھ سمجھتے ہوئے) دد مری صحبت یہ ہے سطر مسعود کو تو بیٹیا اپنے کامیج کے زمانے کے ایک شخص
ساتھی کی محبت میں گرفتار ہے۔

مسعود: یہ بھی میں جانتا ہوں۔ شاید اُس کا نام اعظم ہے۔ لیکن کرنل صاحب۔ میرے پاس دسپہر ہے یہ
بھوپ چھوڑیے۔ میں ایک چھوڑوں اعظم خرید سکتا ہوں۔

کرنل (دوسری بیک کچھ سوتے ہوئے) اچھا تو پھر اللہ کا نام لے کر تازیخ مقرر کئے دیتے ہی۔ اگلے آگے اگے دوسری تازیخ کہیں ہے؟

مسعود: میں تو آج بھی تیار تھا، خیر اگلے آگے کی دوسری تازیخ ہی سمجھی۔ اچھا کرنل صاحب! میں سمجھا ہوں کہ اب مجھے چلنا چاہیے۔ اب بارگاہ

کرنل بیک! تمہیں یہ گری سوچ ہی سہتا ہے۔

مسعود: پاکستان اگر مجھ سے وقت کی پابندی کی عادت چھوٹی جا رہی ہے۔ جب میں لندن میں تھا کرنل: (چوہک کر غصے سے بات کاٹتے ہوئے) اماں کیا لندن۔ لندن نگار کھلا ہے تم آؤ مجھ کو بالذکر بلے بھائی ہم بھی لندن گئے تھے تم سمجھتے ہو۔ ہم صرف ٹسٹ ڈرام ہی کھیلے تھے جب میں فرج میں تھا مسعود: (بگڑنے لگے) اس ایسا ایک دفعے سے جس ان ہے خود ہی غصے سے گرائیں کہ ات کا کتاب ہے (دہسنے دیجے کرنل صاحب! میں آج کی فرج والی رات ہرگز نہیں سنوں گا۔

کرنل کیوں دیا

مسعود: آپ میری لندن والی بات سنتے ہی نہیں۔

کرنل: (دہکا سا عقدر نگار) اچھا یہ بات ہے! اگر تم کیوں ہوتے ہو۔ فرض کرو کہ نہ میں کبھی فرج میں تھا اور نہ تم کبھی لندن میں تھے چلو ہوئی نا بات ختم۔ اچھا بھیا اب تم بھی جاؤ۔ میں بھی آرام کروں۔ اب میں بڑے منہ میں ہوں۔ فشر میں بالکل ٹائیٹ۔ فشر اور سینڈ سے اکھیں کڑوائی جا رہی ہیں۔ جب میں فرج میں تھا (یہ کہہ کر مسعود کی طرف دیکھتا ہے۔ لیکن مسعود بات نہیں کاٹتا

ہیں لیے کرنل پوری بات کہہ دیتا ہے)

تو ٹھیک دس بجے بستر پر دراز ہر جا آتا۔

مسعود: اور جب میں لندن میں تھا۔

یہ کہہ کر کرنل کا طرف دیکھ کر دک جاتا ہے لیکن بات کاٹنے

کے بجائے کرنل کتاب ہے)

گرنل : رگوئیس کے جاؤ کے جاؤ
مسعود : جب میں لندن میں تھا تو ٹھیک گیارہ بجے بستر پر دراز ہو جاتا تھا۔

دروں بستے ہیں مسعود کھڑا ہوتا ہے

مسعود : اچھا گرنل صاحب اب مجھے اجازت دیجئے۔ گڈ نائٹ !

گرنل : گڈ نائٹ !

مسعود : (دندانے کے قریب جا کر) کل تمام ایونینگ ٹی میں آپ ہی کے ساتھ بیٹھ گیا۔
گرنل : ال رائیٹ۔ گڈ نائٹ۔

(مسعود چلا جاتا ہے۔ اس کے جاتے ہی نورائشاں اندر آ کر

میں داخل ہوتی ہے)

نورائشاں : ابا جی ! یہ تاریخ کیا مقرر ہو رہی تھی؟

گرنل : تمہاری شادی کی تاریخ بیٹی !

نورائشاں : کس سے؟ اس چٹری کے غلام سے۔ امین بیکر کے بادشاہ سے۔ اس جمنی لگورے، جو ابھی

ابھی یہاں سے غای ہوئے ہے !

گرنل : تم تو اس سے بڑی ناراض معلوم ہوتی ہو۔

نورائشاں : میرا بس جیسے تو میں دنیا کی کسی لڑکی سے اس کی سادی نہ پہننے دوں۔

گرنل : تم اس کو جانتی ہو؟

نورائشاں : بہت اچھی طرح۔ اس نے کسی بار ہسکول آ کر مجھ سے پہنے کی کوشش کی۔ لڑکوں پر میرا بوجھ کرتا

ہے خندہ کہیں گا۔

گرنل : (مجھانے کے انداز میں) بیٹی تم بڑھی اور سمجھ دار ہو۔ یہ بھی جانتی ہو کہ میں دنیا کی سب سے بڑھی

تو بھرتی اور نیت اور سب سے بڑھی طاقت رکھتی ہے اور وہ اس کے پاس ہے۔

نورائشاں : مجھے ایسی خوبصورتی اور طاقت سے نفرت ہے۔

کر نعل :- (کھڑے ہو کر قدمے غصے سے) نور! میں جانتا ہوں کہ تھیں اس منسل نوڈے نے بہکا دکھا ہے وہ محبت کے سولے تھیں کیا دے سکتا ہے۔ محبت ڈبل روٹی نہیں جو تمہارا پیٹ بھر سکے۔ محبت حاجت کی ماٹھی نہیں جو تمہارا جسم ڈھانک سکے۔ محبت کوئی کوٹھی نہیں جس میں تم رہ سکو۔ لگا لو اس غمخس نوڈے کو دل سے۔
نور افشاں: زکرت لیجے میں (آبا جی) ایسے لڑائی معاملہ ہے آپ اس معاملہ میں مجھے کوئی لے نہیں دے سکتے۔

اکڑل جرمک کجیرت سے اپنی مٹی کو گھور گھور کر دیکھتا ہے اُست
 اُست قدم اٹھاتے مجھے اُس کے قریب آتا ہے اور بڑے مائم
 لیجے میں کہتا ہے)

کر نعل :- یہ نہ سمجھو ڈوسٹی۔ اب میں باب بن کر تم سے ات کر رہا ہوں اور اس کانکے تمام اپوں کی طرح میں بھی جانتا ہوں کہ تو ایک شاندار کوٹھی لی لیکن تیرے دوسرے کس کا میں گھوڑا تمہارے ناک شعلت میں، دونوں اور یہ دونوں نے بجائے صرف چیک بک ہی چیک بک ہوں۔ وہ انڈنگا گڈنے کا سوال — تم پر مٹی لکھی سمجھا رہا ہوں جس طرح کوئی نہایت بد صورت لڑکی تمہاری عمدہ سیسلی بن سکتی ہے۔ اسی طرح مسوور بھی ایک اچھا شوہر ہو سکتا ہے۔

نور افشاں: آبا جی! مجھے زکوٹھی چاہیے نہ دوسریں نہ چیک بک۔ نہ روپیہ!
کر نعل: (غصے سے) لیکن مجھے تو چاہئے۔

نور افشاں: (ایک دم چونک کر میرانی سے) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آبا جی!

کر نعل :- (ایک دم سنبھل کر نہایت دواگ لہجے میں) میں آج میں تمہیں دو راز بتا رہی ہوں گا جو میں نے ہمیشہ تم سے چھپائے رکھا۔ جیسے وہ راز کیا — ایک ماہ میں ات بے جس کو تم آئے دن اپنی آنکھوں سے اور گرد گھون میں آنکھوں میں دیکھتی ہو۔ ناولوں اور افسانوں میں پڑھتی ہو۔ وہی بار بار وہ پرانی حائلے کی بات پھر دہرائی جا رہی ہے۔ میں سیدھا عامی محبت کے ساتھ ساتھ کھانے کا ڈیرہ لگا کر اپنے کام مقروض ہوں۔ نہ مکان میں تم جتنی چیز بھی اس کے پاس رہیں ہے وہ دیدے تو مجھے کسی وقت بھی جل بھرا سکتا ہے۔ کسی وقت میں خود کو کشتی میں بھجور کر سکتا ہے۔ — — — یہ — — — مزاجی کی

طرف سے ات ہوائی کر مسجد خد تعالیٰ آکر دیدہ ہو گیا۔

نور افشاں: اور آپ اب مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے کے پرایسری نوٹ کی طرح ہستمال کرنا چاہتے ہیں۔
گرنل: میں بہت مجبور ہوں بیٹی! ایسے اگر تم مجھے چین بھو آکر میری خیر طبعی موت کا نظارہ کر سکتی ہو تو تمہیں ہر بات کا
پورا پورا حق ہے بیٹی۔

نور افشاں: لیکن آج ہی! میں بالکل پسند نہیں کرتی۔ اسل نہیں آج ہی!

گرنل: شریفوں کی بیٹیاں کبھی پنا شہر پر خود نہیں پسند کرتی بلکہ ان کے ماں اپا ان کے شوہر پریند کرتے ہیں۔ بتاؤ
کیا تمہاری ماں نے مجھے پسند کیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ وہ مجھ سے پہلے پہل نفرت کرتی تھی۔ لیکن میری شادی
اس سے ہوئی تھی۔ ہرگز نہیں۔ ویسا اب شریف گھرانوں میں ہوتا ہے۔ ہم بھی شریف لوگ ہیں بیٹی۔

نور افشاں: (صدا یہاں سے) ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!

گرنل: (غصے سے) تمہیں اسی وقت جواب دینا پڑے گا نود! کیا تم باپ کی خیر طبعی موت یا اس کی قید پر ایک شخص
نوجوان کی محبت کو ترجیح دو گی۔ کیا تم اتنی خود غرض ہو بیٹی! کہ اپنے عیش کی خاطر اپنے باپ کی ایک خدمت
کو ٹھکر ادگی جس نے کچھ بچپن سال سے تمہیں بالکل بے غرض طریقہ پر پالا۔ پورا تعلیم دی۔ تمہیں آنا کچھ
بنا دیا اور کبھی اس کا معاوضہ تک طلب نہیں کیا۔

نور افشاں: (غصے سے) سدا وعدہ! (دونوں آتھ اپنے کالوں پر رکھ کر چھٹی ہوائی اندر صاف گئی ہے) بس آج ہی بس!

میں اب کچھ نہیں سنواؤں گی کچھ نہیں سننا جایا تھی۔ کچھ نہیں سننا جایا تھی۔

اگر نل غصے سے شراب کا آدھا پیگ اٹھا آئے اور غٹ وٹ

چرٹھا کر گلاس اس نندے سے سر پر رکھتا ہے کہ گلاس ٹوٹ جائے (

پرودہ

۵

چھانہ نظر

داشرف ایک پتھر ہے جس پر منظر عظیم
 اخبار پڑھ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ نام گرائڈین
 نورمان جس نے نیکی ڈرائیو بھی ٹولیا جاتی ہے۔ چوڑے جوں
 والی رنگ برنگی چست خیابان اور نیلے رنگ کی پتلیوں میں ہنسی
 ہاؤس میں لاناگ بوٹ، گھٹے میں ایک نگیں رداں صورت شکل
 سے وہ غنڈہ اور پاکٹ اور علوم ہر تہا ہے۔ اعظم کو بہترین بوٹ
 میں میسر رکھ لہذا وہ اٹل کا طرف دیکھ کر اکھڑا رہا ہے۔ اور
 آہستہ آہستہ اس کے قریب جا کر کئی پرناہہ بیٹھ جاتا ہے
 اور کونٹے بچنے پر پھیلتا ہے)

غنڈہ: جبرائیل پر ہونگا ابوتھار اپاس؟

اعظم اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر جیسے اس میں نکال کر
 اس کے ہونے کو بتا ہے اور اخبار پڑھنے میں مصروف ہوتا ہے)
 غنڈہ: اس طرح گھٹیا کر سکتے ہوئے (اس میں کے واسطے ایک ٹریٹ بھی من جائیگا ابور؟
 اعظم اخبار سے چہرہ ہٹا کر غنڈہ سے منڈے کو دیکھتا ہے اور
 جیسے بانگ شرگٹ کی ڈریا نکال دیتے شرگٹ پیش
 کرتے ہوئے کہتا ہے)

غنڈہ: عظیم: جناب بٹھے بے تکلف انسان معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن شوق فرمائیے۔
 غنڈہ: (شرگٹ لے کر کھاتے ہوئے) تم بڑا گڈ آدمی معلوم ہوتا ہے بالور۔

(عظم کوئی حراب نہیں دیتا۔ غنڈہ ماگھس نند سے جلاتے ہے

جس سے ایک شعلہ بھڑک کر ٹھہرتا ہے)

غنڈہ: بالریس لاتھارا ایس کیسا ہے۔ سالاجنٹا کم جلاتا، جیسا تھی ہے۔ ذرا تم تکلیف کرنا۔

(عظم اس کے ہاتھ سے اجس لے کر جلاتے ہے۔ لیکن جب اس

کا ٹکڑا جلا جاتا ہے تو غنڈہ عظم کے کوٹھ کا جیب میں

ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ لیکن عظم نور اس کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے غنڈہ

پریشاں مہو ہوتا ہے۔ عظم کہتا ہے)

عظم: میرے دست کا دوست! تم اس میں سے جو کچھ نکالنا چاہتے ہو وہ اس میں نہیں ہے۔ جو اس میں ہے

اسے نکال کر تمہیں بائوس پر لگی۔ اس جیب میں صرف باب جلا وال بائنگ تو کی تین ٹکڑیاں۔ تھوڑے

سے چنے اور میرا محبوبا کا ایک محبت نام ہے۔

(غنڈہ ہاتھ پھیر کر جاتا ہے۔ لیکن عظم غصیل سے اس کو کھاتی

پکڑ لھکتا ہے)

عظم: اگھرا، نہیں! میرے دوست! میں تمہیں پوس کے واسے نہیں کر دیا گا۔ طیب سنال سے مہو مجھے تمہاری

ایک جرابی لاشکر یہی ادا کرنا ہے۔

غنڈہ: ہم کو ایک دم گت سمجھا بالو۔ ہم کو صاف کر دیو۔ ہم سالابڑ اسوری قیل کرنا چاہے۔ ہم رڈن انگتا

ہے۔ مری انگتا ہے۔

عظم: تم مری انگتا اور ہم تمہارا تھیکس ادا کرتا ہے کہ تم نے جیب کاٹنے کے لیے قہمی باریز رڈی استعمال

نہیں کیا۔ ورنہ کالج کی یہ آخری اور بہترین یادگار — یعنی سوٹ سنبان میں جو ہوتا ہے۔ اب یہی

ایک سوٹ باقی رہ گیا ہے جس سے عزت بھی برٹی ہے۔ تمہیں روکنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم تمہارے

ہاتھ پر جیت کر کے تمہاری شاگردی اختیار کرنا چاہتا ہے۔

غنڈہ: ہم سمجھا نہیں۔ سالاتم کیا لوٹنا پڑا ہے؟

عظم : میں تم سے یہ دستکاری کھنا چاہتا ہوں۔ یعنی یہ سیکھنا چاہتا ہوں کہ حیب کس طرح کاٹی جاتی ہے۔

خندہ : جیسی بھی — تم باور رکھو۔ تم سالانہ کیسے میں یہ کام کر سکتے ہو۔

عظم : ہم ہر روز نہیں کرنا سکتا مسٹر — مسٹر! تمہارا نام!

خندہ : اما تمہارے بالوں کی ایک لٹ کر اگر جدول عرب ذلیپ کما۔ جب ہم کسی میں خانہ تو کھا جیسی سب لایم کو برسر آتے ہیں پائی روتا تھا۔

عظم : ویل سزوالی نہیں آتے جی پائی۔ تم آج ہم کو انشا کرونا ہم بہت تنگ آگیا۔

جدول : تم سالانہ پر چوٹ آتا ہے۔ ہم سہہ لگا۔

عظم : چوٹ میں آتا جدول۔ تم نہیں جانتا۔ ہم سالانہ سے بھی جیاستی کرنا چاہے۔ اور ہر سال سے نوکری کی تلاش

کرتا پڑتا ہے۔ لیکن سالانہ نوکری سالانہ کو ملتا ہے۔ تم تو حیب کاٹ کر کچھ نہ کچھ کما ہی لیتا ہے۔ لیکن

سالانہ ہم یہ بھی نہیں کر سکتا۔ اب تم ہی بناؤ۔ ہم ایک نہیں مارینگے تو کیا کریں گے۔

جدول : پین کھو۔ پاگٹ مارنا تو بڑا اندم ہے۔ کراٹھ ہے۔

عظم : تمہارا چارہ پاگٹ مارنا ضرور مجرم ہے جدول۔ کیونکہ تمیں اور میں پاگٹ ملنے کے صحیح طریقہ نہیں، آتا ہے

کی صفائی۔ ریڈ ٹیڈ۔ ادنیٰ تھی سے حیب کاٹتا ہے۔ لیکن یہ جو بڑی تو نردالا آتا ہے۔ نا۔ یہ حیب کاٹتے

کے لیے تھی باید انگلی نہیں استعمال کرتا۔ بلکہ چیزوں کی قیمتیں بڑھا کر بازار کی چیزیں چور بازار میں لے جا کر

سکات کے لیے ہاتھ سے اور تھکے سروں پر گیل یاں اندھ کر حکومت اور تانوں لاکھوں میں صرف

جسٹک کر ایسی صفائی سے حیب کاٹتا ہے کہ حیب بھی موجود حیب لاجی مسجد لیکن حیب کا مال صاف۔

جدول : اندھ کا ہتھ لگا کر عظم کا پیڑ پر محنت سے بکنا سے ہاتھ مارنا ہے اور کتبے بیار تم بڑے مجھے کی باتیں کرتا ہے ہم

کو سالانہ پر ہم آتے ہیں۔ پین کی ٹکر میں کہہ۔ آج سے تم تمہارا ہر دست ہے۔ تمہارا برا ہے تم ہم کو کبھی میں متاوت

ہم تم کو بھی نہیں بنا دیتا۔ تم سالانہ مال۔ اور تو اپنا بڑا عازہ سرب ہو گیا۔ بڑی گڑبانگ لائف ہے تو

کو کھانے کو دلی تو کیا پڑن تک جس وقتا۔ پیر میں ہم فریڈ کا اننگ تھا اور حیب کریں گے۔

یہ کہ کہ جدول جیسے ایک پیڑے کا نوٹ نکال کر عظم کا حیب میں

ذرا دلچسپ ہے اور عظیم اس کا ہفت روزہ کتاب ہے (عبدالغنی سے کتاب ہے)

عبدل : خدا قسم تم ہمارا اتھرنیوں کو کرنی۔ ہم تم کو فریڈیو بلا۔ برا اور برا۔ تم برا اور برا نہیں ہیں گا۔ تو ہم تمہارا لائف کا دشمن بن جائیں گا۔ تم نے کبھی عقل کا محبت میں دیکھا۔ ہم سبھی بہت اچھا آدمی ہے بار۔

عظم : تمہارا بہت بہت شکریہ مشرور ہے۔ یہ سبھی تم بہت اچھا آدمی ہے (کی آڈی اور کے پیٹ سے اچھا اور انہیں میڈا کرتا۔ سب انسان معلوم پیدا ہوتے ہیں لیکن بڑے ہونے کے بعد اچھا یا برا، اور انہیں کبھی دیکھ دیتے اسے اچھا یا برا دیتا ہے۔ اب جو تم نے برا کہا کہ تمہیں جو مجبوری کی وجہ سے کہتے ہو جس طرح پلٹنے والے میں گئی تیسری ایجنسی سے ملتا تھا اسی طرح میں زلزلے میں سوچے بے ایلا سے مائل ہوتا ہے۔)

عبدل : اب سالانہ پھر بازی کا چھوڑنا ہمارا سبب بنو گا۔ ہم تمہارے کو ایک کام دلا سکتا ہے کہ سالانہ تم نہیں کریں گا۔
عظم : ہم بڑے بڑے کہے گا۔

عبدل : (دندان ہفت روزہ) محبت کا لمحہ ہے۔

عظم : ہم محبت سے نہیں ہوتا۔ محبت دنیا کی سب سے بڑی محبت ہے۔ ہم سبھی محبت کی مدد لیتا تھا۔

عبدل : (بصورتی تم کو کرنا کہتا ہے۔ آج ہی ہم تم کو وہ کام دلائیں گا۔ تم رات میں وہ کام کرو۔ دن کو بڑی لوگی ڈھنڈو۔ تم سالانہ اپنے اس ہے تم کو ضرور کوئی بڑا نوکری میں گا تم حال پولیس میں لٹے پر آئی کیلے)۔
بن جائیں گا اور ہٹو چلتے ہیں۔ (عبدالغنی کو بھی سے اٹھا لیتا ہے)

عبدل : اسی ذرا ہم بندر مدد کا ایک چکر رکائیں گا۔ اگر کج کوئی بڑا پاکٹ میں گا تو ہم تم کو فضیلتی دیدیں گا۔ تم دعا کو کئی مرتبہ پڑھئے۔

عظم : یہ بہت بڑی بات ہے عبدل ! میں تمیں یہ کام کرنے نہیں دوں گا۔

عبدل : اٹھے جاؤ رٹے جب تک پولیس میں اٹھے پر بن جائیں گا تو تمہارا سامنے ایک ٹی ماریں گا۔ تم لیکھا تھا ہے۔ ہم پرنس ان جو پاٹا ہے۔ پرنس ان جو چھائی۔ اور چلو۔

عبدل : لہجے کے انداز میں چلتا ہے اور کہتا ہے

”ہم لاکھ چلیں رہی گویا تمہیں تمہیں کے“

ساتواں منظر

(عند کا کرہ۔ فریجیہ کی جو پہلے منظر میں تھا۔ کمرے میں مجید بیٹھا ایک تصویر کے فریم کو کھول رہا ہے۔ چند منٹ کے اندر قدموں والی چرتا ہے اور آرام کر سی پڑ کر پوچھتا ہے)

اعظم : سناؤ جیسے حکیم وقتی تو اس کی جھجک مار رہے ہو؟

مجید : اپنی بی بی سے کی سند میں بس زنگیاں سبوتھ کی تصویریں کھڑی تھیں۔ کم از کم کیسے کی رونق تو بڑھ جائے گی۔

اعظم : بہت اچھا کر رہے ہو۔ میری بی بی سے کی ڈگری پر نورجوان کی تصویر لگا دو۔ کم از کم آنکھوں کو تراوٹ تو عموں سے۔

اعظم : ہاں، ہاں، ہاں، ڈگری رومی میں ہی توفیق نہیں ہو سکتی۔ اچھا بتاؤ تمہارے انٹرویو کا کیا بنا

مجید : وہی جو تمہارے انٹرویو کا بنا اور اس سے انٹرویو کا بنتا چلا آتا ہے۔

اعظم : اے ہاں اعظم، میں تمہیں سوچ کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ بتانا باک نہیں بھول گیا۔ آج صبح تم نے اجلاس

میں دوسرے سفیری ایک اشتہار پڑھا تھا نا

اعظم : نوکری کا؟

مجید : نہیں یا رکھو نوکری کا! کوئی سٹیٹہ دولت خاں ہے اس کی تین لڑکیاں ہیں۔ ایک کی عمر سولہ سال دوسری

کی پچیس سال۔ تیسری کی تیس سال۔ اشتہار میں اعلان تھا کہ جو لڑکوں اس کی سولہ سالہ لڑکی سے شادی کرے گا

اسے سولہ ہزار روپے کا جینز ہو چکیں سالہ لڑکی سے شادی کرے گا اسے پچیس ہزار روپے کا اور جو تیس سالہ

لڑکی سے شادی کرے گا اسے تیس ہزار روپے کا ہو جائے گا۔ شرط ہے کہ لڑکا اگر بیٹھ ضرور ہو۔

اعظم : تو پھر تم یہاں بیٹھ کر کیا جھجک مار رہے ہو۔ فوراً جلتے کیوں نہیں؟

مجید : یاد رہی ہے تو اگر بیٹھا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے کسے ختم کیے میری سہیلی ہانچھری چھوٹی ہے

اعظم : کیا تمہیں ریجٹ کر دیا گیا ؟
 مجید : نہیں، سیٹھ نے تو مجھے بہت پسند کیا، لیکن بعد میں منہ ہانپنے پر تیار ہو گیا۔
 اعظم : تم جیسی بہو! ضرور کوئی اور ٹیٹا لگ بات کی ہو گی!
 مجید : نہیں یار۔ یہ بات نہیں جب سیٹھ صاحب نے مجھے پسند کر لیا اور پوچھا کہ گواہ کیا کہتے ہو؟ تو میں نے
 سیٹھ سے پوچھا۔

سیٹھ صاحب : اتیس سال سے زائد عمر کی کوئی بیٹی نہیں آپ کی ؟
 اس پر سیٹھ کو غصہ تو بہت آیا۔ ابھم مزہ ہو گیا، لیکن غصہ کو پیٹتے ہوئے اس نے کہا
 ۔ اچھا تو ہم آپ کو اپنی بڑی رٹلی کے ایسے فرزندوں میں لیتے ہیں۔

اس پر میں سے ایک اور تجویز پیش کی کہ
 سیٹھ صاحب : کیا یہ ممکن نہیں کہ میں آپ کی تینوں رٹلیوں سے سبک دقت شادی کروں ؟
 بس جیسا کچھ نہ پوچھو، سیٹھ آپ کے ام شیر کی طرح گر سکتے گا۔ اپنے نوکرؤں کی بیٹیوں کو بلوائی، لیکن تم جانتے ہو
 نیز دوڑنے میں ساری یونیورسٹی میں اول نمبر تھا۔ ایسا بھاگا وہاں سے کہیں کہ دم لیا۔
 اعظم : سیٹھ کے غصے میں کہنے کی تو لفظ ہر کوئی دھڑ نہیں نظر آتی کیونکہ ہمارے معاشرے میں ایک سے زائد
 شادیوں کی عام اجازت ہے۔ اچھا فکرنہ کرو۔ میں تمہارے لیے راستہ ہموار کرتا ہوں۔ برسوں میں
 جس شرط پر میں گیا تھا۔ اس کے افسر نے اسی سیٹھ دولت خاں کے نام مجھے ایک سفارشی رقم لکھوایا ہے اگر سیٹھ
 نے مجھے پسند کر لیا تو میں اس کے سامنے یہ شرط پیش کروں گا کہ مجھے کوئی بھی بی ٹو کرنی دے دے جیسے میں آپ
 کی رٹلیوں کے لیے مناسب بڑھوٹا ملاؤں گا۔ اس میں تمہارا چانس نکل سکتا ہے۔ مگر فرض کرو اگر وہ کیا
 یہ صورت نکلیں تو ————— ؟

مجید : کوئی ہرج نہیں۔ میں کالی اور بد صورت رٹلیوں کے بارے میں بڑا فرخ دل ہوں، بلکہ بس تو اکثر یہ سوچتا
 ہوں کہ اگر دنیا کے سامنے مردوں اور عورتوں سے شادیاں کریں تو یہ کالی سیلی رٹلیاں بے چاری کیا کریں گی
 ہند پھر ان کے کالے یا بد صورت ہونے میں ان بیچاروں کا کیا تصور ؟ اور پھر جیسا اس کے بڑی بات تو

یہ ہے کہ میں خوبصورت عورت ہے پس بے شادی نہیں کرنا چاہتا کہ خوبصورت عورت کا شوہر اچھا خاصا
تاج محل کا داروغہ بن جاتا ہے جو ہر دم یہ نگرانی کرتا رہتا ہے کہ تماشا کی گیس دیواروں پر نپل سے کھینچ
لیکنج دیں عمارت پلسترا کھینچ دی اور بغیر اجازت اندر نہ داخل ہوں۔

اعظم : اچھا اچھا! اب بڑا اس بند کرو۔ میں کل ہی سیٹھ دولت خاں کے پاس جاؤں گا، تمہاری زیارت تو کیا تمہارا
جلوس نکلا دوں گا۔ اچھا اب یونہی بیٹھے رہو گے۔ پیلو گے نہیں ناٹ ڈیوٹی پر؟

مجید : یار اعظم! سیدل نے جو ناٹ ڈیوٹی لگا ئی ہے، وہ بڑی مشکل ہے۔ یار مجھے تو ایک ہی رات میں بخار
چڑ گیا جسم کا عور جوڑ دکھ رہا ہے۔

اعظم : تو پھر تم آرام کرو۔ میں جاتا ہوں۔

(اعظم اٹھتا ہے)

مجید : اور ان اعظم! ہماری ناٹ ڈیوٹی کا بعض لوگوں کو ترچل گیا ہے۔

اعظم : اس سے کیا فرق پڑتا ہے! محنت میں کب سے کسی شرم!

(اعظم چلتا ہوا ہے — مجید گھٹانے لگتا ہے)

پھر کھل آیا دل ناز۔ نہیں کوئی نہیں

راہ رو چوگا کہیں اور چلا جائے گا

گن کرو شمعیں بٹھاؤ سنے دینا و ایان

اپنے بے خواب کو اڑوں کو مقفل کر لو

اب یہاں کوئی نہیں۔ کوئی نہیں آئے گا

(آخری مصرعہ پر کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے مجید کتا ہے)

مجید : کم ہاں۔

مسعود علی خاں اندر داخل ہوتا ہے اور اپنا تعارف کرتا ہے)

مسعود : مجھے مسعود علی خاں کہتے ہیں۔ میں مسٹر اعظم سے ملنا چاہتا ہوں۔

مجید : جی وہ اس وقت تو باہر گئے ہوئے ہیں ۔

مسعود : آپ یہیں رہتے ہیں ؟

مجید : جی ہاں !

مسعود : آپ مسٹر محمد تو نہیں ؟

مجید : جی ہاں !

مسعود : تو گویا آپ سے یہی بات کی جا سکتی ہے ۔ کیا آپ کل رات اٹھ نہ گئے ۔ پکا ٹولی ٹاسٹ کلب آ سکتے ہیں
بات آپ ہی کے فائدے کی ہے ۔ آپ کی ساری معیبتیں اور پریشانیوں دور ہو سکتی ہیں ۔

مجید : جی ! اچھا ۔ میں آ جاؤں گا ۔

مسعود : بہت بہت شکریہ ! تو میں کل رات اٹھ نہ گئے آپ کا منتظر رہوں گا ۔

مجید : جی ۔

مسعود : اچھا مجھے اجازت دیجئے ۔

(معاف کر لے اور دروازہ کھجا کر رک جاتا ہے اور مجید کو

یاد دلاتا ہے)

دیکھئے بھولے گاہیں ۔ پکا ٹولی ٹاسٹ کلب !

مجید : او۔ کے !

(مسعود چلا جاتا ہے)

پرودہ



منظر انحصال

مشک ——— اسنظم سہی کھلی تہوں اور سہی کھلی قمیض
 میں بوسہ ہے اس کے پاؤں میں ہیں — گلے میں یک
 بڑا عدال — — اور نوزوں میں بیڑی جلتی ہوئی
 — اتنے میں رکنا کی کھنٹی کی آواز آتی ہے
 اور ساتھ ہی عدل رکنا پلا آئیچ پر آتا ہے — دو
 گانا ہے

تو لاکھ چلے رکی گوری تم تم کے
 پاؤں میں گتت ہیں چہم چہم کے
 اعظم کے پاس اگر رکنا روک کر سیٹ پر سے پھین سیٹ پر
 بیٹھ جاتا ہے)

اعظم : سناؤ بیسی جوانی کے شہزادے ! کتنا جاڑا لکھا تم نے ؟
 عدل : ڈونٹ ٹاک مشٹر آجھ ، کج سالہ اپنا موڈ ایدرم خراب ہو گیا سالہ ۔
 اعظم : کیوں کیا ہوا تمہارے موڈ کو ؟
 عدل : آج اپنا ایک گوری میم صاحبک فائننگ ہو گیا ۔
 اعظم : گوری میم صاحبک فائننگ — کیوں ؟

عدل : دیکھو یار ! ہم اس کو بولٹن مارکیٹ پر رکنا میں ٹھہرایا ۔ ایپریس مارکیٹ لایا ۔ پھر موہ اندر سے گیا
 اکھاتین کلاک گھمایا ۔ آخر میں ہم کو در پیلے دیتا ہے ہم کو بڑا غصہ آیا ۔ اوپر گرم گرم آسمان پھیرلا
 ہے ۔ نیچے جہین جلتا ہوا ہے ۔ ہمارا مستک پھیرلا ہے ۔ ہم لولا ۔ فائو رو دینیز نکالو میم صاحب !

یہ ٹورہ میز کیا دیتا ہے تم۔ میم صاحب بولا جاؤ ہر تم نہیں دیں گا۔ تم کون سا اس میں پڑو اور ڈالتا ہے۔
 میں ہم اس بات پر اگدم فرٹ کر گیا اور بولا میم صاحب ہم اس میں پڑو اور ڈالتا ہے۔ پن کی خون
 ڈالتا ہے خون۔ بلڈ ڈالتا ہے۔ پڑو اور ڈالتا ہے۔ دس آٹے میں گین ملتا ہے۔ اور خون کی کون قیمت
 دے سکتا ہے۔

میم صاحب بولا: جاؤ بڈی نول۔ بھاگ جاؤ۔ ہم دوڑے سے ایک پیسہ جیسا کستی نہیں دیں گا۔ تمہارا جو
 مرضی میں آئے کرو۔

ہم بولا: ہم حقا تم ٹیڈی لگ ہے ایسا نہیں لوئی کہ جو مرضی میں آئے کرو۔ ہم جو مرضی میں آئے کر سکتا تو ہم کو دسی
 سال کے لیے جیل میں بند کر دیں گا۔ اتنے میں بھائی لوگ اکٹھا ہو گئے۔ سب سائے گوری چڑھی سے
 ڈرتے ہیں۔ ہم کو سائے بوسنے لگے۔ سے یو یار دوڑیے ٹھیک ہے۔ ہم میم صاحب کو بولا۔

میم صاحب! دوڑیے بھی تم بھکیو! ہر تم کو بخشش دیتا ہے۔

بخشش کا نام سنکر میم صاحب بہت گسٹوا۔ بہت گسٹوا۔ دو جتنا گسٹوا اجم باو۔ ہم کو بہت
 اچھا لگا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہر سنیا اسکوپ بیکور ہے۔ ہم ایک دم محبت میں ڈیپ چلا گیا۔ میم صاحب نے
 گتے سے دو پے پھینکا اور گٹ پٹ کرنا گھس کر اندر چلا گیا۔ ہم نے دو پے اٹھالیا۔ پیدل پر پاؤں
 رکھا۔ سینہ پر ہاتھ مارا اور

نولا کھ چلی ری گودی تم تم کے

اعظم: یار عدیل! تم جو عورت سے جھگڑا کرتا ہے یہ بہت بُری بات ہے۔ ہر عورت کی مرد کو عزت
 کرنی چاہئے۔

عدیل: اے یار یہ عورت مرد کا بھگڑا تو ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔ عورت میں کرے گا تو مرد بھگڑا کرے گا
 مرد نہیں کرے گا تو عورت بھگڑا کرے گا۔ تم خالی پہلی بوم مارا ہے اور۔ اچھا بھی اب سننا لو
 رکٹا۔ اپن بہت تنگ کیلے سالام۔ ابھی دلا میری بار جائے گا۔ خیر لور کی اسکاچ دسکی کا ادھا
 پی کر کوئی سبجانی ظلم دیکھنے جائے گا۔ اچھا بھی پیر لو!

عظم : بریک دبریک سب ٹیک ہے نا۔
 جدل : جتنی گھنٹی بریک آل رٹ۔ ڈبری ٹاٹ کیا ہوں آں۔ آج بڈی میں جان نہیں سالا اگھارن اپھوٹ
 کارا اڈا تار ہے سالا۔

(تھوڑی دُور جا کر)

آہم باو! دیکھو سالا تم ادھر میں کھڑا ہو۔ ادھر میں عورت لوگوں کا جو کالج ہے۔ اس میں کوئی جلسہ
 ہوتا پڑا ہے۔ اچھے میں اچھا سواری مل جائیں گی۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔

اپنے کے انداز میں پتے ہوئے گا تا ہے

میں لاکھ طوں ری گوری تم تم کے

اداسیٹ سے ہر پہل جاتے ہے۔ اتنے میں نورافشاں دوسری

طون سے آتی ہے۔ عظم بندی سے منہ پھر کرکھے میں پتے ہوئے

روال سے چروچھا ایسا ہے۔ نورافشاں اڈا درتی ہے۔

نورافشاں : رکشا! خالی ہے!!

عظم : (منہ دوسری طرف کیے جئے) بیٹھے میم صاحب!

نورافشاں : کونس روڈ کا کیا لاگے؟

عظم : جو مرضی میں آئے دے دیجئے!

نورافشاں : نہیں وہی بنا دو۔ یعنی کی تکرار مجھے اپنہ نہیں۔ رکشا والے بڑے جھگڑا لوتے ہیں۔ میں چھ آنے

روں گی۔

عظم : بیٹھے جائئے۔

نورافشاں رکشا میں بیٹھ جاتی ہے)

(اسٹیج پر رکشا کا ایک چکر۔ پھر رکشا پرٹ کے چھپے سے

گھوم کر پھر بیٹھ برآتا ہے)

نورافشاں : رکشا والے ! بس یہیں روک لو۔ مجھے یہاں سے گلی میں جانا ہے۔ وہاں رکشا نہیں جا سکتی۔

اعظم رکشا روک لیتا ہے۔ نورافشاں اُترتا ہے۔ جب پیسے
 دینے لگتی ہے تو اعظم جیسے کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور
 پیسے اس کے ہاتھ سے گر جاتے ہیں۔ وہ جب اٹھانے کے لیے
 جھکتا ہے تو اس کے منہ کا ٹھکانا کھل جاتا ہے۔ نورافشاں اسے دیکھ
 لیتا ہے اور چنچتی ہے (

نورافشاں : اعظم !

(وہ اس کے تریب مہرہ آتا ہے)

اعظم : (گھبرا کر اسے اٹک کر لے مجھے) نور ! یہ کیا پھین ہے۔ یہ بڑک ہے۔ رات کا وقت ہے۔ کھنڈر دیکھ
 لے گا۔ تو کیا کہے گا۔

نورافشاں : اب میں لوگوں سے نہیں ڈرتی۔ مجھے تمہیں اس حال میں دیکھ کر بہت تکلیف پہنچی ہے۔

اعظم : اب گھر جاؤ نور ! کل صبح باتیں کریں گے۔

نورافشاں : میرے دم دگان جہاں بھی یہ نہیں تھا کہ رات کے اندھیرے میں تم یہ ذلیل بیٹہ کرتے ہو۔
 اعظم : ذلیل بیٹہ ! لیکن میں اسے بہت مسترز پیتہ سمجھتا ہوں۔ میں تمہارے شرناکی طرح غریبوں کے فائدے چھین کر
 ان کے جسموں کے کپڑے اٹا کر زندگی کو پورا بازار میں لے چکا کہ عودت کا یو پار کر کے پیسے نہیں کمانا۔ محنت کرتا
 ہوں۔

نورافشاں : لیکن میں تمہیں یہ کام ہرگز کرنے نہیں دوں گی۔ میں پہلے سب کچھ سچا کہتی ہوں اور اب سب کچھ جی ہوں۔ جب تک
 تمہیں کوئی چھی نوکری نہیں ملتی۔ میں تمہارے گھر کا سارا خرچ برداشت کر دوں گی۔

اعظم : اس تکلیف کی میں آپ کو اجازت نہیں دے سکتا میڈم۔ میرے ہاتھ پاؤں بہت مضبوط ہیں۔

نورافشاں : یہ جبراً خود راری ہے۔ حماقت ہے۔ بیوقوفی ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتا، یہاں ذلیل کام کرتے ہو پٹے

اعظم : ذلیل کام ————— ذلیل کام ————— میڈم جب تک میں زمین پر چاندی کے ٹکے ا

انکھوں تک ان پھیلاؤ پر ہے اس زمین پر اندھیرا ہی اندھیرا اچھا ہے گا اور اس اندھیرے میں ہم جیسے لاکھوں کروڑوں مظلوم انسان۔ اسی طرح بے عزت ہوتے۔ ریگتے سکتے درجائیں گے اور میں پوچھتا ہوں کہ کون انسان ایسا ہے جو اس اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ذلیل کام نہیں کرتا میڈم! اندھیرا پھیلنے ہی والے انسان بے شرم ہوجاتے ہیں۔ ذلیل نئے ذلیل کام کرتے ہیں کیونکہ اندھیرے میں دنیا اندھی ہوجاتی ہے۔ انسان صرف دنیا کی آنکھوں سے ڈرتا ہے۔ اس لیے وہ شرافت اور شرم کے رنگ برنگے ہالے اڑھ کر اپنی منطوبیت اپنی مجبوری۔ اپنی بے بسی۔ سینے بھونکے بیٹ اور ننگے جسم کو چھپانے کا نام کوکشن کرنا ہے۔

نور انشاں: ریب باتیں پر خود بھی جانتے ہوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اس رکن کے پیروں میں تمہاری صحت کھل کر رہ جائے۔

اعظم: اچھا اب تم جاؤ۔ یہ باتیں چرچی ہو سکتی ہیں۔

نور انشاں: میں اپنی بات منورٹکے بغیر نہ جاؤں گی۔

اعظم: میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے نور کہ میں معاشرے میں کوٹ کھاتا اور اس طرحی بیٹہ کرکھاتی ہے۔

نور انشاں: ہاگس آدمی! کیسی فرسورہ باتیں کرتے ہو؟

اعظم: یہ بڑے کبت۔ رات آجھی کے قریب بیت چکی ہے۔ آپ نے کراہ دیا ہے۔ جن عظم نہیں صرف

ایک رکن والا ہوں۔ اب آپ گھر جا سکتی ہیں میڈم۔

نور انشاں: تم بے وقوف اور خدی ہو۔ جاہل جھگڑالو!

اعظم: رکن والے بڑے جھگڑالو ہوتے ہیں میڈم!

یہ کہہ کر رکن بے سوجھا جاتا ہے اور رکن چلا ہے۔ نور بکا رہا ہے۔ اعظم!

اعظم: گولڈن اسٹیم صاحب!

(اعظم اسٹیم سے باز رہ جاتا ہے۔ نور انشاں بھی ہائوس پر کھلی جاتی ہے)

نواں منظر

(ایک ٹولی اٹل کب . ایک رتاہ سیر (بحرہ) کے پاس

میں رقص کر رہی ہے اور گارہی ہے . اطراف مبزوں پر سرد اند

مردیں بیٹھے شرازیں پی رہے ہیں . ایک بیز بسود علی خاں بیٹھا

ہے . جب گانا اور رقص ختم ہوتا ہے تو مجید داخل ہوتا ہے)

مسعود : اوہ آئیے مجید صاحب . بڑی ڈیر کر دی آپ نے !

مجید : مسعود صاحب . آپ ٹیبر سے کار لے اور ہم بے کار . بس نئے بے بس کر دکھاتا . مجھے افسوس ہے کہ

آپ کو کافی اشتہار کرنا پڑا .

مسعود : کوئی بات نہیں . دیر آگے درست آگے . فرمائیے آپ کیا پہنیں گے ؟

مجید : صرف ایک گلاس ٹنڈ اپانی .

مسعود : بس ! جی یہ نہیں ہوسکتا . آپ جس جگہ بیٹھے ہیں . وہاں بے رنگ پانی تو حرم سمجھا جاتا ہے . تخت چھڑیئے

بتائیے کیا پہنیں گے ؟ وہیکل . براڈلی . روم شیمین . پورٹ . شیری . بیئر !

مجید : آپ اپنے لیے منگوا لیجئے . میں تو پیتا نیس .

مسعود : مجید صاحب ! شل مشورہ ہے کہ جو پیتا نیس وہ جیتا نیس . اچھا خیر ! اٹل ٹنڈ ہیک سسی تو کولڈ ڈرنک

سسی !

مجید : تو پھر میرے لیے آئس کریم سوڈا منگوا دیجئے .

مسعود : ایسی بھر پور جوانی . یہ دسمبر کی تنگ اور رنگین رات اور صرف آئس کریم سوڈا . جگا آب کو تو میں ہی پی لینگا

آپ دسمبر کی پی رہے ہیں . کیا سمجھے ؟

مجید : جی ہاں سمجھ گیا . میں دسمبر کی پی رہا ہوں .

مسعود: جگہ ٹھاٹ (دیر لڑا کو آواز دیتا ہے) ویٹر!

(ویٹر آتا ہے)

مسعود: ویل ٹریگس بیک اینڈروٹ لائج۔

(ویٹر آواز دلاؤٹ کر کے چلا جاتا ہے)

اں تو مجید صاحب مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ پیتے تھے ہیں۔

مجید: لیکن میں اس کا مادی نہیں ہوں یہ تھروٹ پینٹ تو کبھی کبھار ہی پرتا ہے۔

مسعود: کچھ عرصہ پہلے میں ہی اس کا مادی نہیں تھا لیکن بقول قریشی طانی ۵

میرے حالات تو کچھ ایسے ہیں

میرے دل تو کچھ ایسے ہیں

مجھ کو لینا پڑا شراب سے کام

انسانا تو کچھ ایسے ہیں

مجید: آپ کو شاعری سے بھی بڑا شغف معلوم ہوتا ہے۔

مسعود: صرف وہی اشعار یاد ہیں جو شراب و کباب سے متعلق ہوں۔ میں نے وہ اشعار کسی دیوان میں نہیں پڑھے

لہذا شراب خانوں میں یاد کیے ہیں۔

مجید: میرا حافظہ اس معاملہ میں بڑا کمزور ہے۔ مجھے اشعار بالکل یاد نہیں رہتے ساری زندگی صرف تین

شعرا یاد رکھے ہیں۔

مسعود: تب تو وہ تین اشعار ساری اردو شاعری کا بخوبی ہوں گے۔ مجھے استفادہ نہیں فرمائے

۔

مجید: کیوں نہیں۔ سینے کی کسی نے فریاد ہے۔

تو سے دستِ سخائی کو جو میں نے بھی تمہاری

اگر پہنچی ہے وہ پہنچی تو لکھدے وہ کہہ آہنچی

خبر پہنچی تو یہ پہنچی کہ وہ پہنچی نہیں پہنچی
 مرے مجرب کی پہنچی خدا جانے کہاں پہنچی
 یہیں رکھی تھی وہ پہنچی کو اک کھنٹ آ پہنچی
 اٹھا پہنچی وہ سے پہنچی خدا جانے کہاں پہنچی
 (دو دن بنتے ہیں۔ اور ڈانک لانا ہے مسعود بیگ اٹھاتا ہے)

مسعود: بڑی آج کی دوستی کی یادیں۔

(مجید بھی بیگ اٹھاتا ہے دو دن ایک ایک گھنٹ پیئے ہیں)

مسعود: اب جب میں کچھ جان پڑی ہے۔ اچھا مجید صاحب! ایک بات بتائیے۔ آپ اور عظیم فرسٹ تو اس گریجویٹ
 ہیں؟

مجید: وضاحت کیجئے۔ عظیم فرسٹ کلاس گریجویٹ ہیں میں نے اول کلاس میں ہی اسے پاس کیا ہے۔

مسعود: (ادھر اٹھ کھڑے ہوئے) اول کلاس کا کیا مطلب؟

مجید: (ادھر سے گھومتے ہیں کلاس خالی کرتے ہوئے) ابی دہی تھوڑے ڈیڑھ گھنٹے۔

مسعود: مجید کا گلاسٹن لال دیکھو خود بھی ایسا گلاس خالی کرتا ہے

ادھر سے گھومتا ہے

مسعود: دیکھو میٹر۔ تم جلد سے آؤ گے انتظار نہ کیا کرو۔ جیسے ہی ہمارے گلاس خالی ہوں۔ فوراً انھیں جبراً چاہئے۔

ویسٹ: آؤ آؤ آؤ!

مسعود: آؤ تو مجید صاحب! این ہوئے ایک ذرا ان سراپہ داروں۔ اس لیے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ قوم کے

انتے ذہین نوجوان بے کاری کے چکر میں پھنس کر کس طرح تباہ ہو جاتے ہیں۔

مجید: ابی صاحب! یہ سب انگریز کی چھوٹی بڑی کھنت ہے۔ اس نے ہندوستان پر اپنا تسلط جمانے

کے لیے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ساری نوجوان نسل کو کلرک بنا دو۔ وہ خاندانوں کے انبار میں اس طرح پھنس

کر رہ چکے گا کہ کبھی نہ ابھر سکے گا۔

سیراد ہنگ لاکر سیز پ دکھدیتا ہے

مسعود : اٹھائے گلاس اور غرن کیجئے پالٹیکس کو اس میں ۔

(دونوں ایک ساتھ گلاس اٹھاتے ہیں اور مید آرہا کا کاس

چڑھا جاتا ہے)

مسعود : امجد کو اس علاج تیز پتے دیکھ کر (ناشاء اللہ ، ناشاء اللہ ! پرانے بارہ کس منوم کتے میں آپ ۔

(امجد کو دکھا دیا کہ سانشہ پور ہے ۔ اس لیے وہ اچانک تھنہ

ٹکا کر کتا ہے)

مجید : بہت پورا نا حضرت آدم سے بھی پورا نا ۔ میں وہ تاریخی انسان ہوں جس نے دنیا میں سب سے پہلے شراب پی ۔

مسعود : (گھبرا کر) آپ بہک تو نہیں ہے مجید صاحب !

مجید : مجرم کر (وہ آپ نکرہ کھئے ۔ میں بکنا نہیں صرف چمکتا ہوں ۔ پی کر آدمی کو صرف چمکتا اور کھنا

چاہئے ۔ بکنا ہرگز نہیں آپ اگر میرا استخوان بویا چاہتے ہیں تو آپ موضوع پھیر دیجئے جس کے لیے

آپ نے مجھے بلا لیا ہے ۔ دیکھیے پیر میں بہکا ہوا ہوں ! صوفی ہوں ۔

(یہ کہ کر مجید سے مڑا کھاس بھی پی جاتا ہے)

اور ساتھ ہی ویسٹ آتا ہے ۔ مسعود اسے اشارہ کرتا ہے

کہ ایک اور لائے)

مسعود : مجید صاحب ! یہ عظیم اور نرور افشاں کا کیا معاملہ ہے ؟

مجید : کیوں آپ کو کیا تکلیف ہے ؟

مسعود : تکلیف ! جہاں بہت تکلیف ہے ۔ دیکھیے نا مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے انہم کی ایک ان

ہے ۔ چھوٹی مین ہے جس مکان میں وہ رہتا ہے وہ کراہ کا ہے ۔ ایک چھوٹے سے ٹیوشن کے علاوہ

کھانا ذریعہ آمدنی نہیں اس پر طبیعت ماسحق مزاج پائی ہے ۔

(ویسٹر مجید کے لیے تیسرا ٹیک لاتا ہے)

مجید : (ذرا سٹپا کر) جی !
 مسعود : (ذرا سٹپا کر) جی !

مجید : مسٹر مسعود کھل کر بات کیجئے نا۔ صاف صاف یہ کہہ دیجئے کہ میں بھی نور انشاں کی زلفوں کا اسیر ہوں۔
 اب جکل نظارہ عشق کے لیے لمبی تمہید تفسیح اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس ملک کے انسان کی زندگی بڑی محقر ہے مسعود صاحب ! کیوں میں نے ٹھیک کہا نا۔

مسعود : جی ہاں جی ہاں !! - یہ کچھ ایسی ہے۔ لیکن میرے پاس عظیم کالج صوف خالی مولو مستجر اول نہیں ہے بلکہ میرا بیب بھی مہری ہوئی ہے اور جہاں تک عورت کا تعلق ہے خود وہ نور انشاں ہی کیوں نہ ہو۔ وہ صرف سوکھی محبت کی خواہاں نہیں بلکہ وہ ایک عالیشان کوٹھی، ایک آہنی تجوری اور ایک پیکار ڈکار کی چابیوں کی زنجیر کو بھی اپنی انگلی پر گھما بہت پسند کرتی ہے۔

مجید : ایک پڑھاتے ہوئے، لیکن میں آپ کی اس سلسلہ میں کیا خاطر تواضع کر سکتا ہوں۔

مسعود : آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مجید صاحب ! وقت عظیم سے اس کی بوڑھی ماں اور چھوٹی بہن کے لیے پیار کی قرانی مانگ رہا ہے۔ اسے اس وقت خود غرض نہیں بننا چاہیے اور پھر آپ ہی کیسے ان اور بہن کا پیار پادار ہے ! محبوبہ کا پیار ! محبوبہ کا پیار تو صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ رگوں میں لہو دوڑ رہا ہے۔ لیکن ان کی بہن اور بہن کے پیار کے جھول سدا سکتے ہیں۔

مجید : (ایک دستہ کرتے ہوئے) میں اگر عظیم آپ کے اور نور انشاں کے ناتے سے سرٹ جاؤں تو آپ کیا معاوضہ ادا کریں گے ؟

مسعود : اتنی لالچاں دس ہینس ٹیل۔ میرا فرض ہے۔ آپ کے اہل عظیم کے لیے اپنی فرم میں تین تین سو روپے اہوار کی ملازمت جس مکان میں آپ رہتے ہیں وہ عظیم کی جھولی بہن کے نام فرید یا جلمے گا۔ آپ لوگوں کے چھوٹے موٹے فرض میں ادا کروں گا اور آج اپنے بزرگ کھلیفہ الٹا ہے اس کے لیے

(یہ کہہ کر وہ جیب سے نوٹوں کا ایک بڈل مجید کی طرف بڑھاتا ہے)

مجید : (آنکھیں میلا کر) اتنے بہت سے روپے کتنی طویل مدت کے بعد میں اتنا روپیہ اکٹھا دیکھ رہا ہوں۔

(اندھڑھا کر پیسے لیتا ہے اندھڑکی حبیب میں رکھ لیتا ہے)

بہت بہت شکر مسعود صاحب! مجھے آج روپوں کی شدید ضرورت تھی۔ آپ مٹاؤں رہیں۔ اب اعظم آپ کے اور نفاذ آقاں کے درمیان کچھ نہیں رہے گا۔

مسعود: (زقن ہرک) ازاٹ لے خشکین پر امیز؟

(انقر بٹھاتا ہے)

مجید: (انقر لانتے ہوئے) اُن کروں اٹ از۔ (بیماب ٹھہر اجازت دیکھے۔ میں جلتا ہوں)

مسعود: اور پیچھے نا!

مجید: (انقر کھڑے ہوتے ہوئے) جی نہیں اس میں آپ کے کل شام ہیں ہوں گے!

مسعود: (انقر کھڑے ہوا ہے) اچھا! آپ کا بہت بہت شکریہ۔

مجید: ہائی۔ ہائی!

(مجید چلا جاتا ہے)

پرہ



دسواں منظر

(عکس — رات کا وقت — عظم رکش
یہے ٹرے — اور سے بھرتا میں مُحت
بھوتا بھرتا آتے ہے — وہ لگتا ہے —
دل توڑنے والے دیکھ کے مل
ہم ہی توڑتے ہیں راہوں میں
عظم سے پریشانی سے دیکھا ہے اور آؤ دیتا ہے)

عظم : مجید !
مجید : کون ؟ ————— ماہر لنت کو کس نے پکارا۔ فریادی ! تم کون ہو۔ کیا ہماری کلمہ عالی نے
تھاری ہوں بیوی پر تیرے بلا ہے
عظم : (اس کے تریب جا کر غصے سے) تم کہاں سے آ رہے ہو مجید ؟
مجید : اُس بگڑے جہاں معیبت زدہ تھانے چلنے غم بوتلوں میں جھر جھر کر رہتے ہیں اور ہاتھ روہ میں اُن دکھوں اور غموں
کو بنا دیتا ہے۔
عظم : مجھے تمہاری یہ حالت دیکھ کر نہایت دکھ ہوا۔ مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔
مجید : تو پھر تم مجھ کو !
جہاں بیوی پر تیرے لگے دم۔ مٹے غم۔ جلو میں تمہیں پلا تاہم ہلا ہے۔ دیکھو میرے پاس کتنے پیسے ہیں۔
(یہ کہہ کر وہ عظم کو لڑوں کا بیٹا ل دھاتا ہے)
عظم : (جیت سے اور تیز لہجے میں) یہ روپیہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟
مجید : تو راجہ دیتا ہے تو مجھے پھیل کر دیتا ہے۔

اعظم : مجھے ایسا محسوس ہوا ہے کہ تم نے یہ روپیہ جاڑ طریقے پر حاصل نہیں کیا ! ضرور تم نے کوئی ایسا حکمت
کی ہے جس سے ہم پر مصیبت آسکتی ہے !

مجید : سمات مصیبت بلائی اب ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہو جائے گی اعظم ! مصیبت بلائی عرن
نور افشاں !!

اعظم : کیا بس ہے سو مجید !

مجید : (نشہ میں) اعظم تم نے مکان کا کرائی میں بیٹھنے سے ادا نہیں کیا۔ میری ماں دس نمبر ہی بینک لگا یا جا رہی ہے
تھاری ماں بیمار ہے۔ بازو کا نام ہسکول سے کٹ گیا۔ نوکری ملے ہسٹوئی کو ملے۔ ہی ہے۔ میں نے سوچا
نور افشاں کو بیچ دو

اعظم : معلوم ہوتا ہے تمہیں سخت نشہ ہو گیا ہے۔ تم میری محبوبہ اور ہونے والی بھالی کے بارے میں ایسی بیہودہ
باتیں کر رہے ہو۔

مجید : (تھوڑے سا کراہ کر) محبوبہ ! بھالی ! بھالی ! دیکھو کہ باہر میں فیصل انسان
خدا تک کو بیچ لیتا ہے۔ میرے بھائی۔ نور افشاں تو دوسرے کی بیٹی ہے۔

(اعظم حور کے گال پر ایک نذر دار طماچو لگاتا ہے اور مجید زلزلہ مگر

گڑبڑ ہے اور رونے کے لمحے میں کہتا ہے)

مجید : تم مجھے اپنے سے مر کیسے خود غرض انسان ! وقت تم سے قربانی مانگ رہا ہے ! اپنی ماں۔ اپنی بھینٹا ہون !
اور ایک خوشگوار زندگی کے لیے تمہیں اپنی محبت کی قربانی دینی پڑے گی۔ مسعود علی خاں نور افشاں کو ضرور دینے
کے لیے تیار ہے۔ تم اس کے ہاتھ سے مرٹ جاؤ وہ یہ مکان تمہیں خرید دے گا تمہیں اور مجھے نوکریاں
دے گا۔

اعظم : (اٹ کھڑا) میں سمجھا یہ بات ہے۔

(انورس کے لمحے میں)

بھائی! تم نے تم نہ صرف شراب کے بلکہ پیسے کے نشے میں بھی بدست ہو (تیز لہجہ میں) لیکن صبح تمہارا نشہ

ٹوٹ جائے گا تو قیص فوراً میرا گھر چھوڑ دینا پڑے گا۔

یہ (جس کا — چائنا لھانے اور اس افسانے میں نے شکافی حد تک کا نوٹ کر چکا ہے سہل کر کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے) اب میرا لٹوٹ پڑتا ہے مجھے صبح تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی اتھار اگھر چھوڑ دوں گا ابی وقت اور جلتے جاؤں ایک بار پھر میں قیص پر بنا دیتا یا تہمتوں کو برسر میں لے کر تھاپنے لیتے نہیں بناؤں گا۔ اور میرے زیر پرورش مجبور افراد کے لیے کیا تھا؟ اگر یہ غلطی ہے یا میری لغزش ہے تو ایک مجبور اور مخلص انسان سے یہی لغزش کی امید نہ کرنا بھی ایک غلطی ہے (جیسے لوگوں کا بٹول نکال کر) میں تو اب مسودے سے شاید ہی مل سکوں۔ تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم کہیں یہ پوچھو اسے لٹاؤ اور دعا حفظ!

یہ کہہ کر محمد جانے لگتا ہے — منظم کے دفتر

میں لوگوں کا بٹول ہے، وہ کچھ سوچتا ہے اور پھر محمد کو آواز

دیتے ہوئے دہرا کر اس کے قریب جاتا ہے اور کہتا ہے (

ایم پی ایم میرے میں برس پرانے ساتھی! تم بھی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ غصہ میں مجھ سے یہ فیصلہ بات نہ سے نکال گئی کہ تم میرا گھر چھوڑ دو (گلوگہر لے جے میں) میں جانتا ہوں مجید اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس پر تمہارا کوئی تصور نہیں۔ تصور سارا ہماری اس زندگی کا ہے جو غریبوں کے اندھیرے میں سیدھے راستے کی تلاش میں بیٹھ کر رہی ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ جب غلطی گھر کے بڑے روٹے سے داخل ہوتی ہے تو عقل، خودداری، جرات، اخلاق سب کے سب کھڑکیوں سے کود کر فرار ہوتے ہیں (معلم محمد کو گھر سے لگا لبتا ہے)

مجید! میری بات کو کھول جاؤ۔ میں بھی تمہاری باتوں کو کھول جاؤں گا۔ یہ کج نعت، وہ یہ تمہاری میں سالہ دوستی کو گھبراہٹ نہیں خرید سکتا اور نہ ہی اس لیے میں اتنی ذات ہے کہ وہ لوگوں کو خرید سکے۔ تم گھبراؤ میں ہم نوجوان ہیں۔ بڑھے لکھے ہیں ہم کو بڑے سے بڑے حالات سے لڑنا پڑتا ہے۔ ہم نوجوان ہیں پڑھے لکھے ہیں، جدوجہد کی زندگی ہے، وہ ایسی پھر نوجوانی اور ایسی تعلیم پر لعنت ہے۔

یہ (احمدت کے لیے میں) مجھے انہوں نے ہنرمند نہیں کل صبح ہی مسودے کے پیچھے لے دیا اس کو دھکا دیا

عظیم : ہاں اور کل صبح میں حاکم علی خان کا رقعہ لیکر سٹھے دولت خان کے پاس جا رہا ہوں۔ ہر سکتا ہے کوئی
 نوکری مل جائے۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو کہیں نہ کہیں ضرور ملے گی۔ آخر کب تک ہم سے چھپتی پھیرے
 گی۔۔۔۔۔۔ آج میں تمہیں دکشائیں بھلا کر گھسے جاؤں !

(منظم مسکراتا ہے اور مجید بھی ۔ دونوں ایسیج سے اہرکل جاتے

ہیں۔۔۔۔۔۔)

پروہ



گیارہواں منظر

(صبح میں گیارہ بجے کا وقت — سیٹھ دولت خاں

کا تہہ ٹانگ نام۔ جو جدید طرز کے فرنیچر سے سجایا ہوا ہے۔۔۔

سیٹھ دولت خاں کے علاوہ ایک دبے ستے اعلان ہاں دار بھی

دولت مولانا ملن کا کرتا۔۔۔ ٹیک مزلوں کا باہار۔

پیرن کیم میم شاہی حوالی سینے اور سر پر دوپٹی اوڑھے بیٹھے ہیں

جب پرہہ اٹھتا ہے تو ان دونوں میں گفتگو جاری ہے۔

دارالحمولے مولانا کا نام میر تقی میر (

سیٹھ دولت خاں : ہاں تو میر صاحب ! میں کہہ رہا تھا کہ میری یہ نحو اشعار ہے کہ اپنی لڑکیوں کو جگہ تعلیم یافتہ

لڑکیوں سے کروں۔ بیزارانہ تعلیم کا ہے اور میر سے پاس اللہ دیا بہت کچھ ہے۔۔۔ ابا

چونکہ اپنی حکومت میں زیادہ اوگ جاگ ہے۔ اس لیے تعلیم یافتہ دامادوں کی شدید ضرورت ہے۔

میر صاحب : مگر سیٹھ دولت خاں صاحب ! مجھے آپ کے اختلاف لائے ہے جناب — پوچھیے کیوں؟

(سیٹھ دولت خاں فاموش رہتے ہیں تو میر صاحب ذرا اور بلند

آواز سے کہتے ہیں)

میر صاحب : سیٹھ صاحب پوچھیے کیوں؟

سیٹھ دولت خاں : (تو نے جڑ بڑ جو کر) کیوں پوچھوں آخر؟

میر صاحب : اس لیے کہ تعلیم یافتہ لڑکے کبھی اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے۔ میں نے آپ سے زیادہ زمانہ دیکھا ہے

آپ کیوں اپنے ہاتھوں اپنی لڑکیوں کو کنوڑوں میں دھکیلنے پر تکی گئے ہیں۔

سیٹھ صاحب : میر صاحب ! آپ ٹھیک سے ناپاڑنے خیال کے آدمی — بھائی میر سے

یہ نیاز ہے۔ نیاز مانو — میری روکیاں پڑھی تو نہیں لہتے نئے زمانے کے ساتھ
ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری کئی روکیاں بھی آپ کے عاجز دل سے صغیرہ انڈر لٹل عمر سے بیاہ کرنے پر
رضا مند نہیں ہوگی۔

میر صاحب (اچانک گرم ہو کر) کیوں؟ صرف اس لیے کہ میرا روکا انگریزی پڑھا ہوا نہیں ہے۔ صرف اس لیے
کہ وہ داڑھی رکھتا ہے۔ شرمی پا چاہے بہتا ہے۔ مٹی کے ڈھیلوں سے ہنسا کر آجے اور اکھوں میں سوز
لگاتا ہے۔ (خبر دیا کہ) لیکن یہی تو دیکھئے بیٹھ صاحب! اس کی آمدنی کیلئے ہے:

(بیٹھ صاحب ہنس رہتے ہیں)

میر صاحب: (اندازہ گرم ہو کر) پوچھئے، سٹیٹ صاحب کو اس کی آمدنی کیلئے ہے؟

سٹیٹ صاحب: (جڑ نہ کر) عجیب شخصیت ہے! اچھا چہئے تباہیئے کیلئے ہے؟

میر صاحب: (غریب جیسے) لڑا مارا دیں، یہی سٹیٹ کریٹوں اور پانے اس کی کنوں کی رکان ہے اس کی۔

پہ رینڈی جی اس ساتھ بولے کلری لٹا ہے کیا سمجھے۔ ————— پچاس ساتھ پیسے لٹڈ۔ ————— دل

لگی نہیں کچھ۔ ————— " —————

سٹیٹ صاحب: (بھاننے کے انداز میں) سٹیٹ صاحب! آپ میرے بڑے پانے دوست ہیں۔ آپ کا بچہ

میرا بچہ ہے وہ۔ —————

میر صاحب: (اچانک فحش سے کھٹے ہو کر ادب بات کاٹتے ہوئے) ہائیں ہائیں۔ ————— سٹیٹ صاحب

زبان ہنسا لیتے بان۔ ————— یہ آپ نے کیا کہا دیا۔ میرا بچہ آپ کا بچہ ہے۔

میر صاحب آپ کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بھی خوب ہی آپ زور سے بچنے کی دلیریت

کے نشانے میں بھی گھس گئے ہیں۔

سٹیٹ صاحب: (ابھلا کر) اسے میر صاحب! کیا ہو گیا آپ کو۔ ————— میں نے صرف ایک

معاورہ بہت استعمال کیا تھا۔ ————— خدانخواستہ آپ کا بچہ میرا بچہ کس طرح ہو سکتا ہے!

میں تو۔ —————

میر صاحب : (اور زیادہ گرم ہو کر دوبارہ بات کاٹتے ہوئے) ہیں! پھر مری بات : تو کیا آپ میرے بچے کو کسی خیر کا
 بچہ کھڑے ہیں تو نہ تو نہ متفقہ اللہ ————— اس قدر تو ہیں !

سیٹھ صاحب : آپ میری بات نہیں سمجھ رہے میر صاحب ۔

میر صاحب : اہی میں خوب سمجھ رہا ہوں ————— سب کچھ سمجھ رہا ہوں ————— اور کیا پٹھانیں ہوں ۔

سیٹھ صاحب : (غصے سے) اہی! کیا فرمایا ؟

میر صاحب : اہی میں نے عرض کیا ۔ میں اور کیا پٹھانیں ہوں ۔

سیٹھ صاحب : آپ خواہ مخواہ گرم ہو رہے ہیں میر صاحب ! اگر بات بے توجہ تیار ہو جائیے ۔ میں بھی گرم ہوتا

ہوں ۔ میں آپ کا کوئی ذیل تو نہیں ہوں ۔ میں خانوش پٹھان ہوں ۔ اور آپ سر جھٹتے جا رہے ہیں ۔

میر صاحب : (سیٹھ دولت خاں کے ہی طرح گرم ہونے سے اجنبک پریشان سے ہر جاتے ہیں اور سیکے دواں نکال کر کھیرے

اور گلے کا پسینہ نہ چھتے ہوئے) اچانک کہتے ہیں اور صحاحمت کے انداز میں کہتے ہیں (سیٹھ صاحب دماغ میں

گرم ہو رہا ہوں اور نہ آپ ۔ آج اہل میں کچھ گرمی کی یاد ہے ۔

یہ کہہ کر میر صاحب ہر صدمے پر مٹھ جاتے ہیں : ان کی دنیا نکال کر

حشاد ہی ادارہ میں سیٹھ صاحب کی طرف بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں (

میر صاحب : لیئے شوق فرمائیے

سیٹھ صاحب : شکریہ ! میں پان نہیں کھانا

میر صاحب : پان نہیں کھاتے ————— حیرت ہے ! شام کو کھانے ہے ۔

پان کھانے سے لے کر سے مولا

دانست بنتے ہیں ناصر الدولہ

اچھا خبر ملے ۔ آپ کی طرف سے بھی ایک پان اور کھاؤں —————

یہ کہہ کر ایک کے بجائے دو پان کھاتے ہیں اور انگلیوں پر پان کا

جو تھا لگا ہوا ہے اسے قہقہہ صوفیہ سٹ کے غلاف سے پانچتے ہیں ۔

اور سیٹھ صاحب اس کی اس حرکت پر غصہ سے لھٹکا لہتے ہیں اور

میر صاحب سہم جاتے ہیں۔ پھر سکو لہتے ہیں اور بات کا آواز کرتے ہیں (

میر صاحب : اہں تو میں عرض کر رہا تھا کہ میرے لڑکے صغنتہ اللہ کی لٹڈ بازار میں کپڑوں کی ایک بہت بڑی دکان ہے۔

سیٹھ صاحب : میر صاحب ! میں نے ایک بار آپ سے کہہ لیا ہے اب کس طرح بار بار کہوں کہ بری بیٹیاں لٹڈے

بازار کے دکانداروں کی بیویاں ہرگز نہیں بن سکتیں۔

میر صاحب : ابھی قبلہ ! میں یہاں لٹڈے بازار کے دکانداروں کے بیٹوں کے بیٹیاں سے کہ نہیں بلکہ صرف اپنے

صغنتہ اللہ کو بیٹیاں لیکر آیا ہوں۔

سیٹھ صاحب : آپ کا بیٹا بھی لٹڈے بازار کا دکاندار ہے۔ مجھ گئے آب۔ اب کس موضوع پر آپ مجھ سے بات

کریں۔

(میر صاحب یہ سنکر پریشان سے مچلتے ہیں کچھ بڑھکھاسے لہتے

حرکت کرتے ہیں اور لہتے ہیں)

میر صاحب : کیا آپ اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہیں کر سکتے سیٹھ صاحب ؟

سیٹھ صاحب : ہرگز نہیں۔

میر صاحب : اپنے سولہ سال پڑنے اور غلغلہ دہشت کی درخواست پر بھی نہیں۔

سیٹھ صاحب : ہر آپ اپنی بیٹی کے مستقبل کے معاملے میں بڑا خود غرض ہوتا ہے۔ میر صاحب !

میر صاحب : تو اس کا مطلب یہ ہے مجھے ایسے ہونا چاہیے جیسے ہنر مند صاحب۔

سیٹھ صاحب : جی ہاں ابھی ہاں ! بالکل۔

میر صاحب : (استفسار کے لہجے میں) لیکن سیٹھ دولت خاں صاحب بھلا مجھے کیوں ایسے ہونا چاہیے۔

سیٹھ صاحب : (حیرت سے) پھر کس کو ہونا چاہیے۔

میر صاحب : ایسے تو میرے لڑکے صغنتہ اللہ کو ہونا چاہیے۔ شادی میری تھوڑی ہونے والی تھی۔

سیٹھ صاحب : میر صاحب ! آج تو میری سب کو کیا ہو گیا ہے۔ عجیب الٹی سیدھی اوٹ پٹا گنگ باتیں کہہ رہے ہیں۔

میر صاحب: الٹی سیوی ارٹس ٹیماگ تیں! اس لیے کہ میں آپکے پاس ایک تہ میں بیکر حاضر ہوا ہوں۔ آخر بغیر کسی غرض کے کہ آپ نے اپنی باتوں پر سچاں اللہ اور عزاک اللہ کے ڈنگھڑے پرستے اچھا خیر اب مجھے اجازت دیکھئے۔
ب میں بنا ہوں۔

سیٹھ صاحب: اب شوق تہ لطف مے جائیے۔

میر صاحب: (اٹھ کھٹے پرتے ہیں) یاد رکھیے سیٹھ صاحب۔ آپ کی اور میری سول سالہ دوستی ختم ہو رہی ہے۔
سیٹھ صاحب: میں اپنی اولاد کا مصالحتی کی خاطر قیمتی قیمتی دوستی کو دوستی کو قربان کرنے سے ایسے تیار ہوں۔
میر صاحب: میں ایک بار کلمہ امنہ ہی باہر چھتیت ایک مخلص دوست کے آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔

سیٹھ صاحب: کیوں آخر؟ کیا مجھے ہائے گنتے سے ملے ہے۔

میر صاحب: باؤ لاگت؟ اچھا! سیٹھ صاحب! آج آپ سے مل کر مجھے بہت بہت کوفت ہوئی، مجھاڑ میں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔

سیٹھ صاحب: بسم اللہ بسم اللہ!

(یہ صاحب تہ ذری ذہنک جا کر گتے ہیں اور بسم اللہ کے الفاظ سن کر ٹھک کر کرک جانے میں اور بڑے محسوس آواز میں کہتے ہیں "ہیں" اور پھاٹ کر صوفے کے قریب جانے میں سیکڑا کر بیٹھ جاتا ہے)۔
کو دیکھتے ہیں اور سر پر سے دہلی آٹا کر صوفے پر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں سیٹھ دولت خاں بڑی حیرانی کے ساتھ انھیں دیکھ رہے ہیں، لیکن ہان سے کچھ نہیں کہتے۔ میر صاحب موفور بیٹھنے کے بعد پورا جو سکوٹ ٹپتے ہیں)

میر صاحب: سیٹھ صاحب! آپ نے بسم اللہ کہا۔ یعنی اللہ کا نام بنا تو اب ساری بات از میر نو اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ساری گڑا بڑا ہی ایسے ہوئی کہ میں بات حجت کا آغاز اللہ کے نام سے نہیں کر سکتا تھا

تجیر اب سہمی۔ ۷۷۹ء میں عرض کر رہا تھا کہ میرے (طے کے صیغہ اللہ کی لٹ سے بازار میں تیار شدہ کپڑوں

اور پٹانے امریکن کولڈ کی ایک دکان ہے۔

میٹھ صاحب : (اتنی افسوس کے عالم میں) میر صاحب! میں نے آپ کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ جہاں تک میری دُختہ کی لٹ سے بازار کے کسی کباٹیٹے سے شادی کا تعلق ہے تو آپ پر یقین کر لیجئے کہ دنیا میں لامحدود شہر کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اگر لاپوشہ شہر ہے تو پھر اس میں لٹ بازار نہیں ہے۔ اگر لٹ بازار ہے، ہے تو میری کوئی دُختہ ہرگز نہیں ہے۔

میر صاحب : یہ کہہ کر تو آپ نیا کو شک و شبہ میں ڈال دیں گے۔ یہی ناز باتات کہنے سے پہلے بھالی صاحبہ کا تو خیال کیجئے۔

میٹھ صاحب : (افسوس سے بے قابو ہو کر) میر صاحب آپ ہر طرح کی باتوں سے نہیں جائیں گے۔ مجھے ایسے ذکر کی خدمات حاصل کرنا ہی ہوتی۔

میر صاحب : (عصے سے اٹھ کر) یہ نوبت! استغفر اللہ! یہ تو جہنم ہذا کا اللہ۔ اُن لاجول دلا! اہی لیجئے۔ میں خود چلا جاؤں۔

(یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

میٹھ صاحب : میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ خود چلے جائیں۔

میر صاحب : (پھر میٹھ جاتے ہیں) لیکن میٹھ صاحب! آپ عمر بھر کھینچائیں گے۔ لٹ سے بازار میں دکان کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔

میٹھ صاحب : (بیزار حور) اُن کیا مصیبت ہے یہ!

(اتنے میں ایک نوکر داخل ہوتا ہے اور ایک ڈزٹنگ کارڈ

میٹھ دولت خاں کو دیتا ہے۔ میر صاحب لو کہ وہ کچھ

پہلے پہل تو بڑے سٹپ سے جاتے ہیں۔ لیکن جب ڈزٹنگ کارڈ

میٹھ دولت خاں کو دیتا ہے تو وہ اطمینان کا سانس لیتے ہیں)

سیٹھ صاحب : (بر آواز بلند و میٹنگ کا رڈ کا نام پڑھتے ہیں) محمد اعظم بی سائے علیگ۔ فرستادہ۔
حاکم علی خان صاحب پرور پرائمر گوٹ اینڈ ٹیچنگ اینڈ اینڈ اسکن فرم : اچھا سمجھ گیا۔

(پھر وہ میر صاحب سے مخاطب ہوتے ہیں)

دیکھیے میر صاحب! ایک جینی آر ہے۔ بہتر تزیین ہے کہ آپ تشریف لے جائیں یا پھر میری
دعوت ہے کہ جب تک وہ یہاں بیٹھا ہے آپ بالکل خاموش رہیں۔

میر صاحب : اچڑکا اچھا واہ! کیا میں ادب مجلس نہیں جانتا۔ کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے؟

سیٹھ صاحب : اچھا بابا! مجھے معاف کرو۔ (نور سے مخاطب ہو کر) ملاقاتی کو اندر بھیج دو۔

نور جاتا ہے۔: درد سحر کے عظم افندہ اعلیٰ ہوتا ہے۔ سیٹھ صاحب

اس کی شخصیت سے خود آٹا اثر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں میر صاحب

جس مختلف زاویے بنا کر عظم کو دیکھتے ہیں۔ سیٹھ صاحب کھنکھاتے

ہیں تو میر صاحب سم کرید سے مر جاتے ہیں۔ سیٹھ صاحب فوراً مٹا دینے

ہوئے عظم سے مخاطب ہوتے ہیں)

آئیے آئیے تشریف لائیے۔ یہاں تشریف رکھیے۔

(اعظم بیٹھ جاتا ہے اور کتنا ہے)

اعظم : مجھے جناب حاکم علی خان صاحب پرور پرائمر گوٹ اینڈ ٹیچنگ اینڈ اینڈ اسکن فرم نے آپ کے پاس

بھیجا ہے اور ان کا یہ رقم اچکے نام ہے۔

(رقم سیٹھ کی طرف بڑھا آتا ہے)

(سیٹھ دولت خاں عینک لگا کر رقم پڑھتے ہیں۔ رقم پڑھتے

ہوئے ان کی انجینس سیکل جاتی ہیں اور رقم ختم کر کے وہ بڑی غمی

میٹھی نظروں سے عظم کی طرف دیکھتے ہوئے پڑھتے ہیں)

سیٹھ صاحب : تو آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ اے اول درجے میں کامیاب کیا ہے؟

عظیم : جی ہاں ! اگر آپ کہیں تو میں اپنی بی۔ اے کی ڈگری آپ کو دکھا دوں۔ میں ڈگری سائنس والا ہوں۔

سیٹھ صاحب : نہیں نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن اگر آپ دکھائی دیں تو بہتر ہے۔

میر صاحب : (چونکہ کہ) اہاں تو جوان کیا کہا۔ یہاں ڈگری لائے پروتم ؟

(عظیم حیرت سے انہیں دیکھتے اور مسکراتے ہیں)

سیٹھ صاحب : میر صاحب یہ عدالت کی ڈگری نہیں۔ بی۔ اے کی ڈگری ہے۔

(عظیم سے مخاطب ہو کر)

یہ میری بیٹی سے دوست ہیں۔ میری نند۔ بڑے دلچسپ آدمی ہیں

عظیم : (میر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھا کر) آپ کے باہر ہی مجھ سے بڑی ڈگری ملنے آپ کی شخصیت سے

شعاروں پر چکا ہوں۔ بہر حال مجھے آپ سے مل کر واقعی لطف آیا۔

میر صاحب : جیتنے پر ہر محمد دار۔

(عظیم اپنی ڈگری اور دو سے اسٹا۔ ان سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا آتا)

یہ سیٹھ صاحب ڈگری اور سہ سہارت کو غور سے دیکھتے ہیں اور

پوچھتے ہیں :

سیٹھ صاحب : خیر سے آپ کو دار سے تو جیڑا

عظیم : صاحب ! اس زمانے میں پچھری بی۔ اے یا س ہونا بڑا لمبے۔ اس کے بعد کہیں بی۔ اے کی ڈگری ملتی ہے

سیٹھ صاحب : (مسکراتے ہوئے) اناست، اللہ، مانا، اللہ، ٹیجے خوش مزاج اور فقرو باز نوجوان ہیں آپ۔

یقین ہے۔ کہ خوبصورت و تندرست ہونے کے علاوہ خوب سیرت بھی ہوں گے۔

عظیم : لیکن قبلہ ! یہ ساری خصوصیات تو ساتھ ہیں لیکن ہر طرف ایک کسر رہ گئی ہے کہ اگر اس بی۔ اے کی ڈگری

اس صحت مند جسم اور مضبوط کردار کے بجائے لڑکے سے بنا رہی ہیں اگر کوئی پرانے کپڑوں کی دکان

وہ اتنا ہی کم پاتا تھا کہ میر صاحب۔ میری نند سے ہاتھ مار کر

بھیل پڑتے ہیں اور پچھتے ہیں (

میر صاحب: لٹے ازاریں کپڑے کی دکان - واہ واہ واہ - یہ کسی ناسربت کی ایک سسٹن لیجے -
 میٹھ صاحب: آپ کا تعلیم یافتہ داماد ہی لٹے ازار دکاندار بنا چاہتا ہے۔
 اعظم: اجرت سے ادوار۔

میٹھ صاحب: افسر سے کھٹے ہو کر (ادمیر کے بچے) نکل جا یا ہاں سے۔ ابھی وقت -
 اعظم: جی ہیں۔ یہ سب کیا جوڑ ہے۔ بڑے آپ اب میں روٹھے ہیں۔
 میٹھ صاحب: نوجوان - آپ صحت کریں۔ یہ بڑھا مٹھ گیا ہے۔ آپ بیٹھے جائیں۔ میں اسے نکھو کر آپ
 سے باتیں کروں گا۔

میر صاحب: وہاں تم مجھے کیا نکھو اڑگے۔ میں اس نوجوان کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا تاکہ تم اپنی ٹھکانا
 بیاہ اس سے کر کے اس کو جیتے جی اندھے کنڈیوں میں نہ جکھل سکو۔

(اعظم سے مخاطب ہو کر)

نوجوان: میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں، تمہارے خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہو کر کسی کسی کا لی بھنگ
 اور بدصورت لڑکی سے صرف اسی لیے شادی کو ناپسند کر گئے۔ کہ اس کا باپ ایک مالدار ہے۔

میٹھ صاحب: زبان سنبھال ادمیر کے بچے!

میر صاحب: چکارہ سیٹھ کے بچے۔

(اعظم سے مخاطب ہو کر)

نوجوان: اگر تم شادی کے لیے ایسے ہی بے قرار ہو تو آؤ۔ میر سے ہمراہ آؤ۔ میری بھی ایک لڑکی ہے
 صیغۃ اللہ کی ہر شہرہ خوبصورت۔ سیلئے شمار ہر قسم کمپن کی اہر۔ حافظہ قرآن۔

(یہ کہہ کر وہ اعظم کو اتھار کر کہتا ہے) میں جوں سے لیتے ہیں ادھے

گھٹے دیکھتے ہیں میٹھ صاحب حق سے اپنے لوگوں کو آڑیں

دیے گتا ہے)

میٹھ صاحب: جو۔ فضلہ تیں۔ اتن اسے کوئی ہے۔

(یعنی میں نوکروں کی ایک فوج اندر داخل ہوا ہے۔ میرا صاحب
گھبرا کر منظم کالافتحہ چھوڑ دیتے ہیں۔ سیٹھ صاحب نے غمی شہ کی طرح اپنے

ہیں)

سیٹھ صاحب : میں ضمیٹ بڑے گوانٹھا کر باہر پھینک دو۔

(نوکر میرا صاحب کی طرف بڑھتے ہیں۔ منظم مڑ کر باہر پھرتا ہے
ابھی بات سے کہ ڈگری تصویر اور ہسٹوریات چھوڑ کر جاگتا ہے
سیٹھ دولت خاں لٹے آدازیں دیتے۔ اس کے پیچھے چلتے ہیں
اور اوچھیر میرا صاحب نوکروں کے سامنے کسب ٹوی کے کھلاڑی
کا ہاتھ بچ گھنڈے کی کرشمہ کشش کہتے ہیں)

پرودہ



بارصواں منظر

(وہی کوہ جو گیارہویں منظر میں دکھایا گیا ہے۔ سیٹھ عدالت خاں

بڑھانے سے نذر داخل ہوتے ہیں)

سیٹھ صاحب : کجنت میرے بچے نے سارا معاملہ لگاڑ دیا۔ اب اس زورواں کو کہاں ڈھونڈوں۔

(فصد کے خادم میں ٹپٹنے لگتے ہیں۔ اچانک ان کی نظریں پر۔ کچے

ہسے کا فندوں کے پتے سے پر پڑتی ہے۔ وہ رکھتے ہیں اور چرائی

لاٹھار کھینچنے پر اُس پندے کی طرف بڑھتے ہیں۔ اُس زورواں

کا بیٹے کی ڈگری تعزیر اور استنادات دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں)

سیٹھ صاحب : چلو اچھا پورا کہ وہ سب کا خدات وغیرہ ہمیں چھوڑ گیا۔ ہی سٹیلے میں بیگم سے بھی مشورہ کر لیا نیت

فروری معلوم ہوتا ہے۔

(بیگم ————— اور بیگم سنہی پر ————— امان بیگم

سنہی ہونا ————— ایک بہت بھاری بھر کم عمر سفید

رنگ خاتون داخل ہوتی ہیں معاملہ کھتی ہیں)

بیگم : کیا گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہے ! ————— کیا مصیبت پر لگی آخر !

سیٹھ صاحب : مصیبت ————— ! مصیبت پڑے تمہارے دشمنوں پر بیگم۔ میں تو تمہیں ایک عرصہ گھبری شانے

دلا ہوں۔ سنہی کی تریاخ بغیر مروجہ گئی۔

بیگم : اچھا ہی ! ————— تو میرا تاملی سے مجھے باخ بیخیر

سیٹھ صاحب : اس علاج میں پہلے ٹھکانی کھلاؤ

بیگم : ہے ہے۔ وقت زسنت۔ بڑھا پڑھا سخت۔ تم نے مجھے بھی کوئی علاج مرخیز سمجھو دکھا ہے کہ

• ہر وقت شمالی تیار رکھوں۔ پیسے خوشخبری سناؤ، اگر واقعی وہ خوشخبری ہوگی تو شمالی بھی آجائے گی۔

سیٹھ صاحب: وعدہ کرتا ہوں۔

بیگم: اب یہ بڑھے پونچھے ختم کرو — ادباً و کیا بات ہے؟

سیٹھ صاحب: بیسکر دست ہیں نا حاکم علی خاں۔ آج انہوں نے ایک بہت خوبصورت محبت مند اور خوش

مرطع فرمایا ہے اس لیے

میک جو ایک پڑا ہے ادب کا دلچسپی اتنی سننے لگتی ہے۔ اُس

کی انہیں کھن پڑتی ہیں

سیٹھ صاحب: مگر —————

(ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں)

(ایچ پریشان ہو کر بولتے ہیں)

بیگم: مگر کیا ————— یہ مگر کیوں؟

سیٹھ صاحب: (غصے سے دانت چلاتے ہوئے) مگر وہ کجمنت میر قدرت اف کا بچہ — اس پر

بیا بیجا ایسا رکھا کہ بس سارا کھیل بگاڑ ڈالا۔ اس سے گھبرا کر وہ زہرا جان بھاگ گیا —————

بیگم: (اچانک متذکر کو بیٹے کی نقل کرتے ہوئے) مائے دئے، پترتیں، میری بچیوں کے سہرے کے بھول

کب کھلیں گے آخر پروردگار

سیٹھ صاحب: (ناخوش انداز میں مونچھوں پر آؤ دیتے ہوئے) یہ روزا دعویٰ کیا انہوں نے حرکت ہے بیگم

گھراؤ نہیں، بھی وہ اٹھا جاوے، ہتھ سے نہیں نکل سکا ہے، میری اور میری تو تو۔ میں میں اپنی بی بی سے

کی ڈگری، استنادات اور تصویر وغیرہ سب بھول گیا ہے۔ انہیں لینے تو ضرور آئے گا وہ۔

بیگم: (چہرے پر طہینان کے آٹا۔ — تیندے کے انداز میں کہتی ہے) مگر ابد کھنا — اب کی ابدہ لڑکا

ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

سیٹھ صاحب: ابی ایسا ہو سکتا ہے کبھی ————— میرا نام دولت خاں ہے دولت خاں۔ دولت خاں

کے معنی میں اُردو میں طاقت خاں کے ہوتے ہیں۔ سمجھیں۔

بیگم : میرے سامنے ڈینگیں نہ مارا کرو اس طرح۔

سیٹھ صاحب : اپنے جرنل والے داماد کی تصویر دیکھو گی بیگم ؟

بیگم : کیوں نہیں — کیوں نہیں !

سیٹھ صاحب ہنسنے کے کاغذات کے بندے سے ایک تصویر

نکال کر پھیلاتے ہیں اور چہل کے انداز سے بیگم سے کہتے ہیں (

سیٹھ صاحب : میں اس طرح نہیں۔ پیٹھے اٹھیں بند کرو

بیگم : فرج یہ کیا چہل سوچی ہے تمہیں ؟

(سیٹھ صاحب نہیں اُنتے — خود بیگم کے پیچھے جا کر

ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں بیگم جھنجھپ کر ان کا ہاتھ

چٹا دیتی ہے اور ٹھنڈی دیوہیک تصویر کو لہندہ دیکھ کر ایک

ٹھنڈی سانس بھرتا ہے جس سے سیٹھ صاحب چونک کر فرود

سے بیگم کو دیکھتے ہیں اور خبیٹے لہجے میں پوچھتے ہیں)

سیٹھ صاحب : بیگم — یہی ٹھنڈی سانس تم نے کیوں لی ؟

بیگم : (وہ بھی تڑکے تلخ لہجے میں) اس سوال کا کیا مطلب ؟

سیٹھ صاحب : (اسی خبیٹے لہجے میں) میں پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ ٹھنڈی سانس کیوں لی ؟

بیگم : کیوں سانس لینا نہیں گناہ ہے ؟

سیٹھ صاحب : سانس لینا گناہ نہیں — لیکن یہی اور ٹھنڈی سانس ضرور کرنا مسخنی لگتی ہے

بیگم : خاک کا طالع تو حکیم تقمان کے پاس ہی نہیں تھا۔

سیٹھ صاحب : (اسی خبیٹے لہجے میں) باتیں نہ بناؤ بیگم — میں اس لیے اور ٹھنڈی سانس کا مطلب جان

کہتا ہوں۔

بیگم : رٹا چاہتے ہو !

سیٹھ صاحب : رٹائی اس ٹنڈھی اور بی سانس کا مطلب بولنے کے بعد شروع ہوگی۔

بیگم : تو پھر سنو ! — اس ٹنڈھی بی سانس کا مطلب یہ ہے کہ کاش نبی جوانی میں تم ہی ایسے

ہری خوبصورت اور کڑیل زوہوں ہوتے !

سیٹھ صاحب : اگرچہ کہ ایک ایک ہی ہوتے — اب میں اس کے کچھ نہیں سن سکتا۔ خدا کا قسم میں

تھیں گوان اردوں گا۔

بیگم : کاش تم مجھے اُسی روز گوانا دیتے جس دن تم سے میرا بیاہڑا تھا۔ بجائے اس کے کہ تمہاری شکل و صورت

کی یہ کاپی کالی رنگیوں جو ان ہر کرکریوں مذنی سسوں کی طرح میرے سینے پر نہ رکھی جاتی۔

(اچھ بیچ کر روئے ہوئے)

تم مجھے گوانا دیتے تو اچھا تھا۔

سیٹھ دولت خان بیگم کے اس طرح بیچ کر کہنے سے لکھن

پریشان ہوا تب اس کے بال بھ کر کتاب ہے)

آفرہ ! بھئی صبر ہوگی !

(اور پھر بیگم کے قریب جا کر نرم لہجہ میں کہتا ہے)

سیٹھ صاحب : بیگم ! یہ کیا بچپن ہے۔ رنگیاں گھر ہی میں ہیں۔ وہ کیا سوچیں گی۔ خدا کے لیے یہ روزنا

دلنابند کرو۔

بیگم : (اور زیادہ پھیل کر) نہیں جی۔ نہیں ! آج تو تم گوانی ہی مارو

(پھر اس میں مارا کر کہنے لگتی ہے)

سیٹھ صاحب : (زہر ہر کر انکل مد پنا رانتے چھٹے) اچھا بابا، اچھا — میرا قصور صاف کرو

میں اپنی گولی — ہر نہہ — میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ خدا

کے لیے مجھے معاف کرو۔

ہے کھسک بیگم کے دوپٹے سے بیگم کی بغیر آنسو والی
آنکھیں پونچھتا ہے۔ اور میز کے پاس سے اگلا دن اٹھ کر
اس کے منہ کے قریب لانا ہے اور کہتا ہے (

سیٹھ صاحب : لو اب غصہ تھوگ دو۔

بیگم : من جانے کے انداز میں اگلا دن میں آج تو "تو کتے جوئے کمٹی ہے۔

بیگم : (غصے سے) تم ہی قریب مجھے چھیڑتے ہو۔

سیٹھ صاحب : ابی بس رہتے ہی دو۔ اب کیا خاک چھیڑوں گا۔ کمر لڑکا پسند آیا!

بیگم : بہت پسند آیا۔ اگر وہ میری ماہ پارا بیگم کو بھی پسند کرے تو آتا کے مزار پر نیاز چڑھا دے گی۔
پانچ سو فیصدوں کو کھانا کھلاؤں گی۔

(اسی آتائیں نوکر اندر داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے)

نوکر : سیٹھ صاحب آپ کا ٹیلیفون !

سیٹھ صاحب : اچھا! کس نے لڑکے کا نہ ہو!

بیگم : جلوس میں جا چلتی ہوں۔

سیٹھ صاحب : آؤ۔

(سیٹھ اور بیگم ابھر چلے جاتے ہیں۔ ایک لمحے
کے لیے اسٹیج خالی رہتا ہے۔ اس کے بعد ایک نہایت
قریب انداز بے ہنگم سیاہ رنگ نرجوان لڑکی دبے
دبے پاؤں بوہر ٹوٹھوٹھو ہوتے داخل ہوتی ہے۔ میز
کے قریب جا کر غمگن تصویر اٹھاتی ہے اور غم سے
اسے دیکھتی ہے اور آنکھیں بند کر کے تصویر کو اپنے سینے
سے لگا لیتی ہے اور ہی آتائیں دو سکھ کرے

سے بیگم کی گھنٹا آتی ہے۔

اے پارا ————— بیٹیں اے پارا

میاں تو ایسے !

وہ لڑکی بسند آواز سے جواب دیتی ہے

اے پارا: جی ائی امی!

یہ کہہ کر وہ بھی کمرے سے اتر چلی جاتی ہے

پندرہ



تیر سوال منظر

ایک گاڑن ————— لان ————— ایک
 شخص ایک تیل مالٹے سے من ک المٹن کر رہے۔
 ان سے قریب ایک بے نمک انوزر ان پڑھتا اپنی ترنگ میں
 ایک غناک گیت گا رہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر غلم تھا آرا
 اور غم بیٹا گریٹ پھا رہا ہے۔ غلم سیاہ رنگ کا شیروانی
 میں مہری ہے۔

(۱۲۱)

جب گا نا ختم ہوتا ہے۔ جہل گاتے ہوئے داخل ہوتا ہے۔

چل میں بیٹیل باغ میں پتنگ اڑائیں گے

غلم کے قریب جا کر بے فکری سے ادھر سے انداز میں بولتا ہے۔

عیدل : رہل نو گلا انتگ ایڈ گڈ ٹاٹس برٹریڈی ٹاٹس۔ ہم سالادھر تھارا پاک بوجھ سیکن پوٹل میں استعار
 کرتا پڑا ہے ادھ سالام ادھر میں دلپ کمار کا کانک مد تا بیٹا ہے چلو ٹھوٹی۔ آج کچھ کچھ کچھ
 دیکھنے کو طبیعت المٹن کرتا ہے۔

عظم : اسی سزا سے تم جاؤ عیدل۔ آج میں نہیں جا سکتا۔

عیدل : واہ ہم اپنا فرنیڈ کو چھوڑ کر ایسے کچھ کیا دیکھ سکتا ہے تم کو بھی جانے سے سنگھات چھنا پڑیں گا۔

عظم : نہیں وار! آج میں ایک بڑی پریشانی میں بیٹھا ہوں۔

عیدل : واہ سے واہ ————— اور پریشانی اند پریشانی ————— سلام کو بھی بتاؤ۔ کیا

پریشانی ہے خلا قسم ہم ہی پریشانی کی ڈہری ٹاٹس کر دیں گا۔

اعظم : عدل ————— انوسخت بجا ہے۔ غالباً اسے ماننی مانڈی ہو گیا ہے اور تم تو جانتے ہی ہو
آج میرے پاس بالکل پیسے نہیں ہے۔

عبدل : سالانہ تم نے ہم کو کھن کیوں نہیں دلا۔ آج صوبوں (صبح) کو کیوں نہیں دلا۔ اسے پیسے کیا ہے۔ اٹھا
بیل بند۔ اٹھ بیٹے کرنا کون سا ڈنی کھٹ کام ہے۔ ہم ابھی اٹھ جیے کر کے پیسہ کا بندوبست کر لیتے

اعظم : نہیں عبدل نہیں ————— اس وقت میں کی کی بردہ مانیں لینا چاہتا تھا تم جانتے ہو مجھے اپنی بھرتی
ہم سے کتنی محبت ہے۔

عبدل : تمہارا ہم ہوا ابھی سسٹری ہے۔ ہم اس کو سارا کیسے دیکھ نکلتا ہے۔ تم ڈرتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ
مت آؤ۔ ہم اکیلا ہی جائے گا۔ پیسہ کا بندوبست کرے گا۔ امداد کی سٹی کا سب سے بڑا ادارہ ہے جس نے

(اس میں عظیم اعظم کو ٹھونڈتا ڈھونڈتا دلاں سینہ تارے اور نینری سے

عظیم ان طرف بڑھتا ہے اسے بے سخت پریشانی کھلے جسے ابولہ ہے)

مجید : اعظم چلو جلد ہی چلو۔ باوجودے پرشش ہو گیا ہے۔

(اعظم پریشانی سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

عبدل : اعظم بالو تم گھر جاؤ۔ ہم ابھی ڈاکسٹری لکھ کر گھر پہنچتا ہے۔

(اعظم مجید کے ساتھ سولا جا تا ہے)

پروردہ



چھوڑاں منظر

۱) شرک ————— جہل اپنے شکار کی
 نافرین شرک پہ ٹیل رہا ہے ————— اتنے میں ایک
 موٹا تو ذیل سیٹھ چھڑی بسن میں دانے گزرتا ہے
 جہل تیزی سے اس کے قریب سے دھکا دیتے ہوئے گزرتا
 ہے۔ دونوں گرجتے ہیں ————— سیٹھ کچھ کٹنا چاہتا ہے
 لیکن جہل خود تاک انھوں سے اسے ٹھوکتے ہوئے ڈالتا ہے (

جہل: سیٹھ جی! کیوں دولت کی چربی انھوں پر بھی چڑھ گئی ہے کیا؟

سیٹھ: اسے دیکھ کر سمجھا ہے اب دانتا ہے)

سیٹھ: بھئی! تم ہی تو ہم کو ٹھکویا۔

جہل: (غصے سے) ہم نے تم کو ٹھکویا۔

سیٹھ: (اسم کر) نہیں بابا! ————— ہم کو صحت کر۔ ہم نے تم کو ٹھکویا ————— چاروں انھوں

پر چربی چڑھی ہے۔

جہل: بس اب اپنا روٹو پکڑو۔ جیاستی ٹر ٹر ہم نہیں سوسکتا!

۱) سیٹھ غار شاہی سے اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا چلا جا رہا ہے اس کے

جاننے کے بعد جہل اس کی جیب سے اڑایا ہوا ٹبرہ کھوتا ہے تو

اس میں سما پانچ آنے۔ ایک ناس کی ڈبیا اور دو بیڑیاں ملتی ہیں)

جہل: ات تیری اپنی والے سیٹھ۔ کیا جارج پنجسم کا خزانہ کھیل ہے پاکٹ میں۔

یہ کہہ کر اس کی ڈبیا میں سے ناس نکالتا ہے۔ ناس چڑھا کر نند

سے چھٹکتا ہے اور پھر بیڑی سلگا کر کتا ہے)
 عجیب نام لگایا ہے۔ جکل سالاسیٹھ روگ بھی کر ڈکا رام دیوالبر داس ہے۔
 لنتے ہیں ایک ٹھیلے والا جس کے ٹھیلے پر سر مال دو دو آنے
 والا سمجھاؤ۔ ٹیڈا دکھینا آتا ہے۔ دوسری طرف سے ایک
 پولس کا ٹیل آتا ہے وہ ٹھیلے والے کو دیکھ کر ہنسی کی طرف بڑھتا
 ہے اور غصہ سے کتا ہے)

کانٹیل : لات کا بھوت بات سے نہیں آتا۔ ہم نچھ کو کنتی بار بولا کو ٹھیلے میں دو پر نہ لایا کرو۔ ہم تم کو تین بار بھوت
 کیا۔ لیکن آج تمہارا جالان کر سے گا
 ٹھیلے والا : (سنانی انگٹے ان (زین گوٹا کر) آج احسنری بار بھوت کر دیوستری ہی اچھ کھی نہیں آئے گا
 یہ ریٹ بڑا لالچی ہوتا ہے سنتری جی !

(مدل بھی قریب جاتا ہے اور سفارش کرتا ہے)

مدل : چلو بھات کر دیوستری جی اب غریب ٹھیلے بال نیکھے والے جوتے ہیں۔
 کانٹیل : تو کون ہے بے لات صاحب ! سفارش کرنے والا۔ دمان جرمیاں سے۔
 یہ کہ سنتری جی کے نوٹ تک اور ٹیل نکال کر ٹھیلے والے کا
 نام اور پتہ لکھتا ہے)

کانٹیل : نام ؟

ٹھیلے والا : فقیر محمد !

کانٹیل : آپ کا نام ؟

ٹھیلے والا : غلام محمد !

کانٹیل : گھر اور محلہ ؟

ٹھیلے والا : جھنگا نبر ۴۲۰ غریب آباد کوئی۔ تعالیٰ سگی۔ بیٹیل کے بھارت کے پاس۔

کاٹیل نام دینو تو نکو کر ٹیلے والے کو حکم دیتا ہے (

کاٹیل: بل ٹھیک رس ہے تو کالے منڈی کے تھانے پر بیٹھ جاؤ۔

ٹیلے والا: سنتی جی مسان کر دیو۔ پاؤں پڑتا ہوں۔

کاٹیل: نہیں نہیں تانوں، تانوں ہے کل اگر نہیں آئے گا تو جیل میں سسٹریگا۔

عبدال سنتی کے بالکل متصل کھڑا ہے سنتی یہ حکم دے کر

چلا جاتا ہے ————— جب سنتی آڈٹ آن فیلڈ ہو۔

جا آئے تو ٹیلے والا آسمان کی طرف منہ ٹھاکر کہتا ہے (

ٹیلے والا: ایک پروردگار! کیا تو ظلم نہیں دیکھ رہا ہے!

عبدال: کیوں نہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ خدا ہے۔ وہ گاڈ ہے۔ آل مائٹی گاڈ ہے۔ اس نے مجھ کو تیرا ہم مدد کے

یہ بھجا ہے۔ بول کیا تو کل تھانے میں جانا چاہتا ہے؟

ٹیلے والا: اب تو جا ہی پڑے گا بھیا

عبدال: بالکل نہیں جانا پڑے گا!

ٹیلے والا: بھیا تو ان پولیس والوں کو نہیں جانتا شاید!

عبدال: اسے خوب جانتا ہوں۔

(جب سے کاٹیل کی جیب سے اڑائی ہوئی نوٹ بک اور پین نکال

کر ٹیلے والے کو دکھاتا ہے اور پوچھتا ہے)

عبدال: کیوں سے یہی ہے نا وہ سنتی کی نوٹ بک جس میں اس نے تیرا نام اور تیرا لکھا ہے۔

(ٹیلے والا حیرت سے عبدال کو دیکھتا ہے اس کے چہرے

پر غصے کی لہر آجاتی ہے اور وہ ڈانٹ پڑھا کر عبدال سے لاتعلقی

ٹاکر کہتا ہے)

ٹیلے والا: واہ میرے شیر! جانتا ہوں سلیمان! کیا سزا دیا ہے تو نے؟

عبدل: تو اب زیادہ بک نہ کر۔ فوراً ہرجا ہاں سے رخ چکو۔ ورنہ پھر آجائے گا۔ رہ سنتی ہاں اور پکود
کرے جائے گا تجھ وہاں۔

ٹیسے والا: شکریہ جیسا! سلام حکم!

عبدل: وعلیکم سلام!

ٹیسے والا جلا جاتا ہے۔ ایک اور سیٹھ بڑک پر آتا ہے۔
عبدل کے گسری اور تقدری نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی
طرف بڑھتا ہے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہے اور پیسے
کی تاج کھرتے کر اسے بھی گرا دیتا ہے۔ لیکن یہ سیٹھ چالاک آدمی
ہر زمانہ ہے۔ وہ ایک دم شہد میا دیتا ہے (

یہ میں لٹ گیا۔

تباہ ہو گیا۔

بچو

بچو؟

ایسا کھٹی ہرجائی ہے۔ اتنے میں دی کانسٹبل جس نے ٹیسے والے

کا چالان کیا تھا وہ بھی وہاں آجاتا ہے۔ جدل کو کپڑا لیا جاتا ہے)

سیٹھ! اس نے میری پکٹ مار لی ہے۔ میری پکٹ میں پونہ چار ہزار روپیہ ہے۔ دن دہلے یہ نوٹ!
دھائی ہے۔ گورنمنٹ کی دھائی ہے۔

کانسٹبل: اچھا تو ہے ذاتِ شریف! میری نوٹ بک اور فیصل بھی تو نے اڑائی ہے چل دکھا تاشی۔

(عبدل کو گورنمنٹ نے پکڑ رکھا ہے۔ اس کی حسیب کی تاشی

لی جاتی ہے۔ تو ایک خالی پکٹ۔ سو پانچ آنے ہیں

کی ڈبیا۔ کانسٹبل کی نوٹ بک اور فیصل اہ دوسرا

بٹوہ جس میں واقعہ چار ہزار روپوں کے نوٹ ہیں
برآمد ہوتے ہیں۔)

عبدل : چھوڑو مجھے۔ میری چھوٹی بہن بہت سخت بیمار ہے۔ میں نے چوری نہیں کی۔ میں نے اپنا حق
پہننا ہے۔ چھوڑو مجھے

لیکن کانسٹیبل اور لوگ ہاگ اسے دیکھنے دے کر
سے جاتے ہیں)

پروردہ



پندرہواں منظر

اعظم کو والدہ کا کمرہ — جس میں دو چار بیاباں
 نکمے ہیں — اور ضروریات کا کچھ معمولی سا ماں
 جس میں صندوق اور ایک چھوٹا سی الماری میں برتن وغیرہ
 رکھے ہیں — ایک چارپائی پر آٹو بخاریں کراہ
 رہی ہے۔ اعظم اور مجید ایک ڈاکٹر کرلیے داخل ہوتے ہیں
 ماں ڈاکٹر کی وجہ سے جلدی سے اندر چلی جاتی ہے
 ڈاکٹر استسکوب لگا کر باڑکی حالت دیکھتا ہے اور کہتا ہے

ڈاکٹر: ٹیٹا ٹیٹا کا علاج ہے۔ لیکن گھبرانے کا کوئی بات نہیں۔ میں چند دو ایساں اور انجکشن لکھ دیتا ہوں۔ کسی
 یکسٹ کا دکان سے آئیے۔ شام کو میں انجکشن لگا دوں گا۔

ڈاکٹر: ایک پرچہ پر دو ایساں اور انجکشن کے نام لکھ کر اعظم
 کو دیتا ہے۔ اعظم پر پھرتا ہے۔

اعظم: ڈاکٹر صاحب یہ دو ایساں اور انجکشن کتنے تک مل جائیں گے؟

ڈاکٹر: یہی کوئی پچیس تیس روپے تک!

مجید: (حیرت سے) پچیس تیس روپے!!

ڈاکٹر: اور کیا؟ — یہ دو ایساں اور انجکشن ہاں سے آتے ہیں۔ یہاں تو طبی بنتے ہیں۔

مجید: (دہرے خفق سے) تو پھر یہاں کیا بنتا ہے ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر: جی — کیا؟

اعظم: (طنز سے اور کھنجی) یہاں صرف بیمار بنتے ہیں مجید۔

ڈاکٹر سے نوا طلب ہو کر

ڈاکٹر صاحب! آپ کی فزکس میں تو پانچ گونے سے ہے۔ لیکن اس وقت میرے پاس صرف تین گونے ہیں۔ انا اور شام کی فزکس میں۔ میں ساری فزکس اور کروں گا

ڈاکٹر: دیکھئے! شراہ بڑی غلط بات ہے۔ اس وقت تو میں تین پیسے سے بیٹا ہوں گرونگے شام گھمے پونڈا نہیں اور بیٹنس کے دوپے ضرور مل جائے گا نہیں۔ بس میں اگر تمہاری تحریر میں لیتے ہے تو ہمارا دارا خانہ کیسے چمے گا۔ بسے بھی تو ہاں تھے ہیں میں پانچ تو ہجور ہوں

ڈاکٹر: آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب! آپ بھی مجبور ہیں ہم بھی مجبور ہیں۔ یہاں سب ہی مجبور ہیں۔ لیکن آپ مطمئن رہیں۔ مگر شام تک میں آپ کی فزکس کا بندوبست نہ کر سکا تو میں آپ کو تکلیف بھی نہیں دوں گا۔ یہ قبول فرمائیے۔

(تین پیسے ڈاکٹر کو دیتا ہے)

(ڈاکٹر تین پیسے جیب میں رکھ لیتا ہے۔ منظم جیسے کہتا ہے)

منظم: مجید! ڈاکٹر صاحب کا بیگ اٹھاؤ اور انھیں دسپری تک چھوڑ آؤ۔
بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر: گڈ نائٹ!

منظم: گڈ نائٹ

کتا مڑا آرام کر ہی پر گر پڑا ہے۔ ایک لمحے کے بعد آواز

(آتی ہے)

آواز: میں اندر آسکتی ہوں؟

نور افشاں گھبراہٹی اور پریشان اندر داخل ہوتی ہے اور تیزی

سے منظم کے قریب جا کر اس کے دونوں شانے جھنجھڑ کر مٹھیں

سے کہتی ہے (

نورافشاں: عظم — عظم! میرے لہجے اپنے میرے نیلام کی آواز میں مقرر کر دی ہے اب بولو میں —
عظم: (بڑبڑاتے ہوئے) دکھ! دکھ! دکھ! دکھ!

(بانگ چارپائی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

آہستہ ہولو۔ بانو سخت ہمایا ہے۔

(نورافشاں بانگ چارپائی کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ اٹھ کلاس کا چارپائی

کی طرف جاتا ہے۔ بانگ کے اچھے پر اٹھ کر دکھ کر دیکھتی ہے۔

انوریزیم پوشی کا عالم طاری ہے۔ نورافشاں وہاں سے پھر

عظم کے پاس آتی ہے اور پوچھتی ہے)

نورافشاں: ڈاکٹر اور ودائی کا سدبست کیا تم نے؟

عظم: تم جانتی ہو نور! اسکول کی نہیں دینے کے باعث اسکول سے بانو کا نام کٹ گیا۔ ادب ڈاکٹر کی نہیں

دینے کے باعث اس کا نام خیا سے کٹ جائے گا۔ یہیں ہی طرح جانا ہوں۔

نورافشاں: عظم! تم دن دن مانو دیتے جا سے ہو۔ میں پوچھتی ہوں کہ تھلے سے پہلو میں انسان کا دل کیوں نہیں ہے؟

عظم: دنیا کا ہر غریب آدمی جانو دہری ہوتا ہے سن نورافشاں! دنیا بھر کا بوجھ اٹھانے والا ہے بان اور

مظلوم جانو۔ پھر تم یہ کیوں پوچھتی ہو کہ میرے پہلو میں انسان کا دل نہیں ہے۔

نورافشاں: تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے۔ مجھ سے تمہاری بے غمی تو خیر گوارا کی جا سکتی ہے لیکن تم اپنی

معصوم ہون کو اٹھانے سے روٹ کے کھڑی ہو گرتا دیکھ سکتے ہو۔ تمہاری ہن مروتی ہے اور تم

اودام سے بیٹھے اس کی آخری سانسیں گن رہے ہو۔

عظم: نور! — کبھی کبھی نہیں چاہتا کہ بانو مر جائے۔

نورافشاں: تو پھر جاتے کیوں نہیں۔ ڈاکٹر کو بلاتے کیوں نہیں۔ یہ لو رو پیسے میں دیتی ہوں۔

(یہ کہہ کر وہ اپنا منی پر ہن کھولنا چاہتی ہے لیکن عظم اس کی

طرف سے ہٹ کر بیٹھ کر اس سے کہتا ہے)

عظم ، تم نے میری بات نہیں سنی۔ فوراً میں بانو کی موت اس لیے نہیں چاہتا کہ میری یہ اگلی قیض بہت بوسیدہ ہوگئی ہے۔

نور افشاں : قیض بوسیدہ ہوگئی ہے ، کیا بک ہے سے ہر تمہاری بوسیدہ قیض اور بانو کی بیماری کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

عظم : بہت بڑا تعلق ————— یعنی اگر بانو مر جاتی ہے تو جو کپڑا میں اپنی نئی قیض کے لیے خریدا چاہتا ہوں وہ بانو کے کنن کے لیے استعمال ہوگا اور میں یہ نہیں چاہتا۔

اور فتنے سے بے تاب ہو کر عظم کے گال پر ایک زوددار چاشناسید لگا ہے اور کہتی ہے !

نور افشاں : حوشی دندے !

(اور وہ اس کے دونوں تانے پکڑ کر جھنجھوٹتی ہے اور

پیرا چاک خاموش ہو جاتی ہے ۔ پھیٹی پھیٹی آنکھوں سے غلار

میں گھورتے لگتی ہے اور اچانک عظم کے سینے پر سر ٹیک

کر گڑا گڑا کر دندے آواز میں کہتی ہے)

مجھے صاف کرو عظم ! ————— میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ تم بھی سر ٹیکے پر عظم !

پرینت انسان تم زندہ نہیں ہو۔ مجھے صاف کرو کہ میں نے ایک لاکش کے گال پر ٹانچہ لگا کر ہاش کی

توہین کی ہے۔

(پھر وہ اہستہ سے اس سے الگ ہوتی ہے اور بڑے غمزہ

کے ساتھ کہتی ہے)

نور افشاں : اچھا امیں بانو کو موت کے منہ سے بچاؤں گی۔ میں عزرائیل سے لڑوں گی۔ میں خدا کی منتیں کروں گی۔

میں بانو کو بچاؤں گی۔

یہ کہتی ہوئی وہ گمرے سے باہر نکل جاتی ہے)

(عظم پھر آرام کر سکی پر سناڑا جا آپسے۔ اچانک بانو بلند

آواز سے بڑھانے لگتی ہے)

بانو : امی ————— ! بھائی جان ————— !! وہ دیکھو ! وہ سفید سفید لمبی واڑھی والا بڑھا

مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے ————— بھائی جان ! ————— امی ————— اس

بڑھے کی پیٹھ میں وہ بڑے بڑے پرنٹے سجے ہوئے ہیں۔ امی مجھے اس بڑھے سے ڈر لگ رہا ہے۔

امی ————— بھائی جان !!

عظم پر ایک پڑا ہے اور پیٹھی پیٹھی آنکھوں سے سامنے دیکھنے

لگتا ہے۔ عظم کی والدہ جو جیسے ناز پڑھ رہی تھی وہی ڈری

کر رہی آتی ہے۔ اس کے ہاتھ تیسریں ہیں اور سر درپٹے

سے پوری طرح ڈھنکا تھا ہے وہ اتنے جڑے بانو پر بھک کر

یسین ترین پڑھنے لگتی ہے

یسین والقرین الحکیم۔ انیس لسن انیس لسن علی علیہ السلام

لیکن آواز بتر جاتی ہے وہ اگے نہیں پڑھ سکتی۔ چھوٹ پھوٹ

کرتوتے لگتی ہے۔ عظم اب دیدہ کلومی سے اٹھتا ہے اور بانو کی

چارپائ کے سونے زمین پر گھٹے تیک کہ وہ نون انھوں میں پانا

مرجھا پاتا ہے۔ بانو پر زبان بکنے لگتی ہے)

بانو : کتنا اچھا باغ ہے کیسی رنگین تیریاں اڑ رہی ہیں۔ امی وہ دیکھو اور صدقہ کی ندری بھر رہی ہے

لیکن وہ بڑھا ————— اس کے بال —————

(وہ نذر سے پیچ پڑتی ہے)

اس کے بال مجھے چھو رہے ہیں اتنی ————— مجھے بچاؤ ————— مجھے بچاؤ —————

(عظم گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا ہے اور اس کی والدہ بچہ کر لگتی ہے)

ماں و اعظم — بیٹے جاؤ — ڈاکٹر کو بلاؤ۔ مکن ہے ڈاکٹر کو میری بچی پتوں آملے۔
 مکن ہے ایسا — مکن ہے — تم جاؤ — تم کاشش ڈکو۔
 میرے بچے —

(اعظم بت بکھڑا رہتا ہے اور ان سے دیکھ کر نہایت دھی
 لھے میں کہتی ہے)

ماں : کاشش آئی ہیں ایک جوان عورت ہوتی۔

(جو جو اعظم کے دل پر تیر کاٹی گئی ہے اور بڑی بھیاں ایک اور
 بند آباد بیٹھا ہے)

ماں — !

اور سپردہ بٹھی بھی اٹھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے
 نرم لیکن طنزیہ لہجے میں کہتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو
 آئی کاشش تم ایک جوان عورت ہوتی!

ماں : (چھت کی طرف دیکھتے ہوئے) میں اپنی بانو کو آسمانوں پر ہرگز نہیں جانے دوں گی۔

اے پروردگار! — میرے پاس میرے بچوں کے سوائے کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں
 ہے — تو وہ بھی چھین لینا چاہتا ہے صبور!

(اعظم ایک لمحہ کے لیے ان کو اور بانو کو دیکھتا ہے اور
 سکس ماں نوحہ کر نہایت فضیحا آواز میں کہتا ہے)

ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں ہوگا۔

یہ کتاب تیارہ باہر چلا جائے

چمروہ

سولھواں منظر

سٹرک کا منظر ————— سعود علی خاں
 حردیسی لباس پہنے ————— سر پر سہا بنہ صاف
 ایک گھوڑے پر سوار داخل ہوتا ہے —————
 اس کے سامنے بیٹھ ایمان کا امدی پرنٹ ہے —————
 اور اس کے ساتھ براتی رنگ برنگے کپڑے پہنے
 شریک ہیں ————— بیٹھا ہے کے یونٹ کے
 آگے دو توڑ باز توڑ بازی کا منظر لہرہ کر رہے ہیں۔

نوٹ

توڑ بازی کا یہ مظاہرہ آٹھس وقت تک جاری رہے
 جب تک کہ کستریوں منظر کا فریغ پورے کے پہلے
 جمان لیا جائے —————
 توڑ بازی کے مظاہرے کے بعد برات آگے بڑھتی ہے

اور

کٹی سے اہر نکل جاتی ہے

پروہ



سرسواں منظر

(سیٹھ دولت خاں کا ڈرائنگ روم —————)

سیٹھ دولت خاں کیسے بیٹھے تھے پتے پتے — بیہ

کھاتے دیکھتے ہیں — نوکر امد نائل

ہرتاب ہے اور ملاقاتی چھٹی ان کے گلے کرتا ہے — چھٹی

پر نام دیکھ کر سیٹھ دولت خاں کی باپیں گل جاتی ہیں۔ وہ

نوکر سے کہتے ہیں (

سیٹھ صاحب : اے چھٹی سے امد بیچ دو۔

(اعظم وائل ہوتا ہے۔ وہ نہایت مغرم اور اداس ہے)

اعظم : السلام میکیم !

سیٹھ صاحب : وہ کلم السلام ————— کس او بھئی آؤ ! تم تو ایسے غائب ہوئے کہ میں

میں آج تھکے ہی گھر جانے والا تھا۔ بجھے آدمی ! اس دن تم اپنی بی-ٹے کی ڈگری اور ہسٹریاٹ

بھی میں چھوڑ گئے۔ پھر لینے تک نہیں آئے۔ عجیب آدمی جو اور ان یہ کھڑے کیوں جو۔ بیٹھے

کیوں نہیں بیٹھتے۔ بیٹھ جاؤ۔

(اعظم بیٹھ جاتا ہے)

سیٹھ صاحب : بیٹھی ان لوگوں کے واقعہ کا مجھے بہت افسوس ہے۔ وہ کجنت میرا بیٹا ہے

اعظم : (بات کاٹ کر) سیٹھ صاحب ! اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں مجھے آپ سے ایک

نہایت ضروری بات کرنی ہے۔

سیٹھ صاحب : ان دنوں کو، شوق سے کہو۔

اعظم : میں اپنے آپ کو بیچے آیا ہوں۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بنائے کی ڈگری اور چمک بک کی شادی میں دیر نہیں ہرٹی چاہیے۔

سیٹھ صاحب : (جیران ہر کر) کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔

اعظم : سیٹھ صاحب! میں آپ کی لڑکی سے شادی کے لیے بالکل تیار ہوں۔

سیٹھ صاحب : (غرض ہر کر) اودہ — اودہ! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے میں — میں کٹھ

مناسب تاریخ

اعظم : (بات کاٹ کر) مگر سیٹھ صاحب! ایک شرط ہے۔ میری بھرتی میں سخت بیمار ہے۔ میں خالی

جیب اس کو عزتوں کے سامنے سے اٹھا کر واپس نہیں لاسکتا۔ (جیب ایک پرچہ نکال کر) یہ

روایاں اور انجکشن اور ایک ڈاکٹر کا فوراً تہہ بست ہونا چاہیے۔ پھر میں ہمیشہ کے لیے آپ

کی خدمت میں ہوں

سیٹھ صاحب : اودہ! بچے انوس کی بات ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں دلیے بھی یہ میرا انسانی فرض

ہے۔ میں بھی اپنے فیملی ڈاکٹر کو ساتھ لے چلا ہوں۔ گھر آؤ نہیں۔ بس ٹھیک ہو جائے گا۔ اچھا میں

زرا کپڑے پہن لوں۔

(یہ کہہ کر سیٹھ اٹھ جاتا ہے۔ اور عظم کتا ہے)

اعظم : کتنا خود غرض ہے انسان۔ اگر میں یونہی اس کے پاس چلا آؤں اور اس کی ہی بات کتا تو شاید مجھے کسی

خیراتی شفا خانے کا بھی پتہ نہ بتا آ۔ واہ سے انسان!

(سیٹھ کپڑے پہن کر آتا ہے اور کتا ہے)

سیٹھ صاحب : آؤ آؤ جلد!

(اعظم اور سیٹھ ابر پیٹے جاتے ہیں)

اٹھا رھواں منظر

(شرک — تین آدمی ایسے لباس میں کھڑے

ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے وہ کس برات میں شریک تھے۔

————— وہ ایک دوسرے کو مگرٹ آفر کر کے

مگرٹیں جلا رہے تھے۔ یہ کہ ایک شخص دڑا دڑا آتا ہے اور کہتا ہے)

اندھے آنے والا شخص

بارد غضب ہو گیا غضب۔ دلیں کاکیں تیرے ہیں۔

ایک شخص: یہ اندر کیا گڑبڑ ہو رہی ہے بھئی؟

اندھے سے آئینہ الٹا شخص: بیٹھے حاجی رحمت اللہ اور کرنل ارباب خان میں بڑی تڑو۔ میں میں چوری ہے۔

دوسرا آدمی: توبہ توبہ کیا ناز آ گیا ہے۔ روٹین تک گھروں سے بھاگنے لگی ہیں۔

تیسرا آدمی: ایسا! تیس پتہ نہیں آج کل دلیوں کے ہسکوں میں بھی اسپرٹس ہوتے ہیں۔ وہاں دلیوں کی دڈر

کے مقابلے ہوتے ہیں یہ بھاگنے کی عادت وہیں سے پڑتی ہے۔

چوتھا آدمی: (غٹھی سانس لے کر) بارہ عشق کا پکڑ بڑا خوب ہوتا ہے۔

پانچواں آدمی: آہو جی۔ بے شک سالانہ چوڑا ای بڑا خانہ خراب ہے!

چوتھا آدمی: اب کیا ہوگا؟

تیسرا آدمی: کرنل ارباب خان کی ناک کے ٹکے ناک!

دوسرا آدمی: اسی لیے بٹھے بٹھے کہتے ہیں کہ دلیوں کو صرف ہمشچی زبیر انڈکٹیدہ کار کا جیسی کتابوں سے کلمے

نہیں پانا چاہئے۔

پہلا آدمی: اماں نہیں یاد! اس میں تعلیم کا کوئی قصور نہیں۔ تعلیم تو بڑی اچھی چیز ہوتی ہے۔ انسان کی

زندگی بنا دیتی ہے۔

دوسرا آدمی : ویسے اس تعلیم ملے کو دیکھو۔

پہلا آدمی : بیٹا۔ غریبی کی وجہ سے میں پڑھ سکا۔ اگر پڑھنے کا موقع تھا تو ذرا علم بنا دیر علم۔

(نقہ ہی پاپے کے پیچھے کسے تول جلنے کا آواز آتا ہے۔ سب

لوگ چونک پڑتے ہیں گھبر سے جاتے ہیں۔ ایک کتا ہے)

یار۔ جادو ڈراندر جا کر معلوم تو کرو کیا بات ہے ؟

(اندھے آئینہ والا آدمی مدٹا ہوا چہرا اندر جلتا ہے۔ دقتیں لٹوں

کے بعد وہ مدٹا ہوا آتا ہے اور کہتا ہے)

اندھے آئینہ والا آدمی : یار وہی ہوا جو ہونا تھا۔

(سب آدمی اسے گھیر لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

کچھ بتاؤ تو سہی کیا ہوا ؟

اندھے آئینہ والا آدمی : کرنل ارباب خاں نے خود کشی کر لی۔

سب کے سب : ہیں !!

ایک شخص : تو بے تہہ ! کبھی کبھی ایک جوان لڑکی کی ذرا سی غلطی سائے خانہ مان کو تباہ کر دیتی ہے۔

دوسرا آدمی : خدایا گنہ سے مگر یہی ٹیڑھے۔

پہلا آدمی : او کی دماغ چلتے ہیں۔ آؤ آؤ !

(سب کے سب اوٹ اوٹ آتے ہیں اور جلتے ہیں)

پیرہ



انیسواں منظر

عظم کا کمرہ ————— جو پہلے منظر میں تھا
 بانو بڑی بزرگ پلٹی ہے۔ عظم کی والدہ اور حمید اس کی چاچا پائی
 پر بیٹھے ہیں۔ ————— عظم کی والدہ مدتی جا رہی ہے
 ————— اور اتنے میں نڈانٹاں جو عمر کسی
 باس پر باہر سے ہے۔ ایک ڈاکٹر کو لیے داخل ہوتی ہے —
 ڈاکٹر آٹھکاپ لگا کر ان کو دیکھتا ہے۔ ————— اسی
 آثار میں عظم اسپتالہ دولت خاں اذراں کا فیملی ڈاکٹر
 مدد سے میں داخل ہوتے ہیں جیسے ہی وہ داخل ہوتے ہیں پلٹا کر فریڈکا
 کہتے سے چارپائے سے لڑا ہے۔ درپردے بانو کا چہرہ ڈھانکتا ہے
 ہے عظم بیٹہ دیکھ کر رو کر کہتا ہے (

بانو! ————— !

اس کے اقصے سے دو ایڑوں کی شیشیاں اور ایکشن فرسش پر
 بھٹانے کے ساتھ گر کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ عظم کی والدہ غصناک
 شہزادی کا لہجہ اس کے بڑھتی ہے اور چھت کی طرف دونوں اتر
 اٹھا کر چلتے چلے گئے ہیں۔

بانو! ————— میری بچی ————— تو مت گھبرا ————— کوئی
 تجھ مجھ سے نہیں چھین سکتا ————— میں تیرے پاس آؤں گی ہوں بیٹی! میں تیرے بغیر
 برک نہیں ہی سکتی بیٹی!

یہ کہہ کر عظیم کی والدہ ایک چھوٹے اپنے سینے میں جوڑ لیا
 (یعنی ہے)

اعظم: (چینتا ہے) اہ ————— !

نورافشاں دونوں ہاتھوں میں اپنا سبز چھپالیہ ہے دونوں
 ڈاکٹر اسٹیٹہ دولت خاں عظیم کی والدہ کی اس حرکت
 سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً اسٹیٹہ دولت خاں
 ”باپ سے باپ“

کتا ہے اور تیزی سے رنگ میں غائب ہو جاتا ہے
 عظیم دیوانے کی طرح بیٹھی بیٹھی آنکھوں سے برسرا منتظر دیکھتا
 ہے۔ مجید عظیم کی ماں کی طرف بڑھتا ہے جو فرسش پریٹپ
 رہی ہے اور اس کا دم اتر ہے۔ عظیم مجید کو اپنی ماں کے
 پاس دیکھ کر دیوانے کی طرح چینتا ہے۔

اعظم - مجید ————— ہرٹ جاڈ کس عورت کے پاس سے اسے بھی مر جانے دو۔ اس
 کنجٹ عورت کو ابی دن مر جانا چاہیے تھا جس دن اس کا شوہر مر گیا تھا۔ جس دن اس نے مجھے اور
 جس دن اس نے بانو کو جنم دیا تھا ————— ہرٹ جاڈ مجید ————— دونوں میں
 تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔

نورافشاں دُور ڈر عظیم سے جھپٹ جاتی ہے۔ لیکن عظیم
 اسے فرسش پر دھکیل دیتا ہے اور پیکار تہ ہے)

مجید: اس کا انتظار کر رہے ہو اب۔ اٹھاؤ ان لاشوں کو یہاں سے۔ ایسی لاشوں کا کوئی جنازہ
 نہیں ہوتا۔ ان لاشوں پر کوئی مقبرہ نہیں بنایا جاتا۔ ان پر کسی کے آنسو نہیں ٹپکتے۔ کوئی ان پھول نہیں
 چڑھاتا۔ اٹھاؤ ————— اس کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو اٹھاؤ یہاں سے ————— انہیں

ہرم ذنب کے باہر پھینک آئیں تاکہ یہ زمین پاک اور صاف ہر جڑے۔
 یہ کہہ کر وہ اگلے بڑھتا ہے اور اپنی چھوٹی بین بانو کی لاشیں
 اپنی دونوں ہاتھوں میں اٹھاتا ہے اور اس کی پیشانی کو چوم
 کر کہتا ہے

گر ڈائی ابی ڈیرش بانو ————— تم چاکھٹ کے ڈبے کی لاشیں میں بہت درد
 چلی گئی ہو ————— میں جانتا ہوں کہ اب تم کبھی واپس نہیں آؤ گی ————— اپنی
 نفسی تخی یا ہنوں کا مار یہ کہہ گئے میں کبھی نہیں ڈاؤ گی۔

بھاری سُر بانو ! ————— تم اس وقت زمین کو چھوڑ کر نرم نرم آسمانوں پر چلی گئی ہو۔
 اب تمہارے ننھے ننھے اطفال آگے نہ دھتے گوندھتے کبھی نہیں تھکیں گے ————— آؤ! میں تمہیں دنیا
 کے آخری دردانے سے تک چھوڑاؤں۔

میرا ننھی گڑیا! میں تمہیں دفن کرنے میں بلکہ میں زخمی۔ بے جا۔ گی اور ایک موت نے زیادہ بدتر
 زندگی کو دفن کرنے جا رہا ہوں۔ میں تمہیں دفن کر کے مٹاؤں چرکتا ہوں کہ میں نے زخمی۔ بیماری اور
 ایک مجبور زندگی کو دفن کر دیا ہے

(چینتے ہوئے)

اور اگر اس ہی طرح ہر روز سیکڑوں کی تعداد میں مغلیوں۔ بیماریوں اور مجبور زندگیوں کو دفن کیا جاتا
 رہتا تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن ————— ایک دن پر زمین ————— میں زمین بالکل
 پاک و صاف ہو جائے گی۔

(یہ کہہ کر وہ تیزی سے روتا ہوا چلا گیا اور لاش اٹھائے)

بھاگ جاتا ہے)

پہلے

آخری منظر

اعظم کا مکروہ ————— دیکھی سینگ
 جو اس سے بے کے منظر میں تھی ————— اعظم
 ایک لاد غایت منوم سٹول پر بیٹھا سگریٹ پنا رہا ہے
 اس کی آنکھیں خوفناک طور پر چمکی برائی ہیں —————
 اتنے میں نور افشاں دہیے پاؤں اندر داخل ہوتی ہے۔ اعظم
 اسے دیکھتا ہے اور اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے نور افشاں
 اس کے قریب جاتی ہے اور اسکی ایک ہاتھ کو مضبوطی سے
 پکڑ لیتی ہے اور کہتی ہے

نور افشاں: اعظم! اب میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں ————— میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی
 اعظم! ————— میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی اعظم! ————— غم کی اس اندھیری
 رات کی ضرورت کئی صبح ہوگی، اس رات سے کی ضرورت کوئی منزل ہوگی۔
 اعظم: کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بھی اس دنیا سے چلا جاؤں گا؟ کیا تم نے مجھے اتنا بزدل سمجھ لیا ہے کہ میں اپنی اس لڑ
 اپنی ہیں کے قاتل کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے چلا جاؤں گا؟
 (بڑے عزم کے ساتھ)

نور افشاں! ————— میں زندگی کے رستے پر ابھی چلتا ہوں گا۔ ہمیشہ چلتا ہوں گا۔
 شکست کبھی نہیں دوں گا ————— کبھی نہیں۔

یہ کہہ کر وہ نور افشاں کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔
 اسٹیج پر اچانک اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور میں منظر سے

دردِ ناک سے ہیں کوئی عطا ہے)

(بلرز بمیر)

کیس توڑو گا شبِ ستِ موجِ کا ساں
 کیس توڑا کے ٹکے گا سفیدِ غمِ دل
 ابھی گرا ہی شبِ میں کی نہیں آئی
 چلے چلو کہ وہ سنسہل ابھی نہیں آئی



آخندیِ سرو کے خستہ نام پر دل میں اُجالا

پَرودہ



قدیمتیا

اپن درن ناظمہ اشاک



کردار

ریاض	حسان			
سرود	سلطان			
نعیم	عقیل			
مجتی	بیکار	رہین	نجمہ	ذکیہ

مقام

جنوں سے شعارہ میل نوا کھنور کے قصبہ میں ذکیہ کا گھر

وقت

صبح سے شام تک



پہلا منظر

(ذکیہ کا گھر اکھڑ کے قدیم قصبہ میں دریائے چناب کے کنارے ایک
پہلا ٹی پر بنا ہوا ہے۔ چونکہ اکھڑ کا قصبہ جموں (کشمیر) سے اٹھارہ میل
کے فاصلے پر ہے لہذا یہ کی برائی میں واقع ہے اور ذکیہ کا گھر اس قصبہ میں سب سے
اچھے ٹیکہ بنا ہوا ہے۔ اس جیسے اس کی کھڑکیوں سے دریا اور پہاڑوں کے
نہایت دلچسپ اور دل فریب مناظر دکھائی دیتے ہیں۔

پر وہ اسی گھر کے سونے کے کمرے میں اقامت ہے اور سلی نظر میں کمرے
کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس گھر کی شان کو دیکھ کر کبھی خواب میں
جی بیخیال نہیں ہوا کہ اندر سے اتنا بزرگ ہو گا۔

لیکن قصبہ شاہ پور کا بنانے والے کا نہیں۔ کیونکہ یہ مکہ بھی کافی مشہور
ہے اور پرانی وضع کا ہونے کے وجود کافی مواد اور دستوں ہے۔ ماسوائے
دیوار میں تین سناڑے ہیں جو آگن کی بالونی پر کھلتے ہیں۔ ان دو اڈوں میں
سے بالونی کا جھنڈہ اس سے پرے نیلا آسمان دیکھنے والوں کی تہنوں چوٹیاں
اور سرسید کے ہرنانی پہاڑ نظر آتے ہیں بالونی سے ایک طرف باؤگی
خانے اور پٹریوں کو اور دوسری طرف غسل خانے اور دوسرے کمروں کو
مستحق جاتا ہے۔ اور اسے آنے جانے والے۔ ان تہنوں دو اڈوں سے نظر
آجاتے ہیں۔ ان میں دیوار میں دو کھڑکیاں اور ان کے درمیان ایک الماری
بچی ہوئی ہے۔ یہ کھڑکیاں دیوالی طرف کھلتی ہیں۔ ان سے نہ صرف دریا
کا نظارہ کیا جاسکتا ہے بلکہ ہر وقت ٹھنڈی ہوا کا لطف بھی اٹھایا جاسکتا ہے

دائیں دیوار کے پرے کونے میں ایک دروازہ ہے جو دروسے کمرے کو جاتا ہے
اس کے دروسے کو دیوار میں ذرا اونچے دو پٹے بڑے طاق بنے ہوئے ہیں۔
انہیں طاقتوں کے نیچے ذکیہ کا پنگ لگ ہوا ہے۔ — لندازوں اور
کھڑکیوں کے درمیان دیواروں میں کھنٹیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ لیکن ان دروازوں -
کھڑکیوں - الماریوں اور کھنٹیوں کے باوجود کمرہ تنگ اور تاریک نظر آتا ہے
پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس وقت کھڑکیاں اور سامنے کی بالکونی پر کھلنے والے دو
دروازے بند ہیں۔ درمیان کا بھی آدھا کھلا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کھنٹیوں
طاقتوں اور الماری کے باوجود اتنی چیزیں ایک ساتھ کمرے میں گڈ ٹیڈی ہیں کہ
کمرے کی وسعت ہی بے ترتیبی میں گم کر رہ گئی ہے۔ — معلوم ہی نہیں
ہوتا کہ برکمرہ سونے کا ہے۔ کھانا کھانے یا نہانے کا۔ — بالکونی
پر کھلنے والے بائیں طرف کے دروازے کے نزدیک موری اور چھٹا سا کھرا بنا ہوا
ہے۔ اس کمرے کے برابر لٹے اور بائیں طرف پڑی ہوئی ہیں۔ اور کھڑکیوں اور دیوار
کے ساتھ الماری کے برابر پڑے اور کھٹنے ایڑنے کا دوسرا سامان پڑا ہے۔
الماری کے پرکھن بے شرم کی ہے ایک آنکھوں کی طرح کھلے ہوئے ہیں اور
اس کے خانے ٹائلٹ سے ملے کر سینے پر ہونے کے سامان تک بے شمار
چیزوں سے اٹھے پڑے ہیں ان سب پیش کی ایک کھلی تہ بھی ہوئی ہے کونے
میں موری کے اوپر پھت کے ساتھ ٹنگا ہے۔ جس پر رضائیاں اور دلایاں
بے ترتیبی سے ایک دوسری کے اوپر لٹکی ہوئی ہیں۔ کھنٹیاں اور طاق بھی
اس طرح مختلف چیزوں سے اٹھے پڑے ہیں۔ ذکیہ کے پنگ کی بائیں طرف
لو کمرے کے درمیان ایک اور چارپائی بھی ہوئی ہے جس کا بستر آدھا الٹ
رہا گیا ہے۔ ذکیہ کے اپنے پنگ پر بستر تکیہ اور چادری لٹھی ہوئے کے باوجود

گندی اور بلی بلی ہیں۔ چار پاؤں کے علاوہ جو فرش خال ہے۔ ہر میں تباہی اور چند کرسیاں ہے ترمیمی سے پڑی مہٹی ہیں۔ فرش پر تھوک کے کھونٹے کھجے جوڑے ہیں۔ اس سب بے ترمیمی نے کمرے کو اور بھی تنگ بنا دیا ہے۔

اگرچہ دن کے دس بج چکے ہیں اور کھڑکیاں اور دروازے بند مہنے کے باوجود کمرہ خاصہ روشن ہے۔ لیکن ذکیہ ابھی تک اپنے پٹنگ پر پڑی کر دہیں بدل رہی ہے۔

پردہ اٹھنے کے کچھ لمحے بعد بائیں طرف کے بند دروازے کو پٹاخ سے کھولتے ہوئے نسو اور جمی بے تماشہ ایک دوسرے کے پیچھے جا گئے ہوئے آتے ہیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے ذکیہ چونکتی ہے۔ لیکن اٹھتی نہیں کر دہیں بدل کر لیٹی رہتی ہے۔

نسو اور جمی میں ایک ڈیڑھ سال کا فرق ہے۔ جمی سات برس کا ہے اور نسو چھک۔ لیکن دونوں ہم عمر دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں کے کپڑے میسے اور پیرے اصاف ہیں۔ نسو کے ہاتھ میں ایک گیند ہے۔ جسے سینے سے لگانے وہ جمی کے آگے آگے بھاگی آتی ہے (

جمی : میرا گیند ————— میرا گیند

نسو : کیوں ہم نہ کھیلیں گے۔

جمی : تم کیوں کھیلو گی۔ میں تمہاری گڑبوں سے کھیتا ہوں۔

(زبردستی گیند چھین لیتا ہے)

نسو : میرا گیند ————— دے میرا گیند

(مجید کہہ رہی ہے)

جمی : (برابر پٹیا ٹوٹا) ہے ہے ————— ہے ہے ————— پھر پٹیاں گی۔

(انسوروتی ہے)

ذکیہ : (صرف کوٹ بدل کر) اسے کوئی ہے! ان کجتموں کو نکالے۔ میرے کمرے سے۔ بل بھر کا چین حرام ہو گیا۔ ان بد ذاتوں کے ارے۔ خدا ہی اولاد دشمن کو بھی نہ دے۔

(احسان صاحب نعل ہرتے ہیں۔ دوسرے جسم کے بیماری بھر کم)

آدمی ہیں۔ لیکن انھیں مضبوط اور توانا نہیں کہا جاسکتا۔ معلوم ہوتا

ہے۔ جیسے جسم نے بے دل ہو کر گوشت چھوڑ دیا ہے۔ ان کی

جال میں ایک عجیب طبع کا انسلاال ہے۔ کپڑے صی مان نہیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ان کا وجود میں اسی کمرے کا ایک حقہ

ہے۔ اس پھین و بی بے دل اور بے صمی طای ہے۔ جو

(کمرے پر)

احسان : (بچوں کو دے لیجے میں سرزنش کرتے ہوئے) جاؤ بیٹا بھاگو ——— ادھر جا کر کھلو۔

(نزدیک آکر) اسے چھٹی۔ ابھی تک لیمیٹی ہوئی ہو پھر طبیعت کچھ خراب ہے آج؟

ذکیہ : (اکی تھکی آواز میں) یونہی سر میں ٹکا ہوا درد تھا۔ جسم ٹوٹ سارا لٹھا۔

(احسان آکر اس کے قریب بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے ہاتھ سے

بالوں پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتے ہیں)

احسان : (بے سانس کو دباتے ہوئے) وہ دن کتنی خوشی کا ہو گا۔ ذکیہ! جب یہ تیس تندرت دیکھوں گا۔ پریٹ

درد۔ کمر درد۔ کوئی نہ کوئی درد لگائی رہتا ہے نہیں۔

ذکیہ : اب بیماری پر انسان کا کیا زور ہے۔

احسان : لیکن جہاں بیماری ہے وہاں علاج بھی تو ہے۔ تھادی بیماری کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ کاغذ تھانے درد

کی دوا میرے بس میں ہوتی!

ذکیہ : آپ ——— سو بھلا ——— آپ

(اٹھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن ٹپٹی رہتی ہے)

احسان : (سہانس بڑھتے ہیں) کاش! میں تمہیں خوش رکھ سکتا!

ذکیہ : بھلا مجھے کیا قسم ہے۔ میں سرطخ خوش ہوں۔

احسان : خوش رہو (درد سے ہنستا ہے) خوشی کی کوئی علامت تو تمہارے چہرے پر دکھائی نہیں دیتی۔ مجھے سادہ

کی وہ شام یاد ہے جب میں رضیہ کی موت کے بعد واپس گیا تھا۔ تمہی نے قطب چلنے کی تجویز کی تھی میں

نکمت۔ تم اور باہن چادوں قطب دیکھنے گئے تھے۔ کتنی خوش تھیں تم ان دنوں کتنی شوخ اور چمکی؟

کتنا ہنسنا کرتی تھیں تمہارے گالوں کے گلاب ہر دقت کھلے رہتے تھے۔ (سہانس بڑھتا ہے) یہاں

اگر نہ جانے وہ کیوں سر جھاگے؟

ذکیہ : (چُپ رہتی ہے)

احسان : اور میں سوچتا تھا۔ یہاں اگر ان کی سرفی میں انرا ذمہ ہوگا۔ یہ تو بصورتِ نضایر میرا۔ یہ پہاڑ۔ یہ دیا

صبح و شام ہم سیر کو جایا کریں گے۔

ذکیہ : آپ جانتے ہی نہیں۔ میں کتنی بار کہہ چکی ہوں۔

احسان : میں نہیں جانتا (طنز سے ہنسنے لگتا ہے) میں سیر کو جایا کرتا تھا۔ جب تمہاری بہن زندہ تھی

ذکیہ : (گردن ہل کر) آپ اب بھی جانتے ہیں مگر آپ کو فرصت بھی ملے۔

احسان : فرصت (بہی طنز سے ہنستے ہیں) تمہارے آنے کے بعد (تمہیں شاید یاد ہی نہیں) میں نے تمہارے ساتھ

صبح سیر کو جانے کی کوشش کی تھی — سورج نکلنے سے کہیں پہلے دیا کے نیگروں پانی میں سونا

مل جاتا۔ کنول کے پلے پہلے تپوں سے دائرے دیا کی لہروں میں بنتے پٹے چلے جاتے۔ اور ہر سورج کی

بستی کرن جھاگتی اور ہر اندو میں سرفی تحصیل ہونے لگتی۔ کھڑکی میں جا کھڑے ہوتے ہیں (صبح کی

ہر ایک کڑھ کو ذرا ہی نضایر میرا دل ایک عجیب سرت سے ممد ہو جاتا۔ یوں عروس ہوتا جیسے دینا نے پہل بار

نہ جانے کتنی لمبی نیب کے بعد انکھیں کھولی ہیں اور صرف وہیں دوسرا سیرا سن کو دیکھنے کے لیے پہنچ

گئے ہیں (ذکیہ کی طرف مڑ کر) لیکن میں غلطی نہ کرتا۔ دعائیں۔ اس خوبصورتی کا نظارہ کرنے والا تو میں صرف

میں ایک لڑکا تم تو نہ جانے کہاں مرقی تیں۔ مگر تم ہی مٹی میں نہ جانے اٹھنی کہا کون سا خواب دیکھا کرتی تیں۔
پھر میں سب چھوڑ کر مصروف رہنے کا کوشش کیوں نہ کرتا۔

ذکیہ : مجھے سیرے حال بچھوڑیے۔ آپ جایا کیئے۔ جتی اور نسو کو لے جایا کیئے۔

احسان : جتی اور نسو (درد سے سختے ہیں) اب تو کبھی سیر کو جانے کی خواہش ہی نہیں مرقی۔ ایک عجیب طرح کی
جے سی طاری رہتی ہے، زندگی سردیوں کے آبی چناب کی طرح اپنی جوانی کھو چکی ہے۔ کہا سو کھا سٹا
کھریا سا بے آواز برلا ہے۔ نہ جانے اس کو انائی کی یاد آتی ہے یا نہیں؟ (دائیں ذکیہ کی جارہائی کی طرف
آتے ہوئے) نیم تو قریب قریب بھول ہی گیا ہوں۔ یہ تو ریاض کے آنے کی خبر سن کر کچھ پرانی یادیں تازہ ہو
گئیں۔

(مہاسانس سے کراہ کر ابر کی جارہائی ریٹھ جاتے ہیں۔ رضیہ اچانک

چوٹک کر اٹھتی ہے)

ذکیہ : ریاض! کون ریاض؟ ریاض بھائی کیا یہاں آئے ہیں۔

احسان : سنا ہے میں آئے ہیں۔

ذکیہ : (چارپائی چھوڑ کر ان کے قریب آگئی ہے) جوں۔ کیوں؟ آپ کو کیسے پتہ چلا۔

احسان : (اس کی بات کا جواب دینے بغیر اپنے جذبات کی مدد میں) میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں ذکیہ۔ پچھلے آٹھ

برس میں۔ میں بلا بروس چتا پھلا یا ہوں۔ ————— اگر میں تمہاری بہن کی موت کے بعد، لعل نہ گیا ہوتا تو

تمہاری ہنسی خوشی کا سوتا بھی یوں دسو کھ جاتا اور میری زندگی کی پہاڑی بھی یوں دھندلا ٹھنوں کی گرو

میں دجا سوتی۔

ذکیہ : رضیہ! آپا اتنی چھی تیں۔ ان کی جدائی کے محسوس نہیں مرقی۔ میں پڑھتی تھی کر ریا —————

احسان : اور خالنے کما تھا۔ ذکیہ رضیہ کے عشم کو تھا سے دل سے جلا دے گی۔ اگر خال میرا حوصلہ نہ

بڑھاتیں تو میں شاید کبھی تمہیں مانگنے کی جرأت بھی نہ کر سکتا۔

ذکیہ : (دوسری چارپائی کا بستر کھٹا کرنے لگتی ہے) یہ آج آپ کیا گڑے مرد سے اٹھنے لگے ہیں —————

اٹھ برس ہو گئے ہماری شادی کو۔ چھی بیلی برس سو رہی ہے۔ میں اگر بیمار نہ ہو جاتی۔
(بستر ہی جا رہی ہوں برکھ کر جا رہی ہوں اٹھانا چاہتا ہے جہاں صاحب
اس کی جا رہی ہیں)

احسان : تم کبھی بیمار نہ تھیں۔ اگر کم ہی تھیں۔ آج ریاض کے جوں اٹھنے کی خبر سن کر میرے سامنے قلب کی وہی
شام اور اس شام کی وہی ذکیہ گھوم گئی ہے۔

ذکیہ : (جا رہی اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے) یہ آپ کو ہو گیا ہے۔ چھوڑے بھی ہیں قہصے کو دیکھئے میں
اٹھ تو بیٹھی ہوں۔ طبیعت خراب تھی۔ نہیں تو مجھے کیا لطف آتا ہے دن دن بھر بیٹھے رہنے میں۔ میں
ریاض کی اہم پوچھ رہی تھی اور آپ ۔۔۔۔۔۔

(تنگستی جوئی الماری ٹھیک کرنے میں جاتی ہے)

احسان : اب تم تو یونہی ناراض ہوتی ہو۔ میں نے کبھی کبھی کہا ہے۔ میری طرف سے اٹھوں پہ لٹی رہو۔ ریاض
کے اٹھنے کی خبر سن کر یونہی خیال آگیا کہ جوں آیا ہے۔ تو ہو سکتا ہے یہاں بھی چلا آئے۔

ذکیہ : (الماری صاف کرنا سمجھ کر وہاں آتے ہوئے) یہی تو پوچھ رہی ہوں، پھر پھر سے اد آپ میں کبات کا
جواب ہی نہیں دیتے۔

(پھر واپس الماری کی طرف جاتی ہے)

احسان : (ہن کے پیچھے جاتے ہوئے) یہی تو ماننے آیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں تمہیں بیمار اور بیماروہ دیکھ کر
مجھے افسوس سا ہونے لگتا ہے۔

ذکیہ : اب تو میں اٹھ بیٹھی ہوں۔ کام بھی کرنے لگی ہوں۔ طبیعت جب ٹھیک نہ ہو تو — کیا
کرنے آئے ہیں۔ ریاض بھائی جوں؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ ان کے اٹھنے کا؟

احسان : رات قسم آ رہا ہے وہاں سے کہہ رہا تھا کہ ریاض میاں جوں آئے ہوئے ہیں۔ ان کے تو خوب چرچے
ہیں وہاں۔ پوسوں ان کے اعزاز میں پارٹی ہوئی۔ مشاعرہ بھی ہوا۔ اور وہ کہتا ہے جوں کے تینوں منگامی
اختیاروں میں ان کا تذکرہ ہے۔

(ذیل کے کالم میں ذکیہ نادانستہ طور پر کمرے کی کبھری چوٹی چبڑوں

کو ترتیب سے رکھنے لگتی ہے۔ جوں جوں دریا میں کا ذکر کرتی ہے اس

کی سہمی درد چوٹی جاتی ہے اور ترتیب سے کام کی رفتار بڑھتی جاتی ہے)

ذکیہ : کتنی عزت حاصل کی ہے ریاض نے اس خالو کو شہید کو مارا کرتے تھے کہ خاندان کے نام کو داغ لگانے کا۔

احسان : آوارہ جو تھے بچپن میں۔

ذکیہ : نہیں آوارہ تو کیا تھے۔ لٹے اٹھوں پہر گھر میں پڑے رہتے تھے۔ لیکن دوسری کتابوں سے نہیں چڑھتی۔

احسان : تو بھر پڑھتے کیا تھے؟

ذکیہ : پیلیوں اور دیولوں کے قہقہے لکنا یاں اور کیا۔ — نہ جانے کہاں کہاں سے خرید لاتے۔ خالو

کو چھڑھتی۔ ان سب کتابوں سے۔ وہ انہیں مغز بے خلاق سمجھتے تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے بھائی ریاض

کے دشمنوں کی طبیعت کچھ غراب تھی۔ خالو انہیں دیکھنے گئے تو اٹھ لیلی پڑھ رہے تھے۔ خون ہی تو اترا آیا ان

کی آنکھوں میں۔ ابر سے تو آئے ہی تھے۔ پھڑکی اٹھائیں تھی۔ دھڑا دھڑا پیٹنے لگے۔

احسان : بڑے جاہل تھے تمہارے خالو۔

ذکیہ : اگر یہ سمائی انگ لیتے تو ان کا غصہ فرو ہو جاتا۔ دودھ کا اُبال ہی تو ہوتا تھا۔ ان کا غصہ بہا اورد

اُڑ گیا۔ لیکن ریاض میاں تو گویا پتھر کے تھے۔ ٹس سے نہ ہر مئے۔ آنکھوں میں آنسو تک نہ آئے

تھلا کر خالو جان نے کان سے پکڑ کر باہر کر دیا۔

احسان : خالو نے نہیں روکا۔

ذکیہ : خالو جان غصے میں ہرل تو کس کا حوصلہ تھا کہ ان کے سامنے دم مارے لیکن ریاض بھائی بھی نہ جانے

کس ٹس کے بنتے تھے۔ نہ دسے نہ چلائے۔ جا کر نیم کے تلے بیٹھ گئے جب رات کے ارہ پہنچے۔

خالو جان باہر سے وٹے تو انہیں کان سے پکڑے ساتھ لیتے آئے۔ لاکر بستر پر چمک دیا اور بوسے۔

پہر گنت خاندان کے نام کو داغ لگانے کا۔ خدا کی شان دیکھو۔ وہی خاندان کے نام کو داغ کر رہے ہیں۔

احسان : بڑا نام مہل کی ہے ریاض میاں نے۔

ذکیہ : لیکن پھر پڑھو گی دیا تھا ان حضرت نے ان تصویروں کا پڑھنا پڑھتے رہے اور بیچ کھیت پڑھتے رہے ایک بار خالہ نے اہی جان سے ریاض کو اپنی غلامی میں لینے کے لیے کہا۔

احسان : (ہنس کر) خالہ کی نظر تم ہی تو پڑے !

ذکیہ : اہی تو شاید تیار ہو رہی تھیں۔ لیکن خالہ یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ مجھ سے بڑا بیباک کرتے تھے۔ بولے "کیوں میں غریب لڑکی کا کھانا کھانے کے درپے جو آدمی چار پیسے نہیں کما سکتا۔ وہ بیوی کی ازبورداری کیا کر سکتا ہے اور آبا جان خانو سے متعلق تھے۔

احسان : (خندہ انداز میں) تمہارا کیا خیال تھا؟

ذکیہ : میرا ———— تو بھلا میں ———— بڑی اچھی ہوں جیسی ہوں۔

احسان : لیکن شادی تو پھر ریاض نے نہیں کی۔

ذکیہ : خالہ تو کسی جگہ بات چینی کر آئیں۔ لیکن پہلے خالہ جان کی رلے میں ان کے طوونہ بد سے اور پھر جب طوونہ بد سے تو سنتی ہوں ریاض بھائی نے شادی سے ہی انکار کر دیا (لمبا سانس بھر کر) خالہ اور خالو دونوں اشد گویا رہے ہو گئے۔

احسان : لیکن وہ کسی غصہ کے متعلق ———— کچھ بھناک ———— کان میں پڑی تھی۔

ذکیہ : ایک نجمہ کیا بیسیوں نجمہ ان کے قدموں پر نشانہ ہونے کو تیار ہیں۔ وہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں بھی۔ حکمت انہی تعنی ترشکایت کرتی تھی کہ وہی۔ ہنگ ڈھنگ ہیں بھائی جان کے۔ عام لوگوں کی طرح رہتے ہی نہیں بس شعور و فہمہ کی خیالی دنیا میں بستے ہیں ———— اب جموں کیا کرتے آئے ہیں۔

احسان : ہر وقت ہے کہی شاعرے اشاعرے میں آئے ہوں۔

ذکیہ : جموں آگئے، لیکن یہاں نہیں آئے۔

احسان : وہ مصروف آدمی ہیں۔ ان کا پل بل بندھا ہو گا۔

ذکیہ : اہ مصروف آدمی ہیں۔

احسان : یہی تو میں کہنے آیا تھا کہ آئے جاؤں یہاں ! جب جموں آئے ہیں تو یہاں بھی آسکتے ہیں اور گھر میں اتنی

جے ترمیمی پھیل برٹی ہے

ذکیہ - (امید دہیم کے جے جذبات سے) انا ۔ ————— اس اٹھ برس کے عرصے میں
کتنی بار لکھا۔ نرسرت۔ شکست۔ ارشد رب کے اٹھ کلا بھیما خطوں کی تو کبھی کسی یہ نہیں دیا اب
آئیں گے۔

(عین روزہ سے بھانکتی ہے)

رحمن : میرا ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔ سلطان بنیں دفتر میں بٹھا آیا ہے۔
احسان : آئیں ہا آہوں۔ تم ذرا یہ جگہ صاف کر دو۔ عین معلوم ہوتا ہے جیسے اسی بیان بھرت ناز کر گئے ہیں
تم لوگ کرنے کیا۔ جتنے ہوسا رادن ؛ جانی تو بیگم کی طہیت خراب رہتی ہے (جاتے جاتے زمین پر
پڑی ہوئی ایک وہ چیزوں کو ٹھکر مارتے ہیں) اٹھا ڈیر سب کوڑا کرکٹ اور صاف کرو۔ بس لہرے کو
(چلے جاتے ہیں۔ لیکن اتنا آئینہ منسی کے ساتھ کھتے ہوئے

ان کے الفاظ برابر کان میں پڑتے ہیں)

نیں یہاں کا رہنمہ رول۔ میرے تین تین لازم ہیں اور میرے گھر کی یہ حالت ہے۔
(رحمن ذکیہ کے ساتھ کمرہ صاف کرنے میں مدد دیتی ہے کچھ لمحے بعد
تھی ہنسا بڑا بھاگتا آتا ہے۔ نسو چھین جاتی اس کے پیچھے بھاگتی
داخل ہوتی ہے)

نسو : دے میری گڑیا۔ دے میری گڑیا (اسے پکڑ کر پیٹتے ہوئے) دے میری گڑیا — دے
دے — دے — دے !

عجی : (اربا سے پشیمان ہوا) پھر اسے گی مجھے۔ لے — لے — لے — لے — لے — لے —
ذکیہ : (کام چھوڑ کر) ہیں میں نسو۔ عجی یہ کیا ہو رہا ہے ؟
نسو : (اسکے ہونے) گڑیا عین لی میری۔
عجی : پھر مجھے پڑانی کیوں تھی۔

ذکیہ : پڑھائی تھی تو پھر کہا ہڑا۔ تیر ہی چھوٹی بہن ہے۔ اچھے لڑکے اپنی چھوٹی بہنوں سے ایسا ہی سلوک کرتے ہوں گے۔ تیرے ماموں جان ہمیشہ پیار کرتے تھے کبھی نہ بیٹھتے تھے۔

نسو : (سکنا کچھ کم کر کے) نسیم ماموں جان امی

ذکیہ : وہ تو ہی مجی کی طرح تھے۔ میں تمھارے ریاض ماموں جان کا ذکر کر رہی ہوں۔

نسو : (سکنا اور بھی کم کر کے) بڑے امیر آدمی ہیں۔

ذکیہ : نہیں ٹی۔ ان کا نام ہڑا ہے۔ وہ شاعر ہیں۔ ملک بھر میں ان کی عزت ہے۔ جہاں وہ جاتے ہیں لوگ ان

کے رستے میں انکھیں کھاتے ہیں۔ ابھی تمھارے آباکد رہتے تھے۔ کو جوں آئے ہوتے ہیں (مجید سے) مگر

وہ تمہیں دیکھیں۔ مجی تو کیا کیس؟ ضل تو دیکھو کسی بیگمیں سی بنا رکھی ہے (دھمن سے) رحیم یہ کمرہ پھر سان

کونا۔ پتلے سے جا کر نولا اور اس کے کپڑے بدل۔ یہ بالٹیاں اور لٹے اٹھائے جا ہیاں سے۔

مجی : (ان کے اس اجانک جاگ اٹھنے واسے پیار سے ناؤہ اٹھا رنٹنا تا ہڑا) امی — ہی — ہی

ذکیہ : (ڈانٹ کر) جا ہی کجنت! پھر سنبھل کر! جا جا بیٹا۔ تیرے ماموں جان آئیں گے تو تجھے

اس طرح میٹے کپڑے پہنے دیکھ کر ناراض ہوں گے اور ٹھکانی نہ دیں گے — جا — جا

میرا راجہ بیٹا!

مجی : پھر میں دوپٹے کی برنی لوں گا۔

ذکیہ : (دانت پیستے ہوئے) لیکن پیار سے! ناں ناں لیسنہ برنی!

رحیم : چلو۔ چلو۔

(رحیم مجید کو لے جاتی ہے اور ذکیہ نسیم کو گود میں لے کر کرسی

پر بیٹھ جاتی ہے)

ذکیہ : (بڑے پیار سے) اور کیوں نسو بیٹا۔ اس طرح بڑے بہائیوں سے پیش آتے ہیں۔

(ان کے اس غیر متوقع سلوک سے جو ملک کر نسیم چپ رہتی ہے)

کو بیٹا!

نسو : چھین کیوں اُس نے میری گتیا؟
 ذکیہ : گر یا چھین کی ہمت تو تو مجھ سے کہتی۔ یہ کیا کہ رسول! چپا شروع کر دیا۔ یہ تو جتنی کے کھن ہیں۔ منی بھی ایسا
 نہ کرتی۔

نسو : (انگریز جس سے) منی کون تھی امی؟
 ذکیہ : منی جتنی کہ چھوٹی ہیں تھی۔ کہنے کو وہ ننھی ہی تھی۔ لیکن بڑی بہن کے مقابلے میں تہی ہر شیار۔ سمجھ دار
 اور نیک کہ سب اس سے پیار کرتے تھے۔ جتنی دن چڑھے مک سوئی تھی اور حسب اطمینان تو بہن بھائیوں
 سے لڑتی۔ لیکن منی بہنوں سے پیار کرتی اور آٹا آپا کے کاموں میں ہاتھ ڈالتی۔ گھر تو گھر محلہ بھر اس
 سے پیار کرتا تھا۔۔۔۔۔ اب میری سو بیٹی جی بنے گی یا منی؟
 نسو : (اٹک کر دیر بھول کر) میں تو منی بنو گی۔

ذکیہ : بے خبر اپنی گڑیا کے جڑے اور کھلنے نہ سنبھال کر رکھو۔ تیری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں اور دیکھ
 تو کرے کہ کس طرح گندہ کر دیتی ہے۔
 (نسو کو پید سے چوم لیتی ہے)

نسو : (محبوب ہو کر) ابھی اٹھا لیتی ہوں۔
 ذکیہ : (نسو کو ایک بار پھر پیار سے چوم لیتی ہے) بڑی بھیجے کیسے منی ٹیٹی!
 سلطان : (باہر سے) اہن بیگم! سرکار نے کلا بھیجا ہے کہ ریاض میاں جوں سے آئے ہیں۔
 ذکیہ : (بیٹی کو پیار کرنا مہول کر اسے فدا گود سے نالتے ہوئے) ریاض بھائی اٹگے۔۔۔۔۔ رحیم
 (اور بھی ند سے) رحیم!

رحیم : (مصل خالے سے) جی بیگم! آئی اگیلے اتھریے بھاگی آتی ہے (جی!)
 ذکیہ : (سرت بھرے جوش سے) دیکھو جی کو چھوڑو! اسے میں سلاتی ہوں۔ ریاض بھائی آ رہے ہیں تم
 اس کمرے کو فدا صاف کر ڈالو۔ بیچارہ پائی سٹاڈ۔ جتنی نامتو چیزیں یہاں پڑی ہیں۔ سب اٹھا کر ادھر
 کمرے میں رکھ دو۔ میں نئی درمی اور چادر نکال دیتی ہوں۔ تم کمرہ جھاڑ کر فلنگ پر نیا بستر بچھا دو۔

سونے کے لیے نہ جانے وہ کون سی جگہ پسند کریں گے۔

(سوچتی ہے)

رحیمین : بارہ دہی تھی رہے گی۔

ذکیہ : ہاں بارہ دہی اچھی رہے گی۔ تم ذرا جلدی جلدی اس سے کسر سے کو صاف کر کے اُد پر جا کر

بارہ دہی کا فرش دھو ڈالو۔ نیچے فرش پر دہی دلائی اور جا جسم بچھا دینا اور کھڑکی کے برابر میز کرسی لگا دینا

میز کے لیے میز پوش اور کرسی کے لیے گدی لائیں بھی دیتی ہوں۔

رحیمین : (اتنا کام سن کر ملنے کی غرض سے) لیکن رات بڑی برف پڑی ہے پہاڑوں پر۔ بارہ دہی میں سردی

شہید۔

ذکیہ : تم بارہ دہی صاف کرو۔ میں سلطان سے پہلی بیٹھک صاف کرنے کو کہتی ہوں ——— معلوم

نہیں وہ کون سی جگہ پسند کریں گے ——— ذرا سلطان کو آواز تو دو۔

رحیمین : (بالکونی کے صدارت سے پوچھا کہ سلطان کو آواز دیتی ہے) سلطان ——— سلطان ———

سلطان! (نیچے آگئے) کیا بات ہے۔ چلائے جاتی ہو۔

رحیمین : بلکہ بلا رہی ہیں

سلطان! آیا!

ذکیہ : (رحیمین کے اترے ہوئے چہرے کی طرف دیکھے بغیر بالکونی پر جاتے ہوئے) اور دیکھو بارہ دہی کو صاف

کر کے نہ انگنائی کو بھی بیٹھک کر دو۔ یہ بھیلنگے جو کجمنت پڑے ہیں انہیں کوٹھڑی میں بند کر دو۔ مرغیوں کو

ڈبوں میں ٹھونسو۔ بدبوتوں نے جگہ جگہ گڑھے کھود رکھے ہیں (فدا دہی آواز میں) اور دیکھو ریاض بھائی

کو پھول بے حد پسند ہیں۔ سلطان کے چھو کرے کو بیگیاں کے باغ میں بھیج کر گلہستے منگادو۔ بیٹھے کے گلاس ہیں

دسے دوں گی۔ ایک اُد پر بارہ دہی میں اور دوسرا نیچے بیٹھک کی میز پر لگا دینا ——— ذرا

میں بھی سستی سے کام لیا تو دیکھنا۔

رحیمین : جی اعلیٰ بھیجتی ہوں۔

ذکیہ : (درمیان کے دو واڑے میں ذرا بچھے مٹ کر) بھائی ریاض آٹھے ہیں سلطان اور میں پریشان ہوں کہ ان کے لیے کون سی جگہ اچھی رہے گی بارہ درمی یا بیٹھک !

سلطان اچھی -- جی

ذکیہ : میں نے جین ابدھی صاف کرنے کے لیے کہا ہے تو ذرا نیچے بیٹھک میں جا کر فرش دھو دے۔ تخت سجھاؤ پونچھ کر صاف کرائے اور میز پر فرش بدل ڈال۔ بس اب جگہ جا تخت کی چادر اور میز پر فرش بھیج دوں گی۔

(سلطان جانے لگتا ہے)

اور سن ! ذرا ان سے جا کر کہنا کہ ریاض بھائی کو کچھ دیکھ کے بیسہ دفتر ہی میں بیٹھائیں۔ اتنے میں ذرا یہ صفائی وغیرہ جو جانے۔ باہر بلا کر کان میں کہنا ان کے یہ بات !

سلطان اچھی بہتر۔

ذکیہ : داد دیکھو ہیں نہ بیٹھ رہنا۔ اگر علی ہی سے بیٹھک صاف کر۔ میں اتنے میں پتوں کو نسلاتی دسلاتی ہوں۔ (نیسر سے اپیل نسو تو بھی نہا کر کپڑے بدل۔ (رحمن سے) تو اب تم جاؤ اور جلد ہی سے یہ کام نسا ڈالو۔ اما کو ساتھ لے لو اور ریاض بھائی کے آٹھے تک اس جگہ کو بیٹھنے کے لائق بنا دو (جلتے جاتے) کنویں سے پانی اور بیگیاں کے باغ سے پھول منگوانا مت جھوٹا۔

(نیسر دوماقہ لے کر چلی جاتی ہے۔ رحمن چپ چاپ کرے)

کی صفائی کرنے لگتی ہے)



دوسرا منظر ایک گھنٹہ بعد اسی کمرے میں

اس ایک گھنٹے میں اگرچہ اس بے ترتیب کمرے میں کوئی زبردست انقلاب پیدا نہیں ہو سکا لیکن اس کی ظاہرہ صورت میں خاصی تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ چیزوں کی افراطیں کی نہیں آئی (شاید ان سب کو دوسرے کمرے میں رکھنے کا وقت نہیں ملا) لیکن ان میں ایک ترتیب ضرور آگئی ہے۔ بستر پر دو دھری سفید چادر بچھی ہے۔ پیکٹے کا کفایت بھی بدل دیا گیا ہے کھلونے طاق میں چُمن دیئے گئے ہیں۔ کپڑوں کی گھٹڑیاں بانڈھ کر گھٹنے سے لٹکا دی گئی ہیں۔ البٹیاں اور لوٹے شاید باورچی خانے یا غسل خانے میں چلے گئے ہیں۔ چرخہ ایک کونے میں دھر دیا گیا ہے۔ تپائی اور چسار کرسیاں ایک طرف سجادی گئی ہیں۔ کرسیوں کی گدیاں اور تپائی کا کور سب کچھ بدل دیا گیا ہے۔ انارمی کی چیزیں جھاڑ پونجھ کر سجادی گئی ہیں۔ غرضیکہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ تریبے سے چُمن دی گئی ہے۔

پردہ اٹھنے پر نسا اور جی کناہیں بیٹے لاکر سیریں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ برابری تیسری کرسی پر بیٹھی مولیٰ ذکر لیس بن رہی ہے۔

لیکن _____ اس کا دھیان لیس جتنے میں نہیں رہ رہ کر اس کی انگلیوں بالکونی کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ لیس بیٹے بیٹے اٹھ کر کھبی کمرے کا ایک چکر لگاتی ہے۔ اور پھر بیٹھی جاتی ہے۔

اس ایک گھنٹہ کے حرم سے میں خواہ کرے میں کوئی خاطر خواہ
 انقلاب نہ پیدا ہوا ہو۔ لیکن ذکیہ اور دونوں بچوں کی صورت شکل میں
 تبدیلی نہ ہوئی۔ اگرچہ ہے — وہ ایک گھنٹہ پہلے کی منموہ
 اور اس اور ہوائی کے اور ہمدرد حیرت کی نظر آنے والی ذکیہ جیسے بچی
 کی ہی شرمیلی اور چمک پانگنی ہے — اٹھ برس پہلے میں جان کڑ
 حسن کے ایک شے نے حسان صاحب کی سرور خواہشوں میں
 آگ بھری تھی۔ اس کی ایک جھلک اس وقت ذکیہ کے چہرے
 پر لڑنا اور خنداں ہے۔

پردہ اٹھنے کے کچھ لمحے بعد لیشمی چہرے اور فرش کو چھوٹا اور افرات
 پھنے۔ کھلے ہونے دوڑے کو گردن کے بل دیتی ہوئی وہ بالکل ان کے
 بائیں دووازے کے اس جا کر حسین کو آواز دیکھا ہے)
 : بصیرت ابھی آئے نہیں یہ حق بھائی ؟

(اور یہ جواب سے بغیر واپس آکر کسی پر ٹھہر جاتی ہے۔ لیکن چہرے
 ہشتی ہے اور کمرے میں گھومتے لگتی ہے۔ نسو اور توجی کتابوں کی طرف
 نہ دیکھ کر کھڑکیوں میں دیکھتے ہیں)

: (استہار سے جھنڈا کر) اب اچھے بچوں کی حاجی پڑھو بیٹھ کر۔

(نسو اور توجی چہرے لگا ہیں کتابوں پر جھالیتے ہیں)

(ان کے قریب جا کر ملائت سے) دیکھو ابھی تمہارے اموں جان آئیں گے۔ استہری ہنسی
 سلام کرنا اور بہت شہ نہ بچانا (محی سے جو بھر کھڑکی میں دیکھنے لگا ہے) سنا ہے توجی !

محی : چہرے میں برف توں گلائی کی !

ذکیہ : (دانت پیستے ہوئے) پاجھی !

(مجی ہونے کیلئے ہونٹ لٹکا آجے)

(جلدی سے اپنے آپ کو سنبھال کر پیار سے) اراں اراں لینا برنی۔ لینا برنی!

(احسان اور ریاض باتیں کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں)

ریاض: میں تمہیں برس کا نوجوان شاعر ہے۔ جذباتی۔ بے چین اور بے پروا۔

اس کے چلنے میں۔ باتیں کرنے میں پارے کا سنا اضطراب ہے۔ اس کی آنکھوں

میں۔ چہرے میں اور بالوں میں یہی کیفیت ہے جو بے طرح دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے

اس نے سڑک پر رکھا ہے۔ لیکن اس کا لانا بالین اور اس کی بے پروائی اس میں

سے بیرونی پتلا ہے)

احسان: بھلا رہی اور لاہور کے محلوں کے مقابلے میں آپ کو اکھنڈ کا یہ مکان کیا پسند آئے گا؟

ریاض: مجھے تو یہ چھوٹا سا قصبہ بے حد پسند آیا۔ پھر سو پاکیزہ حورا اسے فیسر ہے وہ لاہور اور دہلی کے نصیب ہی

کماں؟ (ذکیہ کو دیکھ کر) کھو ذکیہ! اچھی تو ہو۔

ذکیہ: سلام بھائی جان۔ آپ کی دعا ہے۔

احسان: یہ تو مجھے آئی ہیں۔ بیمار رہتی ہیں۔

ریاض: تم تو کافی کمزور ہو گئی ہو ذکیہ۔

ذکیہ: اپنے اموں جان کو سلام کروٹیا۔

نسو: اموں جان سلام۔

مجی: اموں جان سلام۔

ریاض: (انہیں پیار کرتے ہوئے) سلام بھئی! (نسیمہ کو گود میں اٹھا کر) کیا نام ہے تمہارا؟

نسو: نسو۔

ریاض: بیٹی تو آپ کی پیاری ہے (مجی سے) اور تمہارا کیا نام ہے؟

مجی: مجی۔

ریاض: پڑھتے ہو؟

منجی: دوسری جماعت میں پڑھتا ہوں۔

ریاض: انسوکو دے آتا رہنے اور تھکی کو پار کرتے ہوئے (شما باش! بڑا اچھا بیٹا ہے۔
(سلطان بالکنی کے ایسے دروازے سے سنگتوں کی ٹوکرہ)

(اذر: کھتا ہے)

سلطان: سرکار یہ سنگتے رکھے ہیں۔

ریاض: اور کچھ ملائی نہیں۔ راستے سے۔

ذکیہ: اس تکلف کی کیا ضرورت بنتی؟

ریاض: نہیں اور تکلف۔ راستے میں کھڑی ہوئی تو ایک سنگتے سے والا سر پر سوار ہو گیا۔ سو بچوں کے لیے لیتا آیا۔

(انسو اور منجی اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک ایک سنگتے اٹھا لیتے ہیں: ذکیہ

قدر کی ٹکاہوں سے بچوں کی طرف دیکھتی ہے اور پھر ضبط سے کہتی ہے)

ذکیہ: دیکھو بیٹا۔ یہاں نہ بکیر نا پھلکے!

(نیچے آگئے سے رحیم کی گھبراہٹ ہوئی آواز آتی ہے)

رحیم: لے گیا — سلطان — سلطان — وہ جا بھجا منڈیر پر!

(احسان: ریاض: ذکیہ اور نیچے بھاگ کر بالکنی پر جاتے ہیں)

احسان: کیا بات ہے۔ کیا بات ہے۔

منجی: (بوسے پہلے بالکنی پر پہنچتا ہے) آئی ہند چادر لے گیا ہے۔

ذکیہ: اُن یہ بند! آگ میں دم آگیا۔ ان کے مارے! بالکنی نے جھگڑے پر جا کر رحیم کو لپکاتے ہوئے (کیے

پھین کر لے گیا رحیم!

رحیم: (جو گھبراہٹ ہوئی اور پھینکا آتی ہے) میں اسے تخت پر رکھ کر سلطان کو درمی بچھلنے میں مدد لے

دیجاتی کہ اٹھا کر لے گیا۔

ذکیہ: بٹھرمجی! اسے ڈرامت تار تار کر کے رکھو گے گا چادرو جانسو بھاگ۔ اور پی خانے سے روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر لا۔

(نرسو بھاگ جاتی ہے)

احسان: (ٹوکرے سے ایک ٹکڑو اٹھا کر ذکیہ کو دیتے ہوئے) اسے بھی یہ ٹکڑو دے لو۔ اس وقت تک کہیں برابر ہی نہ کر دے چادرو۔

ذکیہ: (ٹکڑو سے کہندو رکھاتے ہوئے) اے — اے — — — بیچ! — بندو کیا کنگ کا ہانگ ہے۔

احسان: کنگ کا ہانگ ہے۔

ذکیہ: (بسترو بندو کو ٹکڑو دکھاتے ہوئے) میں جب بھی اس کو بکھیتی ہوں مجھے کنگ کا ہانگ کی یاد آجاتی ہے۔

احسان: کنگ کا ہانگ؟

ریاض: ایک بیابانک علم کا نام ہے جس میں ایک بن مانس ایک خوبصورت لڑکی کو اٹھا کر لے جاتا ہے اسی جیسا بیابانک اور نڈ ہے یہ بھی (بندو سے) اے — اے — — — بیچ! —

رحیم: ایسا دلیر ہے مورا کر سامنے سے اٹھا کر لے گیا۔

ذکیہ: جانتی ہو کہ یہ وقت ہے ان کی چڑھائی کا۔ پھر بھی بے پروا ہو جاتی ہو

احسان: اسے بھی اتنے میں دکھانے سے کیا ہوگا۔ کچھ پھانگیں اور پھینکو تو چھوڑ کر جائے۔

(نرسو روٹی کا ٹکڑا لے کر بھاگ آتی ہے)

نسو: آئی یہ روٹی!

ذکیہ: (روٹی نرسو سے کہندو رکھاتی ہے) اے — اے — — — (روٹی بٹھرتوڑ کر کھینکتی ہے)

یہ لے (لباس نرسو لیتی ہے) چلا گیا۔ کست ناما چالاک ہے۔

احسان: کنگ کا ہانگ کا نام دیا ہے تم نے اُسے۔

ذکیہ: عی بیٹا! جاتو نڈا بھاگ کر چادرو اٹھا لا۔

تجی : پھر میں چھوٹے لوگ کا دیکھتے تھے۔

ذکیہ : (بیزاری سے) ان اہل لبنا چھوٹے، اچھکے پر سے نیچے آگے میں سلطان کو ڈانٹتے ہوئے (یہے سلطان میں طرح تزگردنہ آرا کو سانس لینا مشکل ہو جائے۔

(سب کمرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ نسوختی سری بر جا کر کتاب

لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن دھیان اس کا منگرتے ہیں ہے)

احسان : (دائیں کمرے میں آتے آتے) اچھا بلکہ تم ان کے ہنسنے اور ہنسنے کا انتظام کرو۔ میں زرا دفتر آؤں۔
دیکھو گرم پانی۔

ذکیہ : پانی تو صحتی یہاں دریا ہی کا آتا ہے۔ تمہیں تو اب کچھ صحتی محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن تمہارے لیے میں نے کنوئیں کا پانی منگوا لیا ہے۔ دو میل درجہ کنوئیں۔ وہیں سے کھار لائے ہیں۔

احسان : کیسے تو زمانے کے پیر میں پانی وہیں سے منگوا لیا جائے۔ ہم تو پینٹھنڈی والے لیا کرتے ہیں۔
ریاض : جی آپ نکرہ کیسے۔ میں نہا کر چلا ہوں۔

احسان : اچھا چائے پانی ملاؤ۔ ریاض میاں کو کہیں ہوا آؤں دفتر تک۔

(پلے ہاتھ ہیں)

ریاض : (چاپائی پر بیٹھتے ہوئے) چلنے میں صبح صبح ہی میاں ہوں صبح۔ پانی کر چلا تھا۔ اب تو بارہ بجے ولے ہیں۔
ذکیہ : (کرسی کو چار پائی کے نزدیک کھسکا کر اس پر بیٹھتے ہوئے) تم تو اس طرح تکلف کر رہے ہو جیسے کیسی دوسرے کا گھر ہو۔

ریاض : سچ میں ہی کر چلا تھا۔ رنہ کبھی آج تک تکلف کیا۔ حوا اب کرا لیا۔

ذکیہ : آج تک۔ جیسے بیسیوں دفعہ آچکے جو بہاں۔

ریاض : بیسی میں جائے ہی کر چلا تھا ذکی۔ اب تو کھا اٹھانے کا وقت ہے۔

ذکیہ : کھا ابھی تیار ہوا جا رہا ہے۔ گھر میں کچھ بے ترتیبی چلی ہوئی تھی۔ میں نے نوکر کو کوا دھر لکھا رہا (نورانی کو

آواز دیتی ہے) رحمن — رحمن — (بالکونی پر جا کر نیچے بھاگتے ہوئے) رحمن !

رحیمین : (نیچے انگن سے) جی بیگم !
 ذکیہ : صفائی وغیرہ سلطان پھوڑو۔ تم جا کر کھانا پکانے کا انتظام کرو۔ وہ کمار پانی لایا کنوئیں کا یا نہیں؟
 رحیمین : ابھی دو گھنٹے سے گیا ہے بیگم۔
 ذکیہ : تو بس اب جھٹ سے باورچی خانے میں آگ داگ ٹھیک کرو۔ آٹا گوندھ کر بکھو۔ روٹیاں بنیں تو وہ پکاؤں گی۔

ریاض : (اٹھ کر اس کے پاس جاتا ہوا) کوئی ایسی جلدی نہیں ذکیہ۔ میں تو یوں بھی ڈیڑھ دو بجے کھانے کا عادی ہوں۔ لیکن یہ لادھی کنجش جس راستے سے آئی ہے۔ اس میں اتنے پھولے گتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ مہنتوں کے لیے آنتوں کی دوزخیں جو جاتی ہے۔ جھوک لگ، جی آئی ہے۔
 ذکیہ : (ایک سنگترہ اٹھا کر پھیلے ہوئے) تم تنے میں ایک دو سنگترے کھاؤ سالن تیار ہے۔۔ رحیمین نہ آٹا گوندھو۔ میں روٹیاں پکاؤں گی۔

(ریاض پھر چار پائی پر جا کر لیٹ جاتا ہے۔ جی آہ ہے۔ اور
 چپ چاپ سو کے پاس آکر بیٹھا ہے۔ اسی سنگترہ وہ ختم
 کر آیا ہے لیکن اس کی نگاہیں برابر سو کے سنگترے پر لگی ہوئی
 ہیں۔ ذکیہ تو بھری نظر سے دیکھتی رہے۔ جی نگاہیں کتاب میں
 جمایا ہے)

: (کسی پر بیٹھ کر سنگترہ پھیلے ہوئے) تم ڈاک لادھی سے نہیں آئے وہ تو نہر کے کنارے کنارے
 نظر آتی ہے۔

ریاض : صوابیوں نے تو کما تھا۔ نہر پر سے چلنے کے لیے۔ لیکن ڈیڑھ ٹوڑا لڑا۔۔۔ پل ٹوٹ گیا ہے وہاں
 سے لادھی نہیں جا سکتی۔

ذکیہ : کوئی ڈپرک رہ گا۔ برکت تو بیڈا ایس منٹ میں سے آیا کرتا ہے۔
 ریاض : بیڈا ایس منٹ۔۔۔ ہر تو پرنے دو گھنٹے میں لایا ہے اور پھر اپنے راستے سے کہ پڑیاں چل گئیں۔

ذکیہ : شرک سے الٹی ہوگی لاری۔

ریاض : اس اور بڑکھا بڑراتے کو آپ شرک کہتے ہیں۔ اتنے پتھر بیٹے راستے میں پڑتے ہیں لیکن کسی پر بھی توپل نہیں۔ میں سوچتا ہوں۔ برسات کے دنوں میں لوگ کیسے آنے جاتے ہوں گے۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوا تو میں کشتی میں آیا۔

ذکیہ : (الاری سے ایک بیٹا اٹھا کر سنگ تڑے کو اس میں رکھتے ہوئے) اور تمام کو اکھنڈ سمجھتے۔ آنتیں تل ہوا اللہ پڑھتیں۔ لیکن جناب شاعر ہونے کے زعم میں اس طرف سے بے پروا نہیں گنتے بیٹوں کے اُوپر نیچے سے گزرتے ہوئے چلے آتے۔

(اکھنڈوں میں آنکھوں میں نسو اور مٹی اٹا کر کرتے ہیں اور نسو

اٹھا کر آئی کے پاس آتی ہے)

نسو : آئی! میں نذر ابروؤں صادقہ کے ہاں۔ اس کی گڑبائی ناسدی ہے۔

ذکیہ : آجا نا اپنے آپ۔ چنتی کی طرح تنگ نہ کرنا اپنی آئی کو۔

نسو : ہاں ہاں میں آجاؤں گی۔

(نسو جاتی ہے اور جاتے جاتے مٹی کو بھینٹتی ہے)

جھبی : میں بھی کئی دن ڈاکھیلنے جاؤں گا آئی!

ذکیہ : داں ہاں کھیل آؤ۔ لیکن آجا بڑجلدی۔

مجید : (جاتے ہوئے) ہاں ہاں میں جلدی آجاؤں گا۔

(نسو کے پیچھے بھاگ جاتا ہے)

ذکیہ : ویسکھو

(مجید بالکل پیر گستا ہے)

تھما سے احوں ہاں کے ساتھ ہم سب مل کر اکٹھے کھانا کھائیں گے۔

(مجید بہت اچھا کھانا اچھاگ جاتا ہے اور ذکیہ ایک مکھک سانس لیتی ہے)

ریاض : کتنے پیارے بچے ہیں، ذکیہ تم نے تو جنت بنا رکھی ہے۔

ذکیہ : (زہر خند کے ساتھ، جنت !)

ریاض : (اٹھ کر بیٹھے ہوئے ارمان بھرے لہجے میں) آٹھ برس گز گئے، جب ہم نے جی ایک بار ایسی جنت بنانے کا ہمد کیا تھا۔

ذکیہ : (ویسے وہاں بھرے لہجے میں) صدیوں سے اٹھیں !

ریاض : تم نے یہی جنت بسائی۔۔۔۔۔ لیکن میں۔۔۔۔۔ میں نہ جانے کن ازمانوں میں سے

نکل گیا۔۔۔ تمہارا ایک گھرت رشتہ ہے۔ پتھے ہیں۔۔۔ اور میں۔۔۔ میں

ذکیہ : آڑی کی آگ میں جل کر کندن بن گئے تم اور نہ ٹوٹنے والی بیڑیاں میرے پاؤں میں بندھتی ہی گئیں۔

ریاض : (حیرت سے) بیڑیاں۔۔۔ ذکیہ۔۔۔ تم خوش نہیں ہو؟

ذکیہ : میں شاکر ہوں۔

ریاض : بھائی صاحب کتنے تھے تم بیمار رہتی ہو۔

ذکیہ : بھگے تم بیمار نظر آتے ہو۔

ریاض : میں تو اچھا خاصا ہوں، سفر سے آ رہا ہوں، اس لیے کھٹکتا محسوس ہر رہی ہے۔

ذکیہ : (جیسے دوسری دنیا سے بول رہی ہے) مجھے بھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک لباس سطرے کر کے

آئی ہوں اور تنگ گئی ہوں اینس کر (لیکن چھوڑو وہ قصے کو، تھکے ہوئے ہو آرام کرو۔

ذکیہ : میں نے تمہارے ٹھہرنے کا انتظام اُدھر بارہ دہائی میں ہی کیا ہے اور نیچے بیٹھا میں بھی تھیں جو جگہ پسند

آئے۔ وہیں تمہارا سامان رکھوا دوں۔

ریاض : سامان ہی کون سا ہے۔ بس یہی کپڑے ہیں۔ کوئی تھکایا جاو دو تو انہیں بدل ڈالوں۔

ذکیہ : تو چلو اُدھر بارہ دہائی میں جگہ پسند کرو۔ تمہارا کسے قیمتی ہوں، میں تو تمہارے آنے کی امید ہی کھو بیٹھی

تھی۔ صبح ہی سنا۔۔۔۔۔ تم جہوں آئے جو۔ سوچا شاید ادھر بھی آسکو۔ سوچا ہی جلدی بارہ دہائی

ٹھیک کر آئی، بیٹھا ٹھیک ہر رہی ہے چلو پیسے بارہ دہائی رکھو۔

ریاض : بارہوی — واہ — :

(اُتھ کر چلنا ہے)

ذکیہ : (ہن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے) لیکن دروازوں کی بو سے انہیں صرف بارہ کھڑکیاں پڑنے والے
بچے کھول کر بیٹھا۔ یہ برسے بند اتنے ریلوے کی گاڑیوں کو دیکھ بھولی اور یہ کچھ نہ کچھ لے آئے۔

ریاض : اتھ نہ رہتا ہے، ابیں چہرے کا کمانہ ہوا کیا ؟

ذکیہ : (ہنس کر) بچلے کوڑاں میں جا بیاں لگی ہیں آہی کھڑکیاں ہر وقت کھل نکلتی ہیں۔

(دونوں ماکھی کے اواز سے میں ہوتے ہیں گریہ کر رہے)



تیسرا منظر

(دو گھنٹے بعد آئی کمر سے میرا)

(کمرہ اور سب دیرہ زینب نزدیک اب کپڑے، اور لی گھڑیاں لٹکنے کے
کپڑے اور دوسری فالو سہیزیں اندر کمرے میں پہنچا دی گئی ہیں
سلطان چرخہ لینے دوسرے کمرے میں جا رہا ہے۔ حسب عین
داخل ہوئی ہے)

عجیب : اب ستم بھی کر اس کام کو سلطان۔ نیچے آنگن میں کنجوت مرغیوں نے قیامت کا اور حرم مچا کھا ہے
انہیں ڈر لوں بڑ بند کرنا ہے
سلطان : میں ہر چیز دیکھا ہے۔ باقی سب چیزیں تو میں نے اٹھا دی ہیں۔ دیکھو تو کمرے کی کیا صورت نکل
آئی ہے۔

عجیب : ہیکم اور میری آئیال ہیں اب چل آگے۔
سلطان : رہنے کو ہیں زمین پر چکا کر (اس آئی جانوں) سرگوشی میں (ہیکم) چچا ہوشن بول گیا ہے ان دو
گڈائیوں میں وہ ہمیشہ کہا تدری آتے تھے۔ اسے سے میں نہیں ملتی۔ یہ ریاض سماں اچھے آئے ہیں۔۔۔ گھر
کی۔ بیگم کی۔ بچوں کی۔ سب کی کلا پلٹ گئی ہے۔

عجیب : (اسی صبح سرگوشی میں) میرا آنے سے پہلے انہی کے ساتھ چل رہی تھی ہیکم کی بات حیرت، لیکن حیدر ہیکم
خدا انہیں دم دم حیرت نصیب کرے چنی کو چھوڑ کر صحت کر گئیں اور نواسی کے خیال سے آئی نے ان
کو یہیں بیاہ دیا ہے۔

سلطان : دلت کا بھی تو خیال ہو گا۔

عجیب : ہاں۔ اپنی آگ پر اسے کیوں سیکھیں۔

سلطانان : لیکن نوروہ دولت بری اور نہ توہی اور بیگم قید ہو گئیں۔ یہی سنان جگہ میں۔ میں تو سب، یہی ان کو دیکھنا ہوں مجھے ان چہرہ آجاتا ہے۔ کہاں آئی اور کہاں یہ اکھنور — قسمت بری ہے نا۔ کہاں سے کہاں لا پھینکا۔

رحیم : کیوں انھیں کس بات کی کمی ہے۔ اب خدا رکھے ہزاروں لاکھوں سے چھتے ہیں بھائی بڑی تو کیا بڑا اللہ اپنا بچہ بھی سلامت رکھے۔

(ماہر ڈاکوئی بر ریاض اور دیکر کے باتیں کرنے کی آواز آتی ہے)

ریاض : اسے سبھی کیوں کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔ اتنا لذیذ تھا کھانا — مجھے تو مدت بڑی بلیا کھانا چلنے رحیم : اس کو کسی میں اٹھاؤ چرخہ اور بھاگو۔ وہ ابھر کر رہے ہیں۔

(سحان چرخہ اٹھا کر دایں دروازے سے نکل جاتا ہے اور)

رحیم ہی کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ اہل دروازے سے ریاض

اور ذکیر باتیں کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں)

ذکیر : کیا کروں۔ یہاں کوئی نئی چیز ملتی ہی نہیں۔ وہی کھانا ہی کوئی گا جریں اور وہی نوازاؤں کا ساگ (جاتی ہوئی رحیم سے) رحیم زرا پاندان اٹھالا۔ میں پن بنا دوں ریاض بھائی سے ہے۔

رحیم : جی بھی لائی بیگم۔

ریاض : (باکر چای پائی پیتے ہوئے) یہ کڑم کا ساگ کیا بلا ہے۔ ہم نے تو کبھی نہیں چکھا۔

ذکیر : (اس کے پاس کرسی پر بیٹھ کر میس بنتے ہوئے) کھالینا شام کو پکا میں گزشتہ میں۔ کوئی ایسی سوخات کی چیز

تو ہے میں تمہیں کیا پسند آئے گا۔ تم پڑکھتے دو طرفیں کھانے کے عادی۔ میں نے جب سنا کہ تم اسے سو

برابر نہیں تو کراہیں گی کہ بت سہی رہی ہوں۔ موٹو ڈائمنڈ سے کھلا بھیجا ہے کہ جہوں سے آتا آتا کچھ سبزاں

اور پیل لیا آئے۔

ریاض : اسے بھی تم عوام خواہ پریشان ہوئی ہو وہ کی تم قصہ ہی نہیں کر سکتیں مجھے! اور چہ خانے میں کھا کھا کر

کتا اٹھ آیا۔ دسترخوان اور ڈائمنڈ ٹیبلوں پر کھا کھا کر زبان زمین میں آگئی ہے۔ اب وہی خانے میں چلے

کے لہجے سے سانسے ساتھ بیٹھے ہوں۔ تم روٹی پکاؤ۔ ہم کھائیں۔ — مجھے اُس وقت ہی کرندگی میں دوبارہ یہ
مست حاصل ہوئی۔

ذکیہ : مجھے تو بھول ہی گیا سب کچھ۔ اب تمہارے آئے پریریوں بعد آج روٹیاں پکی ہیں۔
ریاض : (اٹھ کر) لیکن تمہارے کھانے میں ٹھاس تو پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ ذکیہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کھانا
پکانے میں تم نے پہلے سے بھی زیادہ مہات حاصل کرنا ہے تو مجھے بھی بتا چلا آتا۔

ذکیہ : تم آئے ہی نہیں بیسیوں برسوں نے بلا بھیجا۔
ریاض : (اس کی طرف ایک نمک بکھکتا ہے۔ گویا اس کی آنکھوں میں ڈوب کر ان کی اعتقاد پناہ چاہتا ہے۔ پیر لیا سانس ہوتا
ہے) ارے جنو تم آ بیٹھیں یہاں کالے کوسوں لدر — کہاں رہا۔ علیگڑھ اور کمال پاست
جھول کر شہیر۔ — اور پھر اس میں یہ دور اُفتادہ تھبہ۔ جسے ڈھب کی ایک شکر جی تو حاصل
نہیں۔

ذکیہ : آ بیٹھی (درد سے سکڑا ہے) جیسے خود اٹھ کر آ بیٹھی یہاں۔ — ہم غریبوں کا کیا ہے امان
آپا نے یہاں بٹھا دیا۔ جا بیٹھیں۔

(حیسن باغدان سے کراکتی ہے)

حیسن : اُچھے بلیم باغدان۔

ذکیہ : لاؤ۔ اور جا کر دیکھو۔ وہ سلطان کا چھوکرانہ خیزوں کے گدستے لایا ہے یا نہیں۔
(ریاض اٹھ کر اگلی کے درمیانی دوازے میں جا کر کھڑا ہوتا ہے)

ذکیہ چار پاروں پر چڑھ کر بان بنانے لگتی ہے)

ریاض : (کچھ لمحے در پہاڑوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ پھر سٹھکا لیا سانس بھر کر مڑتا ہے) کچھ بھی ہو ذکیہ۔ اگر میں جانتا
تم اپنی غرضت کچھ رہتی ہو تو سفر کی رفتوں کو بھول کر اڑ آ آ کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوتا ہے (آگنا خوب صورت
مقام ہے) (انگولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ تین طرف جینوی دائرہ مانتا ہے ہوئے پہاڑ اور یہ
پورے طرف اپنی دھن میں مت مویا کھریا سا ہوتا ہے جناب۔

ذکیہ : (اس کے پاس جا اسے ابن کا گھدی دیتے ہوئے) تم کہیں کر میوں میں آتے تو جناب کی جادو دیکھتے۔ سو یا سو یا فیہی سا معلوم نہیں تو ان دنوں ————— مزار بھونڈاں والے بھی کی طرح بھوکا نہ ہو سکتا ہے۔ ————— یہاں ایشیہ تھا ہے۔ کہ اسے لی چار می برتنے ہوئے یہ گھر تک لڑنے گئے ہیں۔ اسی دنوں میں اس وقت بھی ہوتی ہے۔ اور اگر کے بازاروں سے اتنے آم آتے ہیں ان لوگ اتنے آم جو سنے ہیں کہ چھکے راستہ بازاروں بھر جاتے ہیں۔ جموں کی بیابانگوت اور گوجراننگ سے رنگ مہاں آتے ہیں۔ آج بھی اسی وقت تک بازاروں میں تھوڑا سا رہتا ہے۔

(ابض جادو یا اپنی پریٹ مہا ہے اور ذکیہ کو یہ بھونڈا کر کے کی

میں ہونے اس بیٹھا ہے)

ریاض : شہر والی میں کہیں کہیں لٹ تک ٹرائیں گھٹا کھڑا۔ تھی ہیں اور بیرون میں کہیں تاکتے پھنڈے

————— انہیں مشورہ رہا رہتا ہے کہ جہاں جاکر آجے کہہ کر کہیں نہیں جہاں جائے۔ ————— ہیں

اپنی جگہ جہاں آتا شہر نہ ہو۔ اسی آریں نہ ہوں۔ سونوں جو طہیزت اور پچھرا ڈگھتی ہوئی ہی سونوں سونوں ہی تراب آوند آفتاب و تمہیں میں سے اوست نظر سائے علی ان لوگوں میں (Lotus) (Parsas)

ذکیہ : (کہہ کالسا سانس ہو کر) ہر بیان اگر سب نظیر بھول گئی ہوں

ریاض : (اٹھ کر مہا جاتا ہے) اسے جھی و پھی ٹھین اڈا لیس کے ساتھ ہی ہانڈی تالی تالی کہے ہیں اس لیے خیر سے

میں پہنچ جاتے ہیں جہاں سلطان ہی سکون ہے۔ (اٹھ کر مسے میں گھومتے لگاتے) اس جزیرے کی سونوں

سونوں ہی خوبصورت فضا کو دیکھا روہ چاہتے ہیں کہ ہر اس کے پورے کھول کے چھان مہا سناہ ہیں اور سونوں میں

(ذکیہ کے قریب کر) کچھ کچھ ہیں۔ ————— اسی میں ہی کچھ ہیں۔ ————— ہاں اگر

معلوم ہوتا ہے کہ میں ہی پہلے میں پہنچ گیا ہوں۔ زردی جیسے کسی ایسی شہر سونوں سونوں ہے یہاں۔

(پریٹ جاتا ہے) ————— کیوں برابر ہی گویں عورتوں کے بھونڈے

کی آواز آتی ہے جس میں مردوں کی آواز میں شامل ہیں)

ذکیہ : لیکن ہنگامے تو یہاں ہی ہوتے ہیں۔ دیکھو نیچے گلی میں شور مچ رہا ہے۔

ریاض : (کروٹ سے کہہ کر نے نزدیک ہوتے ہوئے کہنے کے بل بیٹھے بیٹھے تم شاید ملی کی آوازوں کو بھول گئی ہو زندگی
ہی پر کون جگہ پہنچ کر ٹھہرنا ہوا ہے ہی نہیں، اگر شور تو کیا ہے ؟ میں تو سب سے تباہ ہوں، برابر محسوس
کر رہوں کہ زندگی سال ایک ابدی نیند سو رہی ہے۔ بیہوش گامے اور خوشی خوشی تو محض اس کے غراٹے ہیں۔
ذکیہ : کیوں ریاض، کاسے پانی میں ہی تو اتنا ہی سکون اور خاموشی ہوتی ہو گی۔

ریاض : (پھر اٹھ کر ٹھہرنا ہے) کیا لاپنی — کاسے پانی کا لاپنا ڈر ؟
ذکیہ : میں تم کو جی ایسے محسوس کرتی ہوں جیسے یہ اٹھو، سیر کر لاپنی سپر اور میں یہاں کھمبہ کے لیے قید
ہوں، انہی یوں۔

ریاض : (کئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے) تم خاش نہیں ہو ذکیہ :
ذکیہ : (دور سے ہی مسکراہٹ کے ساتھ) میں تاکہ ہوں
ریاض : (اٹھ کر سرے میں گھومتے ہوئے فغانانہ انداز میں) یہ ساری کی ساری زندگی یہ۔ کالا پانی سے ذکیہ غالب
نے ٹیکہ ہی حیات کو قید کا نام، اپنے (کھڑکی سے پاس جا کھڑا رہا ہے)۔ انہی غولہ کوئی، یہ بھی تو شاید
آزاد نہیں، وقت کی قید میں بند رہتی ہے، اور جسم کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ان بیڑیوں سے نجات
نہیں، ایک علاقے سے نکال کر دوسرے میں اور دوسرے سے نکل کر تیسرے میں چھٹانا ناگزیر ہے — ہمیشہ
انہی، ان بھی بیڑیوں کا نام کو، روح کو غولہ کوئی کو، زندگی کو غراٹے سبھی ہے۔

(پھر تاکہ جا رہی ہے بیٹھے حب ہے)

ذکیہ : (اب اس مسکراہٹ کے ساتھ) تم ہمیشہ شامہری کی دنیا میں گھوم رہے، کبھی جتنی دنیا کی بات نہ کرو گے۔
ریاض : میں سوچتا ہوں کہ کیا یہ سب، ہر حال میں، یہی ہے تو کہیں اس کی فکر کیا ہے۔ کاش کہیں تو ان بیڑیوں
کو کاٹ جائے۔ نہیں تو کہیں نہ اس میں بکڑے بکڑے نہیں فرسوش کیا جائے۔

ذکیہ : تم شامہری اور میں تم سے باتوں ہی نہیں صحبت، سکتی۔

ریاض : لیکن تم ہی تو شامہری میں اور ہمیشہ تم سے باتوں ہی صحبت جایا کرتی تھیں۔

ذکیہ : میں جان گئی ہوں، صحبت کر رہی تھا، جا رہا ہے، تھے اور میری ٹیک بندوں پہ بھی سر دغا کرتے تھے۔

(دھاگا کا ختم ہو جاتا ہے۔ امدادی سے جا کر اور دھاگا کا لٹہ ہے)

ریاض : (اس کے پیچھے جا ہوا) کتے بچے تھے وہ دن !

ذکیہ : تمہیں تو کبھی یاد نہیں آتی مرگیا ان کی۔

ریاض : (جذبات کو چھپانے کی کوشش میں بالکونی کی عزت جانتے ہوئے) بچ کتا ہوا۔ اگر وہ یاد نہ رہتی تو

آوارگی کی ہیراں پر نیلے سر پاؤں کو دھاگے سے رکھتیں۔

ذکیہ : (اس کے پیچھے جاتے ہوئے مددوی۔ درد اور محنت اُٹھاتے ہیں) ریاض !

ریاض : (جذبات پر قابو پا رہتے ہوئے ذرا ہنس کر) وہ دھاگہ بونہی، کنگ کا ٹکٹ بھیر تانک لگا کر ہے

ذکیہ : ریاض کے مائل تریب جاگناں کی آنکھوں میں لہجہ غم

کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ریاض بند کی طرف دیکھتا

ہے۔ ایک لباس ہی بھر کر، جہاں ادھر دیکھتے لگتی ہے۔ ہن کا

لب دلجو ایک عجیب دور سے بھرتا ہے)

ذکیہ : کنگ کا ٹکٹ (مسکراتی ہے) تمہیں یاد ہے ذرا اک۔ ہارٹنگ کا ٹکٹ کا فم دیکھتے گئے تھے۔ میں

ہن لائی کی کبھی نہیں بھول سکی۔ جسے کنگ کا ٹکٹ اُٹھا رہے گیتھا (لباس میں ہے) وہ ہائی باگمی تھی

لیکن —————)

(باہر سے آسان صاحب ان آواز آتی ہے)

احسان : ارے بھئی کدھر ہو؟

(اندر داخل ہوتے ہیں۔ مختصر میں ٹھالی کا دونا ہے)

ریاض : آئیے بیانی جان یہ کیا لائے ہیں؟

احسان : (اندر آتے ہوئے) یہاں ملتا ہی کیا ہے۔ میں نے کہا۔ مزہ میٹھا کرنے کے لیے ٹھالی ہی لیتا چلوں۔

ریاض : (ان کے پیچھے آتے ہوئے) ارے بیانی جان اس کی کچھ کسر رہ گئی تھی، گاہر کا صلہ تو کھا گیا ہے۔

ذکیہ : (ان کے پیچھے آتے ہوئے) ریاض کی بات کاٹ کر (کالی گاہر کا طوطہ بیلا کیا پسند آیا ہوگا۔

ریاض: اانتے ہے، اوہ کسی نے کہہ دیا — حسن صورت پر نہ جا احسان مدنے کوتیا لئی پر رکھ کر جاتے گئے
 (جی) اے جانی جان آپ کدھر جا رہے ہیں۔ بیٹھے آ۔

احسان: نہیں مجھ دفتر کا کام ہے۔

ذکیہ: اجا رہا لئی پر بیٹھے ہوئے / ذرا جلدی آئیے گا۔ ذرا کھلا لیں گے ریاض جانی کو پاس لے گا ڈنک
 احسان: کوشش کر لیں گا۔ لیکن نہ آسکا تو تم لوگ ہونا۔
 (بچے جاتے ہیں)

ریاض: جانی صاحب کی صحت تو پہلے سے کبھی بہتر ہے۔

ذکیہ: پیول گئے ہیں۔ انھیں ماگ تو اندھا لگا رہتا ہے۔

ریاض: یہ ان کے دانت کس جگہ کھین۔ اوپر کی قطار سفید ہے اور نکل نرو۔

ذکیہ: دونوں درد تھیں۔ پائیریا تھا۔ ابھی کی نقلی گوالی ہے۔ نیچے بھی نکھوانے کے لیے زور دے پھول۔

لیکن سنتے ہی نہیں۔ اپنی سمت کا کدھیال ہی نہیں رکھتے

ریاض: لیکن پائیریا تو بڑا بوزی مرض ہے۔

ذکیہ: (اب بڑا ڈھی اس ذکر کرنا لے لے سے انداز میں) ہاں ہی۔

(ایک بندہ تیزی سے آتا ہے اور مٹھائی کا دننا سے جاتا ہے)

ریاض: (بے طرح چوک کر) اے — اے — اے — دہلے کا

مٹھائی کا دننا۔ شاید کسی وقت سے تاک لگائے بیٹھا تھا۔

(اٹھ کر انگلیں کے سہارے میں جاتا ہے)

دھی ہے کنگ کا کنگ — کس نرے سے جا بیٹھا ہے منڈیر پر۔

ذکیہ: (دو چہ پیلوں پر بیٹھے بیٹھے) کنگ کا کنگ سے جس نے کب کا کھرتہ کر لیا ہے۔

ریاض: اعداد سے کی پر کھٹ میں کھرتہ کھرتہ دو پیمانوں کو دیکھتے ہوتے / یہ سلسلے کے گہرے پیمانوں

پر بادلوں کے سانسے کتے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے۔ جیسے یہ پُرتوں جگہ جگہ

سو گئے ہیں اور یہ چمکری پائیاں بیٹی۔ سوئی نیم غزوہ سی کیسی چھی گھڑی ہیں۔ میں اگر وہ جاؤں
 کہ نہ جانے کن مرکز آوار اجیزوں کی تھیں کروں۔

ذکیہ : (طے لود اید سے) وہ گئے تم !

۱ درود ہنگاموں سے ہوں کی طرف کھینتی ہے — نیچے

گلی سے دونوں کے گھے ہیں بند میں بڑی گھنٹوں کی آواز آتی

(ہے)

ریاض : کتنا سکون ہے ہوں دیر میں۔ نیچے گلی سے گزرنے والے دونوں کے گھے میں بند سے جوئے
 گھنٹوں کی آواز کیسی پیاری مسوم ہوتی ہے۔

(اکہوتوں کی غنٹوں کی آواز آتی ہے)

یہ بازار سے آنے والا دم سا شورا ادیر چنگلی کھوتوں کی غنٹوں !

(ہندیہ کے بچے کی کون کون کی آواز آتی ہے)

لیکن یہ کون کون کی آواز نہ جانے کس پرندے کی ہے ؟

ذکیہ : (اٹھ کر شستی جہا کھڑک کے پاس جاتی ہے) پرندے کی نہیں ہے ہندیہ کے بچوں کی آواز ہے۔

ریاض : (اس کے پاس آنا خزا) کمال ہیں یہ ہندیہ کے بچے۔

ذکیہ : وہ دیکھو اور چھت پر — کیسی کوٹ کوٹ کر شفی بھری ہوئی ہے۔ ان میں وہ دیکھو

وہ بند کھنت کس جتن بیٹا ہو ہے۔ اور وہ ہندیہ یا کس جتن کے جسم کو سلاہی ہے۔

ریاض : مجھ چاہتا ہے۔ کس طرح وہ پھر کی مٹھی مٹھی دھوب میں لیٹ جاؤں اور کوئی میرے جسم کو سلاہے۔

ذکیہ : تم تب چاہتے ہو؟ تم نے کبھی نہیں چاہا۔

(باران میں ہرت ہے)

ریاض : کتنے تنوع اور خیال ہیں یہ چند اور ان کے بچے۔

ذکیہ : ہر طرح کی قید سے آزار۔

ریاض : (اٹھ کر کبے میں گھومتے ہوئے) لیکن ذکیہ جھٹکتا تم شاعر ہو جی۔ اپنی تمام نامیہ سدی اہل اس کے باوجود شاعر کے
 دلیلیں دل کے کسی نامعلوم گوشے میں آئیں تو ہستی سے تم سوئی ہی میں سکتیں ذکیہ ! کل شام میں کتنا بوس تھلا دلت
 میں نے کس نے ذہنی اذیت سے گذاری۔ اپنے پر شور دین کو کھلے اسول کی اس دم گھونٹا بننے والی قید سے کس
 صبح جاگ کر بیاں پاپوں۔ لیکن اس جھٹنے سے عورت تھبے کو دیکھ کر تھبے کی کوڑا اور عجیبی نوک کر تھاری
 آنتھی ہی جنت کا اتھار۔ کہ کہے ہیں جیسے پھر اپنی میدا دسترت کیا ہوں۔ لیکن اس آہستہ کی تھن کرنے والی تھنیں

ادواں جو۔

ذکیہ : جنت :

(درد مری نہیں ہنستی ہے)

ریاض : ذکیہ کی سناہراں درد مری سننے کی طرف احیان دینے لیں اپنے جذبہ تکی نہ میں (اداس میں سوچا تھا۔ اگر میں
 میں لکھ دوں میں رہ جاتا تو نہ جانے کتنی تر لہو ت چیروں کی تھن کو دیا (پھر اگر چاہا پائی بڑکیہ کے سامنے بیٹھ
 جاتا ہے) جس دن دنیا میں تر لہو ت میدا ہرئی تھی۔ ذکیہ شاید اس کے ساتھ ہی بد صورتی نے منہ یا تھا فلسفی
 جب تر لہو ت کو دیکھتا ہے تو بد صورتی کو نہیں بولتا۔ لیکن تا سو جب اس بد صورتی کو دیکھتا ہے تو تر لہو ت
 کو یاد لکھتا ہے۔ گئی تھی تر لہو ت کو امی کے تار یک ناموں سے نکال کر اپنے عامل کی بد صورتی پر طاری
 کر دیتا ہے۔ میں شاید وہ نفسی سے ناٹے میں بد تھبے۔

ذکیہ : (ہاساں سہرتے ہنسنے) شاید تم کا کچھ جو شاید یہ شاعری ہی کا جذبہ ہے جس نے اب تک مجھے زندہ
 رکھا۔ خدایا کیل جیتے دنوں کی خوشیوں میں اپنے موجودہ تم کو بائنی کی تر لہو ت میں حال کی بد صورتی کو بوسے
 رہی ہوں۔

ریاض : (دست سے ۔۔ خداتم اب بھی شاعر ہو ذکیہ۔ اگرچہ تم نے پھینچے اٹھ برس میں ایک بھی شعر نہیں کہا۔
 ذکیہ : تمہارے ساتھ رہ کر شاید میں پھر شاعر بن جاؤں تم یہاں رہو تو شاید میں اپنی پرانی خوشی پھر داپس
 پا جاؤں۔

ریاض : (اٹھ کر پھر کبے پر چکر لگاتے ہوئے) میں رہوں گا مجھے رن لہی سے کوئی دلچسپی نہیں۔

ذکیہ : برت باری ۹

ریاض : ہم لوگ برت باری رکھنے آئے تھے۔ لیکن ہوں بھی کہیں بیالہ جلا آیا۔

ذکیہ : اٹھ کر اس کی آنکھوں میں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے (تم کبھی کوئے شاید۔ میں اسی امید پیندہ

تھی —

(لحاظ جہ کے یہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہیں۔

— این کی آنکھوں میں ایک تانبے کے بے ایک چمک سی کوڑھاتی

ہے۔ مسلم جوتا جہ جیسے وہ ایک ہی بازو کے کپڑے آغوش میں صبر

لئے گا۔ انہیں پھر وہ ہے بنا و نسبت سے (جس کے اثبات اس کے

چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں اپنے پر قابو برائے لہذا اس کی

آنکھوں کی وہ چمک جیسے پودا ہرئی تھی۔ اسی طرح صفا ہو جاتی ہے۔

اس کے ہونٹوں پر ایک اور اس کی سکاہٹ کھینچے گئی تھیں ذکیہ

فداً موضوع بدل رہا ہے)

نہیں اپنا سر پہنڈ آیا۔

ریاض : آغوش ہے کہ ذکیہ نے روضہ دل وہ۔ بڑے خوش و غرو شہ سے (کرہ ————— پسند

(ہنسا ہے اور کمرے میں گھومتا ہے)

مجھے محسوس تو ہے جیسے مجھ اسی کمرے کی ضرورت تھی۔ میں وہیں بیٹھا بیٹھا سونے کے طلوع و غروب کا نظارہ

کر سکتا ہوں۔ ہمایہ کی برائی ہونے پر کرنوں کی گھکاری کا لطف ہٹا سکتا ہوں۔ نیچے دیکھا کسی نہ ختم ہرگز والی

تاش میں سرگردان دیکھ سکتا ہوں۔ بیٹھا بیٹھا تنگ جاؤں تو لیٹ سکتا ہوں۔ لیٹا لیٹا گنا جاؤں تو گھوم سکتا ہوں۔

ذکیہ : میں مدنی تھی کہیں وہاں تھیں رات کو سردی محسوس نہ ہو۔ بارش آئے تو بڑی ٹھنڈک ہو جاتی ہے ابہ مدی میں

ریاض : میں بارش کو پسند کرتا ہوں۔ بہرہم جمجم۔ ہم جمجم بارش ہو رہی ہو۔ امد میں کمرے میں خاموش بیٹھا اس کا

گنیت معلوم۔ یا پھر باہر جواس میں رہی ہوں۔ میرے کمرے کی دیوڑوں سے ٹکریں نہ رہی ہوں امد میں اپنے

کہے ہیں آدم سے بیٹا کھڑکیاں اہد درناز سے بند کر کے شہر کھوں۔ اوگھوں یا عراب دکھیں اس سے
 نیا دیکھ کوئی چیز خوب نہیں۔

ذکیہ : اچھے سروی کھڈتے۔ اس سے نہیں ہے نیچے کا کڑوہ جس ٹھیک کر آیا تھا۔

ریاض : نہیں — نہیں — نہیں — ہمہ ہکڑوہ بیند نہیں کجے بارہ دی پسند آگئی۔

ذکیہ : میں دو ٹوڑ کھڈوں گی۔ شاید تیس سروی مسوں جو۔

ریاض : تم کھڑوہ میری بے تخلفی میں ہی ہم کسی طرح کی کمی نہیں آئی۔

(بالکل میں بیگیاں کی آواز آتی ہے)

بیگیاں : مجھ کی ماں — مجھ کی ماں !

ذکیہ : (ہانڈیہ بال پر ہنسنے سے) آؤ بیگیاں۔ آجاؤ۔

(بیگیاں کڑوہ کھٹ میں ٹھہرتی ہے)

سلام دادی بیگیاں

بیگیاں : دیکھو سلام دادی، کیا ہمارا (ہانڈیہ سے) سلام ہے۔ (پھر ذکیہ سے) ہاں نیچے نہیں۔ سائیں بیچے دو حوال

نساؤ۔ پوتوں میں

ذکیہ : کھو لیجئے آئیں۔

بیگیاں : سلطانہ بھول کر آتے کھڈتے مانگتے۔ میں نے کہا — خود ہی سے جاؤں۔

ذکیہ : زما سے جہاں آئے میں بیگیاں میں ہیں گئے۔ ہر ایک کھڈتے ہڈے بیا کر دو۔

بیگیاں : سو بار حضور۔ جتنے کھڈتے۔

ذکیہ : ہم آج تھار اباغ دیکھنے آئیں گے

بیگیاں : دھن جاگ جو رہے جو آئیے آئیں۔

ذکیہ : سرسوں کا ساگ اور لٹی کا ڈھنڈ کھلاؤ تو آئیں۔

بیگیاں : ڈھنڈوں کا کیا کمی ہے سرسار

ذکیہ : اب تو نہیں۔ لیکن وہ ایک دن دیکھ کر بھیج دے گی۔
 بیگیاں : اٹھتے ہوئے اپنے جیسے سرکار۔ آپ ہر کا امرا ہے — سلام !
 (چل جاتا ہے)

ریاض : اب ڈھوڑا کیا بلا ہے۔
 ذکیہ : کمٹی کی روٹن کر ادھر ڈھوڑا کھتے ہیں۔
 ریاض : (تقدیر کا لالہ دلالت) — کیا نام رکھ ہے کمٹی کی روٹن کا۔
 (بچے جاگا آتا ہے)

مچی : امی !

(نستوہل کے پیچھے جاگا آئی ہے)

نستو : امی !

(انہی کے دہن سے پھٹتی ہے)

ذکیہ : (ہاں کے پیچھے تھوڑے دامن بجاتے ہوئے) ار — رے — رے —
 کو بھی۔

مچی : (شو کے ساتھ آئی کو گھیرتے ہوئے) پیسے وہ ریڈیاں ہیں گئے۔
 ذکیہ : (اپنا کھنڈاں تھوڑے دے کر) سارا دن تھیں چرنے کے سوا (پیر سنبل کر) اچھا اچھا نو۔
 پیسے اور یہ سہرا پتہ اچھوڑو۔

(دونوں پھلنے کو ہوتے ہیں)

اور اپنے آئی سے کونسا جاؤں۔ ذرا گھملائی تھوڑے مومن کو بیگیاں کے باغ ملک۔

بجیر : (جلتے ہوئے) دفتر میں آ رہی بیٹھی ہیں۔

نستو : (جلتے ہوئے) میں نے پوچھا تھا وہ نہ آئیں گے۔

(انگونی میں غائب ہو جاتے ہیں)

ذکیہ : بطور ریاض۔ بیگلوں کے ہانغ تک گھوم آئیں۔ تمہیں خدا یہاں کے کاؤں دکھالادوں۔

ریاض : جیو۔

ذکیہ : ٹھہرو میں خدا برقع اُٹھالوں۔

ریاض : برقع ہو

ذکیہ : یہ کوئی اٹڈن شہر تو ہے نہیں۔ تعصیبے ہانغے زمانے کا۔

(اماری سے نکال کر برقع پہنتی ہے۔ ریاض حیران کھڑا

دیکھتا ہے — ہمدرد کرتا ہے)



چوتھا منظر

شام کے وقت اُگی کرے میں

سورج شاید اسی اسی خوب ہوا ہے۔ اگرچہ اندکے میں خاصا اندھیرا
چھا رہا ہے۔ لیکن دائیں طرف کی کھڑکی میں ابھی تک جاتی ہوئی رکشن چمک
رہی ہے۔

کرے میں سب کچھ قریب قریب وہی ہے جو میرے منظر میں صرت
انگن کے دروازے کے برابر دیوار کی کھڑکی میں ایک ٹائٹل ٹکٹ ہی ہے جس
کا ٹیٹھ سیاہ ہو رہا ہے۔

پردہ اٹھنے کے کچھ لمحے بعد ذکیہ اور ریاض داخل ہوتے ہیں۔ ذکیہ
برقعے کو اتارتی ہوئی آتی ہے۔

ذکیہ : بارے قے کو چار پائی پر چیلتے اور خود اس میں دھنتے ہوئے (کتنا لطف آیا اس سیر میں۔
اسکے کاما سانس لیتا ہے)

ریاض : اگر کسی بیٹھے ہوئے (انہ جانے کتنے عرصے کے بعد یہ حسین شام میں سر ہوتا ہے۔
ذکیہ : یہی میں کہنے والی تھی۔

ریاض : میں بتا چوں ذکیہ یہ دیالتی کتنے سادہ لوح۔ کتنے مہمان نواذ ہیں۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے
میں کسی قدیم اور پرانی سٹی میں پہنچ گیا ہوں (آگزی پھیرے کو بیٹھا ہے) جہاں انسان نے شیطان ہوتا
نہیں کیا اور جہاں زندگی کی ایک نرہ ندی جیسے کیٹ کی آگوشوں سے پاک اپنے کناہل ہر است برہمی ہے
ذکیہ : اور اگر ویسے بیسوں گاؤں ہیں۔ میں شروع شروع میں جایا کرتی تھی۔ لیکن اب تو جیسے خواہش نہیں ہوتی۔

ایک عجیب طرح کی بے جی چھائی رہتی ہے۔

ریاض : (ہڈ کر لینے منہ راز اور اس عصبورت نفا سے پیدا ہوئے اے مدانی مذہب کے نرا اثر) تھا سے
 ارد گرد کئی غرض تھی ہے ۔

(گھڑائی میں جا کھڑا ہوتا ہے)

ذکیہ : لیکن نفس کے اندر وہی کھسیا کا دانہ پائی ۔

ریاض : (ہڈ کر) چہرہ ہی ایسی : ذکیہ تم نفسی بن گئی ہو۔ خوبصورتی کو قبول گئی ہو میں میں رہوں گا نہیں
 پیر سے اس خوبصورتی۔ اس لادانی حسن سے مخلوق ہرنا سکھاؤں گا۔ کتنا حسن ہے تھا سے ارد گرد۔
 _____ اٹھڑ۔ پاکیزہ غیر فانی حسن _____ ابھی کچھ لمبے پیلے میں نے جو منظر دیکھا۔ وہ
 مدتوں میرے دماغ سے مٹ نہیں چرکتا۔

ذکیہ : (ہڈ کر پائی پر لیٹتے ہوئے) کون سا منظر !

ریاض : شام کے سایوں اور دھند لکوں کے غلاف میں لیٹی ہوئی نیلا ہٹ آہستہ آہستہ ویشنو دیوی کے پیارے
 پر نیچے سے اُچھ کراٹھ رہی تھی ۔ دیکھتے دیکھتے سارے کے سارے پیارے پر نیلی تھی دھند کا غلاف
 چرٹھ گیا۔ صورت چوٹی پر نیلی سی بدشچی وہ گئی شاید وہ ڈرتے ہوئے سورج کی آخری سکراہٹ تھی۔
 ذکیہ : اگر تم صبح دریا چاؤ تو ویشنو دیوی کی من نیلا ہٹوں کو نیچے اُترتے دیکھو گے اور پیارے کی چوٹی پر
 تھیں طمع ہوتے ہوئے سورج کی سہمی سکراہٹ دکھائی دے گی۔ لیکن میں ان کی فادہ ہر گئی ہوں۔
 میرے لیے ان میں کوئی نیانہ نہیں۔

ریاض : کوئی نیانہ نہیں یہ تم کہتی ہو ۔ اور پیر نفسی کے نام سے تھیں چر ہوتی ہے _____ میں
 کر اس منظر کو ہی صورت میں قیامت تک دیکھتا ہوں تو نت نئے دن مجھے اس میں نیا لطف حاصل
 جو۔ اس وقت جب میں اس ناسے کے سفید سیاہ پتھروں پر کھڑا تھا اور دھندلی نیلا ہٹوں نے
 نزدیک کے پیاروں کو اپنے دامن میں لے لیا اور دور بر فانی پیاروں پر ڈرتے ہوئے سورج کی کیریا
 بجھک اٹھیں کی عجیب و غریب شکلیں بناتی ہوئی چاروں طرف سے بڑھے آنے والے۔ ان
 وسیع دہلے کن۔ دھند لکوں میں گم ہو گئی تھی تو مجھے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے میں اس ادنی دنیا سے

اوپر ————— بست اوپر ————— نظر گیا ہوں۔ میرے دل کی ساری غماخت و عمل گئی ہے
 سلیف و کفر۔ ازیت غم۔ اب مجھے نہ چھوڑیں گے اور اس وقت نیز ہی کتا ہوں ذکیہ۔ اس وقت مجھے اس
 عظیم۔ لالچ۔ لاشریک ہستی کے قرب کا احساس ہوا تھا۔ اس وسعت و رفعت کا ایک کرنا ہی ہر سلا
 میں نہیں جانا جا سکتا۔ یہ کیس پرانی ہو چکی ہے۔

ذکیہ : (اس کرناٹھے ہونے، شاید نئے اوپر لانے کی تیزی مجھے نہیں تھی۔ کتنا اندھا اور ابرو ہے یہاں۔
 ان کبوتروں نے ابھی تک رانیں ہلایا (باکونی یہ جا کر) رحمن — رحمن — (پیر
 جیسے اپنے آپ) اور وہی نہ جاننے کیوں ابھی تک نہیں آئے۔ میرے کونہ چلے گئے ہوں۔ تمہاری اس
 تنہا کرنا ہے۔ میں تو سب جلا کر نہ بھول گئی۔

(ہنسی مہلی کھوٹی سے سب آدا کر خاق سے یا سلائی ٹھا

کر لکھ دشن کئی ہے)

جی تک نہیں صحت کی کبوتروں نے۔ اور جی۔ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے برسوں سے نہیں کٹی اور پھر پھر
 اور مجھ نہ دے رحمن کو اٹھ دیتی ہے) رحمن! — رحمن!

رحمن : (جھائی آتی ہے) جی — جی بلیم!

ذکیہ : یہ سب صحت نہیں کیا۔

رحمن : سلطان سے پوچھ لو بلیم۔ میں نے توڑی ابھی طرح صحت کے جلا اٹھا۔ شاید کچھ گیا۔

ذکیہ : جی نہیں کائی۔

رحمن : میں نے کوشش کی تھی۔ لیکن یہ مجھ کے ٹھیک نہیں ہوتی۔

ذکیہ : رو تھیں بھانوار

(رحمن طاق سے تھپی اٹھاتی ہے)

(تنبھی پتے ہوئے)

نسوکے آبا کساں میرا

ریمیں : جبکہ وہ آنے نئے لیکن آپ تو گئے ہونے تھے۔ اس لیے شاید وہ بھی میرے کو نکل گئے۔
 ذکیہ : (چہن کو صاف کرتے اور تہی کاٹتے ہوئے) تم تو بگی کی جیکہ چونکے کے عاری ہو۔ یہاں تو لائینوں کی روشنی ہے
 ہوا نثار کی کوا درجی کمرہ کر دیتی ہے۔

ریاض : دل کی تاریکی تو بگی کے فتنے صبی نہیں مدد کر سکتے۔ لیکن یہ تاریکی سے انوس ہوں ذکیہ۔ کبھی کبھی مجھے محسوس
 ہوا کرتا ہے۔ جیسے میں اس تاریکی کے پردوں کو کبھی نہ چیر سکیں گا۔ لیکن کچھ کتنی ہی یادیں اپنی دوستی شعاعیں سے
 ہونے آجاتی ہیں۔ یہ تاریکی آج اپنے کج طرح چمک اٹھی ہے اور میں اس میں اپنے پٹنے دیکھنے لگتا ہوں۔
 ذکیہ : (سب کو گھونٹ سے حکمت ہونے) تم اب بھی اپنے دیکھتے ہو۔

ریاض : میں دن اپنے ذرا کیوں گا سرواڈل کا۔
 ذکیہ : تو بے توجہ کیسی بات کرتے ہو۔

(اس کے سزا پناہ دیکھا جاتی ہے۔ لیکن اعتدیل دسے ہیں۔)

(اس لیے مجھ کو کھلا دیتا ہے)

ریمیں نثار پانی اور صابن لانا۔

ریاض : ہر کل رات مجھے ایسا محسوس ہوا تھا ذکیہ جیسے یہ تاریکی اپنی پوری جمعیت کے ساتھ محسوس کرنے آئی
 ہے۔ جیسے ہر میرے سارے سپنوں کا گلا گھونٹ دے گ۔ لیکن میں بھاگ کر یہاں تمہارے پاس آ گیا اور
 اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں۔ جیسے اس لائین کی روشنی میں میرے دل کا تاریک سے تاریک گوشہ
 میں منور ہوا ہے۔

(ریمیں پانی لاتی ہے اور ذکیہ صابن سے اتار دھوتی ہے)

تم اس روشنی کو حقیر خیال کرتی تھو۔ ذکیہ تم نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا۔

(ریمیں چلی جاتی ہے)

ذکیہ : (قریب سے دماغ پر غصے ہوئے) پہچانا نہیں خود کبھی بار ایک تھا تاریکی میں بھٹکتی رہتی ہوں۔ کبھی
 کبھی مجھے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہ تاریکی مجھے میسارہ مانوں۔ آرزوں۔ سپنوں۔ یادوں کو نکل ہٹائے گی۔

اور میں ہر نعرش کی طرح بیڑی رہ جاؤں گی جس کو تمام خون کسی آسمودہ نہ ہرنے والی جو تک نے چوس لیا جو۔
 (الیاس جس جرت ہے) لیکن تم نے سچ کہا آؤں تیری سے میں فوج ہو جا تا ہے امد جہاں سے آئیگی اس کا
 خون چھستی ہے۔ وہ تیری جی خون حاصل کرتا ہے۔

ریاض : (ایمانک سے دونوں کہہ منوں سے کھلا کہ) خدا قسم ذکی تم شاعر ہو۔ تم زہد دست شاعر ہو۔ نہ جلنے
 کون سے خیالات دل کے نہاں خانے میں مدفون۔ اظہار کا انتہا کر رہے ہو۔

ذکیہ : (مست سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے) میں خود محسوس کرتا ہوں جیسے میں ایک نغمہ گائیکوں کی حدیث
 کا ایک طوفان سا میرے دل میں حمل ٹھہرے نہ جلنے یہ تمہاری ہی کہہ کا منتظر تھا۔ تم رہو تو شاید یہ طوفان لغو
 اور سطروں کی شکل اختیار کرے۔

ریاض : میں ضرور رہوں گا ذکیہ۔

ذکیہ : لیکن غیب۔

ریاض : بچو۔ وہ مجھے فضول بنا ڈائے پھر یہی ہے امد بھی کہیں میں اپنے آپ کو کس سے بے خبر ہے

سے خال ابدن کی طرح محسوس کرتا ہوں۔ جو فضائے آسمانی میں ہوا کے جھونکوں سے بے ثور۔ نئے مطلب
 کہو اور اڑتا ہے نہیں ادھر۔ لیکن اب میں زیادہ نہیں اڑوں گا۔ ایک بھری۔ جی کھٹا کی طرح تک کہ بیٹھ
 جاؤں گا۔ بچو اب مجھے امد نہیں اڑا سکتی۔ میں اس سے دامن چھڑا کر بھاگ لیا ہوں میری مدد آزادی
 چاہتا ہے۔ بالیدگ چاہتی ہے۔ پہلا چاہتی ہے۔

(باہر آگن میں نونی کڑی کھٹا آ ہے)

ذکیہ : کون؟

(پھر وہ تک کی آواز آتی ہے)

(آنکھوں پر ہانک) زمین۔ دیکھو کون ہے۔

زمین : (بھرا ہوا آدھی ہے) اٹھیں صفا سے (ایک ڈنگ ہے میگم۔ جوں سے آئی ہے ریاض ریاض
 کو پوچھ رہی ہے۔)

ریاض : (گمراہ) نمبر دو !

ذکیہ : گمراہ کیوں گئے۔ میں جا کر انہیں لے آتی ہوں۔

(بالکل اسی کے بائیں دروازے میں نمبر آتی ہے)

ریاض : لانے کا فریضہ نہیں۔ وہ خود ہی آ رہی ہے۔

ذکیہ : آجائے۔ آجائے۔

(بخیر انداز آتی ہے ————— پرچم بھی نہیں میں لڑکی

جس کے حسن کا شوق ایک اب دوسرے پر ہوتا ہے)

(انہو کے لیے کرسی بٹھائی گئی ہے)

نجمہ : (نہیں بیٹھی اور ریاض کی طرف دیکھ کر تڑپ سے سڑاتی ہے) آداب عرض :

ریاض : (کھلمانی سی ہنسی کے ساتھ) تم دونوں کو ایک دوسرے سے متاثر نہ کرنے کی فریضہ نہیں۔

نجمہ : جی نہیں ! (خیر سے) میں نمبر ہوں آداب کو نہیں جانتی ہوں۔

ذکیہ : بڑی عمرانی کہتے ہیں (کچھ گمراہ) نہ جانے وہ آج کہاں چلے گئے ہیں (نمبر سے) آئیے اور

تشریح رکھئے۔ وقت نہیں بولیں آپ کو سفر میں۔

نجمہ : ریاض کی طرف بیکہ رشادت سے سڑکتے ہوئے) میں آپ کی دعا سے بچ کر آئی ہوں۔

ذکیہ : کچھ چلے نہیں گی ادھر۔

نجمہ : آپ تکلیف نہ کیجئے۔

ذکیہ : (صوف ہتھ پھرتے ہیں) اور تکلیف کا کون سا سبب ہے۔ میں بھی لائی۔ آپ ذرا تشریح رکھئے۔

نجمہ : آپ تو مزہ نہ کیجئے (دلالت سے) ادھر میں جی نہیں اور چہنہ کا وقت نہیں۔ ادھر یہیں ہی جانا

ہے۔

ذکیہ : (جلتے جلتے دیکھ کر) جی ہاں کئی وقت ہے جانے کا۔ اب تو کوئی لڑکی بھی نہ جانے گی۔

نجمہ : پریم کا رہتا ہے۔

ذکیہ : تو بھی چائے تو چیتے جا بنے۔ ہاں سے تو کھانا کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔

نجمہ : کھانا تو تم فدا دے سے کھاتے ہیں۔

ذکیہ : میں جانتی ہوں کہ اسی بے حمت جانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ بیٹھے جوں ہی آتی ہوں۔ جین۔۔۔ بھیس!

(پہل جاتی ہے)

نجمہ : ریاض!

ریاض : (چپ رہتا ہے)

نجمہ : بڑے ظالم جو یہاں جاگ کر آ بیٹھے ہر۔ اور تمہیں ہم بات کا ذرہ بھر بھی خیال نہیں۔ کہ تمہارے دوسرے

ہستے آدمیوں کو پریشانی اٹھانا پڑے گی۔ تمہارا باپلی کن کبھی نہ جانے گا۔ تم کبھی ذمہ داری نہ سیکھو گے۔

ریاض : (چپ رہتا ہے)

نجمہ : اگر تمہیں میں اگر بیٹھا تھا تو وہاں سے چلے کیوں تھے۔ (صاحب کے لیے رکتی ہے۔ ریاض ہر اب نہیں

دیتا) اب اٹھو صبح جین سری نگر کے لیے چل رہا ہے۔ رات پہلی بار برف پڑی ہے۔ یہی دقت

برف باری دیکھنے کا ہے۔

ریاض : مجھے کہیں نہیں جانا۔ نجسہ۔ میں ہیں دور سے برف گرتے دیکھوں گا۔

نجمہ : یا گل ہو۔ یہاں سے تم (اُسی پر ٹھہرتی ہے) کیسے برف گرتے دیکھ سکتے ہو؟

ریاض : میں سامنے کے پہاڑوں پر برف کی تہوں کو گہرا ہوتے ہوئے دیکھوں گا

نجمہ : (ہنستی ہے) تم بالکل بچھے ہو۔ اب ٹھو۔ پریشان نہ کرو۔ میں رات جبر سونہیں گی۔

ریاض : میں ہی کب سو سکا ہوں۔

نجمہ : تم تو یہاں آکر ذکیہ کی گود

ریاض : (اٹھ کر) نجسہ!

نجمہ : ذکیہ جی ہین کی گود میں آ بیٹھے ہو اور میں تمہارے انتظار میں

ریاض : محمد جاؤ۔ اب مجھے کچھ کمروں کے لیے آرام کا رانس لینے دو۔ تم نے مجھے بہت سزا دیا۔

(پھنسی تپوں کی عسرت بیٹھ جائے)

نجمہ : (کھینچی ہے) ریاض !

ریاض : (چپ رہتا ہے)

نجمہ : تم مجھے ستا رہے ہو یا میں؟

ریاض : جاؤ! تم دیکھاؤ! تمہارا ہنسنا سے ہوت گئے۔ میں نے اسے گرتے دیکھے ہیں۔

نجمہ : ان باتوں سے حال ! چلو یہاں سے تمہیں ڈانا چاہیے تھا۔ تمہیں ہزار برس دن کی یاد تائے گی جب

تم نے پہل بار لائے گئے دیکھے تم ہو گے تو اس گھر کی پرسلوں فضا میں ٹولا باری ہونے لگے گی

———— چلو میرے ساتھ ہون کے نرم نازک موٹی کے گلوں کو گتے مجھے دیکھو۔

ریاض : میں جاؤں گا تو تمہارا اُلٹ جی کر کر اگر دلوں گا۔ مجھ سے تمہیں وہی باتیں نہ سہی جائیں گی۔ ہم پھر
ٹھننے لگیں گے۔

نجمہ : تم مذاق مذاق میں ناٹھ جاتے ہو۔

ریاض : مذاق مذاق میں نہ ہی ہوتا ہے۔ میں ذکیہ کی آنکھوں سے ہوت کرتا ہوں

نجمہ : تو تم نے سیکھ اور سراج کے متعلق اتنی ہی چھوٹی باتیں کہہ کر بدلو تو سے کیا۔ تم نے ۱۰۰ وہ باتیں کہیں

کہ تمہاری جگہ کرتی اور تمہارا سے زندگی بھر معاف نہ کرتی (ریاض بہرتی بہرتی ہنستے ہے) لیکن نہ جانے

کیوں ریاض تمہاری گالوں کا بھی ٹھہر پڑا اثر ہوتا ہے۔

ریاض : میں نے تمہیں یہ گال لیاں دیں۔

نجمہ : گالیاں اور کیسی ہوتی ہیں۔

ریاض : اہ! تم نے جو مجھ سے کہا کہ ذکیہ

نجمہ : اب ہٹاؤ۔ اس سب بحث کو نئے سسکے سے شروع دو کہ تم جیتے میں ماری۔ میں تم سے ہمیشہ باز

جاتی ہوں۔

ریاض : اس میں ہر جیت کا سوال نہیں۔

نغمہ : میں ہاتھ جوڑ کر سمانی انگلیوں میں نمود ذکر مہن کی عزت کرتی ہوں — میں نے صرف یہی کہا تھا کہ ان سب باتوں کے بعد جرتی نے مجھے سنا نہیں۔ تمہیں اکھنڈ نہ آچاہیے تھا۔
ریاض : میں ہوں کہ آکھنے سے بغیر چلا جاتا۔

نغمہ : خیر وہی ہی پرخواہ تم برس مہر کے لیے یہاں بیٹھے رہنا لیکن اب سائے کا سارا پروگرام خاک میں ملا۔ دیکھو مجھے ایوں نہ کرو۔ ذکر یہ آ رہی ہے۔ کہ تو میں اس سے میں سمانی مانگ لوں (قد سے ندر سے) ذکر یہ بن!
(ذکر یہ آتی ہے)

ریاض : (سرگوشی) نغمہ — ؟
ذکر یہ : کیسے آپ نے مجھے آواز دی۔

(ذکر یہ کے پیچھے پیچھے ہی احسان اور ان کے پیچھے سرور۔)

(عقل نغمہ وغیرہ الگونی پاتے ہیں)

احسان : تم نذر پر سے میں ہواؤ (ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے) آجلیئے صاحب آجلیئے۔

(نسواں تجبی باہر سے بھاٹے آتے ہیں۔ اور آتی۔ آتی کہتے)

ہوئے ذکر یہ کا دامن پڑھتے ہیں)

ذکر یہ : (دانت پیٹتے ہوئے سرگوشی ہی) کہاں سے آئے ہو خاک چھانتے کپڑے تو دیکھو کیسے پیسے ہر ہے
میں ہٹو۔ دیکھو کون آئے ہیں۔

تجبی : ہم آبا کے ساتھ سیر کرنے گئے تھے۔

(ذکر یہ دامن چھڑا کر برابر کے کمرے میں چلا جاتی ہے۔ سرور۔)

نغمہ عقل وغیرہ اندر آتے ہیں)

نغمہ : (غیر داخل ہوتے ہی) اسے تم یہاں آکر ٹھہر گئے اور ہم صبح سے تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔

عجیب چنڈ ہو تم!

سرور : صبح صبح میں نری گئے کیسے چل دینا ہے اور تم یہاں ایسے بیٹھے ہو گویا اب یہیں کئی برس گئے۔

عقیل: ہم نگوں کو تو پھر کالج ہی جانا ہے، تم تو آزاد ہو، تمہارا کیا ہے۔ پیراگر یہاں دھونی رالینا۔

ریاض: مجھے کیس نہیں جانا۔ میں اب میں ہوں گا۔

نجمہ: سمجھئے فدا! میں عقیل صاحب۔

نعیم: (عقیل کو پیچھے بٹاتے ہوئے) اسے بٹاؤ، عقیل نہیں کیا سمجھائیں گے۔ ان حضرات کے کپڑے کہاں

ہیں؟ کہوں دیا۔ تمہارے، انوں جان کے کپڑے کہاں ہیں؟

نسو: (اجواب نہیں دیتی)

ریاض: نعیم تنگ دکرو۔

مسرور: گویا ہم تنگ کر رہے ہیں۔

نعیم: (نسو کو گود میں اٹھا کر) کیوں تھی کیا نام ہے تمہارے؟

مجی: (اسکے بڑھ کر) اس کا نام نسو اور سیراجی۔

نعیم: (نسو کو آرا کر اور مجی کو تھلکتے ہونے) کیوں مجی یہاں۔ تمہارے انوں جان کہاں ٹھہرے ہیں؟

مجی: اوپر بارہ نئی ہیں۔

نعیم: چلو یہیں ذرا دکھاؤ تو بارہ دری تمہیں ٹھکانی لے دیں گے۔

نسو: (ٹھکانی کے نام پر آگے بڑھ کر) میں ہوں گی۔

مجی: (گود میں چل کر) نہیں میں چوں گا۔

نعیم: (باگونی کی طرف بڑھتے ہوئے) آؤ۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔ تم دونوں گڑا جاتے ہوئے نگرے؟

تمہارا ذرا کیہ میں سے معافی مانگ آؤ۔

(دونوں کو ساتھ لے کر چلا جاتا ہے۔ ہنس رہے ہیں)

کرے میں چلی جاتی ہے ()

مسرور: لاتوں کے جوتے باتوں سے نہیں مانا کرتے۔ برف ہاری کی خوبصورتی اور تازگی کا نقشہ کچھ کچھ کھینچ کر اتنی دور

سے بہیں گھسیٹ لئے حضرت اندھو یہاں آ بیٹھے ہیں۔ بجلا کن کے پاؤں میں کبھی ہوتی تھی جو اس سردی میں

ہیں سفر کو نکلتا۔

احسان : لیکن صاحب ! میں کتا ہوں آپ ہی وقت کہاں جائیں گے ؟ میرا خیال ہے۔ آج رات آپ
یہیں قیام کریں۔

سرور : آپ کا بہت بہت شکریہ بھائی جان۔ لیکن میں صبح چل دینا ہے۔ دو ایک دن سری نگر ٹھہر کر پھر
دیس عینگوڑہ پہنچتا ہے۔ ان دو ایک دنوں میں گلگرم بھی دیکھنا ہے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔
ریاض : اگر کسی سے چلنے ہوئے (تو بھی آپ لوگ جائیں۔ میں اگر نہ جاؤں گا تو کیا ہونگا پھوڑے سے گی۔ میں
ذرا سکون چاہتا ہوں۔ اور یہ مجھے پسند ہے۔

سرور : تمہیں کچھ بھی پسند نہیں۔ اور سب کچھ پسند ہے۔ دو دن میں اس سکون سے بھی اکتا جاؤ گے۔ اور ان ٹپوں
کی یاد تازہ نہ لگے گی۔

احسان : میں کتا تھا۔ آپ ریاض میاں کو تو
عقل : آتے آتے چھوڑ جائیں گے۔

احسان : لیکن صاحب ہی وقت تو اذہر ابھر گیا ہے۔ اور میں نے سنا ہے کہ نمر کی پٹری ٹھیک نہیں۔
عقل : ہم آرام سے چلے جائیں گے۔ آپ نکلنے کریں۔

(نعیم ریاض کا سوٹ اور ایٹھا بڑے بڑے آتا ہے)

نعیم : لا بھی سوٹ تو اٹھا لایا ہوں، اب اٹھا لاؤ ان حضرت کو دی ہو رہی ہے۔ وہ سب لوگ انتظار کر رہے
ہوں گے۔

(سرور ریاض کو ہاتھ پکڑ کر اٹھا آتا ہے)

ریاض : اگر کسی سے چلنے ہوئے (میں کتا ہوں)

عقل : (ریاض کی بندوں میں ہاتھ ڈال کر) — پیچھے سے دھکیلے ہوئے (تمہیں جو کتا ہے ہاتھ میں کتا۔

ریاض : (پھر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے) اے بھی

سرور : (گیٹھے بڑے) وہاں چل کر۔

ریاض اچھے ذکیہ سے تو رخصت ہو لینے دو۔

نیعم : (زور سے) آپ انہیں ممان کر دیجئے۔ ہم انہیں زبردستی لے جا رہے ہیں۔ لیکن اس میں ہمارا قصور نہیں
یہی حضرت ہمیں دہاں سے گھسیٹ کر لائے تھے۔

(ریاض کو گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ جی اور نوسہنتے ہوئے)

ان کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں۔ همان صاحب بھی مجبوراً ساتھ

ساتھ چلتے ہیں۔ نجمہ اندر کے کمرے سے آتی ہے۔)

نجمہ : چلو میں ذکیہ بن سے معافی مانگ آئی ہوں۔

نیعم : (سوٹ کندھوں پر رکھ کر چپتے ہوئے اسان سے) یہ بدتمیزی ممان کیجئے گا بھائی جان۔ لیکن

دوسرا چارہ نہ تھا۔ ارے ————— ارے ————— آپ ٹھہریے۔ آپ

کیوں تکلیف کرتے ہیں۔

احسان : (ایپ لے کر ساتھ چپتے ہوئے) نہیں نہیں تکلیف کیسی نیچے تک تو مسجد آؤں یہ سڑھیوں کدوا
اندھیرا ہے۔

ریاض : (پورے زور سے بالکونی کے اٹن دروازے میں دک کر) ارے سبھی مجھے کپڑے تو بدل لینے دو۔

مسرور : کپڑے تو جوں جا کر بدنا۔ کل ہم یہاں بھرا دیں گے۔

ریاض : (انتہائی مجبور سی سے جلاتے جاتے) ذکیہ بھی! میں پھر آؤں گا۔ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں سیری کوئی

پیش نہیں چلنے دیتے۔

(سب کچھ چلے جاتے ہیں۔ کمرے میں شام کی بہت بجی ہے)

نوٹنی ہے۔ کچھ لمحے بعد اندر کے کمرے سے ذکیہ نکلتی ہے

جا کچھ دیر کھڑکی میں حسرت بھری نظر سے دکھتی رہتی ہے

پھر آکر گرتی ہوئی روم کی طرح پار پائی پریٹ جاتی ہے۔

کچھ لمحے بعد جی اور نوسہنتوں غوغا دماغ ہوتے ہیں)

مجی : (نسیہ کو دکھا کر) دیکھو جی زیاد سے پاس کیا ہے؟ — اٹھی — — ہمیں
 ہاں جانے دی ہے۔

نسو : (مجی کو دکھا کر) جڑے پاس روپیہ ہے۔ ہمیں بھی ہاں جانے دیا ہے۔

مجی : (اٹھنی کو ایک ہاتھ سے پٹیتے پٹیتے کتا بڑا) روپیہ؟ دکھاؤ تو!

نسو : نہیں دکھاتے۔

مجی : زرا دور سے دکھا دو۔

نسیہ : (انداز سے) یہ دیکھو۔

(نسو روپیہ دکھاتی ہے اور مجی جھپٹ کر اس سے

پھین لیتا ہے)

مجی : (ہاتھ کو گھما کر جھپٹ کر روپیہ غلام میں پھینکتے ہوئے) وہ کیا پھر رو رو —

نسیہ : (رونے لگتی ہے) میرا روپیہ۔ اے میرا روپیہ۔ (وہ زمین پر پٹیتے کر اڑیاں دگڑتی ہے)

اے میرا روپیہ — — — آئی — — — (پیرا چاک اٹھ کر دھڑا دھڑا مجی کو

پٹیتے ہوئے) میرا روپیہ — — — دے میرا روپیہ — — — دے — — —

دے

مجی : (سحاب میں پٹیتا ہے) پھر پٹیتے گی — — — یہ لے — — —

یہ لے

ذکیرہ : (اٹھ کر خیتے ہوئے) نسو۔ مجی۔ کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو۔ (دونوں بچوں کے جڑ

دیتا ہے) سا زوان لڑتے رہتے ہو تم!

(بچوں کو پٹیتے پٹیتے لالے لگتی ہے لہ پھر سکتی

ہوئی اندر کمرے میں چلی جاتی ہے — — — ہاتھ میں

لالٹین لیے همان صاحب داخل ہوتے ہیں)

احسان : (باکھڑی ہنسی سے) نسوکی ماں --- نسوکی ماں (اندرا کر) نسوکی ماں! انہنوں کو

بھے جوئے دیکھ کر کہاں ہیں تعازی ماں :

مجھی : (آہستہ گھٹنوں سے چپٹ کر زور سے رٹنے لگتا ہے) اندر سے میں ہیں۔

(۶۱ ماں صاحب اندر گھر سے میں جاتے ہیں۔ چوکھٹ ہی

سے ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔)

احسان : ذکیہ --- اسے بات کیا ہے --- روکیوں ہی ہو --- ذکیہ

--- ---

(مجھی کو اٹھا کر جلدی سے اندر جاتے ہیں)

پردہ ایک دم گرنا ہے



آگره بازار

حبیب تنویر



نظموں کی فہرست

۲۲۱	سراپا	۱۷۱	شہر آشوب
۲۲۵	ہادیو کا بیاہ	۱۷۷	پیسہ
۲۲۸	پیرٹ	۱۸۰	مٹھی
۲۳۰	گلوشی	۱۸۷	نوشادہ
۲۳۲	ترپوز	۱۸۹	جہنم کھنیا
۲۳۶	قی کے ٹو	۱۹۴	بلدیوچی کا میلہ
۲۳۶	گھد اپرن	۱۹۸	دید بازی
۲۳۳	چنگ	۲۰۲	روٹی
۲۳۵	ریچھ کا بچہ	۲۰۶	اکبر آباد
۲۳۷	ہولی	۲۱۲	قرن
۲۴۰	ادھی نامہ	۲۱۴	اگرے کی تیراکی

بازار کے لوگ

- | | | |
|--------------------|---|------------------------------------|
| کودس کا پہلا آدمی | • | ریچھ |
| کودس کا دوسرا آدمی | • | جمنجی |
| ککڑی والا | • | کتاب کا گاہک |
| تربوز والا | • | نجیث (ایک بیانیہ مفلس اہمال لڑکا) |
| لڈو والا | • | ایک لڑکی |
| برتن والا | • | برتن والا |
| پتنگ والا | • | دزدی |
| کرتب فروش | • | پنواڑی |
| مداری | • | راہگیر |
| شاعر نما آدمی | • | بچے |
| اس کا بھولی | • | گانے والوں کی ٹولی |
| تذکرہ نویس | • | راگید گانے والے اور بیویوں کے آدمی |
| پتنگ کا گاہک | • | قران |
| گھڑوں کا آجر | • | پناری |
| ریچھ والا | • | زچہ گیری گانے والیاں |
| بندر | • | میلے والے |

مقام

آگرہ کے کستاری بازار کا ایک چوراہا

زمانہ

۱۸۱۰ء کے لگ بھگ

وقت

ایک رات

کھیل کی مدت

تقریباً دو گھنٹے



پہلا ایکٹ

پہلا منظر

(دو آدمیوں کا کدوس شہر آشوب " گلتے ہوئے آل کائنات سے داخل ہوتا ہے اور آل میں سے ہوتا ہوا ایسیج پر قابض ہے۔ یہ دو گنہگاروں کے ہیں جن میں کبھی پیسے ایک آفت میں کھول اور تیس آدھ سوکریں ایک ڈنڈا اور وہ بے کے کرٹے۔ حاضرین کا ہنر میں سے ہوتے ہوئے ہرے کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حاضرین کو مخاطب کر کے نظر مانتے ہیں اور آل پر کھڑے بیٹھے جاتے ہیں)

کدوس

ہے اب تو کچھ سخن کا مرخصتیا بند
دوڑتے ہیں طبع سرخ میں لیل و نوسار بند
مدیا سخن کی منت کر کا ہے موجد ارتد
جو کس طرح نہ ستریں زبان بار بار بند
جب اگر سے اپنے خون کا جو روزگار بند
جتنے ہیں آج اگر سے میں کا زمانہ جات
مسب پر پڑیں ان کے ذہن کی حسرت
کس کس کے دکھ کو بیٹھے لکھن کی کیے آت
ایسی ہوا کچھ اُس کے ہرئی ایک بار بند
کیا چھٹے کام ملے ویسا پیشہ و منجیب
رند کی آج ہاں کجا جہاں مس غریب
ہو رہے بیٹھے بیٹھے جہاں نام عنقریب
اُٹھے ہیں سب کان سے کہ کر کہ یا نصیب

قسمت چار دی ہو گئی بے خست یا ربند

حجام پر بھی ایلٹیں بے منہسی کا نذر
پیسے کہاں جو مان پر ہوا ستروں کا شور
کا پیسہ ہو ستر گتے چوٹے اُس کی پدید
کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کو ر

یاں تک ہے اُسوٹے نہرنی کی دھار بند

بے دانش سے اگر ایسا ہوا تباہ
پھوٹی جویاں ہیں توٹی شہر پناہ
ہر مذہبے باخباں سے ہر اک باغ کا تباہ
دہ باغ کس طرح نہ لے اود نہ اجر سے آہ

جس کا نہ باخباں ہو نہ مالک نہ خار بند

عاشق کو اسیر کو اگر سے کا ہے
تلا کو دوسیر کو اگر سے کا ہے
منس کو فقیر کو اگر سے کا ہے
شاعر کو فقیر کو اگر سے کا ہے

اس سلسلے یہ اس سے لکھے پانچ چار بند

نغم پڑھتے ہوئے ایک دایم طرف سے اللہ دوسرا بائیں
طرف سے سٹیج کے بھر جلا جاتا ہے اور ساتھی پر وہ بڑی
تیزی سے اٹھتا ہے۔ بازار پر چھپکے۔ رونق ہے۔ تیل کے ٹو
والا۔ لکڑی والا اور دس سیر پیلے آواز لگاتے ہیں لیکن
کیوں سنوائی نہیں ہوتی نیچے لہجائی ہر ان نظروں سے خواجہ و لو
کو دیکھتے ہیں گم نہ نہیں ملتے۔ ان میں سے دین کھل کو دین
لکھے ہوئے ہیں اور گاتے جا رہے ہیں۔

کیا پیش لوٹتے ہیں معصوم بھوسے بھالے

پس منتظر میں ایک نسوانی آواز طبلے اور سازنگی پر غزل کا

رہی ہے۔ غالباً ان کی دکان کے اوپر کوٹھے آباد ہیں۔ کچھ

بھکاری بھیک مانگتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور کچھ راہ گیر

بات چیت کرتے مجھے ان ہی مٹی اور انڈوں سے اڈا میں لیک
 دھیا دھیا مٹاؤ رہ رہا ہے۔ جو کھیتوں کی جھنڈا مٹ سے ملتا
 جلتا ہے۔ پتنگ ملے کی دکان بند ہے۔ کتب فروش کے
 ہاں دو گاہک کھڑے کتابیں دیکھ رہے ہیں جب گلڑی والا
 یہاں آکر گلڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے۔ گاہک کتاب
 کی دکان سے نکل کر ہاں ملے کے اں بیچ جاتے ہیں اور
 کتب فروش اپنے حساب کتاب میں مگھتا ہے

گلڑی والا: (ابن سوت سے داخل ہو کر لڈو والے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے) پھر تو میری جگہ پر آ بیٹھا؟
 لڈو والا: ابے جا جا!

(گلڑی والا دکان سے ہٹ کر کتب فروش کی دکان پر آتا ہے
 اور اس کے گاہکوں کو گلڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے)

گلڑی والا: تازہ اور مزے دار گلڑی پیسے کی چھ چھ! کر کری۔ ہری جبری گلڑی پیسے کی چھ چھ
 کھا کر دیکھو بھائی صاحب! ریشم کی طرح ملائم۔ گنے کی جیسی مٹی۔ خاص اسکنے کی ہے۔ پیسے کی چھ چھ
 (کوئی گلڑی نہیں خریدتا)

لڈو والا: تیل کے لڈو جیلے کے دودھ۔ تیل کے لڈو جیلے کے دودھ چھو کے دیکھو میاں! ایک پتے سے
 مصری کے سسالی بیٹھے۔ بوکھاڑ۔

(بچہ منہ پھیر لیتا ہے)

تربوڑ والا: تربوڑ۔ ٹسٹا تربوڑ۔ تربوڑ ٹسٹا تربوڑ۔ کیلیج کی ٹسٹا۔ آنکھوں کی تربوڑ شربت کے
 کھٹوے۔ ٹسٹا تربوڑ۔ دل کی گرم نکالنے والا۔ جگر کی پائیں بھانسنے والا۔ شربت کے کھٹوے۔
 تربوڑ ٹسٹا تربوڑ۔

(راہ گیر بے نیازی سے گزر جاتے ہیں)

کچھ رنگ پیچھے کے صفائے سے داخل ہوتے ہیں۔ گلہڑی دالا
 اورانگہ آجڑان کی طرف بڑھتا ہے اور ان کا راستہ نوک
 کر کھڑا ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک مداری دائیں طرف سے بند
 لیے سے داخل ہوتا ہے اور اپنے آگے سے عیب لگ جاتا ہے
 ہے۔ پھری ملنے سے نئے رنگے اور راستہ چلنے سے سب سے
 کے کو جمع ہوتے ہیں۔ شہر قمر بنا ہے اور یہی بار بار ان کے
 نقرے ہاتھ ہاتھ میں آتے ہیں۔ مداری دائیں راستے
 سے داخل ہوتا ہے اور سٹیج کے بیچوں بیچ اپنا ٹھیل جاتا ہے۔

مداری : (بندر بچا ہے) ان جرائح دکھاؤ ناچ اگر صبر میں۔ جرائح دکھاؤ! بچہ لوگ جبراً آتھہ کا مال
 بجاؤ۔ اچھا بناؤ تو صبر ازول میں مردانگی کیسے بکاؤ گے؟ (بندر مردانگی بجا ہے) اور پیٹنگ کیسے
 اڑاؤ گے؟ (بندر نقل کرتا ہے) اور انکے سکر ما دیوٹی کے پیسے کیسے جاؤں گے (بندر کچھ قابو کی
 چال دیتا ہے) اور برسات آگیا تو؟ (بندر بھیل جاتا ہے) پھیل پڑو گے؟ اسے بھی داہ؟ اگر جاڑا
 لگی تو؟ (بندر بدن پر لنگھی پیدا کرتا ہے) اور بڑھا ہو گے تو (بندر بڑھاپے کی نقل کرتا ہے) اور مر
 گئے تو؟ (بندر مر جاتا ہے) ہندو کو رام کی کسم اور مسلمان کو قرآن کی کسم تو ایک ایک مذہب پیچھے ہٹ
 جاؤ! عیال بنا بیلا آدسا، دلی پرکیسا جھٹا تھا؟ (بندر مداری کو ایک لاٹھی ادا ہے) اسے تم تو
 ساسے دلی سر کو راہ لو گے، میں کرو۔ ٹیسے میاں میں کرو۔ اچھا احمد ساہ ابدالی دلی پرکیسا جھٹا تھا۔
 (بندر لاٹھی ادا ہے) ہاں ہاں ہاں!!! اور سوج مل جاٹ اگر، سہر پرکیسا جھٹا ہے (بندر نقل)
 اور صبر میں کیا ہوتا تھا۔ (بندر ادھر ادھر مڑتا ہے) لوگ یاگ ساگ گیا تھا بند لٹ جاتا ہے
 اور بہت سا آدی مر گیا تھا، اور پھر بھی ہندوستان میں کیسا ہاتھا؟ (بندر بسک! لٹکنے کی نقل کرتا ہے)
 اور پلاسسی کی رانی میں لاٹ صاحب کی کیا تھا (بندر لاٹھی سے بندوق چلاتا ہے) فیر کیا تھا؟
 اور بھوج۔ اور بھجال میں کیا ہوتا تھا؟ (بندر پیٹ بجاتا ہے) اور کڑو کی کاٹھا کرتا ہے (کابل پڑ گیا تھا

اندھ لٹ جاتا ہے (لوگ ہاگ ٹھوک سے مرگیا تھا) — اور ہمارا کیا حالت ہے؟
 بندھیریٹ بجاتا ہے (اور کل ہمارا کیا حالت ہو جائیں گا (بندھو گرجا ہے) پھر ہمارے کو کیا کرنا
 چاہیے؟ (بندھو لوگوں کے پاس جاتا ہے اور یہاں پرسہ رکھ کر لٹ جاتا ہے) سلام کرو۔
 (بندھو سلام کرتا ہے۔ لوگ کھکنے لگتے ہیں)

گلگڑی والا: اسکندے کی گلگڑی۔ پیسے کی پھے پھے !

لڈو والا: رتن کے لڈو۔ ویسے کے لڈو۔ دھیلے کے دو!

تربوز والا: تربوز ٹھنڈا تربوز۔ تربوز ٹھنڈا تربوز!

مداری: سلام کرو۔

بندھو پان کی دکان پر جو دائیں راستے کے قریب ہے۔ ایک

آکھ کے پاس جا کر کھڑا ہوتا ہے اور سلام کرتا ہے (

گلگڑی والا: اسی آدمی سے) کھا کے دیکھے صاحب۔ سرری بھری۔ کڑکی گلگڑی۔

(آدمی چلا جاتا ہے۔ مداری غصے میں چپٹتا ہے اور گلگڑی

ٹلے کے اٹھ سے ٹوکر اچھین کر پھینک دیتا ہے۔ ساری

گلگڑیاں سٹہ کی پکھڑا ہوتی ہیں)

مداری: بڑا آیا گلگڑی بیچنے والا۔ ہم ایک گلگڑی دیں گا تو گلگڑی و کڑکی سب بھول جائیں گا۔

گلگڑی والا سر میٹ کر وہیں بیٹھ جاتا ہے اور نونے لگتا ہے

ہے (

گلگڑی والا: میسرے گلگڑی؟

مداری: ابھی تیسرا بندھو بنا کر رکھ دیں گا۔ سالا آئیے سے گلگڑی بیچنے۔ گلگڑی دکھا دکھا کے ہمارا سب

آدمی بھٹکا دیا۔

(مداری اسے ایک دمپ سید کرتا ہے)

لڈو والا : اسے کیا بتا ہے۔ کاہے لڑے ہو؟

(مداری کی طرف بڑھ کر)

تربوڑ والا : اردو سائے کس مداری کے پتھے کو!

(لڈو والے کے پیچھے)

مداری : ہمارا سب آدمی بھاگ دیا

(بائیں راستے کی طرف تھپے کو پھٹے ہوئے)

گلڑی والا : میں تو اپنی لکڑی بیچ رہا تھا

(دائیں کونے پر اسٹیج کے سامنے)

مداری : گلڑی بیچ رہا تھا۔ یہی جگہ پچھتا گلڑی بیچنے کے لیے؟

لڈو والا : اسے تو اتنا گھڑا تھا کہ ہے۔ تیسرا آدمی وہ کاہے بھگانے لگا۔ ایسا بڑا سہ آلیا ہے

کہ پیسے کا نام سنتے ہی لوگ بھاگ جاتے ہیں۔ کس کے پاس پیسے ہے بھیا؟

تربوڑ والا : (لڈو والے سے) بھگوان بھوٹ نہ بلوائے بھیا! دس دن سے ایک تربوڑ بھی نہیں

بیچا ہے تم نے۔

مداری : ابھی وہ آدمی ہم کو پیسے دے رہا تھا کہ بیچ میں اپنی لکڑی گھسیٹ دیا۔

لڈو والا : اچھا میں جاؤں۔ اپنا ماسٹرو۔

مداری : رستہ تمہارے باب کا ہے۔

لڈو والا : ابے منہ بھال کر بات کرنا۔ بھعا!

طاری : ارے جا جا۔

تربوڑ والا : مارا سائے کو۔

گلڑی والا : (دائیں کونے سے) لوگوں کے پاس کھانے کو تو پیسے نہیں ہے۔ اس کا بندر دیکھنے کے

لیے پیسے لیں گے۔

لٹو والا ! جاتا ہے یہاں سے کروں ایک -

(بائیں طرف بیٹھتے ہوئے)

تربیز والا : چل نکل یہاں سے -

(لٹو اسے کے ساتھ بیٹھتے ہوئے)

مداری . (بائیں کرنے سے) ایسے آدمی سے تو اپنا بندری اچھا ہے -

(یہ کتا بڑا جلا جاتا ہے - لٹو والا اور تربیز والا دونوں اپنی

اچھی جگہ پر بائیں طرف واپس آجاتے ہیں - مداری کے جانے

کے بعد جیسے ہی یہ مڑتے ہیں - گلگڑھی والا بڑی تیزی سے

بائیں راستے کی طرف بڑھ کر مداری کو گالی دیتا ہے اور وہیں

آجاتا ہے -)

گلگڑھی والا : سالا !

(دونوں بغیر بھیجے کے درمیان سے ایک ساتھ گاتے

ہوئے داخل ہوتے ہیں اور سٹیج کے سامنے آکر حاضرین کو

نظم سناتے ہیں - آخری بند پر ایک بائیں راستے سے اور دوسرا

بائیں راستے سے باہر چلا جاتا ہے - آگے کی اکثر نظروں میں ہی

یہ ہی راستے سے اندر آتے ہیں - اسی انداز سے نظم سناتے

ہیں اور انہی راستوں سے باہر جاتے ہیں)

گلدکس

پیسہ ہی رنگ نہ پتہ ہے پیسہ ہی مال ہے

پیسہ نہ جو تو آدمی چرمنے کی مال ہے

تیغ و سپر اٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
 تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
 سیدائیں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
 بانک کمر کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسہ ہی رنگ روپے، پیسہ ہی ال ہے
 پیسہ نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

پیسہ جو تو دیو کی گون کو باذہ لائے
 پیسہ نہ ہو تو کڑی کے بلے سے خون کھائے
 پیسے سے لالہ بیجاہی اور چودھری کھائے
 من پیسے سازو کا بن ال چور سا رکھائے

پیسہ ہی رنگ روپے، پیسہ ہی ال ہے
 پیسہ نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

دنیا میں آدمی ہی کسنا اجی نام ہے
 پیسہ جہاں کے بیج وہ کانٹہ ستم ہے
 پیسہ ہی جسم و جان ہے پیسہ ہی کام ہے
 پیسہ ہی کا تکیہ یہ آدم فسوس ہے

پیسہ ہی رنگ روپے، پیسہ ہی ال ہے
 پیسہ نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

اب برچھے جاتے ہیں :

(گڑن دن جواب تک سر کرے بیٹھا تھا بجایب بچل
 پڑا ہے ایک نئے خیال سے اس کی آنکھیں چمک ٹٹتی ہیں)

گکڑھی والا : اسے داہ سے پیرے یار کیا سو بھی ہے ؟

(پیچھے کے راستے سے جانا چاہتا ہے)

لڈو والا : ابے کیا سو بھی ہے ؟

گکڑھی والا : بالکل نئی بات ۔

لڈو والا : آتم ہتیا کی تو نہیں سو بھی ؟

گکڑھی والا : آتم ہتیا کرے سو کھ گیا کی کہ یہ سننا رہی بہت رستے کھلتے ہیں

(دروازے کے پاس ٹک کر)

ترپوز والا : کون سی گسبان کی بات سو بھی ہے تجھے . ہم بھی تو ہیں ۔

گکڑھی والا : جو سوچ نہیں رکھتے . وہ سمجھ بھی نہیں سکتے ۔

(ابر بار لوٹتا ہے اور پیر پیچھے چلا جاتا ہے)

لڈو والا : جو رنگا کے رکھیں گے ۔

گکڑھی والا : اب دیکھتا ہوں کیسے نہیں بگتی گکڑھی ۔

ترپوز والا : بند پنچنے والے سو کیا بیٹا ؟

لڈو والا : بند پنچانے کے لیے کوھر سے پیسے ایسے کے خود بخود ماج کر گکڑھی بیٹے گا

ترپوز والا : کیا بات ہے تم کو بتا دو گے ترجات میں پھر کہ آج لے گا کیا بیٹا ؟

گکڑھی والا : بیوہ کی بات رکھی کو بتاتے ہے تو کما چکے پیسہ !

(ترپوز والے کے پاس جا کر)

لڈو والا : بڑا تیس مارغاں بنتا ہے . بتانا کیوں نہیں کیا بات ہے ؟

(کھڑے ہو کر گکڑھی والے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

گکڑھی والا : نہیں بتاؤں گا کیا کرتے ہو ۔ کرو ۔

لڈو والا : اچھا تو پیرے !

(ایک چپ رسید کرتا ہے)

تربیزوالا : بڑا عجب گمان خدائے تعالیٰ ہے۔ دنیا بھر کو نچاؤں گا۔

(اٹیچی کے سامنے رائیں کرنے پر آجاتا ہے)

گلڑھی والا : تو چپ رہ سمجھا !

(اُس کی طرف بڑھ کر)

تربیزوالا : کیوں چپ رہوں ؟

لڈو والا : یہ ہمارا آپس کا جھگڑا ہے۔ تم اس میں ٹانگ مت ڈالو جی۔

(دونوں کے بیچ میں اکر)

تربیزوالا : تم سمجھتے ہو نہ آواز اٹھا کر برکری کو رہا لو گے ؟

لڈو والا : چپ رہتا ہے کہ تجھے بھی دوں ایک !

تربیزوالا : کیا بھگتے ہو اپنے آپ کو ؟

لڈو والا : تیرا آپ !

تربیزوالا : کیا کہا ؟

لڈو والا : پھر کہوں ؟

تربیزوالا : کہہ کر دیکھو۔

(پیچھے کے دروازے سے آتے ہیں)

کوکس

یہ دکھ وہ جاننے جس پر کھاتی ہے نفسی

نفس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر

دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نام پر

ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خولان پر
 جس طرح کتے رٹتے ہیں اک استخوان پر
 ویسا ہی منفسوں کو لڑائی ہے منفسی یہ دکھ وہ جانے جس پر کہ آتی ہے منفسی
 جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
 منفس ہونے تو کھرتاک بھول جاتے ہیں
 پوچھے کوئی الف تر اُسے بے بتاتے ہیں
 وہ جو غریب خراکے رکھتے پڑھتے ہیں ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے منفسی
 جب آدمی کے حال پہ آتی ہے منفسی
 کس کس طرح سے ہی کو ستاتی ہے منفسی
 پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے منفسی
 بھر کا تمام رات سُلاتی ہے منفسی
 یہ دکھ وہ جانے جس پر کہ آتی ہے منفسی یہ دکھ وہ جانے جس پر کہ آتی ہے منفسی

(دونوں دائیں بائیں طرف سے باہر چلے جاتے ہیں)

فقیر کی آواز آتے ہی جھگڑا رک گیا تھا۔ لودہ والا اور
 تریبزد والا دونوں اپنی اپنی جگہ پر کھینچ کے دائیں تھے
 بیٹھے ہیں اور گلڑی والا پان کی دکان کے سامنے والی بیچ
 پر بیٹھ ہے۔ پان کی دکان پر ایک آدمی کھڑا ہے گلڑی

والا اس کے پاس جا رہے)

گلڑی والا: میں آپ بُرا نہ نہیں تو — آپ سے کچھ پوچھوں۔

راگبیر: کیا پوچھنا ہے؟

گلڑی والا: آپ قہر کتے ہیں۔

راگگیر : نہیں تو کیوں ؟
 گلگڑی والا : نہیں ۔ پھر کچھ نہیں کہنا ہے ۔
 راگگیر : حجب پاگوں سے واسطہ پڑتا ہے ۔

(ایسے رتنے سے جلا جاتا ہے پیچھے کے دروازے سے)
 ایک شاعر نما آدمی داخل ہوتا ہے اپنے جھولے کے ساتھ)
 شاعر نما آدمی : (دروازے کے پاس رگ کر) کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں ۔
 نرل تیراب کے ایروں سے تو
 پڑتے ہیں فقیران کی دلالت سے ہم

بھجولی : سبحان اللہ !

گلگڑی والا : (پاس جا کر) واہ وا میاں واہ کیا کہتے ہیں ایساں ایک چھوٹا کی عرض ہے میری !
 شاعر نما آدمی : نہیں چاہیے بھی ہم کو گلگڑی :
 گلگڑی والا : جی نہیں ۔ مجھے کچھ یاد کہنا ہے ۔ اگر گلگڑی بھر کے پیسے میرے ساتھ
 (ایک طرف آجاتے ہیں)

شاعر نما آدمی : کیا کہنا ہے ۔ میں کیوں نہیں کہتے ؟

گلگڑی والا : آپ کو کسٹ تو ہر گا گر بات کچھ ایسی ہی تھی نما آدمی کو ساتھ سے کر اٹھ کے بالکل مانتے آتے ہیں)
 سوال میرے پیٹے کا ہے ۔ گلگڑی ۔ جھولے گا اور آپ کو جیون بھر دے گا ۔

شاعر نما آدمی : (کچھ ہنسا کر) کیا کہنا چاہتے ہو ۔ کہتے کیوں نہیں ؟

گلگڑی والا : اگر میری گلگڑیوں پر آپ ۔ سات کیجے ۔ آپ کو کسٹ تو ضرور ہو گا پر — مجھے ایک
 بات سوجھی ہے ! مذ پھیری لگا آجوں ۔ جس سے شام تک ! کئی ہفتے ہو گئے ۔ دیکھنے کی بکری
 نہیں ہوتی ۔

شاعر نما آدمی : میں نے تو کہہ دیا مجھے نہیں چاہئے تمہاری گلگڑی ۔

گلڑی والا : میں کب کہہ رہوں ؟ بلکہ آپ میری بہ ساری گلڑیاں پھوٹتیں ہیں ہی سے جیتے۔

شاعر نما آدمی : تمہیں مجھ سے کیا کام ہے ؟

گلڑی والا : میں نے سوچا ہے کہ گا کر گلڑیاں بیچوں گا تو خوب بیکسں گی۔

شاعر نما آدمی : تو اس میں کیا کر سکتا ہوں ؟

گلڑی والا : اگر آپ دو چار شعر میری گلڑی پر لکھ دیتے تو میں آپ کا بڑا احسان مانتا۔

(شاعر نما آدمی تھکے لگا نا ہے)

شاعر نما آدمی : اسے بھائی بھاری کی حقیقت ہے۔ کہ تو کسی استاد سے لکھو ادب۔ تمہارے جیسے

ایک پتہ تصدیق۔

بھجولی : (جہاں تک دیکھنے کھانا بڑھ کر دنوں کے بیچ کھانا بڑھا ہے) کیا بات ہے ؟

شاعر نما آدمی : کتنے ہیں کہ ہماری گلڑیوں پر دو چار شعر لکھ دیجئے۔ میں نے سوچا کیا کہ تم تو استادِ فن سے مدد

ایک نظر کریں لکھو ادب۔ اسے نایاب موضوع پر۔

بھجولی : بجا مندر — اسے بھائی استادِ فن کا نام سنبھے ؟

گلڑی والا : رسم کیا جانیں حضور گنوار آدمی !

شاعر نما آدمی : ات تو بڑی سمجھ بھلی کہ تم نے۔ گنواروں کو یہ کہاں سے جھے گی ؟

بھجولی : ادا شاہ سلامت کے استاد ہیں۔ اگر تعریف کریں تو روز سے تو آفتاب بنا دیں۔

گلڑی والا : اسی بڑے شاعر۔ جلاوہ مسٹری ہی گلڑی پر کیا شعر کہیں گے۔

شاعر نما آدمی : کیوں نہیں کہیں گے ؟ شاعر جو ٹھہرے۔

گلڑی والا : بھاری دہانہ تک کیا کچھ ہو گیا میاں !

شاعر نما آدمی : کہ تو ہم بیچا دیں۔

گلڑی والا : آپ تو فریب آدمی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

شاعر نما آدمی : بھی صاف بات یہ ہے کہ گلڑی جیسے میں موضوع پر جب تک کوئی پائے کا شعر ملے

آنان نہ کرے۔ حق ادا نہ ہوگا اور ہم ٹھہرے زوشن! اس لیے جسے بس کا ذریعہ لگ نہیں ہے۔

(جتنے ہوتے دونوں کتب فروش کی دکان طرف بڑھ جاتے ہیں)

تربوز والا: (شاعر نما آدمی کی طرف ٹھہرتا ہے اور اسے دلتے دلتے میں روک کر کہتا ہے) تربوز ٹھنڈا تربوز۔

شریت کے کپڑے! ادا دیکھ کے دیکھئے صاحب۔ ٹھنڈا بیٹھا تربوز!

شاعر نما آدمی: ہج، دیکھ بیٹے تو تمہارا دل بکے گا نہیں۔ ایسا کرو کہ تم بھی کسی نر یا میر صاحب سے کچھ

مترا کھو لو اپنے تربوز پر پھر (دل سخن کی داد میں ہم بھی خسر جائیں گے۔ تمہارے پاس سے تربوز۔

(ہنس کے آگے بڑھ جاتا ہے)

تربوز والا: (ادائیں طرف۔ ٹوڈے کے اس جا کر) جلتے ہو کیا بات تم؟ ککڑی پر شہر کھرانا چاہتے

ہیں کسی شاعر سے۔

ٹوڈو والا: اسے لادتی سہیلیوں نہیں یاد کر لیتے ہو داری سے کناٹا۔ کھاؤ ککڑی و لڑکی نہیں تو دل کا ککڑی

بس ہی مانتے پھر۔ بڑی بکری ہو گی۔

تربوز والا: ہاں اور کی۔

(دونوں ہنستے ہیں)

ٹوڈو والا: (ہنس کر) شاعر اگر ککڑی تربوز پر سحر کئے لگے تو پھر ساحری چھوڑ کر لڑکی تربوز نہ بیچنے لگے۔

(بزن والا اندر دوسرے لوگ ہنستے ہیں)

تربوز والا: اپنا تود چار ہے۔ تربوز بیچنا چھوڑ کے کو تیار چنا شروع کر دیں (دونوں ہنستے ہیں) یا پھر یہ

سہری چھوڑیں!

ٹوڈو والا: یہ جاؤ گے کدھر۔ سوال تو یہ ہے! چاندی اور لوٹ مار مجی ہوئی ہے۔

تربوز والا: ایک جندگی نے کیا نہیں دکھایا۔ بٹے بٹے بادساہ و دد کی ٹوکریں کھاتے پھر ہے میں

تو تم کس کیت کی ٹولی میں بیٹا؟ چلیں بھئی۔ دن بھر سیر تو بنا تو کروں میں کھا ہے۔

(تربوز ٹھنڈا تربوز! اہتہ اہتہ آواز لگاتا ہر اٹکل جلتے ہے)

شاعرنا آدمی: (کتاب فروش کے دکان پر ایک کتاب دیکھتے ہوئے) ملاحظہ کیجئے کتے ہیں۔

وہی میں آج بھیک بھی مہتی نہیں نہیں

تھاک تاک دماغ جھین آج و محنت کا

کتاب فروش: (اپنی سندی پر ٹیٹھے ٹیٹھے) واہ وا! سبحان اللہ!

ہر چند تیر بستی کے لوگوں سے ہے نفور

پر اسے آدھی ہے وہ خانہ خراب کیا

ہجھولی: (جو دکان کے سامنے والی بی بی پر بیٹھا ہے) اد ایک جگہ کتے ہیں۔

پیدا رکھاں ہیں ایسے پر آگسند ہلیں لوگ

افسوس تم کو تیرے محبت نہیں رہی

لٹو والا: (آہستہ آہستہ آواز لگاتے ہوئے) آہل کے لٹو دھیلے کے دودو!

(باہر چلا جاتا ہے)

کتاب فروش: سنا ہے جنوں کے ددرے پڑنے لگے ہیں۔ ان دنوں تیر صاحب پر!

شاعرنا آدمی: دم قیمت بھجئے۔ ہتی سے اُپر عمر چلنے کو آئی۔

ہجھولی: اور پھر کیا کیا۔ زمانے دیکھے ہیں تیر صاحب نے! اسی شہر میں عزیزوں کے بے وفائی دیکھی گھر چھوڑا

وطن چھوڑا۔ دلی چھوڑی کر ایک زمانے میں سندھ انوں اور بالاکون کا مہارادھی تھی۔ دودھ کی خاک

بھائی، ایرانیوں اور توہانین کے گلے دیکھے۔ افغانوں، دو جیلوں، راجپوتوں، ماٹوں اور مرہٹوں

کی دستبرد دیکھی۔ دیکھا کہ دلی کی گلیوں میں جنوں کے دیار مان ہی، اور انہوں کے سر کوڑوں کی طرح

تیر ہے جی۔ اپنا گھر انکھوں کے سامنے لٹے تریکھا۔

”گھر جلا سامنے دیا کہ بھایا نہ گیا“

پر سب دیکھا، اب بکھڑے میں گوشہ نشین ہی۔ اور فرنگیوں کی غارت گری دیکھ رہے ہیں۔

(شاعرنا آدمی دکان سے نیچے آتا ہے اور بتی کے نیچے

(جہاں کا بھولی ٹیٹھلے کھر سٹرا بڑا آچے)

کُتبِ فروش: سخی کتے ہو بھائی! عجیب گردش کا زمانہ ہے مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سلطنتِ منلیہ نہیں ہے۔ ایک زبردست قوی پہل خیر بر ہے جس پر سیکڑوں کتے بیوں نے حملہ کر دیا ہے اور اسے زخموں سے چھرا دلا پا رہا دیکھ کر آسمان سے چین اور گدھ بھی جمع ہو گئے ہیں اور ٹھونگیں ارا رکرائی کی ٹیکا بوٹی کر رہے ہیں اور وہ شیر ہے کہ نہ تو اُسے کراہنے کی صلت ہے نہ مارنے کا یارا!

شاعرِ نما آدمی: (کتبِ فروش کی طرف بڑھ کر) وہ شیر ہے کہ نہ تو اُسے کراہنے کی صلت ہے نہ مارنے کا یارا۔ ماہِ داہ داہ وا۔ ایسا کتے ہیں۔ ایک نئی اور دلا پا شیر بہر کی تشبیہ سلطنتِ منلیہ کے یکسے تدر موروں ہے۔ اور یہ حملہ آوروں کے لیے کتے بنی۔ جیل اور گدھ جیسے استعلائے اہلی بہت خوب: مولوی صاحب۔ واللہ! یہ آپ ہی کا حصہ ہے یہ بان اور یہ اندازِ گفتگو اسے صاحب ہی لیے تو دنگھڑی میاں اگر بیٹھ جاتے ہیں ہم تو ام کے شاعر ہیں صاحب۔ آپ ذاتِ بات میں شاعری کرتے ہیں۔

کُتبِ فروش: یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ہمیں بھلا شعر و شاعری سے کیا واسطہ! آپ صاحبان کی صحبت میں ان کرنے کا سلیقہ سیکھ لیں!

بھولی: آپ دونوں حضراتِ کفری سے کام لے رہے ہیں۔

شاعرِ نما آدمی: (کتبِ فروش کے پاس بیٹھ جاتا ہے) ہماری کفری کھ لیجئے! اپنا سخن! بہر حال صاحب ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ دیوان بھی چھپوایا جائے۔ تو ایسے شخص سے جو سخنِ فہمی میں اپنا جواب نہ دکھتا ہو۔

کتبِ فروش: اور اپنا یہ ایمان ہے کہ شہر چھاپے جائیں تو اس آدمی کے ہوا کیزہ ملا اور پاکیزہ خیالی میں آپ اپنی مثال ہو (تلسنہ پر اٹھ کر کھڑے ہو کر) ہر کس ڈاکس کے اشتہار چھاپنا ہمارا پیشہ نہیں۔

بھولی: (شاعر سے) آپ کا دیوان تو اب مکمل ہو گیا ہو گا۔

شاعرِ نما آدمی: صاحب شاعر کا نام اس کی زندگی کے ساتھ ہی تکمیل پر پہنچتا ہے۔ بہر حال اتنے شعر ضرور ہو گئے ہیں کہ کتابی صحت میں آجائیں۔

کتاب فروش: لیجئے۔۔۔۔ اور اس کا آپ نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔

بمجمول: تبارک ایشامہ طہرے۔

شاعر نما آدمی، گھر کی بات تھی۔ سو پا کسی بھی وقت مسودہ آپ کے سپرد کروں گا کہ جو جی میں آئے کیجئے۔

کتاب فروش: غضب نہ کیجئے صاحب! کھلی ہوئی مسودہ میرے یہاں پہنچا دیجئے۔

کدکس

دائل پتہ جوئے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

پس تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب چہ تو مطلب کی خوشامد کیجئے۔ اور نہ ہو کام تو اس طہیب کی خوشامد کیجئے

انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجئے۔ اپنے مفرد و عرض سب کی خوشامد کیجئے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

پس تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دیں جس کو خوشامد سے کیا جھلکے سلام وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام

بٹھے مائل بٹھے دانے نکالا ہے یہ دام خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

پس تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجئے اور بڑا ہو تو بیسے کی بھی خوشامد کیجئے

پاک و ناپاک شہ سے کی بھی خوشامد کیجئے کتے تلی و گدھے کی بھی خوشامد کیجئے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

پس تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(اگرچہ جلتے ہیں)

شاعر نما آدمی، (کتب فروش سے) واہ صاحب واہ واہ - وا! وہ شیر ہے کہ نہ تو اُسے کراہنے کی
 صلت ہے نہ مرنے کا یارا! احمد حاضر کا مکمل نقشہ کھینچ لیا ہے آپ نے چند الفاظ کے اندر!
 ہجھولی: لیکن کیا صاحب یہ نہیں ہو سکتا کہ شاعر کی کہ اندر کوئی اس سارے اصول کی تصویر کھینچ دے۔
 شاعر نما آدمی: میرا صاحب یہاں جو یہ سمجھو گداز ہے اس افراتفری کی تصویر نہیں تو اد کیا ہے۔

ہجھولی: نہیں صاحب یہ تو انہوں نے اپنی ذاتی پرگندہ حالی کا مذاق دیا ہے کہ

پرگندہ روزی پرگندہ دل

شاعر نما آدمی: اس ایک فقرے پر گندہ مذی میں ایک فقرہ سنی میناں ہے۔

ہجھولی: اپنی مذی کا مذاق ایک چیز ہے اور دوسروں کی حالت بیان کرنا۔

شاعر نما آدمی: (ات کاٹ کر) مینا میرا ٹھیکے رکھا ہے شاعر نے؟

ہجھولی: جی نہیں میرا مطلب کچھ اور تھا۔

شاعر نما آدمی: کیا مطلب تھا آپ کا؟

ہجھولی: میرا مطلب یہ تھا کہ غزل کی صنعت میں وہ وسعت نہیں کہ اس میں مضمون اور خیال نظم کیا
 جا سکے۔

شاعر نما آدمی: آپ شعریے ایران اور سابقہ ہند کی صدیوں کی روایتوں پر غور کر رہے ہیں غزل

جس میں چیز دنیا کے کس ادب میں پائی جاتی ہے؟

ہجھولی: میں اس کے حق سے انکار نہیں کر رہا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس میں اتنی گنجائش نہیں۔

شاعر نما آدمی: ہجو نیز غزل میں نہیں کہہ سکتے۔ قصیدے میں کیسے۔

ہجھولی: قصیدے میں بادشاہوں کی تعریف کے سوا کچھ کیا کہئے گا۔

شاعر نما آدمی: مثنوی میں تو سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔

(برتن رسد کے ان دو چار دھت ابھی ابھی اگر بیٹھے ہیں وہ)

اپنی ڈھک اور مہمانہ وغیرہ ٹھیک کرتے ہیں اور
قرع کر دیتے ہیں۔

(برتن والا اور اس کے ساتھی)

یاد سنو یہ دو دھکے لٹیا کا باپن اور بدھ پوری نگر کے بسیا کا باپن
مہرین سرد سپنرت کرایا کا باپن بن بن کے گوال گدیں پڑیا کا باپن
ایسا تھا بانسری کے بھیا کا باپن
کیا کیا کوں میں کشن کنیا کا باپن

تھی مہن کی چال کی ترجمیب یا ڈپال حال یادوں میں گنگرو باجی تہ سر چھنڈ دے ہال
چلتے تھک پرک کے جود ڈھنگاتی چال تھانیں کھی جسور اکھی نسنہ میں نھال

ایسا تھا بانسری کے بھیا کا باپن

کیا کیا کوں میں کشن کنیا کا باپن

تھے گھر جو گوانوں کے گلے گھر سے جا بجا جس گھر کو خالی دیکھا اسی گھر میں جا پیرا
ماکن ملائی دودھ جو پایا سرکھ لیا کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

ایسا تھا بانسری کے بھیا کا باپن

کیا کیا کوں میں کشن کنیا کا باپن

کوٹھی میں جڑھے پیر تو اسی کو ڈھنڈنا گولی میں جڑکواس میں بھی جامنہ کو بوننا
اونچا جڑ تو بھی کا ندھے یہ چڑھ کر پھوڑنا پہنچا نہ اتھ تو اسے سڑک سے پھوڑنا

ایسا تھا بانسری کے بھیا کا باپن

کیا کیا کوں میں کشن کنیا کا باپن

گر چیدی کرتے آگے گوان کوئی دہاں اور اس نے آ پکڑیا تو اس سے لپے ہاں
میں تو تر سے دہی کی اڑا تھا کھیاں کھا تا میں میں اس کی کھلے تھو جیو مٹیاں

ایسا تھا بالسرے کے بھیا کا بالین
 کیا کیا کہوں میں کشن کنٹیا کا بالین
 سب مل کے یاد کشن مرادھی کی بولو جے گونڈ بھیل کنج بہاری کی بولو جے
 دو چور کہاری اتھ بہاری کی بولو جے تم ہی نظیر کشن بہاری کی بولو جے

ایسا تھا بالسرے کے بھیا کا بالین
 کیا کیا کہوں میں کشن کنٹیا کا بالین
 (ایک ضعیف ہمزہ تذکرہ نویس دائیں راستے سے داخل ہوتا ہے
 گلگڑی والا جرات تک گانا سننے میں عموماً۔ دو ڈکر اس کے پاس
 جاتا ہے اور اس کا راستہ روک کر مخاطب ہوتا ہے)

گلگڑی والا : صاحب آپ بزرگ آدمی ہی۔ میری گستاخی معاف کیجئے گا۔ میری ذرا اسی عرض سن لیتے
 (تذکرہ نویس اس کی طعن دیکھتا ہے اور میری چڑھا کر خاموش
 ہو گئے بڑھ جاتا ہے)

تذکرہ نویس : (کتب فروش کی دکان پر پہنچ کر) السلام علیکم !
 کتب فروش : وسیکم، سلام ! آئیے مرانا !

(اپنی سزا مولا کو دے دیتا ہے اور حمد و دکان کے سامنے

لٹے ہسٹوں پر چڑھ جاتا ہے)

شاعر غلام آدمی : (دکان سے اڑ کر بخیر پڑھ جاتا ہے) غریب صبح سے آپ کی ماہ تک دلچسپ۔
 کہ آپ آئیں تو آپ سے دوچار شاعر اپنی گلگڑی پر کھوساٹے اور آپ نے اس کی بات کا جواب
 تک دینا گوارا نہ کیا۔

تذکرہ نویس : میں ایسے دسیوں سے ات کر کے اپنی زبان خراب کرنا نہیں چاہتا !
 کتب فروش : آپ بھی تو ایسا میرا صاحب یہ نقش قدم چل رہے ہیں۔ مست ہے کہ دل سے لکھنے کے صفر میں

میر صاحب ایک کھنڈی کے ساتھ ایک ہری یکہ پر سفر تھے ادما کے راستے خاموش رہے کہ میں زبان دبک رہا تھے۔

تذکرہ نویس : صاحب میں مدائیں تو ہیں کہ آگے چل کر نوم کوفہ دیکھیں گی ورنہ مہادی میں کس کون سی باتی رہ گئی؟ صاحب سنا ہے۔ کلام پاک کا ریختہ میں ترجمہ آگیا ہے۔

کتب فروش : جی ہاں۔ شاہ ولیع الدین صاحب کا ترجمہ موجود ہے اور اگر آپ کو برومی جلد لغت کا ترجمہ دکا رہے تو کچھ دزانتھار کر لیجئے۔ ہفتے دو ہفتے میں وہ بھی آجائے گا۔

شاعر نآدمی : اتنی کا مدد آ رہا ہے مولانا!

کتب فروش : اتنی کہ لیجئے یا نزل ابہر حال زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ جگہ جگہ چلنے کے کل

رہے ہیں اد کلام پاک کے ساتھ ساتھ انجیل کے بھی ترجمے چھپ رہے ہیں۔ سنا ہے کلکتہ میں ایک فرنگی ہے۔ جو سنسکرت۔ فارسی۔ ریختہ اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں بڑی عمدت رکھتا ہے۔ اس نے وہ ایک مدرسہ کھولا ہے۔ مرث و لم کالج نام کا۔ وہاں ان زبانوں میں دس ساجا ہے اد اب تو رہا ہے کون سے بھی ذہنی سختہ ہوں گے۔

شاعر نآدمی : ہم نے تو یہاں تک سنا ہے کہ آئی میں ہی ایک مدرسہ کل رہا ہے جہاں انگریزی زبان کی تعلیم اور کیا اد طبییات پردس دیئے جائیں گے۔

کتب فروش : کفر اد الہاد کا دور ہے۔ اس دور کو بدل دینے کے لیے خدا کسی مجاہد کی ضرورت ہے اد ہر طن نامردوں کا جھگٹ تو نظر آتا ہے۔ مجاہد کوئی نہیں۔

لوچولی : زمانے کی ضرورت دہاں مجاہد کی نہیں۔ مولانا : بلکہ انسان کی ہے۔ آدمی کیں نظر نہیں آتا۔ شاعر نآدمی : (کھڑے ہو کر) تو ہم لوگ کیا جانو رہیں۔

سب نہیں جیتے ہیں۔ شاعر نآدمی بیٹھ جاتا ہے

لوچولی : دس و دس کا یہ نیا سلسلہ جو شروع ہو رہا ہے میرا تو یقین ہے کہ آدمی بھی ہیں سے پیدا ہوں گے۔ دس ہی ماہ سے ملک میں لوٹ مار چھی ہوئی ہے جسے دیکھو اپنی بے مددگاری کا افسانہ ہے۔ ان

نئے انگریزی حلدوں سے کم از کم یہ تو لوگ کچھ لوگوں کی روزی کا بندوبست ہو جائے گا۔
کتاب فروش: (تذکرہ نویس سے) امیر انجمن ہے مولانا۔ آپ کی ان تصنیفات، شرح و حدیث تبرہ،
 تنبیہ اور تذکرہ نویسی وغیرہ میں کچھ نہیں دھرا ہے۔ اب تو آپ بھی کھینٹے راستے نکالنے کی فکر کیجئے۔
 (اٹھ کر لائیکے پاس بیٹھ جاتے ہیں) میں نے اُٹتے اُٹتے کسی سے سنا ہے کہ دل میں چھاپرخانہ آرا
 ہے اور بہت جلد نینتے ہیں رسالے اور اخبارات چھپنے شروع ہو جائیں گے سوچ، اچھا دل میں کتاب خانہ
 کھولیں اور اخبارات کا بھی سلسلہ جاری کروں۔

تذکرہ نویس: جہاں بہت بڑا وقت ایلو ہے، اتنی ابھی کل کی بات ہے۔ میں نے ابوالفتح صاحب کے طلب میں
 بیٹھا تھا، اب ایک صاحب سے باتیں کرتا تھا کہ کس طرح آگ اور مٹی کو برس کا دن نے لوٹ یا
 سلسلہ گشتو شروع اور اب تک پہنچا۔ سیرتین خلیا کی دو دو ماہ داستان سنانے لگے کہ کس
 طرح سدج کی جاٹ نے ان کا گھر برباد کیا اور ان کی جاؤاؤ پر قابض ہوا۔ کتنے گھمے کہ وہ اب نکلتے
 کے لیے نئے فرنگی مدد سے میں بیٹھے فقہ چار رویش لکھ رہے ہیں اور خواہشمند ہیں کہ میں میں نکلتے
 چلا جاؤں۔ فارسی کی مدد سے مل جانے گی۔ یہی سب ہی متردسے کھلا بیہا ہے۔ خود نعرہ اندازیک
 اس بات پر بندھے رہے ہیں۔

کتاب فروش: (دکان سے اٹھ کر) اہر دلتے جاتے دک کر اب انہیں کو دیکھئے، فرنگی کی نفع میں سلسلہ ادبی
 اور مزے سے ہیں!

(ایس نکلتے سے نکل جاتے ہیں)

شاعر نفا آدمی: سنا ہے۔ ان کے بیٹے مدد مذکورہ کی شادی ہو گئی؟
تذکرہ نویس: جی ہاں! بیٹی عجیب ذہین لڑکی ہے یہ مدد مذکورہ۔ اس کم عمری میں فارسی شعر کہتا ہے
 اور اللہ خدیویر کا سبھی نہیں آتے۔

برجولی: اس کی عمر تو یہی کہتی تیرو چودہ کی ہرگاہ؟

شاعر نفا آدمی: جی ہاں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ شیخ ابراہیم ندق کہہ چکے، ۱۸، ۲۰ کا مہوگی

اکبرزائی کے دربار میں بیٹھے۔ شاہ نصیر جیسے کندہ مشق کا تختہ الٹ دیا اور اب استاد شہد ہیں۔ سانسے دلی میں ان کا طوطی بول رہا ہے۔

تذکرہ نویس : یہاں ایک عیبی دلی کہاں کا دربار اور کون سے اکبرزائی۔ اکبر دعا مسگیر وغیرہ کے بعد عالمگیر نامی اور شاہ عالم ثانی اور اکبرزائی۔ لوح سلطنت منجیل پر عروت کٹر رک طرح آتے ہیں اور اُٹھری ہوئی دلی کے خراب و دشت ناگ میں جس کا نام کم ہی تعلق معلوم تھا۔ ایک لٹاپا دربار چماتا ہے گھڑی مبر کیسے شعر و ادب کی آواز بلند ہوتی ہے۔ پھر وحشیوں کا گلہ اور دہریوں کا عالم لوگ اور دھکی طرف یاد کن کی طرف بھاگ نکلتے ہیں اور دلی کے گوشستان شاہی میں پھر وہی گنتے لٹتے ہیں اور اُلو بولتے ہیں۔

(دراں لانتے ایک گاہک داخل ہوتا ہے)

گاہک : (تذکرہ نویس کو کتب فروش بھوک) صاحب! ہفتی مزا آمدی کا اور نامہ ہر کا۔ آپ کے ان؟

(کتب فروش ازار بنداز ہٹا کر ایں طرف سے بڑی تیزی

سے داخل ہوتا ہے)

ایک آواز : (اگر سٹیج کے ایں طرف سے بہت غصے میں) کیا مولوی صاحب۔ عین دکان کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر زور آپ میں! ماسے بدلو کنے ان میں دم آگیا ہے۔

(ایک چھٹی جو بازار میں ٹل رہا تھا۔ گل سے جھاک کر یہ اتن

بغور سنتا ہے اور مولوی صاحب کو دیکھ کر قہقہہ لگاتا ہے)

کتب فروش : اور نامہ تو نہیں ہے لہستہ ان کا ترجمہ دیکھتے ہیں ہر نامہ ہے تاریخ آدمی اور ہر نامہ ہے۔

گاہک : اور قصہ ہی لہجوں؟

کتب فروش : قصہ ہی لہجوں ہی امیر خسرو کا ختم ہو گیا۔ مگر حیدری صاحب کا لہجے کا ترجمہ ابھی ابھی آیا ہے۔

گاہک : ذرا دکھائیے۔

(کتب فروش گاہک کو لے کر اندر جاتا ہے)

(دیہاتیوں کی ایک ٹولی رنگین کپڑے پہنے نظم بددیوبی کا میلہ)
 گاتی برلی بائیں ہاتھ سے آآ ہے بیچ کے بیچ میں ہم کر
 گاتی ہے — اور دائیں طرف سے چل جاتی ہے)

میلے والے

کیا وہ دلبر کوئی لوہا ہے ناخ ہے اور کیں وہ چھپا ہے
 تو تیل ہے جھپلی بیسلا ہے بیٹرا تو ہے اکیلا ہے
 شہری تھباتی اور گنوٹا ہے زرا اثرنی ہے پیسہ دھپلا ہے
 ایک کیا کیا وہ کھیل کھیل ہے بیٹھے خلقوں کا میلہ ہے
 رنگ ہے دوپ ہے پھپلا ہے

نہ بددیوبی کا میلہ ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں اسکے پیش طرف مناتے ہیں
 دل سے سب شتوں کو جاتے ہیں اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
 جھانڈہ رنگ ف جاتے ہیں اس شتو کا بھج سساتے ہیں
 دل میں پھولے نہیں ساتے ہیں سب بیٹرس سنس کے کتے جاتے ہیں

رنگ ہے دوپ ہے پھپلا ہے

زور بددیوبی کا میلہ ہے

ہر طرف گھبران رنگی ہے ہیں ہم پاک غنچاب بھیلے ہیں
 بات نئے ترچھے اور کٹھے ہیں دل کے لینے کو سب پٹھے ہیں
 خشک ترزم سوکھے گیلے ہیں ٹیڑھے بداد اور کٹھے ہیں
 بوٹے ہی سرخ سبز پیے ہیں پیار الفت بانے چھپے ہیں

رنگ ہے روپ ہے بھیلا ہے

زور بلدیو جی کا میلا ہے

نازنین ہیں وہ سانسوری گوری جن کی نازک ہراک پری پودی

کر کے چترن نگار کی ڈوری دل کو چھینے ہیں سب براندازی

و حرم نازداد اچھکا جھوری برتھ بن جیسے سج رہی چوری

گھو گھٹوں میں ہیں کر رہی چوری چوری کی گلیں کر صاف سزوری

رنگ ہے روپ ہے بھیلا ہے

زور بلدیو جی کا میلا ہے

کیا می ہے بہار ہے بلدیو عیش کے کار و بار ہے بلدیو

و حرم لیل و نہار ہے بلدیو ہر کسب آشکار ہے بلدیو

ہرزباں پر ہزار ہے بلدیو دم بدم یادگار ہے بلدیو

کہ نظیر اب پکار ہے بلدیو سب کہو ایک بار ہے بلدیو

رنگ ہے روپ ہے بھیلا ہے

زور بلدیو جی کا میلا ہے

شاعر نما آدمی: مولانا! سنا ہے آپ شعر لے ریختہ کا کوئی تذکرہ لکھ رہے ہیں۔

تذکرہ نویس: جی ہاں! لکھ تو رہا ہوں۔ پر نہ جانے کیوں

شاعر نما آدمی: کس منزل میں ہے؟

تذکرہ نویس: مگر میری منزلوں میں بٹھک رہا ہے صاحب! اور کیا۔ میاں سوز مرحوم کے ساتھ صحبت تھی

اُن ہی نے آگ یا تھا کہ کچھ لکھئے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ آئی اور اس کے گرد و نواح کے چکر لگتے تھے۔ سوز

مرحوم کے علاوہ میر صاحب، خواجہ میر درد، حضرت سودا، بیچرن، حضرت فنّاں۔ سب کے ساتھ

انصاف بیٹھا تھا۔ یہ حضرات دنیا سے کیا اٹھے کہ نرم سی اجڑ گئی۔

کتبِ فردوس: (ایک ہاتھی رکھے گوگرتے دیکھ کر دکان سے نکل آتے ہیں) ادھر آنا یاں! (لڑکانیں ہنسا)
 ابے ادھر آجے غنیمت! (لڑکا، آجے) سسرے ریتہ نہیں کہتے جب تک منگلات نہ
 بچے کہتے ہیں عزت تری نہ ہوئی اڑکے کو سٹیٹے کر (ڈر اسٹنے کا دکان سے چار پان ہوا لا۔
 (لڑکا پان کا دکان کو پر ملا جاتا ہے۔ مولوی صاحب اپنی
 دکان کے اندر)

تذکرہ نویس: میر صاحب کوئی ۳۰ برس بعد وطن بلوچ واپس آئے ملار وقترا سے ملے۔ عزت و
 توقیر ہی پر ملیسا کوئی مخاطب نہیں ملا کہ اس ذیل نے تاب کو تسلی ہو۔ کہنے لگے کہ سبحان اللہ یہی وہ
 شہر ہے کہیں کے ہر کہے میں عارف، کامل، فاضل، شاعر، منشی اور دانش ندر تھے۔ آج وہاں کوئی
 ایسا آدمی نہیں کہ اس صحبت سے لطف اٹھاؤں۔ چار بیٹے اس طود سے وطن عزیز میں گزارے۔
 بہت رنج مچا اور واپس چلے گئے۔

(لڑکا پان لاتا ہے)

وہ ان کا بزم میں آنا ہی لیتا یا وہ ہے تیر کو اس کے بعد چرخوں میں دکھتی نہ رہی
 عرض صاحب اب کیسا تذکرہ اور دکان کا تذکرہ نویس! بہر حال داستان پارینہ کا ایک ذریعہ درق
 اب تک ذہن کے کسی گوشے میں جگمگاتا رہتا ہے۔ حمد حاضر کی طلعتوں نے اگر اس شخص کو بھجانا دیا تو
 مکن ہے کہ آئے والی نسوں کے لیے کچھ چھوڑ جاؤں۔ در نہ اب تو ہمارا دم ہی غنیمت سمجھو۔

(پیچھے کے صفحے سے ایک آدمی تیزی سے داخل ہوتا ہے)

اور دایں ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ گلٹھی والا اس کے پیچھے
 آواز لگا تا ہر آواز ڈرتا ہے اور ان کے ساتھ تیری اپر نکل

(جاتا ہے)

شاعر نثار آدمی: مولوی صاحب میرا دیوان چھاپنے پر مصر ہی۔ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ اسے ایک نظر دیکھ لیتے
 تو میری اصلاح بھی ہو جاتی اور بہت مکن ہے آپ کو شعرا کا تذکرہ کھنے کے سلسلے میں ایک نئی تحریک

بھی جوتی۔

تذکرہ نویس: نئی تحریک تو خیر اب کیا ہوگی بہر حال خدمت کے لیے ہر وقت حاضر ہوں

(درجی آدمی مائیں راستے سے اندر آتا ہے اور ابائیں سے

نکل جاتا ہے۔ گلڑھی والا اب تک اس کے پیچھے لگا ہوا ہے

مگر بیچ ایچ پر پہنچ کر رک جاتا ہے۔ آواز کی گرجویشی کم ہر جاتی

ہے۔ پان دسے کی بیچ کی طرف آہستہ آہستہ واپس جاتا

ہے اور بیٹھ جاتا ہے)

کتاب فروش: (گاہک سے) نہیں صاحب! فارسی کا ایلیٰ مجنوں ختم ہو گیا آپ سے میں نے پیسے ہی عرض

کر دیا تھا۔

(گاہک چلا جاتا ہے)

تذکرہ نویس: اب بیزمانہ دیکھئے کہ کتب خانوں میں فارسی کی کتابیں منظرِ حوری ہیں نہ شرمیں و نہ خجستہ ہی میں

ملکسی جاتی ہے۔ پھر کوئی کہا تذکرہ لکھے اندکس کے لیے ؟

کتب فروش: خوب یاد آیا۔ میان نظیر کے ایک شاگرد حال ہی میں میرے پاس آئے۔ ان کا ایک نظم

یعنی مجنوں سے کہہ کر آیا، میں اسے اپنے رسوخ سے تاشیح کروا سکتا ہوں۔ اب بھلا بتائیے کون کون کون

میان نظیر کا کلام۔

(تین چار آدمی ایچ پر سے تھنہ لگا لٹے ہوئے گزر جاتے ہیں)

گلڑھی والا ان کے پیچھے دوڑتا ہے۔ " پیسے کی پچھے چھے، آجیے کا چھے۔

رگ نکل جاتے ہیں۔ گلڑھی والا آہستہ ہر جاتا ہے۔ اس کی

رفتار وہی چلی جاتی ہے اور لیچ میں ایسی آجاتا ہے۔ اند

آدمیوں کے پیچھے آہستہ آہستہ آواز لگا آہو اگر جاتا

(چ)

شاعرِ نما آدمی: صاحب! ایک زمانہ انہرا ہے کہہ ہی بازاری چیزیں ملیں گی۔ مولیٰ! دیوالی پر کچھ تک بندی کر لئیے
 علمِ فضل کی معراج پر پہنچ جائیے گا آپ! یہ تو ذوقِ کامل ہے آج کل! ابھی ابھی یہ گلگلی بیچنے والا ہے
 اس ڈر اُٹھو آیا۔ اور کتنے لگا صاحب میری گلگلی پر نظم کہہ دیجئے۔ اب بھلا تباہی ہے
باہر گلیک آواز: تم سے ایک بار کہہ دیا نہیں چاہئے گلگلی دماغ خراب ہو گیا ہے
 گلگلی والا: (باہر سے) نہیں میاں۔ وہ بات یہ ہے۔

آواز: بس کہہ دیا نہ مجھے گلگلی خریدنی ہے زمین شعر کہہ سکتا ہوں۔ پریشان کر دیا۔
 (قوال پیچھے کے دروازے سے ٹسٹا ہوا آتا ہے اور تین دسے

سے محافل ہر تہ ہے)

قوال: بڑی ڈھولکیں بج رہی تھیں تیرے اُن آج رامو؟

برتن والا: لڑکا ہر تہ ہے تیرے اُن!

دزدی: اسے بھی ٹھوٹھا مان! رامو کے گھر لڑکا ہر تہ ہے، اور وہ بھی بیلا لڑکا۔ کچھ سناؤ گئے نہیں اس خوشی میں

قوال: اُن اُن ضرور!

دزدی: پھرو، سبھا اولیٰ بیٹی، ہر تہ ہے کوئی پھیر لکھی جوئی چیز!

(مورتاں ڈال کر دھن میں نظم سنا رہے۔ دو چار ساتھی اس کے

ساتھ گانے میں شریک ہو جاتے ہیں)

بھینا ہے اس کو یا روم عاشقی کا ہرنا جو یاد جس کو سر سوگھل پھول کا کرتنا

جس گھاٹ سن اُتھے اس گھاٹ ہی اُترنا جس دھب کا حسن ٹیکھا اس دھب ہی کر گزنا

سو کر دھن بنا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خرواں کی دید کرنا

تصویر کسی کھسوت جو دی دکھائی تو بن کے پھر منظور تصویر ہی ہستی

گھبروں میں سیر دیکھی، میدان میں جا گھلائی اس شکل سے ہی اکثر کھن کی کمانی

سوکر و فن بنا نا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خواباں کی دیکرنا

جو حسن شیردیکھا تو رکھ کر نکالا اور بن کے رکھ واسے سونٹا کڑا بھٹالا
کشتی سے کھٹکھڑایا اور آپ کو اچھالا اس رکھ سے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا

سوکر و فن بنا نا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خواباں کی دیکرنا

کھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نیا کے بندر بکرا بھی لا، ٹھیا یا اس کام کا سمندر
جب ڈگڈگی بجائی تو چے گل کے اندر لڑکے ہزار بوسے آدمیاں قلندر

سوکر و فن بنا نا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خواباں کی دیکرنا

میلوں میں آم جا من سید وانا بیچے سیروں میں دال مٹھیں پاڑا چار بیچے
گھاٹوں میں جا چھینے نقت رو ادھار بیچے چکوں میں بن سے ہالی چھوٹوں کے ہار بیچے

سوکر و فن بنا نا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خواباں کی دیکرنا

دیکھی جو زہم وازک اس حسن کی کلائی سنہیا رہن کے چوڑی اتھنوں کھٹکھٹائی
سیچے بہت کھوٹے اور جو بن ہے آئی آخر بھکاری بستری کی حسن کی گدائی

سوکر و فن بنا نا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خواباں کی دیکرنا

لازم ہے اس کو بارود، عاشق دہی کما ہے جو اس طرح کی گھاتیں کر سن کو بڑھاوے
ہر وہاں بھی اپنا ہروپ بھول جاوے آگے نظیر لکایا عاشق کی دمن تباہے

سوکر و فن بنا نا، سو رنگ روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خواباں کی دیکرنا

(ایک روٹی میں راستے سے گائی برائی اُذرتی ہے اور عبولام

بیساری کی دکان پر جاکر کھسکی جو جاتی ہے)

روٹکی : ” کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

چاچا ! انا نے ام کا آجا منگا بلے :

لالہ جی : کہاں بیٹھے ہیں میاں نظیر ؟

روٹکی : رائے صاحب کے میاں بیٹھے ہیں ! میں بتاؤں ! رائے صاحب نے انا سے ایسے عین کی دلی بھائی ہے۔

لالہ جی : اچھا تو اس لیے اجار کی یاد آئی ! — نو :

(لالہ جی ملکی سے جینکل بھرنے میں رکھ کر اجار روٹکی کے

عوائے کرتے ہیں اور ایسے کام میں لگ جاتے ہیں۔ روٹکی

میں راستے سے گائی ہوں چلی جاتی ہے)

ترجمہ : مولانا آپ کی نظر میں میاں نظیر آج کے شعرا میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

تذکرہ نویس : (ایک کتاب دیکھتے ہوئے) بھی بہت باغ و بہار آدمی ہے ! خوش مزاج شگفتہ

انقاد، ہر شخص سے نہں کر سنے والا کسی کا دل نہ دکھانے والا۔ ایسا کہ شاعر جس کی مثال دنیا میں

مشکل سے ملے گی، لیکن نثار علی ان چیز سے دیگر است ! فحش کلامی، ہرزہ گوئی، ابتذال اور

عامیانا مذاق کی ٹھک بندی کو ہم نے شعر نہیں انا ! میاں نظیر کو شاعر انسان پر بہت بڑا ہمتان

ہوگا۔ شعر کے تذکرے میں ان کی کوئی جگہ نہیں۔

تربوز والا اٹھ کر آہستہ آہستہ آواز لگا کر جو باہر

چلا جاتا ہے۔ ! میں راستے سے روٹکی داپس آتی ہے)

روٹکی : ” کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے“

لالہ جی سے) چاچا ! انا نے اجار واپس کر دیا۔

لالہ جی : کیوں

رٹکی : (منہ ہی منہ میں ہنستی ہے) یہ بڑھ چلیجئے۔

لا رہی پرچہ پڑھتے ہیں۔ دونا رٹکی کے ہاتھ سے لیکر دیکھتے
ہیں اور بیٹے زاد کا قہقہہ لگاتے ہیں۔ رٹکی ہی طرف سے
بھاگ جاتی ہے)

برتن والا : کیا بات ہے بھئی !

لالہ جی : سنو! میاں نظیر نے ایک نئی نظر کمی ہے۔ ایک بندھے لکھ کر بھیجا ہے۔

پھر گرم ہوا ان کے بازار چھوٹوں کا

ہم نے بھی کیا خوبیاں تیار چھوٹوں کا

سرپاؤں کھل کوٹ کے دو چار چھوٹوں کا

جلدی سے کچور سا کیا مار چھوٹوں کا

کیا ندر مزیدار ہے آچار چھوٹوں کا

ہنسی سے بے قابو ہوا ہے اور رونے میں سے مصاعف

میں لت پت ایک سراہرا جو مانکا لتا ہے اور کتا ہے

پتہ نہیں یہ سالاجو لاکھاں سے آچار کی ٹٹکی میں گھس گیا تھا سرنے کے لیے !

(برتن والا اور دوزی وغیرہ ہنستے ہیں)

شاعر نما آدمی : حضور ! یہ ہے میاں نظیر کا تمباکھ

کتاب فروش : تعجب اس بات پر ہے کہ میاں نظیر شریف گھسنے کے آدمی ہیں! جاہل اور گداگر ان

کی بیڑیاں گاتے پھرتے ہیں۔ انھیں اپنا ذہنی اپنے خاندان کی عزت کا تو جہاں ہونا چاہئے۔

تذکرہ نویس : صاحب! جس شخص کی تمام عمر تنگ بازی، بیسے ٹھیسوں کی سیر، آوارہ گردی اور تمار بازی ہی

گزی۔ اسے کہا شرم و جیا !

شاعر نما آدمی : اب تو خیر! آخری عمر میں ایک صوتی صافی کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں۔ روز سنب سے

جدید شباب میں یہ عالم تھا کہ بازار کے لوٹروں کے ساتھ گاتے بجاتے اور کوٹھن پر پھرتے تھے
 ہول کے دنوں میں اتنا عذہ رنگ کھیلنے اور ہر رسم میں شریک ہوتے۔
 کتب فروش : اب بیلا تائیے۔ ان سو قیاء : طرز کے گانوں کو جو سڑکوں پر بھیک مانگنے والے
 گانے پھرتے ہیں۔ اگر شعر کہہ دیا جائے تو دنیا کے شاعر کی بر نظلم ہو گا۔

کوڑھ

آتے ہوئے

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لیں ہیں روٹی کے واسطے

بیسے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے

بانڈھے کوئی۔ زمان ہیں روٹی کے واسطے

سب کشت اور کال ہیں روٹی کے واسطے

مجھے ہیں روپ سب یہ لکھاتی ہیں روٹیاں

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

تذکرہ انہیں اپنے لال کپڑوں : شاعر غلامی اپنے لیے لیں

اور مولیٰ صاحب سر پر بندھے ہوئے نہ مال کو دیکھتے ہیں

پوچھا کسی نے یہ کسی کا بل فقیر سے

یہ ہر واہ سخی نے بنا ہے میں کلہرے کے

وہ من کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے

مہم تو دیا چاند بھیس نہ سمجھ میں جانتے

بابا میں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولہا ترا اور تنور ہے
 خالق کی شدتوں کا کسی جانگلوں ہے
 چولہے کے آگے آگے جو جلتی حضور ہے
 جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے

اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں
 اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اُسے تو سے تنور کا جس جا زبان پہ نام
 یا پکٹی چولہے کا جس جا گھڑا جو مقام
 یاں سر سجہ کاکے کیجیے ڈھرت اور سلام
 اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام

پہلے انہیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں
 اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب نے جیہ نور پود
 آٹا نہیں ہے چینی سے چمن چمن گرسے ہے نور
 پیڑا ہر ایک اس کا ہے برتنی دہرائی چور
 ہرگز کسی طرح نہ نیچے پیٹ کا تنور

اس آگ کو گھر یہ بھجاتی ہیں روٹیاں
 اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ تھن نہ ہو
 پیٹے کی سیر خواہش باغ و چمن نہ ہو
 بھوکے غریب دل کی خند سے لگن نہ ہو
 سچ ہے کہا کسی نے کہ جھگڑے بھین نہ ہو

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

جب آدمی کے ہیٹ میں آتی ہیں روٹیاں

پھولی نہیں بدن میں سمائی ہیں روٹیاں

آنکھیں پر ہی رُخوں سے دلاتی ہیں روٹیاں

سینے پر بھی ہاتھ جھلاتی ہیں روٹیاں

تختے ترے ہیں سب بیکھاتی ہیں روٹیاں

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تہ ہے خمیر

مدھی ہی روٹی حق میں ہاں ہے شہد و شیر

یا پتلی ہوئے موٹی خمیر می ہو یا فطیر

گبیوں، جوار، باجرے کی جیسی جو نظیر

ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

(چبے جاتے ہیں)

(گلڑھی والا سہل نظم کے دوران میں امداد آتا ہے اور بھیجے

کھڑے ہو کر بہت خور سے نظم سناتا ہے)

گلڑھی والا : (بڑی حشر سے) میری گلڑھی پر کوئی نظم نہیں لکھ دیتا !

(یہ کہہ کر بھیجے کے دروازے سے جانے لگتا ہے ۔

لیکن یکایک ایک خیال سے جو تک کر مڑتا ہے اور

آواز لگاتا ہے)

شاہ صاحب !

آواز لگا تا ہوا وہیں رات سے بھاگ جاتا ہے۔ مگر فرداً
 رہی واپس آتا ہے اور آواز لگا تا ہوا وہیں رات سے باہر
 چلا جاتا ہے (

شاہ صاحب ! شاہ صاحب !!

(فیکر گاتے مجھے واپس آتے ہیں۔ کلکٹی والی پھر اندر
 آتا ہے اور آواز لگا آتا ہے۔ مگر فیکر پیچھے کے دماغ
 سے باہر نکل جاتے ہیں۔ کلکٹی والی سر کھٹ کر بیٹھ جاتا ہے
 فیکروں کا گانا اب تک فضاؤں میں گونج رہا ہے کہ پروہ
 تیزی سے گر جاتا ہے (

پُردہ



دوسرا الکیٹ

(پروردہ کھانے سے پیسے کو رس طلے داخل جیتے ہیں، اب اسٹیج کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف سے اور برسے کے سامنے کھڑے ہو کر نظم "اکبر آباد سناتے ہیں۔ آخری بند پروردہ اللہ ہے اور قیام گاتے ہوئے پیسے کے دروازے سے چلے جاتے ہیں)

کوئٹہ

بستار چہ یہ شہر لحد امن اور اماں

شہر سخن میں اب جو بلا ہے مجھے مکالم

کیونکہ نہ اپنے شہر کی عربی کرواں بیاں

دیکھی ہیں اگر سے میں بہت ہم نے خوبیاں

سہر وقت ہیں شاد ہے ہیں جہاں تماں

رکھو المی ہی کو تو آباد جا وداں

بستار چہ یہ شہر لحد امن اور اماں

سہر صبح اس کی کھتی ہے وہ نو گسٹری

شہر مندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری

ہر شام بھی وہ مشک ملاحت ہے بھری

یہی کی جھوڑ کے جس کی ہمسری

دن بے مہر ملتُ شب زلفِ حوشاں

بستا ہے یہ شہر بعدِ ان اور اماں

بغات پر بہا رہا رات زرنگار

بازار وہ کہ جس پر چمن دل سے ہوتا

محبوب دلفریبِ گلِ اندامِ گلخوار

کھیاں کسے ہیں آپ کو گلزار پر بہار

کوچے کسے ہیں اپنے تئیں صحنِ گلستاں

بستا ہے یہ شہر بعدِ ان اور اماں

بحرِ چین کو دکھو تو جیسے چین کی نہر

لاکھوں بہاریں کھتی ہے ایسا ایک جس کی نہر

کوئی نہاے ادا کوئی نزدِ عوٹے شاد بہر

اس پر چوہم لکھتے ہیں یوں ساکنانِ شہر

شہرِ شاد سرد ہوتے ہیں جوں نہر پہ عیاں

بستا ہے یہ شہر بعدِ ان اور اماں

گریاں کے پینے کا کون صحن میں رقم

تو بحرِ صفتِ بیچ لگے پیر نے قلم

پیرے ہیں اس روش کی بہا دلیں سے ہونم

سوسوچن بھرے ہوئے شبنم کے مہم

آ جاتے ہیں نظر دہیں دریا کے درمیاں

بستا ہے یہ شہر بعدِ ان اور اماں

اہلِ شنا ہو کر تھے ہیں سوسوچنِ شنا

مہر پر نشاۃءِ عیش کی اٹھتا ہوں دل میں آ
 مٹا نہیں کنار کچھ عشرت کے بھر کا
 ساحل پر جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
 ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بھر بے کراں
 بستا ہے یہ شہر لعلدین اور اماں

یار و عجب طبع کا یہ دُعا ہے تھا
 ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی نامی کے اروام
 ہر طود دل ہے ہے غوش اور طبع شاد کا
 میری نظیرِ دل سے ہی ہے دعا نام
 بستا ہے یہ شہر لعلدین اور اماں
 بستا ہے یہ شہر لعلدین اور اماں
 (ا ہر چلے جاتے ہیں)

پتنگ والے: گنگانے ہونے میں ہستے سے داخل ہوتا ہے اور جا کر اپنی دکان کھولتا ہے۔

کچھ اور پرتے ہیں کچھ پار پرتے ہیں
 ان اگر سے میں کیا کیا لے یا پرتے ہیں
 تذکرہ نویس حاضرین کی طرف بیٹھ کیے دکان میں کھڑا
 کتابیں دیکھ رہا ہے کتب فروش بیٹھا کھیر لکھ رہا ہے
 شاعر اور جمہولی دوکان سے باہر بڑک بڑکھے ایک
 کتاب دیکھ رہے ہیں حاضرین کی طرف ان کی بیٹھی ہے
 پتنگ والے کی اپنی سٹار جمہولی آگے بڑھتا ہے اور
 بیچ پر بیٹھ کر اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ شاعر اسٹار

کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ تذکرہ نویس نے گفتگو کے دوران میں کتاب بزرگ کے سفر پٹھہ جاتا ہے)

پتنگ والا: (برتن داسے سے) میاگ ہو رامو! سننا ہے تیرے ہاں رکھا ہوا، ادوڑب ڈھولک
بھی!

دزدی: ادھر ڈھولک پر گانا ہوا، ادھر محمد خاں قوال نے خوب رنگ بجایا، سب تھیں پوچھتے رہے۔
تم کہاں تھے۔

برتن والا: (اپنی دکان پر سے) بڑی دیر کر دی۔ آج دکان کھولنے میں؟
پتنگ والا: دیکھنا ہے گیہاں نڈیر کے ساتھ تیرا کی کامیلا دیکھنے۔
(مکھٹا آتا ہے)

برتن والا: طومار ساتھ لے کر گئے تھے؟

پتنگ والا: بیچو! تھیں اٹھائے، دیکھا پار کرتا ہوں، کیا سمجھتے ہو، بے یار غضب کرتے ہیں اپنے
اگرے والے بھی! ادا لوگ میں سر پر ٹھاکر دیکھا پار کرتے ہیں۔ حد ہو گئی۔

کتب فروش: بس یا حضرت آپ نے؟ پیری میں ہی دہی عالم ہے۔

تذکرہ نویس: بڑا پانسان کا مزاج تو میں بولی دیتا، پرانی عادیں ہی کیسے پھریں گی، نور قناد خدیرتے

تھے، اب اگلے زمانے کی یاد اور ان یادوں کی حسرت ہے جوئے جنانا کدے سے کہنے چلے آتے ہی

کو خود نہیں تیر سکتے تو دوسرے تیر کوں ہی کا تانا دیکھ کر جوس پوئی کریں۔

بھولی: صاحب، لیکن یہ تیرا کی کامیلا ہوتا ہی بڑا کافر ہے؟ ادب بہار اگر سے ہی میں ہے، کتنا حسین

کتنا شاعرانہ منظر ہوتا ہے، سچ پوچھیے تو جی میرا ہی بہت چاہتا ہے، شرکت بھی کہوں اور لیجئے

موضوع پر شعر کہوں۔ بس یہ بھی میں نہیں آتا کہ کیوں کر۔

شاعر نما آدمی: بس ہی طے کتنا شروع کر دیجیے

کھسار پرتے ہیں کھپا پرتے ہیں

ہیں اگر سے میں کیا کیلا سے بار پیتے ہیں

(سب ہنختے ہیں)

ہجھولی: میرا مطلب یہ نہیں لیکن صحیح معنوں میں ہی تو شعر کہا جا سکتا ہے۔

شاعر نما آدمی: تیرا کی ہے۔

ہجھولی: کیوں نہیں۔

شاعر نما آدمی: وہ کیوں کر؟

ہجھولی: یہی اگر سمجھ میں آ جاتا تو کہہ دیتا مضر۔

شاعر نما آدمی: جس موضوع پر آپ شعر نہیں کہہ سکتے، اسے شاعرانہ موضوع ٹھہرانا کیا محسنی!

ہجھولی: میں نے تو صرف اتنا کہا کہ جی چاہتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا کہ جس پتھر کو کنا مکن نہ ہو۔ اس پر شعر کہنے کی

خواہش کہاں کی مقل مندی ہے۔

لڈو والا: (اسٹج کے دائیں طرف ہار سے) پھر تو بٹنا چاہتا ہے۔

گلکڑی والا: (اسی طرف سے) نہیں تو؟

لڈو والا: جہاں میں لڈوے جاتا ہوں۔ وہیں گلکڑی والا اڑتا ہے۔

(اس طرف سے ایک لڑکا داخل ہوتا ہے اور پتنگ کی دکان

پر جاتا ہے)

لڑکا: اب کھول ہے ہو دکان؟

پتنگ والا: ہاں صاحب۔ ذرا تیرا کی کا میلہ دیکھنے گئے تھے۔

لڑکا: پتنگ دستگ بھی بنائی ہے یا اس سال تیرا کی کا میلہ ہی دیکھتے ہے؟

پتنگ والا: کون سی پتنگ چاہتی ہے؟ ہر رنگ، ہر نرغ، ہر مذاق، ہر مہار کی پتنگیں موجود ہیں صاحب!

کون سی پتنگ لیجئے گا؟ دو دھاریا۔ گھریا۔ پہاڑیا۔ دو باز لیسرا۔ کھائل۔ لنگوٹیا۔ چاند آرا۔

بگلا۔ نیا۔ دتیر۔ خرلہڈیا۔ پینت دی بان۔ یسنا۔ دو کوڑیا۔ گھسرا۔ گلکڑی۔ چوکھڑا۔ اجرو۔!

لڑکا: اہ اہ اہ! بس بس! نام تک نہیں سنے ان پتنگوں کے اپنی زندگی میں۔

پتنگ والا: پھر کیا پتنگ اڑاتے ہیں آپ؟
 لڑکا: اڑا لیتے ہیں بھم بھم توڑی بہت! آپ تو جیسے ایک سیدھا سادا دودھاریا لے دیجئے۔
 پتنگ والا: دودھاریا لیجئے۔

لڑکا: دام؟

پتنگ والا: پچیس کوی۔

لڑکا: یہ لیجئے۔

(گھاب گھاب پتنگ لے کر دائیں ہاتھ سے چلا جاتا ہے)

کتاب فروش: (پتنگ کے ٹکڑے سے) اے میاں نر اور میرا لڑکے! (لڑکا چلا جاتا ہے مولانا سمجھتا ہے)
 بک کر دینا ہے کب پہنچ کر انرا بان سنا میاں۔ مولوی صاحب دکان پر پہنچے آجاتے ہیں گھوڑیوں پر لڑکا دایمی
 آتا ہے مہیو! (مولوی صاحب ہاتھ سے اپنے پاس ٹیٹھے کا اشارہ کرتے ہیں لڑکا اس سے مدد نہ کر سکتا ہے) جیہ نام ہے تمہارا؟
 لڑکا: جی!

کتاب فروش: (تذکرہ نویس سے) مولانا! انرا اس لڑکے کے منہ سے آستانوں کا کلام سنئے۔ جیسے شکل پالی
 ہے۔ بخدا ایسی ہی آواز۔

تذکرہ نویس: ماشاء اللہ!

لڑکا: کیا سناؤں مولانا؟

کتاب فروش: تمہیں تو آستانوں کے پودے پودے دیوان حفظ ہیں۔ ہم سے کیا پوچھتے ہو پانی
 مرضی سے سناؤ۔

تذکرہ نویس: ان میاں۔

لڑکا: ایک غزل سنا تا ہوں۔

(بڑی عرض سمانی سے گات ہے۔ دکاندار بھی دکانیں پھوڑ

کر اس آجاتے ہیں۔ دکانیوں کو جانتے ہیں)

قاصد تو مرا نام تو لکھو نہ و لیکن کتنا کوئی سزا ہے ترا جا پہننے والا
 جیسا کہ چوہہ بچھرے غلام ٹھہر چلا تھا اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ والا
 شاید وہی بن ظن کے ہلا ہے گھر سے ہے یہ تو اسی جیسا مذہبی صورت کا اچالا
 صحرا میں جسے حال پہ کوئی بھی نہ دیا گر گھوٹ کے دیا تو مجھے پاؤں کا اچالا
 اودوں کو جو گرتے پڑے دیکھا تو بہا تمام ہم گرجی پڑے تو مجی نہ ظالم نے سنبھالا
 ہم تجھ سے اسی روز تو کہتے تھے نظیر آہ

کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا

شاعر نفا آدمی : (بڑے تعجب سے) یہ میاں نظیر کی غزل ہے ،

بھجولی : بھئی کیا کہنے ہیں . ہیں میاں نظیر کے اس کلام کی خبر نہ تھی .

کتب فروش : میان ندکی بھر مشق کرتا ہے آدمی تو ایک آدمہ شعر تو کسی کے ہاں سے نکل ہی آئے گا
 اس میں کون کسے تعجب کی بات ہے ؟ ہاں میاں کچھ اعدہ سناؤ .

بھجولی : پر صاحب ! استادوں کی زمین کی غزل ہے .

کتب فروش : استادوں کی زمین پر پل چلانے والے گھنٹیا شاعر بہت تھے ہیں .

بھجولی : لیکن صاحب ! غزل کا رنگ بہت شستہ اور بھرا ہوا ہے .

تذکرہ نویس : تیرا ہی زمین میں کہتے ہیں ۔

دیکھ ہے مجھے دیدہ پر خشم سے وہ تیر

سیر سے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالہ

شاعر نفا آدمی ، چھالا کا کافیہ ابتر ہے !

گڑھے میں کوداں سر سر خار سے اب تک

جن شت میں پھول ہے مرے پاؤں کا چھالا

تذکرہ نویس : میں تانیفے میں اتنا ، کا شعر خوب ہے . فرماتے ہیں ۔

آتا تو پھر اداوی دشت میں کر میسے
 ہے پائے نظر میں بھی پڑا خشک کا چھالا
 ہجولی : لیکن صاحبِ نظیر کا شعر بے مثل ہے کہ

صحرایں مرے حال پہ کھڑی بھی نہ دیا
 گر پھوٹ کے دیا تو مرے پاؤں کا پھالا

شاعرِ نیا آدمی : سدا نئے بھی کہ ہے اس میں میں غزل !

ہجولی : تیرا آقا اللہ کی کئی چیز تھیں یاد ہے میاں ؟

کتبِ فرشتہ : بیسی آقا اور صحنی کی معرکہ آرائیوں کا جواب نہیں ہے خصوصاً وہ غزلِ شبِ بیکور کی گردن
 اس میں بزرگ جھونک ہوئی ہے دونوں کی ! عجیب لطف رننا ہو گا بجز انوابِ سعادت علی خاں کے
 دربار میں بھی ۔

تذکرہ نویس : آپ بھی کب کی بات کر رہے ہیں حضرت ! شبِ بیکور کی گردن دلا زمانہ گیا ۔ اب تو سیدِ آقا
 جیسے سنہرے کسے لب پر رہی گریہ دزاری ہے کہ ۰

کراندے سہنے چلنے کو یاں سب بار بیٹھے ہیں

بہت آگے گئے آتی جو ہیں تسیار بیٹھے ہیں

ہجولی : ادرا ب تو سنا ہے کہ آتش و ناسخ کی آدازیں وہ گویں ہیں لکھنؤ میں کہ انشاءِ مصحفی بھی چیکے پڑ گئے
 کس قدر جاندار شاعر ہے آتش بھی ندرہاں دیکھے فرماتے ہیں ۔

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں

ہم اے گنچے میں بازیِ سلام نہیں

شاعرِ نیا آدمی : ادا ناسخ کا جواب بھی سن لیجئے ۰

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام ہیں

ہزار بار جو یوسف بکے غلام ہیں

بھولی : نہیں بیٹھی یہ خواہ مخواہ کی لڑائی ہے۔ بلکہ اسے بے شرمی کیے۔ شعر نولہررت ہے گر تصنع آئینز۔
وہ سچائی اور آگ اس کے اندر نہیں ہے جو آتش کے یہاں ہے۔

شاعر نما آدمی : آپ سُن حجاب دیکھئے۔ سچائی اور آگ کیا دیکھ ہے ہر شعر میں۔

کاتبِ فرودش : آپ لوگ بھی دہری کرنے لگے بخدا جو رٹی اور لکھنؤ کے دبا دوں میں ہمارے امانتدہ
کہے ہیں۔ بس اب یہ بحث ختم کیجئے اور شعر سنئے۔ اہا میاں !

لڑکا : کیا سنئے گا :

تذکرہ نویس : (کسو تدریج بھلا کر) جو ہی جا ہے سناؤ۔

لڑکا : ادنیٰ اذریب منفس زردار یہ پرتے ہیں

ہں آگر سے میں کیا کیا لے یا پرتے ہیں

ہاتھ ہیں انہیں کتنے اپنی ہن مان سوتے کتنوں کے ہاتھ بیڑے کتنوں کے سر پہلے

کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سموٹی پرتتے حقل کا دم لگاتے منہ میں کے شاد ہوتے

موسو طح کا کرستا پرتتے ہیں

اس آگر سے میں کیا کیا لے یا پرتتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی ہے پھر اس کے بولنے اُستاد پیر کی ہے۔

تذکرہ نویس : بھلا کر اُٹھ کھٹھڑا متا ہے۔ اور بغیر کھپائے

چلا جاتا ہے محل میں یہ ایک تحقیق اُن سناٹا چھا گیا ہے۔

گر بہت سے دستہ جلیے دے بڑے شوق سے غلم سننے

کے لیے رُک گئے ہیں۔ اس جگہٹ کر دیکھ کر مولوی سنا

برس پڑتے ہیں (

لڑکا : موردِ مکت کتھیا جمانا کے تیر کی ہے

کاتبِ فرودش : بس کرو میاں (اُداڑ اٹھا کر) آپ لوگ کیوں یہاں جمع ہو گئے ہیں صاحب۔ کوئی

مداری کا کھیل پروا ہے یا پرساد بٹ رہی ہے۔

(مجمع بیچے مرٹ جاتا ہے اور ایک سناٹا اچھا جاتا ہے۔ اس

سناٹے میں لکڑی والا ایں طرف سے آہستہ آہستہ داخل ہوتا

ہے)

لکڑی : (مُردہ آرازمیں) پیسے کی چھ جھے ! پیسے کی چھ جھے !

(کتب فروش اے غضب آلود نگاہوں سے گھور رہا ہے۔

لکڑی والا جواب تک انجان تھا۔ مولوی صاحب کی نگاہوں

کو دیکھ کر بکا بکا چُپ ہو جاتا ہے۔ اور بھاگ کر راس

کونے میں دبا جاتا ہے۔ پتنگ والا جو مجمع میں سب سے اگے

تھا، کتب فروش کا طرفن بڑھتا ہے)

پتنگ والا : ادھر آنا میان !

(لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی دکان پر لے جاتا ہے)

کتب فروش : لیجئے ! ہم نے سوچا خوش گولہ کاپے۔ مولانا کلام سنگد خوش ہوں گے۔ میں کیا

جانا تھا کہ وہ بازار میں کلام سنانے لگے گا۔ اُسے مولانا ناراض ہو کر چل دیئے۔

ہمجولی : لیکن تنگ تو خوب تھی صاحب۔

شاعر نما آدمی : جی ہاں ! سو سو طرح کا کر بستا رہتے ہیں۔ کر کر : اسے آپ شاعری کہتے

ہیں ؟ یوں معلوم ہوتا ہے آدمی شعر نہیں پڑھتا۔ لکڑی کھا رہا ہے۔

ہمجولی : لیکن صاحب کر کر استعمال ہے۔ اساتذہ نے یاد دلایا ہے۔

شاعر نما آدمی : چلئے اب اٹھئے۔

کتب فروش : سات کیئے گا۔

شاعر نما آدمی : معافی کی کیا بات ہے مولانا ! اچھا السلام علیکم۔

کُتب فروش: وعلیکم السلام!

(تاسعہ نوا آرمی اور اس کا جوہاں بیٹے جاتے ہیں۔ لوگوں کا گروہ

اب پتنگ مانے کا دکان پر جمع ہو گیا ہے۔ مولوی صاحب

جمع کو دیکھ کر کہتے ہیں)

اب کج نیت و ڈال جسم گئے ہیں۔

(مولوی صاحب حساب کتاب میں لگ جاتے ہیں۔ پتنگ والا

گھوٹے کو اپنے ساتھ دکان پر بٹھا رہا ہے)

پتنگ والا: سر تو میرا نظیر کہتے ہیں۔

قسمت میں گر ہماری رہے ہے تو ساقیا

بے اختیار ہتھ سے تیرے کر کے کاجست

پیسے کی کیوں نہ بتا یا تم نے مار کر تمہیں بیان نظیر کا کلام پایا ہے۔

دکان: میں تو پتنگ خریدنے آیا تھا صاحب۔ شعر سنانے کی غرض سے تو نہیں آیا تھا۔

پتنگ والا: اے یاد تو مگر یہ تو جانتے ہو کہ کتنی پرانی ملاقات ہے ہماری میرا نظیر سے بنا تھا تو ہماری دکان

پر بیٹھ کر سنا تے۔ وہاں شعر پڑھ کر ان کو بھی بے حرمت کہا اور میں بھی ادواہ! — اسی پر تو

کسا ہے حضرت نظیر نے کہ

دل سا دوریہ سیتم بکا کوڑیوں کے سول

کیا کیجیے نہ جریہ بھی حسد، دیکھو نصیب

اچھا سا دیکھ اپنی آواز سے۔

دکان: آپ فرمائیے کیا سناؤں؟

پتنگ والا: وہی نظم سناؤ تیرا الی والی؟ اور کیا؟

دکان: —

ادنیٰ مغرباً منضُودا داریتے ہیں

اس اگر سے میں کیا کیا لے یا دیرتے ہیں

جمننا کا پاٹ گیا صحن چن ہے بارے

پیراک اس میں پیریں جیسے کہ چاند آسے

منہ چاند کے سے ٹکڑے نئے گورے گورے پیانے

پرووں سے بھرتے ہیں نمود صار ارنکنا سے

کچھ داریتے ہیں کچھ یا، دیرتے ہیں

اس اگر سے میں کیا کیا لے یا دیرتے ہیں

کتے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینہ

سینہ جھک رہا ہے سر سے کاجوں نگیں

آٹھ بدن پر اپنی آٹھ سے پسینہ

سروں کا ہر چلا ہے گویا اک اک قرینہ

دامن کر یہ باندھے دستار دیرتے ہیں

اس اگر سے میں کیا کیا لے یا دیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گارو ناچوں میں جھپک رہے ہیں

جھٹے بدن میں نگیں گئے ہمبیک رہے ہیں

تانبوں پر اس اڑتی طبلے کھڑک رہے ہیں

میش طرب کی دھڑی پانی جھپک رہے ہیں

سوٹھا ٹھکے بنا کر اطوار دیرتے ہیں

اس اگر سے میں کیا کیا لے یا دیرتے ہیں

مہراں بولتے ہیں سید کبیر کی جے

پھر اس کے بدلنے اُستاد پیر کی ہے
 مرد مٹا کتھا جسمنا کے تیر کی ہے
 پھر غول کے سب اپنے خود دیکر کی ہے
 ہر دم یہ کز خوشی کی گفتار پیر تھے ہیں
 اس آگے میں کیا کیلے یار پیر تھے ہیں

کیا کیا تغیریاں کے ہیں پیرنے کے بانی
 ہے جن کے پیرنے کی گھول میں ان لانی
 اُستاد اور خلیفہ شاگرد یار حسانی
 سب خوش رہیں بے جھگڑا جھگڑا کے بیچ پانی
 کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر راز پیر تھے ہیں
 اس آگے میں کیا کیلے یار پیر تھے ہیں
 (تخلم کے دوران میں ماہیت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ یعنی
 خود بچے ہارے بھی شامل ہی)

چنگ والا: واہ واہ! یہاں ہی کلام تو دل کو گنتا ہے۔ پر زلف نے قدر نہ کیا یار اس تاعمر کی۔ کتا ہے

بگم اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم یا فضاں اپنا

بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

سب : واہ واہ کہا کہنے ہیں۔

گھوڑوں کا تاجر : روزِ تخلم کے دوران میں اندر آیا تھا اور داؤ گھیروں میں بیٹاں مر گیا تھا! بالکل سچ: بالکل دلت بہت

حسب حال کہلے۔

تھوڑے عرصے میں لوگوں کے گروہ میں چپے ہوئے کھڑے ہیں اُردا

من کر چنگ والا ان کی طرف پھلتا ہے جس کی صفوں کو میرتے

ہم نے بڑھتا ہے۔ تزیج میں منظور حسین کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں)

پتنگ والا: اے کون؟ منظور حسین؟ تم کہاں سے پتنگ پڑھے ہو؟ ہم نے تو سنا تھا کہ تم دکن کی طرف نچے گئے ہو۔

گھوڑوں کا آجر: سائے ملک کی خاک چھانا پھر آج ہی واپس آیا۔

پتنگ والا: جو پار کیسے چل رہا ہے؟ بہت بیکے گھوڑے۔

گھوڑوں کا آجر: اسی کو کہتے ہیں صاحب گھوڑے بیچ کر سونا۔ حیدرآباد کی طرف گیا تھا۔ جانتے وقت تو

اپنی تکلیف نہ پہنٹی۔ واپسی پر فرنگیوں اور مراٹھوں میں لڑائی پھڑکی۔ آگور کی طرف سے آنے والا

تھا خیر وہاں سے کتر، تاپڑا لڑائی کی تیزیوں سے بیچ بچا کر آ رہا تھا کہ جھانسی کے پاس فرنگیوں

کے جھگڑے ہوئے تھکوں اور پٹواریوں سے نہ بھڑکے گی۔ جو کچھ تھوڑا بہت لایا تھا وہ بھی ان کی قدم

کر دیا۔ اور باقی آفر گھوڑے ان ہی کے کام آئے۔ لٹ لٹا کر سب ٹھہرا ہوا آ رہا ہوں۔

(اب تک دونوں وہیں اسٹیج کے بیچ میں کھڑے! تین کوہے

تھے۔ اب پتنگ والا منظور حسین کو پاں کی دکان سے آئے)

پتنگ والا: ہے ہے! بہت بڑا زمانہ آ رہا ہے بار!

گھوڑوں کا آجر: میرے میں دیکھا کہ سرشمن فرنگیوں سے بیزار ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہندوستانی جو فرنگیوں

کی فوج میں ملازم ہیں اپنے افسروں سے برگشتہ ہیں۔ نہ جانے کہاں کیا انقلابات دکھائے! خیر

پھوڑو تم اپنی سارا!

پتنگ والا: اپنی کیا سنائیں! لوگوں میں وہ شوق ہی نہ رہا۔ پتنگ بازی کا! یا اگر شوق ہے تو کیرے خالی

(پان پیش کرتا ہے۔ اور دکان کی طرف واپس آتا ہے۔ دانتے میں رک کر کہتا ہے) لیکن تمہاری بات

سے یہاں نظر پھر رہا لگے۔ ٹنگوں کے بائے میں بھی کلبے اور جگ کے بائے میں بھی سنو

پیلے ٹنگوں کے بارے میں سنو۔ فراتے ہیں۔

گروں کو نہنے اچکا تو سچا رات میں ہے

نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو بہ بات بات میں ہے
 اُس کے لعل میں گہنی تیغ اس کے ات میں ہے
 وہ اُس کی فکر میں ہے یہ اُس کی گھات میں ہے

بشیرا پارمانی یہ دشت ہے ٹھکوں کا
 یاں ملک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گھوڑوں کا تاجر: بھی بہت جربستہ کہا ہے۔

پتنگ والا: اور سنو! جنگ کا بھی راز بتا دیا ہے۔ کہتے ہیں

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں
 کٹتے ہیں اُتھ پادوں گکے اور کلاسیاں
 بندوقیں ہیں کس۔ کس تو ہیں لگائیاں
 کل زر کی جودھی ہیں جساں میں ڈائیاں

جر ہے سو ہو رہا ہے سدا قبل اُسے زر

ہر اک بھی پکاسے ہے دن ات نائے زر

گھوڑوں کا تاجر: بہت خوب کہا ہے۔ میں تو ملک کے ہر کونے کے چکر لگا تا رہتا ہوں۔ اہلکلی بھی

حال ہے چادوں طرف۔

پتنگ والا: اور تمہارے پاسے میں بھی کہا ہے۔

(یہ کہہ کر منظور حسین کو دکان میں بٹھاتا اور خود دکان کے باہر

کھڑا رہتا ہے)

گھوڑوں کا تاجر: اچھا؟

پتنگ والا: مانوگ روم و شام میں زر کو کما تے ہیں

اچین جیں سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں

رکن سے زر کے واسطے سب یاں کو کرتے ہیں

اور یاں سے زر کے واسطے دکن جاتے ہیں

جو ہے سو چور ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک بھی پکاسے ہے دن رات لائے زر

گھوڑوں کا تاجسہ: (ہنس کر) واہ وا۔ سب پیسے کا کیس ہے۔ بالکل ٹھیک۔

پتنگ والا: یا اپنے کو تو یہی کلام اچھا لگتا ہے اور یہی شعر ہم جیسے جاہلوں کی سمجھ میں آتے ہیں۔

یہی بات یہ ہے جیسا کہ اپنے دل کا حامل مل جاتا ہے ان شعروں میں اور اپنے آکس پاس کی دنیا

کا حال۔ اور تو یہ بے کربا سے شاعر نے وطن سے باہر قدم نہیں رکھا۔ میں بیٹھے بیٹھے ماری
دینا دیکھلی! کہتے ہیں۔

(آوردہ ٹھاکر)

سب کت ابوں کے کھل گئے معنی

جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

(کتب فروش کی دکان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کتب

فروش کتاب کے بیچے سے سراٹھا کر دیکھتا ہے۔ طیش

کے لئے ہی کی گلابی سُرخ ہو گئی ہیں۔ پتنگ والا

حمید کے برابر بیچ پر بیٹھ جاتا ہے اور حمید سے کہتا ہے)

کچھ اور سنا دیا!

لڑکا، کیا سناؤں؟

پتنگ والا: نظیر کا کلام سنا دیا کیا اور کیا سناؤں گے؟ اس کا ہر شعر بے نظیر ہے۔

لڑکا: کہتے ہیں جس کو نظیر نے ٹھک اس کا بیاں

تمہارے معلم قریب بزل و ترسندہ جاں

سست روش پست تد ، مطلقاً لاپرواہی تیرا

تن بھی کھڑا یہی تھا فک کے موافق میاں

اتھے پر اک خال تھا ، چھٹا مائے کے طور

تھا وہ پڑا آنکھ اُدیر ، ابروؤں کے درمیاں

دماغ سبک اس کی تھی ، تیس پہ نہ رکھتا تھادیش

موتھیں تھیں اد کا فوں پر پٹے بھی تھے پینہ ماں

پیری میں تھی جس طرح - جس کو دل افسردگی

وہی ہی تھی ان دنوں - جن دنوں وہ تھا جوان

فضل نے اللہ کے - اس کو دیا عشر ہیر

حزت و حرمت کے ساتھ پارچہ آب و نال

صبا : واہ واہ واہ ! کیا انکسا - یا ہے - وغیرہ وغیرہ !

(اہل راستے سے ایک لڑکی اچھلتی کودتی داخل ہوتی ہے)

لڑکی : انگلتا ہی ہے (کیا میشرس لڑتے ہیں معصوم بھوے بجائے -

لڈو والے کے پاس جا کر جو ایسٹج کے اہل جتے میں

کتب فروش کی کلاں کے پاس میٹھ گیا ہے -

لڈو -

لڈو والا : ایک پیسے کے چار -

چنگ والا : اسے بیٹا ! لڈو کھا رہی ہے ؟

(اس کے بڑھتا ہے اللہ ایسٹج کے بیچوں بیچ لڈو کے مانتے

اگر کھڑا ہر جاتا ہے اللہ دنوں انہوں سے اسے

پکڑتا ہے)

لڑکی : ہاں !

پتنگ والا : (منظور سے) میں نظیر کی تو کسی ہے۔ (لڑکی سے) کیا کرسکتے ہیں؟

لڑکی : میں بتاؤں؟ پڑھا رہے ہیں۔

پتنگ والا : اور تم لڈو کھا رہی ہو۔ کس نے دیتے پیسے؟

لڑکی : میں بتاؤں! انا کر پڑھانے کے پیسے ملتے ہیں نا!

پتنگ والا : اور تم سوج کرتی ہو۔ کیوں؟

لڑکی : نہیں! میں بتاؤں۔ سارے نا پیسے کراتھ نہیں لگاتے ہیں نا۔ میسے ہم کو ادا کسکتی ہیں نا۔ کو گندی

پیریز کراتھ نہیں لگاتا چاہیے؛ ویسے ہی انا نے آج پیسے کو روال سے ابا دھکر کو نئے میں

پھینک دیا۔

پتنگ والا : اور تم نے اٹھا لیا؟

لڑکی : نہیں! سب تھوڑا ہی! خالی ایک پیسہ!

پتنگ والا : اور لڈو کھانے چلی آئیں! شیطان کہیں کی۔

لڑکی : ہاں پیسے آئی کر دے دیئے۔

پتنگ والا : ارے پھر تو شیطان نہیں ہے۔ بڑی نیک بیٹا ہے۔ (لڑکی نہیں کہ جس طرف سے

آئی تھی چلی جاتی ہے) سن لیا صاحب؟ (منظور سے) حال ہی کا واقعہ ہے نواب سادات

علی خاں کے پاس آدمی آیا تھا روپیہ لے کر۔ رات بھر روپیہ گھر میں پڑا اور روپے کی چو

سے نہیں بسندہ آئی۔ صبح کو جواب میں کھلو بھیجا کہ توڑ اسے تعلق سے تو یہ حال ہے اگر زندگی

بھیر کا ساتھ ہو گیا تو نہ جانے کیا ہوگا (دکان کی طرف جاتے ہوئے) لکھنؤ سے روپیہ آیا۔ اور

حیدرآباد کے چند دلال کے پاس سے بھی بلاوا آیا۔ پیر میرا اور اگر سے نہ ٹلا (محمد کے برابر

بٹھے ہوئے) ورنہ اگر جاہتا تو وہ بھی دوسرے ہستادوں کی طرح دوبار کاشا عربن سکتا تھا۔

گھوڑے کا تاہر؛ بسٹی میری تو پہلے کبھی لاتا نہیں ہوئی تھی۔ آج عجیب غریب حالات میں

ٹڈیچر ہو گئی۔ عجیب ولی صفت آدمی ہے۔ سچ عالمگیر نفاذ آج گنچ سے اہلی تھان ٹٹو پر
 ہاتے ہیں لالہ ہلاس برائے لکھتری کے ٹٹوں کو پڑھانے کے لیے۔ بس ٹٹو پر چلے آئے ہے
 تھے مہستے میں وہ اڑ گیا۔ ایک چابک جو اس کے رسید کی تہہ تھے لکھتری ہوئی ٹٹو کے لگی۔ میں
 نے کہا میں ہر ایسا کیا تھو دغا کر صبح ہی صبح چابک سے خبر لی۔ میاں نظیر ٹٹو سے اتر
 پڑے اور زبردستی میرے ہاتھ میں چابک دیکو کہا کہ میاں میرے بھی ایک جڑو۔ بدلہ ہوا بیگا
 میں کہہ کر بھجایا۔ وہ نہ مانے آخر مجبوراً میں نے چابک لیکو ان کے ذمہ سچھو ادیا۔ کیا کرتا انہوں
 نے چابک میں زمین پر بیچ دی۔ کہنے لگے سینچے میں چاہے کتنی ہی دیر رنگے بس آج کے دن
 سے چابک کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

(برتن والا جو اپنی دکان میں بیٹھے بیٹھے رہا میں بڑے غور سے

سن رہا تھا۔ اپنی جگہ سے ٹھہل پڑا ہے اور سب کو سناتے

ہوتے گا ہے)

پہلے انوں گنیش کا بیٹے سیس نوٹے

برتن والا :

جانے کاج سدھڑوں سدا مورت لائے

بول بچن آند کے ہم بیت اور چاہ

سُن لو اور دھیان دھر ، ہمارے لو کا بیاہ

جو گل جھنگلی سے سنا ، وہ بھی کیا میان

اور کتھا میں جو سنا ، اس کا بھی پرمان

سننے والے بھی دیں ہنس ہی ہنوشی دن دین

اور جو پڑھیں ہوا دکر ان کو بھی کھچے حسین

اور جس نے اس بیاہ کی اہمان کی بنائے

اس کے بھی سہر حال میں شو جی رہیں سہائے

خوش ہے دن رات وہ کبھی نہ سو دیکر
 وہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر

سب: (ن کرگتے ہی)

وہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر
 وہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر
 وہاں اس کی بھی رہے جس کا ناؤں بخیر

ککڑی والا: (جو بہت ڈرے گا) کے ایں کونے پر بیٹھا تو ہے (میاں کہاں رہتے ہیں یہ حضرت نظیر؟
 پتنگ والا: کیوں کیا بات ہے؟

ککڑی والا: (اٹھ کر) وہ بات یہ ہے کہ — ایسے ہی —
 (پھر بیٹھا ہے)

پتنگ والا: آخر؟

ککڑی والا: میں ایک بات پوچھوں آپ سے۔ اگر آپ بڑا زانیہ (اگے بڑھتا ہے)

پتنگ والا: بس میں بڑا مانتے کی کیا بات ہے؟

ککڑی والا: یہ میں نظیر سے ملے آدمی تو نہیں ہیں؟ (پاس بیچ کر)

پتنگ والا: بہت رحمن آدمی ہیں — — — کیوں؟

ککڑی والا: ہر آدمی سے بات کر لیتے ہیں؟

پتنگ والا: ہاں ہاں!

ککڑی والا: میری بات سنیں گے؟

پتنگ والا: ضرور سنیں گے؟ کسی کا دکھ ان سے نہیں دیکھا جاتا۔

ککڑی والا: میں دکھ کی بات نہیں کیاں۔ ککڑی کی بات ہے۔

پتنگ والا: پھر تو ضرور سنیں گے۔ تمہاری باتیں سن کر تو دیسے بھی بڑا مزہ آتا ہے۔

ککڑی والا: سیری ککڑی پر دو چار شعر لکھ دیں گے ؟
 پتنگ والا: ضرور لکھوں گے اور خوب لکھیں گے۔ کتنوں کو اس طرح نظیں لکھ کر دے دیں اور بھول گئے۔ ابھی
 کچھ دنوں کا واقف ہے ایک صاحب پہنچ گئے۔ ان کے ہاں۔ اپنے ٹوٹے ہوئے دل کا دکھٹرا
 سے کر۔ کسی مہجین نے بے وفائی کی تھی ان کے ساتھ۔ ان کی بے وفائی کی داستان سنائی اور کما کر
 دل کو کیوں کر بھادوں کی پیلو مین نہیں لیستا۔ ہر دم اکھوں کے سامنے اس سے تھالی تصویر چلی رہتی ہے
 میاں نظیر نے اس کے حسب حال ایک نظم لکھ دی۔ بس اس صاحب کو مین آگیا۔ اب وہ نظم
 گنگانے رہتے ہیں اور خوش دھرم پھرتے ہیں۔

ککڑی والا: رہتے کہاں ہیں میاں ؟

پتنگ والا: بیگم بانہ کا محل دیکھا ہے ؟

ککڑی والا: جی نہیں۔

پتنگ والا: بلوں کی گلی دیکھی ہے ؟

ککڑی والا: نہیں !

پتنگ والا: نودی دروازہ دیکھا ہے ؟

ککڑی والا: جی نہیں میاں !

پتنگ والا: کہاں کے رہنے والے ہو ؟

ککڑی والا: مسترا کے پاس کا رہنے والا ہوں۔

پتنگ والا: اچھا محلہ آج گج دیکھا ہے ؟

ککڑی والا: جی ہاں دیکھا ہے۔

پتنگ والا: وہاں پہنچ کر کسی سے بلوں والی گلی پوچھ لو اور بیگم بانہ کے محل پہنچ جاؤ۔ محل کے برابر ہے

ہی ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ وہ میاں نظیر کا ہے۔

(ککڑی والا خوشی خوشی بائیں راتے کی طرف بھاگتا ہے)

راتے کے اس ایک جنسی سے ٹکڑے جاتی ہے)

اجنبی : اندھا ہو گیا ہے۔

گگڑھی والا : مسان کناسیاں نہ ابلدی میں ہوں۔

چلا جا تبے ----- جنسی ازار میں ٹلتا ہے)

پتنگ والا : (منفرد سے) ابھی کل میں دوچارا جا کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ کڑی کھٹکٹائی۔ وہ

اہر آئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ آٹے میں لت پت میاں نظیر جو کھٹ پر کھڑے ہیں۔ پہچان نہ پٹھے

تھے۔ پوچھا میاں یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ بوسے تھاری بھانج بھول بیٹھی ہیں۔ کیا کرتا۔ سوچا خود

ہی آنا پیسوں۔ روٹی پکاؤں۔ میں نے کہا آپ اپنا کام کر لیں۔ اب ہم اپنا کئے دیتے ہیں۔ پھر ہم

سب نے بل بل کر روٹی ڈالی اور کھانا پکایا۔ خود بھی کھایا اور ان کی اطمینان کو سنا کر کھلایا پٹایا۔

گھوڑوں کا آجر : یاد خاطر اگر آدمی اچھا نہ ہو تو اس کے شعر بھی ہرگز اچھے نہ ہوں گے۔

پتنگ والا : (حمید اور ان لوگوں کو سنانے سمجھے۔ جواب تک ہن سجھی) اچھا آدمی ہی ایسا کہ روٹوں

میں ایک ! ہر آدمی سے کھل کے ملتے ہیں۔ چھوٹا بڑا۔ اچھا بڑا۔ امیر غریب۔ ہندو مسلم سب

ان کے لیے برابر ہیں۔ چاہے وہ پتنگ بنانے والا ہو۔ چاہے کتاب بیچنے والا۔ ان کے لیے

تو بس آدمی ہے اور کچھ نہیں۔

(اعزاز اٹھا کر اور کتب فروش کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے)

کتب فروش خصے سے سرفردا ہے)

اجنبی : (کتب فروش سے) کلام ناسخ ہے آپ کے یہاں !

کتب فروش : (پتنگ ملے کاغذ اور جنسی پر لکاتا ہے۔ بوقع اتنے ہی بری پڑتا ہے) میاں ناسخ

کل کے چھ کرے ہیں۔ ابھی ابھی شعر کننا شروع کیا ہے اور ابھی سے آپ کے کلام کی تلاش میں

نکل پڑے۔ ایسا ہی شوق ہے تو کھنڈ تشریح سے جائے اور خود سن لیجئے۔

یہ جنی بہت دیر سے باندا کے چکر کاٹ رہا ہے آوارہ گرد

ہے، لوگوں کے منہ کھلتا رہتا ہے اور ہر جگہ ذہن اغماز ہوتا

چاہتا ہے۔ اُسے دنیا میں کوئی کام نہیں (

آجیسی: ابھی ابھی بیان کچھ لوگ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، ناخ صاحب کا ایک شعر میرے کان

میں پڑا۔ میں نے سوچا

کُتبِ فروش: کوئی نے اپنی کتابوں کے اشتہار کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ یہ مشوق اور یہ

جہالت! سبحان اللہ!

(ابھی ڈگر کچھ بھٹ جاتا ہے۔ لیکن گھوم کر پھر حملہ کرتا ہے)

آجیسی: یہ اتنے لوگ بیان کیوں اکٹھا ہو گئے ہیں صاحب؟

کُتبِ فروش: (خفے سے بے قابو ہو کر) آپ ہی کی طرح کے جاہل ہیں، ایک جاہل کا کلام سننے کے

یہ جمع ہو گئے ہیں (ابھی سٹ پٹا کر چلا جاتا ہے۔ لوگ تہقیر لگاتے ہیں) ایک سے ایک چلا آتا

ہے۔ جمع سے ملان کھول کر بیٹھے ہیں۔ جرمی ہے طرح طرح کے سوالات لے کر پہنچ جاتا ہے

خرید و فروخت کی بات ہی نہیں، لاجل و لا قرة۔

گورکھ

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کھینچے

بیٹھے ہیں سجدوں میں منستے۔ پچھا، پچھا

تجے ہیں کے ہاتھ میں تیسری کو پھرا

عابد بھی دھڑول کی مبادت ہے کر رہا

زاد بھی اگلتا ہے دما پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

نٹ کھٹ اچکے چود دغا باز راہ مار

سب اپنے اپنے پرکھ کتے ہیں کاروبار

عیار جیب کترے دغا باز ہوشیار

کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار

بی بھی آرتی ہے چرا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

انکا سپاری خوب خجماعت میں ہے جگر

رٹا ہے تو پتیر ننگوں میں آں کر

دو بھی اسی کے واسطے ہے تیغ اور تبر

کھا آ ہے زخم خون میں تر ہے تیر تر

آخر کو صہمی سے ہے کٹ پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

دلفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے ہیر

کمانے کی ساری مدتی کھانے کی ساری ہیر

مانے کوئی حرم کو کوئی پوجتا ہے دیر

کتا ہے صاحب فقیر بھی سے کر دوائے خیر

با! کچھ آج بھ کو دلا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

دیو جی کے پاس منصب جاگیر دال چاہ

کھانے کی ماکھدتی کمانے کی ساری چاہ

خواب میں ان کے ہاتھ کیوں میں سدا نباہ

دیکھا جو خوب خود سے ہم نے تو داہ داہ

معتوق بھی کر سے میں دنا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

فاضل کے فضل میں بھی ہیں کی ہے اتجا

قلمی دن گزار سے ہے لڑکے پڑھا پڑھا

عابد بخوی کا بھی اسی پر ہے مدعا

شاعر بھی دیکھے تو قہیدے سنا سنا

کما کیا کر سے دھن دنا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

جن کا نام ہر اے وہ ہنستے ہیں شل پول

جیتک نہ ہی گڑھے میں ٹپے اگے خاک حول

خالی ہے جس کا پیٹ وہ ننا ہے ہر طول

سوجھے محرم زدیہ نہ اللہ نے رسول

جھکا کر سے سو بکا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے
 کرتا ہے کوئی جو دجنا پیٹ کے لیے سستا ہے کوئی بیخ دلا پیٹ کے لیے
 بکسا ہے کوئی کرو دجنا پیٹ کے لیے پترا ہے کوئی بے سرو پا پیٹ کے لیے
 جو ہے سو رہا ہے خدا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے
 زردار مال دار گدا شاہ کیسا وزیر سردار کیسا غریب تو نگہ ہو یا فقیر
 ہر دم سبوں کو دیکھا اسی سال میں امیر اپنی ہی دماغے شبہ لفظ سے منتظر
 دیکھے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے
 (فیروز کا گانا ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ککلی والا بائیں راستے
 سے بہت تیزی سے داخل ہوتا ہے۔ چہرے پر بشارت
 ہونٹوں پر گانا۔ اس کے پیچھے بچے شور مچاتے ہوئے لیک
 تقاریب داخل ہوتے ہیں۔ ککلی والا پاؤں داسے کی بیچ پر
 بیٹھ جاتا ہے اور بڑی خوش آہانی سے گانا کر ککلی میا
 ہے۔ تنظیم کا ہر نود چار آدمیوں کو ککلی کا فریاد بابت ہے)

ککلی والا

پہننے نہ اس کو ہرگز کابل دے کی ککلی نے پورب اور پچھم غربی جبرے کی ککلی
 نے نہیں کے پے کے اد نے دے کی ککلی نے کن اد نہ ہرگز اس سے پے کی ککلی

کیا خوب نرم مذاک اس اگر سے کی ککلی

اد جس میں خاص کافر اسکا دے کی ککلی

کیا بیاری بیاری مٹھی اہر تپتی تپتیاں ہیں گھنٹی پوریاں میں شیم کی تکیاں ہیں

فراوانی نگاہیں شیریں کی ہنسیاں ہیں مجوز کی سسواہیں ایسے کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اوجھیں یہ خاص کافر اسکندر سے کی ککڑی

کوئی ہے سیدھی اُل کوئی ہری بھری ہے پکھراج منخل ہے تپتے کو تر تھری ہے

ٹیٹھری ہے سو تو چوڑی وہ ہری سر کی ہری ہے سبھی ہے سو وہ اردو رانجھا کی ہنری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اوجھیں یہ خاص کافر اسکندر سے کی ککڑی

چھوٹے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکھی ہے گرمی کے اپنے کو اک تیر کی سری ہے

آنکھوں میں کھینچے ٹھنڈک ہری بھری ہے گلڑی نہ کئے اس کو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اوجھیں یہ خاص کافر اسکندر سے کی ککڑی

بیل گھس لکھی نازک جوں زلف بھی کھائی بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خستاس یا کر رانی

دیکھ اس کی اپنی زری یا ریکی اور گلگانی آتی ہے یاد ہم کو خوب کی گلانی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کافر اسکندر سے کی ککڑی

جو ایک بار یاد اس جا کی کھائے گلڑی پھر جا کہیں کی ہرگز اس کو نہ بجائے گلڑی

دل تو تغیر غش ہے یعنی منگائے ککڑی ککڑی ہے یا قیامت کہا کچھ اٹھے گلڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کافر اسکندر سے کی ککڑی

(پچھ کے درد اٹنے سے گماتا نا چتا نمل جاتا ہے۔ امیں

ہستے سے تر لہز جلا کاتے ہوتے داخل ہوتا ہے اور

دائیں سے باہر چلا جاتا ہے)

ترقبہ والا

کیوں نہ ہو سبز زمرہ کے برابر تریبند
 کہتا ہے خلک کیلئے کے تئیں تر تریبند
 دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تریبند
 جس طرف دیکھے ہنسنے سے ہے بہتر تریبند

اب تو بازار میں بچتے ہیں مسر اسر تریبند

(چلا جاتا ہے)

لڈو والا : (بائیں راستے سے گا آہوا آتا ہے)

ہم کو تو بھی گے دل سے خوش اے تل کے لڈو
 جیتے ہے تو یاد پھر کھانے تل کے لڈو
 کوچے گلی میں ہر جا بیکو اے تل کے لڈو
 ہم نے بھی گڑھ لگا کر بندھو اے تل کے لڈو

(اچھے کے دردانے سے نکل جاتا ہے)

ابرتن والا اپنی دکان ہی پر ٹھکا بجاتے ہر تے گانا شروع

(کہتا ہے)

برتن والا :

کوئے برتن میں کیا ری گمش کی جس سے کھلتی ہے ہر گلی بن کی
 بوند پانی کی اُن میں جب کھسکی کیا وہ پیاری صد بچے بن کی
 آؤنگی جی کی اور تری تن کی
 واہ کیا بات کوئے برتن کی

کوڑے کوڑوں کو دیکھنا علم میں کوڑے معصومی کے بھرنے غم میں
یوں رہ رہتے ہیں ایکے زہمیں جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کوڑے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے دوستو یہ بھی بات انی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کوڑے برتن کی

خاک سے جینڈاں کو گڑھتے ہیں بندگی سے یہ اپنی بٹھتے ہیں
کوڑوں پر پھول ہار چٹھتے ہیں سوردنمیاں ہر دہر پٹھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کوڑے برتن کی

کوڑوں پر جو نظیر جو بن ہے جو جسے ہیں کہاں کہ کھنکھن ہے
جس گھڑوئی پہ کونہ اسن ہے وہ گھڑوئی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کوڑے برتن کی

پتنگ والا (موج میں آکر)

ہاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا طیرے سے ہر مکان میں بنا پتنگ کا
ہوتا ہے کترنوں سے بنا پتنگ کا کرتا ہے تادرن کوڑا پتنگ کا

کیا کیا مکوں میں شہد محبت اپتنگ کا

ہر لحظہ اس ہمارے دل میں ہے گسرا بلبل بھولے گھن جسے ہر ماہ سے مستلا

گماں گھٹنے کی بھی صفت اکبڑوں میں کیا گماں جو حشمت کہیں روکتے ہیں بر ملا

چہ دل میں خوب ستون بڑھا پتنگ کا

اڑنا ٹکڑیئے کا ہے کچھ ایسا ارجمند گھٹنے سے دیکھنے جسے آوے ٹکڑی بند

ادب چاند آئے کی بھی چمک چاند سے مدد اڑنا پہاڑیئے کا بھی بھروسہ تلم بند

اکھڑے تو پھر خاک پہ ہویا پتنگ کا

اڑنا گھمڑیئے کا بھی میں کیا کروں بسیار نکلیں رنجت پہ جسے چڑھ کر گھمڑیاں

ادب سے مدد حاصل کیے کی بھی کچھ لہان بان حیران جو جس سے تیغ نگاہ پر یضال

پھر کس طرح نزل ہو دوانا پتنگ کا

کھتا ہے جو پتنگ تو پھر لٹنے اسے دو دو ہزار دڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے

کاغذ نہ اساماتا ہے یا کھڑے کانپ کے جب اس طرح کی ریر جھلا ان کے پٹے

پھر سوچئے تو ہے کیا ٹھکانا پتنگ کا

اس اگر سے میں یہ بھی تمانا ہے دلہنڈی ہوتے ہیں دیکھنا اول سے خود داد کبیر

کیوں کر نزل پتنگ کی جو ٹھکانے میں کبیر خواہ کے دیکھنے کے لیے کیا یہاں نظیر

چہ یہ بھی ایک طرف بہانا پتنگ کا

(ایک ایک پس منظر سے نذر میری سستی کی آغوش بلند جوتی ہیں ہلکی

ڈھول کی آواز پر قدم کرتا ہوا میں ماسکتے سے داخل ہوتا ہے

سر پر بیٹھ ہے اداس کے ساتھ بندر کے بجائے ایک

بچہ ہے . مادری ایٹج کے بچے میں اگر رنگ جاتا ہے اور تال

پر بیٹھ یکا یک سر سے پھینک دیتا ہے . اس نے بیٹھ

کے نیچے گاڑھی ٹوپی میں کئی تھی جو بیٹھ کے ہٹتے ہی ہلایا

جوتی ہے . ساتھ ہی ہاتھ کے سونے کو سستی کی تال پر

ایک جھکا دیتا ہے تو اس میں سے ایک ترنگا کھل کر فضا
میں لہرانے لگتا ہے۔ ماری کا ناگ آتا ہے اور کھین نکھاتا
ہے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں)

ماری :

کل راہ میں جلتے جو پلا رہیجھ کا بچہ سے آئے وہیں ہم بھی لٹھاریجھ کا بچہ
سوتھیں کھا کھلکے پلا رہیجھ کا بچہ جس وقت بڑا رہیجھ ہوا رہیجھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا رہیجھ کا بچہ

تھا اقد میں اک اپنے سوان کا جو سوزنا وہ ہے کی لڑھی جس پہ مگر کئی تھی سسرایا
کا ذرے پہ چڑھا بھرننا اور اقد میں پیالا بازار میں سے آئے دکھانے کو تماش
آگے تو ہم اور پچھے چسپلا رہیجھ کا بچہ

تھاریجھ کے پیچھے پہ وہ گنا جو سلسر ہاتھوں کی کڑے سونے کے بجتے تھے جھک
کانوں میں دُور اور گنگر وٹھے پاؤں کے اُخند وہ ڈھکی رشیم کی بنائی تھی جو پُر زور
جس ڈور سے یاد تھا بندھا رہیجھ کا بچہ

بھگلا وہ چمکتے تھے پچھے میں کن پھول مقیش کی دلیوں کی پڑی بیٹھ اور جھول
اور انکے سوا کتے بھائے تھے جو گل پھول ہیں لوگ گے ہشتے تھے سراؤنگی مدھو جھول
گسرا وہ پر ہنسا کہ نہ تھا رہیجھ کا بچہ

کتا تھا کئی ہم سے یہاں آؤ چھند اب کیا جوئے آگے جو تھا کہ تھے وہ بند
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پتہ یہے قند ہاں چھو دیا ابا انھیں جھنگے کے اُخند
جس دن سے ۔۔۔ یار رہیجھ کا بچہ

دست میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سرحانا رٹنے کے سواناج بھی میں کو ہے سکایا
یہ کہ کے جو دفنی کے تئیں گت پر بکایا اس ٹھبے لے چو کہ بگٹ ہیں نپایا

جو سب کی نگاہوں میں کھپا رکھے گا بچہ

پیراغ کے وہ راگ بھی گایا کہ وہاں آہ
پیر کر وانا چا تو ہر اک بولی زباں آہ
ہر چار طرف سے تھے کسے ہر دو جواں آہ
سب سنس کے یہ کتے تھے لہ لہ میاں آہ

کیا تم نے دیا خوب نچا رکھے گا بچہ

پیر ہم نے اٹھا اٹھ کر ڈوں کو جو ہلایا
نعم ٹھونک پہلوں کی طرح رٹنے کو آیا
پٹا وہ تو کشتی کا ہنسر ان دکھایا
وہ چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو بھایا

ہم بھی نہ سیکے اور نہ تھکا رکھے گا بچہ

پھر کشتی کی ٹھیری تو وہیں سر کو جو بھارا
لگاتے ہی اس نے ہیں آن لتاڑا
گدہ ہم نے پھارالے گدہ میں نے بھارا
اک ڈیڑھ پیر جو گیا کشتی کا اکھاڑا

گو ہم بھی نہ اسے نہ ہٹا رکھے گا بچہ

ان داؤں میں بیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر
یوں بڑے روپے سے کہ اندھی میں گویا بیر
سب نقد ہوئے اُکے سوا لاکھ روپے ڈھیر
جو کتا تھا ہر اک سے ہی طرح سے منہ پھیر

یارو تو رٹا دیکھو زرار رکھے گا بچہ

جس دن سے نظیر اپنے تو دل شاد یہی ہے
جاتے ہیں جدھر کو ادھر ارشاد یہی ہے
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایما دی ہی ہے
کیا دیکھتے ہو تم کھڑے سستا دہی ہے

کل چوک میں جن کا تھا رٹا رکھے گا بچہ

(جیسے وہی مداری ہیٹ پیٹنگ دیتا ہے بازار
میں ایک ٹھیل جوتی ہے اور گانے کے دوران میں بازار
میں بہت سی تبدیلیاں ہوجاتی ہیں۔ کتب فروش اپنی
دکان سے کتب خانہ "بلد" کا سامن لوڑ ٹیکال کر باہر
جاتا ہے اور ایک دوسرا بورڈ لاکر دکان پر لگا دیتا

ہے اس پر لکھا ہے :

DIARIS FOR 1954 AVAILABLE AT

20TH CENTURY BOOK DEPOT

اس میں ہندسی اپنی دکان میں آرٹ میٹن - گک ایلز بقہ
گانڈھی جی، پٹارت نہرو، تریا اور رگس کی تصویریں۔ ان کی
تصویروں والے کیسٹنگ ٹائیسٹ ہے ایک آدمی ٹائیکل
یہے ان کی دکان پر کھڑا ہوا ہے۔ ورزی باہر جا کر
آندہ کی ایک نشین دکان میں آئے آجے۔ جیویں حدی کے
آدمی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اسوٹ باجول دار امریکن
بش ٹرٹ پیسے۔ مگر ٹ کا دھول اڑتے۔

اسی ہنگامے میں ہولی گانے والوں کی ایک ٹولی آتی ہے
ان میں کچھ مرد عورتوں کے لباس میں بھی پیچھے کے دروازے
سے آتے ہیں اور اسٹیج کے نیچے میں آکر کاتے بجاتے اور
تھرکتے اچھے ہیں اور فضا کو گال اور کوسٹی کے شہ سے
رنگین بناتے مجھے ایں داکتے سے نکل جاتے ہیں (

ہولی گانے والے

جب پہاگن رنگ چمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پاریوں کے رنگ دکھتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
نم شیشے جام چمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

محبوب نشے میں چمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہوں کی

ہزناہ رنگبیلی پر یوں کا بیٹھے ہوں گرو رنگ بھڑے
کچھ بیسیگی تائیں ہوں کی کچھ ناز و ادائے ڈھنگ بھڑے
دل بھڑے دیکھ بہاؤں کو اور کازوں میں آہنگ بھڑے
کچھ بیٹے کھڑکیں رنگ بھڑے کچھ پیش کے دم منچک بھڑے

کچھ گھنگر و مال چھنکے ہوں تب دیکھ بہاریں ہوں کی

ساان جہاں تک ہوتا ہے اس محشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب ساان جہا ہوا اور باغ کھلا ہو خوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس پیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوہوں کا

کیڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہوں کی

گھزار گھٹے ہوں پر یوں کے اور مجلس کی تیاری ہو
کیڑوں پر رنگ کے سینوں سے کھنکھنکے جب گھلائی ہو
حلال گلابی اکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پھکاری ہو
اس رنگ بھڑی پھکاری کو انکیا پر تکے ماری ہو

سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہوں کی

اس رنگ رنگبیلی جھس جھس رنڈی ناچنے والی ہو
منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھیں بھڑے کی بیانی ہو
بدست بڑی متوالی ہو ہر آن بھاتی تالی ہو
سے فونخی ہو بے ہوشی ہو بھڑوے کے منہ میں گالی ہو

بھڑوے ہی بھڑا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہوں کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بیویوں کے لڑکے
 ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کھ گٹ گٹ کے کھڑکھڑکے
 کچھ ناز جتا دیں لڑا لڑکے کچھ ہوئی گاویں اڑا لڑکے

کچھ کافر تین مسٹکے ہوں تب دیکھ بہا میں ہوئی کی

یہ لوگ گاتے بجاتے ایسے ماستے سے نکل جاتے ہیں
 ان کے ہٹتے ہی پیچھے کے دروازے سے آنے ہوئے
 بچوں پر نظر پڑتی ہے یہ بچے ایک بولس کی صورت
 میں تقارور تقارور خارشمی سے آتے ہیں اور ایٹج پر دایں
 یسے سامنے بیچ میں اور پیچھے ایک خاص ترتیب
 سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے جسم پر صیغے ہیں
 چہرے پختی اور افسردگی ایک ہاتھ میں بھیک کے
 ٹھیکرے اور دوسرے میں مختلف عنوانات کے اٹھند
 بورڈ اور پیکارڈ ایک کے ہاتھ میں نظیر کی تعداد تصویر
 ہے دوسرے کے ہاتھ میں ایک اعلان نامہ

یوم تطہیر!

انڈیا پاک شاعرہ

کسی کے ہاتھ میں ترنگا ہے۔ اور کسی کے ہاتھ میں یوم
 آزادی کا ایک پیکارڈ

ان بچوں کے بالکل جیسے فقیر آدمی نامہ لگاتے ہوئے
 اند آتے ہیں انہیں جسم میں دھرت بیٹج پر کے سب رنگ
 شامل ہو جاتے ہیں بلکہ بیٹج کے جیسے کام کرنے والے بھی

نظم کے دوران ہر کچھ لوگ مال سے اٹھ کر بیچ پر
 آتے ہیں اور کدو کس میں شریک ہو جاتے ہیں ہر بند
 ایک نیا آدمی اٹھا آہے اور ٹیپ کے بند میں سب
 ایک ساتھ تین بار دہرتے ہیں اور منس دگدا ہے سو
 ہے وہ بھی آدمی ان کی آواز میں ترجمہ کے بجائے توت
 ادم عزم کا جذبہ شامل ہے)

کو کوس

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اور منس دگدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 نودار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 ٹکڑے ہر باگ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 یں آدمی ہی ناچے اور آدمی ہی نور
 یں آدمی ہی پکس ہے اور آدمی ہی دور
 ہے آدمی کا حسن میں قبیح میں تصور
 شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے کردو
 ہادی دنیایا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بسائی ہے یا میاں
 بننے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
 قرآن آدمی ہی پڑھیں اور نمازیوں
 اعد آدمی ہی ان کی چراتے ہیں بوتیاں

جوان کرتا تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پر جان کو دالے ہے آدمی
اور آدمی پر تیغ کو تلے ہے آدمی
پگھٹی بھی آدمی کی آٹے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی

اور کس کے دورڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چتا ہے آدمی ہی سا فرسوسے ال
اور آدمی ہی لہے پیمانہ گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی مید ہے اور آدمی ہی جال
ستیا بھی آدمی ہے نکلتا ہے سیر لال

اندھ بھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نعیم برول لے ہے بار بار
اور آدمی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراہی جوتیاں دھڑے نعل میں مار
کانڈھے پر رکھ کے پالکی ہیں دھڑے کمار

اور کس میں جو چڑھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکائیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر نہ خواہنا
کتاب ہے کوئی نہ کوئی کتاب ہے لائے لا
کس کس طرح سے نیچے ہیں چیزیں بنیانا

اور مولے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یلاں آدمی ہی قر سے لڑتے ہیں گھوڑ گھوڑ
 اور آدمی ہی دیکھ نہیں جانتے ہیں دُور
 چاکر سلام آدمی اور آدمی مزوڑ
 یان تک کہ آدمی ہی اٹلتے ہیں مزوڑ

اور اس نے جو پیرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہے بے بہا
 اور آدمی ہی خاک سے بدر ہے بڑ گیا
 کلابھی آدمی ہے کہ اسٹل ہے جوں تو
 گور ابھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا

بد شکل و بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہی جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں
 روپے کے ان کے پاروں میں سننے کے فرق ہیں
 جھکے تمام غرب سے لے تاہ شرق میں
 کمنواب تاش شال و شالوں میں غرق ہیں

اور جیٹروں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرتے ہی آدمی کا گھن کرتے ہیں تیار
 نطاد و حلا اٹھاتے ہیں کاغذ سے پہ کر سوار
 کلمہ بھی پڑھتے سہاتے ہیں بونے ہی زانٹاد
 سب آدمی ہی کرتے ہیں مرے کے کاروبار

اور جو کہ مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کینے سے لے تاہ آذیر

یہ آدمی جی کرتے ہیں سب کام دلپذیر
 یوں آدمی سرمد ہے اور آدمی برکات پیر
 اچھا بھی آدمی ہی کہتا ہے اے منظر
 اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اور نفس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اور نفس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اور نفس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
) گانے و ہون کی لہلاہ سازوں کی صد ایکبارگی بہت
 اونچی اٹھتی ہے۔ اد بہت تیز لکھے پر وہ گرتا ہے



لباس

فقیر: کھٹی، لمبی ٹوپی، تمہارے گلے میں بڑے تریوں کے اسے۔ کانوں میں اے۔ کندھے پر کشکول۔ بات ہی کرے اور ڈنڈا۔

ککڑی والا: اونچی سی دھرتی۔ میلا سا کرتا۔ سر پر پگڑی نالیک انگوچھا۔
 ترلوڑ والا: اونچی دھرتی۔ میلا سا کرتا۔ اوپر ایک پرانی سی سرزئی۔ سر پر ایک بیٹے
 کپڑے کی پگڑی۔

لڈو والا: بہت سی دھرتی۔ میلا کرتا۔ سر پر کالی ٹوپی سی سی۔
 برتن والا: اونچی سی دھرتی۔ ادھی استین کا شلوکا۔ سر پر تپائی سی پگڑی۔
 پتنگ والا: سلیم شہزی جوتا۔ چست پاجامہ۔ گل کا پھولدار کرتا۔ کاہرا صدی۔ پلے دار
 ٹوپی۔

مداری: لانگ بوٹ، دھرتی، خاکی رنگ کی میٹیا کی فرجی قمیض۔ پُرانے زمانے کا لمبا
 سا پُرانا کوٹ۔ ہیٹ (پُرانی سی) جھولا۔ ڈنڈا ڈگڈگی۔
 بندہ: بندر کا لباس کپڑے کا یا ہٹ اور ماسک چہرہ۔

کشت فرخوش: سلیم شہزی جوتا۔ اونچا سا شرمی پاجامہ۔ نیما نیچا کرتا اگر سے یا کسی اور
 رنگ کا (موروں والی ٹوپی۔ کندھے پر بڑا سا دال۔

شاعر نما آدمی: سلیم شہزی جوتا۔ کاہرا چست پاجامہ۔ کرتا انگرکھا یا اچکن مخمل کی
 کشتی نما ٹوپی۔

برجمولی: سلیم شہزی سا داجا۔ شرمی پاجامہ۔ کرتا انگرکھا یا اچکن۔ دوپٹی ٹوپی۔
 تذکرہ نویس: سلیم شہزی ساہ جوتا شرمی پاجامہ۔ لبا کرتا۔ صدی۔ جیبی گھڑی سے

زنجیر قطب نما۔ عبا۔ عمار۔ سنہرے فرم کی چھوٹے سفید سیخڑوں کی سینگ۔ پرانی
وضوح کی چھڑی۔

پتنگ کا گلوبک : سلیم شاہی کا مدار جو تا۔ چیت شفات پاچارہ۔ رنگین کمر بند۔ مل
کا کرتا پھولدار۔ شترخ رنگ کی مدری۔ سر پخمل کی کشتی ناٹھی۔
گھوڑوں کا آجر : پرانا سا مضبوط سلیم شاہی جو تا۔ گھوڑی چیت پاچارہ۔ انگوٹھا۔ سپاہیانہ
انداز کی گڑھی۔

راہگیر : اچن کرتا۔ پاچارہ۔ ٹوپی۔

کتاب کا گلوبک : پاچارہ۔ اچن کرتا۔ پگڑی۔ چھڑی۔ سلیم شاہی جو تا۔

پان والا : کرتا۔ دھرتی۔ دوپٹی ٹوپی۔

دیہاتی : پگڑی کرتا۔ دھرتی۔ صدی۔ شال۔ ڈنڈا

ریچھ والا : پٹا سڑا گرم کوٹ۔ پیٹی ہرنی بریٹ (نیچے گاڑھی ٹوپی پیزنگی پتلون بوٹ۔

ریچھ : کالا کبل اور ماسک (ریچھ کا چہرہ)

لڑکی : رنگین چیت پاچارہ۔ ڈھیلا ڈھیلا سا رنگین کرتا چھوٹی سسی اور جمنی۔

اجسنی : دوپٹی یا کا مدار محل کی ٹوپی۔ پھولدار سفید کرتا چیت پاچارہ۔ رنگین کمر بند

سیاہ پینٹ کا پب یا کا مدار سلیم شاہی جو تا۔ ایک آتھمی رنگین دوال۔ دوسرے آتھ

کی کٹائی میں پھولوں کا گھرا۔



سامان

کھلون کی دکان : طرح طرح کی جملہ اور غیر عمد کتابیں - جریٹر - قلمدان - جنتراں وغیرہ
چند قطرے تاکسی کے قطعات - رباعیاں یا متفرق اشعار -

پتنگ کی دکان : طرح طرح کی دھکین مادی - چھوٹی بڑی تند و منح کی پتنگیں - ڈور - جھانجا
جرخاں -

برتن کی دکان : طرح طرح کے چھوٹے بڑے مٹی کے برتن - انڈیاں - پتھریاں - پیالے
کوڑھے - گھرٹے - گلے وغیرہ -

پھول کی دکان : طرح طرح کے رنگین اور سفید چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں ہیں - پھولوں
کے چھوٹے بڑے ہار (کاندن پر لکھے تھئے) پھولوں کے مختلف وضع کے زیور کیلئے
کے پتے -

پان کی دکان : پیس کے شفاف برتن - لکھا ہوا یا لکھنے کے لیے (چھوٹی چھوٹی پیل کی پالیاں
جس میں لوبک - الہی تباک اور پان میں کھانے والے متعدد قسم کے ماسے -

کتنی رنگ کا پائسنگ تول کا کپڑا پیل کا ایک بڑا برتن - جس میں پانی بھرا جو - پیچھے ہوئے
سرخ کپڑے پر بنے ہوئے اور ماسے ہاں - نہواں - کرن دیشوا اور شکر کی رنگین تصویریں
پینٹر کی دکان - چھوٹے اور چھوٹے آرٹ کی تصویریں - اسٹیڈ - پروہ - برس اور رنگ
کی پالیاں -

ککڑی والا : ایک ٹوکری - اور اس میں ہری ہری گلہیاں -

تربوز والا : ایک بڑا ٹوکرا - اس میں دو ایک ثابت اور ایک آدھ کاٹھا ہوا تربوز -

لٹو والا : بوسے کی ایک تھالی - لٹو اور اس کو زمین پر رکھنے کے لیے ایک اسٹیڈ -

بندر: ایک پٹر اسٹول چھوٹا سا آئینہ -
 مذکورہ نوٹس: ایک ناول تھوڑے سے ٹکے اور بغیر ٹکے ہوئے کاغذات -
 شاعر نیا آدمی: ایک مایوس -
 رائیگر: ہاتھ میں ایک پرانی ہی کتاب -
 دندہ کی دکان: جیسے بن سے بہت سے کپڑے۔ کچھ تیار ہجو دیوار پر لکھے ہوں گے اور کچھ
 قطع کیے ہوئے سوئی: ناگاہیقی۔ فیتہ۔ (کپڑے کا) اشیں کپڑے سینے کی۔ وقت بدلنے پر
 پتاری کی دکان: دریاں راناج کی اکھی کے کنتر۔ ٹوکر لیں ہی مرج ملک اور دوسرے
 ماسے۔ اجار کے ٹکے۔ اجار کا پھٹی ہڈی۔ اجار دینے کے پلے۔
 کتب فروش: مسلمان شعرا اور صوفیوں کے اقوال۔ اشعار۔ قطعات طغزوں کی شکل
 میں۔ تاج۔ قطعہ اگرہ اور فتح پور سیکری کی عمارتوں کی تصویریں۔
 ہولی کھینے والے: تمالی۔ گول۔



اس منخب ہمارے میں

سعادت حسن منٹو



کردار

بیگم : ماں

امجد : { بیگم کے بیٹے

مجید :

سعیدہ : امجد کی تہی نوبلی حسین بوی

اصغری : خادمہ

کریم اور غلام : نوکر



پہلا منظر

دنگار دولا کا ایک کمرہ — اس کی خوبصورت سفید
 گلی کھڑکیاں پہاڑ کی کڑھلو، زون کا طرت کھلتی ہیں اور قطر تک
 پہاڑ نظر آتے ہیں جو آسمان کی خاکستری اُبل نیا ٹرٹوں میں گھل
 مل گئے ہیں۔ کھڑکیوں کے ریختی پردے صبح کی گلی بنگلی بڑا سے
 چھلے بڑے سرسرا رہے ہیں۔ یہ کمرہ جیسا گماندہ سا ان سے
 معلوم ہوتا ہے۔ جلد عرصی میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ وہیں آتھ
 کو کھڑکیوں کے پاس ساگون کی سہری ہے۔ اس کے ساتھ ہی
 لیک کرنے میں بیٹھے کی تپائی جس پر لوب کی مرچی اور گھاس کے
 علاوہ ایک اُٹم نہیں رہی ہے۔ جیسے بیٹ کر پیاز کی ٹھنڈے میں
 جیوس مرد بیٹ ہے۔ اس پر دو لارم گدیاں سجایے ہیں۔
 اس سے نو درہٹ کر ایک نوجوان خادمہ جو معمولی شکل و صورت
 کی ہے۔ آتش دہان پر سونٹا بیڑنی مختصر جیزوں کو اور زیادہ
 سہانے کا کرشنش کر رہی ہے۔ کمرے کی فضا میں ایسی دلچسپی
 چھ بوند اسی جیش سے نکل جیت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔
 باہر سے ٹافٹوں پر گھڑی کی گھنٹی نہیں مڑوں کی آواز آتی ہے۔ تینوں
 خلوں کچے سے رد عمل کے بعد اپنے اپنے کام میں مشغول
 رہتے ہیں — دروازے سے ایک ادھیڑ عمر کی
 و جیہ رحمت بیساکھوں کی ہر سے اندھا آتی ہے اور کمرے کا

دباڑے کو اپنے اطمینان کا اظہار کرتی ہے)

بیگم صاحب : اسیا کیوں کہ مدد سے کمرے میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے تمام چیزوں کو صحیح مقام پر دیکھ کر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے (ٹھیک ہے) !

۱) ایک بیگم کو اپنی نینل سے الگ کر کے صوفے کے بازو کے ساتھ رکھ کر بیٹھنا چاہتی ہے۔ مگر فرور آری اپنا ارادہ ترک کر دیتی ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ سہاگے کے لیے صوفے کے بازو کی چمکی سطح کے ساتھ چھوا تھا۔ اور اس پر نشان پڑ گیا تھا۔ اپنے دوپٹے کا ایک کونہ بکڑ کر وہ پتھر نمودارٹ جانے والا نشان بکھا دیتی ہے۔ اور پھر بیگم کی نینل میں جھا کر نور جان مادہ سے مخاطب ہوتی ہے۔

اصغری :

اصغری : (فرور متوجہ ہو کر آہی)

بیگم صاحب : (ایک دم چمکی سے زلہ کوہ بخول کہتی ہے۔ کہ اس نے اصغری سے مخاطب کیوں کیا تھا) میں کیا کہنے والی تھی ؟

اصغری : (سکتا ہے) آپ یہ کہنے والی تھیں کہ آپ کا اطمینان نہیں بڑا بیگم صاحب : (سکتی ہوں بیگم صاحب) وہ اس بہت خوبصورت ہے اس کمرے کی تمام سہاڑ میں ہی کے سامنے ماند پڑ جائیں گی۔

(وہ آتش دان کے عین درمیان میں لٹکتی ڈویروں سے آویزاں دہلیں

کی تصویر کی طرف دیکھتی ہے)

بیگم صاحب : (سکتا ہوں) آتش دان کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ اللہ ہی ہو کہ تصویر کو فرور

سے دیکھتی ہے طرز ہوتی ہے۔ لیکن ایک دم گھبراہٹ جاتی ہے) اصغری :

اصغری: جی!

بیگم صاحب: صبح سے میری طبیعت — کچھ گھبراہٹ ہو رہی ہے۔

اصغری: اجد میاں جو آسے ہیں، اپنی دامن کے ساتھ!

بیگم صاحب: (اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی) اہ! — بس آنے ہی والا ہے — کمال

مورٹیکو گیا ہے اسٹیشن پر۔

اصغری: اگلے سال مجید میاں کی شادی کر دیجئے — گھر میں رونق مہو جائے گی۔

بیگم صاحب: ایشادائے — وہ جس وقت اللہ اسی طرح بخیر و خوبی انجام پائے گی (انیرب)!

ایشادائے!

اصغری: (دومن کی تصویر کی عورت دیکھتی ہے۔ ادا اس کے حسن سے بہت متاثر ہوتی ہے) اللہ نظر بد سے

بچائے۔

بیگم صاحب: (غیر ارادی طور پر قریب قریب چیخ کر) اصغری!

اصغری: (سہم کر) جی!

بیگم صاحب: کچھ نہیں — گاڑی کب آتی ہے کراچی سے؟

اصغری: معلوم نہیں بیگم صاحب۔

بیگم صاحب: (ایک خادم سے) دیکھو کریم! ترمیٹیل فون کرو۔ اور پوچھو — لیکن گاڑی

توکل ہی کی راولپنڈی پہنچ چکی ہے — مجید کا تاجو آیا تھا۔

کریم: جی ہاں!

بیگم صاحب: اور میں نے کمال کو کس اسٹیشن پر بھیجا ہے (گھبرا کر) خدا معلوم میرے داغ کو کیا ہو گیا ہے

— اجد میاں کو رات راولپنڈی ٹھہرانا تھا — اپنے دوست سعید کے

پاس — اور وہ تو میرا خیال ہے۔ اب وہاں سے چل ہی چکے ہوں گے (ادھر سے

خادم سے) غلام محمد!

غلام محمد: جی!

بیگم صاحب: تم دیکھو کمال کہاں ہے ——— موش کہاں لے گیا ہے؟

غلام محمد: بہت اچھا!

(چلا جاتا ہے)

بیگم صاحب: (اصغری کے کاڑھے کا سہارا لے کر) آج صبح سے میری طبیعت ٹھیک نہیں۔۔۔۔۔۔
چلنے پھرنے سے سوزھ نہ ہوتی ——— اس کنبخت ڈاکٹر پر ابیت اللہ نے مجھے منع نہ کیا
ہو تا تو تین دو ماہ کو اپنے ساتھ لاتی (دوڑے میں فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے) میرا
سنیال ہے شاید امجد میاں کا ٹیلی فون ہے۔ کہ وہ چل پڑے ہیں۔ جادو اصغری ——— بھاگ
کے جاؤ۔

(اصغری دوڑی اور جاتی ہے)

بیگم صاحب: (کریم سے) — اپنی افسروگی دور کرنے کی خاطر ایس آتے ہی ہوں گے مجدد میاں۔
کریم: افسر خیریت سے لائے۔

بیگم صاحب: (قرب قریب چیخ کر) کیا مطلب تمہارا

کریم: (ڈر کر) جی بی بی کہ ——— جی بی بی ———

(اصغری کی چھین سنائی دیتی ہے) ——— "بیگم صاحب"

(بیگم صاحب!)

بیگم صاحب: (سر اسیر ہو کر) کیوں کیا ہوا؟

(اصغری سخت اضطراب کی حالت میں اندر داخل ہوتی ہے)

اصغری: بیگم صاحب — بیگم صاحب۔

بیگم صاحب: (بیا بھوں کو در فون آنتوں سے مضبوط پکڑ کر) کیا ہے؟

اصغری: جی ——— جمید میاں کا ٹیلی فون آیا ہے کہ گاڑی ——— گاڑی ٹکرا گئی ہے۔

بیگم صاحبہ (بیباکھیر) ہاتھوں کی گرفت اور مضبوط ہوجاتی ہے (چہرہ؟
 اصغری: مجیدیاں اہلان کی دہلیں دہلوزخمی ہو گئے تھیں اور ہسپتال میں پیسے ہیں۔
 بیگم صاحبہ (ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے) — بیباکھیاں انہی میں سے گر پڑتی ہیں ایک نسطے
 کے لیے وہ یوں کھڑی رہتی ہے جیسے پتھر کا بُت — پیراں میں تھوڑی سی جنبش ہوتی ہے۔ اور
 وہ دروازے کی جانب بڑھتی ہے (کمال سے کوا، موٹر نکالے) — ہم راولپنڈی
 چھو رہے ہیں۔

(بیگم دروازے کی جانب بڑھ رہی ہے — غلام محمد
 اور اصغری غمگین لگتے دکھتے ہیں۔ اصغری کدو سے صحبتی ہے
 بیگم پٹ کس کی طرف دیکھتی ہے)

بیگم صاحبہ: کیا ہے؟
 اصغری: آپ — آپ جلی رہی ہیں — چل سکتی ہیں۔
 بیگم صاحبہ: میں (اپنی ہنڈوں میں بیباکھیر کی دم بوجھ گئی کا احساس کئے ہوئے) میں — میں
 کیسے چل سکتی ہوں۔

(ایک دم چکراتی ہے اور فرش پر گر کر کہے ہوش ہوجاتی ہے)
 اصغری: (بیگم کے پاس جاتے ہوئے۔ غلام محمد سے) غلام محمد! ڈاکٹر صاحب کو ٹیلیفون کرو۔
 (غلام محمد چلا جاتا ہے) — اصغری بیگم کو
 ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہے)

پتھر



دوسرا منظر

وہی کر رہے ہیں منظر میں ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہیں ساز و سامان پہلے پڑا تھا۔ اب اپنا نیا ٹیلا اپنا کھو چکا ہے۔ اب ہر چیز دیر کی استعمال شدہ معلوم ہوتی ہے — صبح کا وقت ہے۔ کھڑکیوں کے لیشیا پر صبح کی کچی پھلکی ہوا سے سرسراہے ہیں — دائیں ہاتھ نو سا گوان کی سہری پر دو من سیدہ کین اور سے لٹی ہے۔ شیشے کی تیلانی بیڑی ہوائی تھی ٹام نہیں۔ جس میں فریج ہے۔ رزنا شروع کر رہی ہے۔ — کھلی گھنٹی کی آواز پیدا ہوئی ہے۔ — کنبوں میں جینٹ پیدا ہوتی ہے۔ سیدہ کروٹ بدلتی ہے اور آنکھیں کھولتی ہے۔ جھٹک کر نفسی ٹام میں کی طرف دیکھتی ہے۔ اور سکراتی ہے، ایسا کرتے ہوئے اس کے خوبصورت چہرے پر چھائی ہوئی گھنی پلکیں پھیلنے لگتی ہیں — کروٹ بدل کر وہ بستر میں کنبوں کا شمارا سے کندہ اور اٹھ آتی ہے اور باہر خوب نظر تک پھیل ہوئی پٹاریوں کا دلکش منظر دیکھ کر تھوڑی سی مسرت محسوس کرتی ہے — پیر ایک دم اٹھیں چلا کر کین اور سے بٹاتی ہے اور اچانک کر سہری سے اترتی ہے۔ اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔ کسی خوش الحان پرندے کی آواز سنائی

وے رہی ہے — سیدہ اپنے خیموں میں سو
 ہے۔ وہ جوان ہے۔ شبِ خزاں کا ڈھیلا ڈھالاریشمی لباس
 بھی جو اس کے دل سے دور دور اپنی حریری دنیا لگ بسائے
 ہے۔ اس کے خوبصورت خطوط سے غافل نہیں — اور خود
 سیدہ کا ارادہ بھی — — — اس کا سراپا حسین و جمیل
 ہے اور اپنے حسن و جمال سے آگاہ — — — اصغری کی
 کرخت آواز۔ پرندے کی خوش الحانی کا تقابل پیش کرتی ہے

(سیدہ چوکتی ہے)

سیدہ: (نگاہوں پر نگاہوں میں) کیا ہے؟

(پوچھتی ہے)

اصغری: مجید سیال بھی ابی ہسپتال سے آئے ہیں۔ کہتے تھے جا کے دیکھو اب جگ گئی یا نہیں؟

سیدہ: کیا خبر لائے ہیں؟

اصغری: میں نہیں سمجھتی ہوں۔

(اصغری چلی جاتی ہے۔ سیدہ کھڑکی کے پاس بیٹھ کر نگار
 مینے کے پاس آتی ہے۔ آئینے میں ایک ٹھٹھے کے لیے اپنے آپ
 کا جائزہ لیتی ہے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے بچھے ہوئے
 بال سرسری طور پر ٹھیک کر کے سہری کی طرف اہستہ اہستہ
 بڑھتی ہے۔ سہری کے سر ہانے ہیں کا جا جوٹ کا سفید ٹھٹھے
 ٹکٹ ہے۔ اُسے اتارتی ہے اور بڑی بے توجہی سے اپنے
 کانوں پر ڈال لیتی ہے — — — ہا پر سے بڑوں کا چڑی
 آواز آتی ہے۔ بیخبر سے۔ تداعی کے ساتھ سیدہ مدد لفظ

کی جانب دیکھتی ہے۔ — مجید — سانے
 رنگ کا متوسط نوجوان۔ جو متوسط پاؤں رکھتا ہے اور جس
 کے چہرے کے خطوط عمر کے مقابلے میں زیادہ پختہ اور سمجھے
 ہوئے ہیں۔ اندر داخل ہوتا ہے (

مجید : سلام بھائی جان !

سعیدہ : سلام۔

مجید : (صوفے کے پاس آکر رکھتے ہوئے) طبیعت کیسی ہے آپ کی ؟

سعیدہ : (بے دلی سے) ٹھیک ہے (صوفے پر بیٹھ جاتی ہے) سنا بیٹے کیا خبر لائے راولپنڈی سے ؟

مجید : (سعیدہ کے سامنے آکر) کوئی خاص نہیں (آدھی سی آہ بھر کر) بس اب نہیں لے آئیں گے یہاں۔

سعیدہ : کیوں !

مجید : وہ تنگ آگئے ہیں (ایک موٹر گاڑی کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے) اُن کی جگہ میں ہوتا تو

بست ممکن تھا۔ میں نے ضرورتی کر لی ہوتی۔

سعیدہ : (اٹھ کر کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے) کیا معلوم تھا کہ میری قسمت میں یہ لکھا ہے

اتنے آدمی مرے — میں ساتھ ہی مر گئی ہوتی۔

مجید : مگر یہ اللہ کو منظور نہیں تھا۔

سعیدہ : (کھڑکی سے باہر ہواڑوں کا منظر دیکھتی ہے) ہاں ! یہ اللہ کو منظور نہیں تھا —

اللہ کو یہ منظور تھا کہ میری ٹانگ پر رنگی ہی خراش آئے۔ پر میری زندگی رخصتوں سے چور چور ہو جائے۔

(آنکھوں میں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں) — سعیدہ روپٹے سے انھیں پرزائکت طریقہ سے ہولے

ہوئے خشک کرتی ہے) اللہ کو یہ منظور تھا کہ میرے مساک کی کمرٹوٹ جائے۔ اور میں ساری عمر

جو این کٹے ہوئے تنگ کی طرح اڑتی ہوں۔

(سج کیاں لیتی ہے)

مجید : (اٹھتا ہے) مجال جان! اصل سے کام لینا چاہئے — کیا تلبے وہ ٹھیک ہو جائیں؟
 سعیدہ : (سزوش کے طعنے پر) مجید تم لوگ اذکم مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو — پچھا وہ ہو گئے
 ہیں انھیں ہسپتال کی چارپائی کے ساتھ لگے ہوئے — ڈاکٹروں کا ہوفیصلہ ہے۔ میں اسے اپنی علاج
 جانتی ہوں — — — — — وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتے — — — — — ان کی دوائی لائیں بے کار
 ہو چکی ہیں — — — — — لیکن — — — — — لیکن میں ایک بات انتی ہوں۔ کہ ان میں بہت سوجھ بے
 — — — — — میں جب بھی ان کے پاس گئی۔ انھوں نے مجھے پاس بٹھا کر کہا۔ سعیدہ کچھ نظر نہ کرو میں
 بہت جلد تندرست ہو جاؤں گا — — — — — اور پھر میں تمہیں ان چاروں کی سیر کر اؤں گا جن کا ذکر تم
 کر رہی ہیں اتنی باریرے مزے سن چکی ہو — — — — — مجھے ان چاروں سے پیار ہے — — — — — آنا
 پیار ہے کہ تم ان کے متعلق اور سونگ تو رشک کر دو گی — — — — — اور وہ مجھے حوصلہ دینے لگتے
 کہ سعیدہ دنیا حادثوں کا دوسرا نام ہے — — — — — میں تو خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میری جان
 نہیں گئی — — — — — ورنہ — — — — — پھر وہ ایسی بات کہتے کہ میرے دل کے ٹکٹے چھوٹتے
 مجید : کیا؟

سعیدہ : (انٹاک آنکھوں سے غلامیں دیکھتے ہوئے) کرم — — — — — کرم میرے بعد کسی اور کی جرحاؤ گی
 (کانپ جاتی ہے) — — — — — وہ ایسی باتیں کیوں سوچتے ہیں مجید؟

مجید : سلام نہیں۔

سعیدہ : (تیس معلوم ہونا چاہیے) آہستہ آہستہ دم اٹھائی صوفے پر بیٹھ جاتی ہے — — — — — دوپٹہ دھلک آتا ہے
 — — — — — حیرتی لباس میں اس کا منظر سیزویشی آارٹ چھوٹا پیدا کرتا ہے) تم مرد ہو — — — — — تم
 اس کے بجائی ہو — — — — — اگر اس حادثے کے تم شکار ہوتے — — — — — تو؟

مجید : میں کبھی ایسی باتیں نہ سوچتا۔ جو اجد بھائی سوچتے ہیں۔

سعیدہ : کیوں؟

مجید : ہم جھلملہ میں — — — — — تعلق بھائی — — — — — مگر دل اور داغ کے اعتبار سے ہم دونوں بہت

مختلف ہیں۔

سعیدہ : (بڑبڑاتی ہے) دل ————— ادرناخ۔

(اصغری داخل ہوتی ہے)

اصغری : مجید میاں، آپ کو بیگم صاحب بلاتی ہیں۔

مجید : چلو۔ میں آتا ہوں !

اصغری : اندوں نے کہا ہے جلدی آئیے !

مجید : اچھا ————— (سعیدہ کی طرف دیکھ کر) میں بھی آتا ہوں۔

(جیلا جاتا ہے)

اصغری : نرش پرنکھے ہوئے رگ پر سعیدہ کے تداوں میں بیٹھ

جانے ہے اور اس کے پاؤں کی انگلیاں چٹھانا چاہتی ہے)

سعیدہ : (پاؤں ایک طرف کھینچ کر) جانے دو اصغری۔

اصغری : (پاؤں سے قریب قریب پٹ کر) نہیں دو اس بیگم (انگلیاں چٹھانا شروع کر دیتی ہے) کیا خبر لائے ہیں

مجید میاں ؟

سعیدہ : کہتے تھے، وہ یہاں آنا چاہتے ہیں۔

اصغری : یہ تو بڑی خوشخبری کی بات ہے۔

سعیدہ : (دنگ کے ساتھ) اہ !

اصغری : پر بیگم صاحب تو بہت ناراض ہو رہی تھیں، کہ اتنی دیر کیوں لگا دی مجید میاں نے۔

سعیدہ : کہاں ؟

اصغری : یہاں ————— آپ کے پاس۔

سعیدہ : میرے پاس ————— کیا کہتی تھیں بیگم صاحب ؟

اصغری : کچھ نہیں ————— ان کا مزاج آجکل بہت چڑچڑا سا رہتا ہے ————— انہیں کوئی بات

بھی نہیں گنتی — افضی — اجد میاں کا آنا دکھ نہیں جتنا آپ کا ہے — ہر
 وقت آپ ہی کے متعلق سوچتی رہتی ہیں — تو — اجد میاں ٹھیک ہو گئے ہیں؟
 سعیدہ: (چوڑک اپنا پاؤں ہٹا کر اٹھتے ہوئے) ہاں ٹھیک ہو گئے ہیں۔
 (بیگم کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ اصغری اٹھ کھڑی ہوتی ہے)

سعیدہ: سلام خالہ جان!
 بیگم صاحب: سلام بیٹا — جیوتی دہرو۔ (پاس آکر سعیدہ کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے) تمہیں سلام
 دے گیا۔ مجید سے کہ —

سعیدہ: جی ہاں!
 بیگم صاحب: غریب تنگ آگیا ہے، وہاں ہسپتال میں (اصغری کی طرف دیکھ کر) اصغری تم جاؤ۔
 (اصغری پسلی جاتی ہے)

بیگم صاحب: اس کی — اس کی خواہش ہے کہ وہ تمہارے پاس رہے — اس نے مجھ سے
 کہا، اگر مجھ سے مزہا ہی ہے تو میری سعیدہ میری نظروں کے سامنے ہونی چاہئے —
 سعیدہ کی آنکھوں میں سے آنسو چھٹک پڑتے ہیں۔ بیگم کے گلے
 لگ جاتی ہے)

بیگم صاحب: (آنکھوں سے آنسو دلا لیا) وہ تم سے بے اندازہ محبت کرتا ہے — لیکن —
 لیکن اس نے کہا تھا تم سے پوچھ لیا جائے کہ تمہیں اس کے یہاں آکر رہنے میں کوئی اعتراض تو نہیں؟

سعیدہ: اعتراض —!
 بیگم صاحب: ہاں بیٹا — ہو سکتا ہے۔ یوں تمہارے دکھ میں اضافہ ہو۔
 سعیدہ: وہ ایسا کیوں سوچتے ہیں — خالہ جان وہ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔
 بیگم صاحب: بیٹا! وہ کچھ ایسے ہی دل و دماغ کا آدمی ہے — اس کو وہ سزاں کا ہمیشہ خیال
 رہتا ہے۔

سعیدہ! آئیں — کھلی ہڈائیں (مجھے میں پیچھی پیدا ہو جاتی ہے) وہ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔
 بیگم صاحبہ: ڈاکٹروں نے کہا ہے، اگر وہ خوش رہے تو انشاء اللہ ایک دو مہینے میں بیساکھیوں کی مدد سے
 چل نہر کے گا (ایک دم پوٹ پوٹ کر رونے لگتی ہے) بیساکھیوں — جو اس کے گاڑھی
 کے مانتھے کی خبر سن کر میری زندگی سے الگ ہو گئی تھیں — مجھے معلوم ہوا کہ یہ اس کی زندگی میں داخل
 ہونے والی ہیں تو میں ان کو مضبوطی سے پکڑ کے رکھتی — مگر بیساکھیوں نے سب سارا میں
 جیسے زندگی کہتے ہیں مضبوط سے مضبوط کشتی لے ڈوبتی ہے اور ایک معمولی تنگ لڑی کنا سے لگا دیا ہے
 (وقف کے بعد) سعیدہ بیٹا! اجمد نے مجھ سے ایک اور بات تم سے پوچھنے کو کہا تھا؟

سعیدہ: کیا خالجان؟

بیگم صاحبہ: کیا تم اس سے محبت کرو گی؟

سعیدہ: (بوکھلا کر) محبت

بیگم صاحبہ: (سعیدہ کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے) میں تمہیں زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتی۔

(چل جاتی ہے)

سعیدہ: (دوپٹے سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے بڑبڑاتی ہے) محبت — محبت؟ دل دریاغ۔

(آہستہ آہستہ دم اٹھاتی۔ تسلسلہ دہن کے مین دستوں میں ریشمی

ٹوپیوں سے نکلی ہوئی اپنی تصویر کے سامنے کھڑی ہو جاتی

ہے — بتا — کیا تو اس سے محبت

کرے گی؟

ٹہ سے میں دکھی ہوئی پیالیوں کی آواز آتی ہے — اصغری

ناشتہ ایسے اندر داخل ہوتی ہے اور پیروں والی تپائی مونسے

کے آگے لے جاتی ہے اور اس پر ناشتہ چڑھتی ہے)

اصغری: دو ملن بیگم! اجمد میاں سے محبت نہیں کرے گی تو اور کون کرے گی؟

سعیدہ: (ایک دم چمکتی ہے) کیا کہا؟
 اصغری: جی کچھ نہیں — ایسے اپنے آپکے باتیں کر رہی تھی — ہنستہ کر لیجئے۔
 سعیدہ: تم جاؤ۔
 اصغری: جی اچھا!

(اصغری: ایک نظر سعیدہ کو اور ایک نظر اس کی تصویر کو دیکھتی پھرتی باہر
 چلی جاتی ہے — سعیدہ آہستہ آہستہ سوچ میں متغرق
 ہونے کی طرف بڑھتی ہے اور سہری پر لیٹ جاتی ہے)

سعیدہ: (مجھت کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑاتی ہے) درہن بیگم - ابجد میاں سے محبت نہیں کریں گی تو اور
 کون کرے گی (اُدبھی آواز میں) اور کون کرے گی — اور کون کر سکتی ہے؟

پُردہ



تیسرا منظر

نگارِ دلا سے ملتا بیچم — وسطیں پست قدر تشریح ہوئی
 بھارتیوں کے درمیان فوارہ ہے جس میں سے پانی کی سیوار حرکت
 دھڑک کر باہر نکل رہی ہے۔ دُھوپ کھلی ہے۔ آسمان کھرا
 ہوا ہے۔ فضا میں عجیب سا کنوارا پن ہے — بے حجاب
 ہر زندہ نفلہ سے کن دھرت یہے گریا قبولیت کا منتظر ہے۔
 ایسا معلوم ہوتا ہے ہوا چلتے چلتے ٹھہری گئی ہے کہ باغ کی
 بیلیں پھر سے اپنی زلفیں سنسٹھالیں۔ پھول اپنے گالوں کی مٹھی
 درست کر لیں اور بھونرول کو جن کلیوں کا مزہ چومنا ہے بے خوف و
 خطر چوم لیں — اس فضا میں گھاس کے ہواز قائلین
 پر کرسیاں بچھی ہیں۔ ایک ہی سیدہ گلابی لباس میں بلورس صمد اپنا
 ہر جگہ ہی بیٹھی ہے۔ دُھوپ کی حدت سے اس کے فانسے
 کے پلکے سے خبار سے اس کی اپنی گلابیاں سُرخیاں بن کر
 باہر نکل رہی ہیں۔ دوسری کرسی میں مجید ہے جو موٹے موٹے
 سگریٹ کے کش لگا کر دھوئیں کے نیسے نیسے پھیلے مزے
 نکال رہا ہے۔ وہیں کا چہرہ مطمئن ہے۔ سامنے امجد ہے
 ابا بھوں کی کرسی ہیں — اس کے چہرے پر ابا بھوں کی
 کرسی والی کیفیت ہے۔ جو کسی ادھی مدد کے بغیر نہیں چلی سکتی
 — اس کا رنگ ست زرد ہے۔ مگر اس کی آنکھوں میں

جنگ ہے جو سیدہ کے حسن و جمال کا بازگشت ہے (

امجد : (اپنے دائیں ہاتھ دیکھ کر) آج موسم کتنا دلفریب ہے۔

سعیدہ : (فرداً متوجہ ہو کر) جی ہاں !

امجد : مجید جاؤ۔ سعیدہ کو گھما لاؤ۔ — ان پہاڑیوں کی سیر کر لاؤ (بچھے ٹرک دیکھنا چاہتا ہے) افسوس!

مجھ سے مڑا نہیں جاتا — مجید اٹھو — میری کرسی گھما کر اِدھر کر دو — یہ نظر میری

آنکھوں کے سامنے مڑنا چاہیے۔

(مجید اٹھتا ہے، لیکن سیدہ اس سے پہلے اُٹھ کر امجد کی کرسی کا

رُخ پیر دیتی ہے۔ اب تینوں کا نہ پہاڑیوں طرف ہے۔ جو

دھوپ میں تھو لگا ہوا ہے) اپنے سزا دھوری ہیں

امجد : (پہاڑیوں کے منظر کو اپنی نگاہوں سے پتے ہوئے) سعیدہ۔ یہی وہ پہاڑیاں جن سے مجھے پیار ہے۔

———— اتنا پیار کر میں بیان نہیں کر سکتا۔ (مجید سے) جاؤ۔ سعیدہ کو ساتھ لے جاؤ اور

ان کو سر کر دو (سعیدہ سے) سعیدہ! جب تم ان پر چڑھتے چڑھتے اپنے لگنگی اور تمہاری سانس

رکنے لگے گی تو تمہیں ایسا محسوس ہوگا کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی لذت نہیں — میں مجید

کو بڑھستی ساتھ لے جاتا تھا۔ مگر یہ ایک بڑھتی ہوئی لذت تھی — مجھ سے کتنا

تھا۔ بھائی جان مجھے آپ کا یہ شغل پسند نہیں ہے — یہ کیا کڑی بیکار میں ہانپ ہانپ کر بیٹھ

ہو جائے (خستہ ہے) پہاڑیوں اور ان کو سر کرنے کا حسن اس کی سمجھ میں بھی نہیں آئے گا۔ کیوں سعیدہ!

سعیدہ : (سکرا کر) جی ہاں !

امجد : (مجید سے) جاؤ یاد — سعیدہ کو لے جاؤ — کبھی کام بھی کیا کرو۔

مجید : (سعیدہ) چلئے بھائی جان — مگر میں شرط لگا تا ہوں۔ آج تو یہ چل جائیں گی۔ لیکن پھر کبھی ادھر

کا رخ نہیں کریں گی ؟

سعیدہ : دل و دماغ — یہ کیا بلا ہے دل و دماغ ؟

مجید : آپ کو ایک سی پہاڑی چڑھنے سے معلوم ہو جائے گا۔
 امجد : (رتنا ہے) تم کہتے ہو مجید — سیدہ کی زندگی کے سامنے تو ایک پہاڑ ہے — اگر
 یہ ایک سونسی پہاڑی کی چڑھائی سی سے اگنا گئی تو ... !
 سعیدہ : پیٹے مجید بہاں۔

مجید : پیٹے !

(دونوں چلے جاتے ہیں — امجد سکرانا ہے — اصغری
 داخل ہوتی ہے — اس کے ہاتھ میں لیٹ ہے جس میں چھلے
 اور کاسٹے ہوئے سیب ہیں۔ وہ معنی بیخود نظروں سے مجید سعیدہ
 کو دیکھتی : مجید کی جانب آتا ہے اس میں سے مخاطب ہوتی ہے)
 اصغری : تھوڑے سیب کھا لیجئے۔

امجد : (جو سعیدہ اور مجید کو دیکھتا ہے) اے کھانوں گا۔
 اصغری : (اس کی طرف دیکھ کر) آج دماغ کیم کتنی سپاری دکھائی دے رہی ہیں؟
 امجد : (ایک دم لیٹ کر اصغری کو دیکھتے ہوئے) دکھائی دے رہی ہیں؟
 اصغری : (ضعیف سی دیکھا ہٹ کے ساتھ) جی ہاں — جی ہاں !
 امجد : (پھر سعیدہ اور مجید کو دیکھتے ہوئے) عمولعمورت ہے عمولعمورت دکھائی نہیں دیتی — ہونے
 اور دکھائی دینے میں زمین آسمان کا فرق ہے اصغری ۔
 اصغری : جی ہاں — یہ تو ہے۔

امجد : لاؤ سیب۔

اصغری : (پیٹ بڑھاتے ہوئے) حاضر ہیں — پر چھلے ہوئے ہیں۔

امجد : تمہارا مطلب؟

اصغری : (جس میں برہنہ چیز سے کوئی بھی عموماً کھا سکتا ہے) ہنس کر) اس کے سبب صرف کال تو پھیری سے اتر

چلے ہیں۔

امجد : (ہنستا ہے) صفری — تم بہت شیطان ہو گئی ہو۔
 صفری : (خجندگی سے) شیطان ؟ امجدیاں — آپ نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ شیطان خدا کا سب سے بڑا
 ذرشتہ تھا۔ بس نے آدم — یعنی مٹی کے پتلے کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امجد : اٹاں ہاں۔

صفری : اور فرشتوں کے ہیں ہر بیڈیا سٹر کو ان کی سزا دی گئی تھی۔

امجد : درست ہے

صفری : تقریباً ہی درست ہے۔

امجد : کیا ؟

صفری : کچھ بھی نہیں — درست آخر تو کیا ہے — وہی جیسے آپ درست سمجھ
 ہیں یا درست سمجھنے کی کوشش کریں یا وہ غلطی جو آپ ایک دفعہ اس لیے کر لیں کہ آئندہ درست ہوتی ہے گی۔
 یا وہ درست ہے آپ غلط ہیں تبدیل کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ پھر درست کر سکتے ہیں — لیکن یہ
 سب کہاں ہے — یہ ایک مولیٰ عقل کی عورت ہوں امجدیاں۔

امجد : تم آج کیسی اتین کر رہی ہو ؟

صفری : میں ایک مولیٰ عقل کی عورت ہوں — لیکن ایک عورت ہوں امجدیاں۔

امجد : میں پھر نہیں سمجھا۔

صفری : (سیب کی ایک تاش اٹھاتی ہے اور اچھکے کے منہ کے پاس سے جاتی ہے) آپ سیب کھائیے۔

امجد : (سیب کی تاش داغوں میں لپٹنے ہوئے) تم پہلے کبھی ایسی باتیں نہیں کیا کرتی تھیں۔

صفری : آج موسم ہی کچھ ایسا دُغریب ہے۔

امجد : کیا نہیں ہے۔

صفری : (سیب کی دوسری تاش اٹھا کر) کیوں نہیں — یہ لیجئے ایک اور تاش

(دوسری فاش امجد کے کھلے ہوئے منہ میں ڈالتی ہے)

امجد : (سب کھاتے ہوئے کچھ وقف کے بعد) اصغری !

اصغری : (جو پھاڑیوں کا منظر دیکھنے میں محو تھی۔ چونک کر) جی !

امجد : تمہاری شادی کروں !

اصغری : شادی ؟

امجد : ہاں ! ————— اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔

اصغری : کیوں امجدیاں ؟

امجد : شادی بڑی اچھی چیز ہے ————— دنیا میں ہر شے کی شادی ہو جانی چاہیے ————— زندگی

میں شادی سے بڑھ کر اھلکائی خوشی نہیں ————— میں تو جان سے کوں گا کہ اصغری کی شادی جلدی

سے کر دیکھئے۔

اصغری : نا امجدیاں !

امجد : کیوں ؟

اصغری : مجھے ڈر لگتا ہے۔

امجد : کس سے ؟

اصغری : (سبز سے پریشان ہوتی ہے۔) لہجہ نکرندہ تھا ہے (شادی سے۔)

امجد : (ہنستا ہے) پیگلی !

اصغری : سچ کہتی ہوں امجدیاں ————— مجھے واقعی ڈر لگتا ہے ————— آؤں تو ایک نوکرانی کی

شادی ہی کیا ہے۔ ہونٹی ہونٹی۔ نہ ہونٹی نہ ہونٹی ————— کیا فرق پڑتا ہے ————— لیکن ہو گئی تو کہیں

گھڑی پٹری سے اتر جاتے اور —————

امجد : (اٹک کے ساقد) اصغری !

اصغری : (کھس جاتی ہے) گھڑی پٹری سے اتر جائے اور اصغری قیرتہ قیرتہ ہونے سے بچ جائے —————

ایک نامک سے لگائی۔ ایک اُتو سے لُٹا اور ایک آنکھ اندھن ہو جائے — آدمی اصغری
 غائب ہو جائے — آدمی بچ جائے — نا اجد میاں — بری شادی
 کا نام نہ لیئے — شادی تو ایک سالم چیز ہے — آدمی باجو تھائی چیز کو شادی نہیں کہتے۔

امجد : (سوچتے ہوئے) اصغری!

اصغری : (گٹھی گٹھی آواز میں) جی!

امجد : تم شکایت کتنی عجب (آواز میں) اتنا دے گا دو پیدا ہو جائے) لیکن دیکھو مجھے رنجیدہ نہ کرو

میں خوش رہنا چاہتا ہوں — اپنی ان دو شکستہ ٹانگوں پر کبھی عرش رہنا چاہتا ہوں

مجھے نہ چھیڑو — میرے دل میں مدد ہوتا ہے

اصغری : (اجرا کے پاؤں پکڑ لیتی ہے) مجھے معاف کرو بیٹے اجد میاں! آنکھوں میں آنسو جاتے ہیں (جانے میں

کیا بک گئی — آپ خوش رہیں — خدا آپ کو خوش رکھے۔

امجد : (بہادری کے ساتھ) خدا کا نام نہ لو — اگر اُس کو مجھے خوش رکھنا ہوتا مجھے اس حادثے کا

شکار ہی کیوں کرتا — کیا تھا تو مار کر اپنے شکاری تھیلے میں کیوں ڈال لیا۔ اس

کا نام نہ لو — میری اس کی کوستی ختم ہو چکی ہے — مجھے اگر خوش رہنا ہے تو اپنے ذہن سے

سے دوسری کے سہارے خوش رہنا ہے — انہی ٹوٹی ہوئی ٹہنیوں پر چند تنکے چن کر مجھے اپنی خوشی

کے آشیانے بنا آجیں۔

اصغری : صرف اپنی خوشی کے؟

امجد : (بہت زیادہ دکھ کے ساتھ) اصغری خدا کے لیے — تم کیوں اتنی ظالم ہو گئی ہو —

تھارے منہ میں اگر زبان پیدا ہوئی ہے تو کیا اس لیے کہ تم میرے دکھ میں خدا کو — میں تم سے

دعواست کرتا ہوں کہ میری مدد کرو — ایک پارک کی مدد کرو کہ وہ اپنی ٹوٹی ہوئی زندگی جوڑ

جار کے چند دن — صرف چند دن گزارے۔

اصغری : آپ دعواست نہ کیجئے اجد میاں — میرا کایہ پھپھتا ہے — آپ الگ ہیں۔

علم سے نکتے ہیں — میری زندگی حاضر ہے۔

(اس کے مٹے مٹے آنسو احمد کے سیلپرن پر گرتے ہیں

انہ کھڑی ہوتی ہے۔ اد ایک طرف چلی جاتی ہے)

(احمد گردن جھکا کر اپنے سیلپرن کی طرف دیکھتا ہے جن پر سے

ہسٹری کے آنسو ٹھاک جاتے ہیں — گردن اٹھا کر

اصغری کو دیکھتا ہے جو کہ جا رہی ہے۔)

(کوٹھی کی جانب سے بیگم نمودار ہوتی ہے۔ شمال اوڑھے ہتھ

میں زیورات کے ڈبے بیسے وہ احمد کے پاس آتی ہے)

بیگم صاحب : احمد بیٹا !

احمد : اجلدی سے اپنے پاؤں کیل میں چپکا کر آ جی !

بیگم صاحب : سعیدہ کے بیسے جو زیورات تم نے پسند کیے ہیں۔ تیار ہو کے آگئے ہیں۔ تو

اڈیے احمد کی گود میں رکھ دیتی ہے)

احمد : بچوں کے اشتیاق سے ہر ٹوکھوں کو سارے زیورات دیکھتا ہے اور اطمینان برتی خوشی کا اظہار کرتا ہے) بہت

بچھے ہیں — — — بہت عمدہ ہیں — — — بہت حسین ہیں — — — لیکن اتنے نہیں جتنی سعیدہ

ہے۔ — — — اصغری — — — اصغری — — — ادھر آؤ — — —

(اصغری جو ایک سرور کے ساتھ گنگ کھڑی تھی۔ احمد کے پاس آتی

ہے۔ احمد کے تمام زیورات دکھاتا ہے)

احمد : کوہ کیسے ہیں ؟

اصغری : آپ خود کہہ چکے ہیں — حسین ہیں لیکن اتنے نہیں جتنی درون بیگم ہیں۔

احمد : (ادا سے) اتنی جان کی پٹے کب آئیں گے۔

اصغری : کل ہوگا آجائیں گے۔

امجد : اور وہ اے سکوپ شین — کیوں نہیں آئی ابھی تک ؟
بیگم صاحب : بیٹا ! — مجھ کو ڈر ہے آج تھا ۔ ایک دو روز میں آجائے گی ۔

امجد : اچھا (رک کر) امی جان !

بیگم صاحب : جی بیٹا !

امجد : کچھ اور میں منگوانا چاہتی تھی سعیدہ کی لیے — میں اسے ایک لحظے کے لیے بھی اداس نہیں دیکھنا
چاہتا — ہر روز اس کے لئے کوئی نہ کوئی نئی چیز ضروری ہر نئی چاہیے ۔

بیگم صاحب : سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے ۔ جو چاہو کرو ۔

امجد : خستیار ؟ (رک کر) ہاں — تو — امی جان !

بیگم صاحب : جی !

امجد : کمال کہ بھیجیے — اسپورٹس کی دکان میں جائے — جتنے کھیل اسے مل سکیں اسے آئے

سعیدہ اور مجید کھیلا کریں گے اور میں دیکھا کروں گا ۔ — اور دیکھیے — اس سے

کئی کچھ ایسے کھیل بھی آئے جو میں — میں بھی سعیدہ کے ساتھ کھیل سکوں ۔

بیگم صاحب : (بے حاشا شکر کر) امجد کا سر اپنے ہاتھوں میں لے کر) میرے ہاتھ !

(امجد ہلکے ہلکے کر رہا شروع کر دیتا ہے — اصغری

ضبط نہیں کر سکتی اور جیتی جیتی ایک طرف دوڑ جاتی ہے ۔ بیگم

کی آنکھوں سے عمارتیں اُسوداں ہیں)

چوتھا منظر

وہی کہہ جو پہلے اور دوسرے منظر میں ہے — رات کا وقت
 نفاذِ اہلِ خاموشی ہے، بڑے بڑے ٹکٹے طریق پر مسہری پر سیدہ
 تین پانچ گھنٹے کیوں ہیں اپنا نیم تنہ سے بالوں والا سرد بٹے کوئی
 کتاب پڑھنے میں مشغول ہے — نظریں کتاب کے حروف
 کے بجائے اس کے اپنے دل کی جانب مبہم ہوتی ہیں۔ سینے کے
 مقام پر کسل کی سلوٹس جنھیں کھار ہی ہیں اور نکتے سے تلاب میں
 جزا کا نقشہ پیدا ہوتا ہے — اس میں طرت لہے کا ہینڈل
 جیسی جا پائی بھی ہے — اس کے ساتھ ابا بھوں والی
 کرسی میں اچھ بیٹھا ہے۔ اس کے اٹھ میں کتاب ہے۔ وہ اُسے
 یوں کھڑے ہے جیسے کوئی تیشے کی چیز ہے۔ اس کی نظریں برقیان
 میں کتاب کے حروف سے اٹھ کر کبھی وہ سیدہ کے ہاتھوں پر جا بیٹھی
 ہیں۔ کبھی اس کے ہنہ سے بالوں والے سر پر جو کبھی ہیں دھس ہے۔
 — آخر میں سے نہیں رہا ہاتا — کتاب بند کر کے اپنی
 گود میں رکھتا ہے اور تڑپ کر اڑھگی کے ساتھ سیدہ سے مخاطب
 ہوتا ہے۔

اچھ : سیدہ !

سیدہ : (چونک کر) اجی !

اچھ : میرا خیال ہے، اب سو جاؤ۔

سعیدہ: (کوٹ بول کر ہمد کو دیکھتے ہوئے) آپ سونا چاہتے ہیں زمین تمام محمد اور کریم کو بلاؤں کر وہ آپ کو لٹادیں۔

ہمد: (اکھٹکی آواز میں) لٹادیں — نہیں سعیدہ — میں لٹ لٹ کے تھک گیا ہوں۔
 آج میں کرسی پر ہی سو جاؤں گا — تمہیں تکلیف نہ ہو تو اٹھ کے یہ تہی بچھا دو اور سب روٹن کر دو۔
 سعیدہ: (ٹھٹھی ہے) آپ بار بار میری تکلیف کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔

ہمد: میں خود میری تکلیف میں ہوں۔

سعیدہ: (بڑبڑ کر) مجھے آپ کا احساس ہے اجمد صاحب — مگر بتائیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں — مجھ سے جو ہو سکتا ہے میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر معصیت یہ ہے کہ آپ کو بروقت میری تکلیف کی ٹیٹی سہتی ہے — مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

ہمد: سعیدہ تم بہت اچھی ہو۔

(سعیدہ تیار ہونے لگتی ہے — چند لمحوں کے لیے اندھیرا اچھا

جاتا ہے۔ پھر کمرے کی برسیوں پر مل کر سیریشی میں نماز شروع کر دیتی ہے)

سعیدہ: کاش میں بھی ہوتی — اچھی ہو سکتی —

(صرف پٹیٹھ جاتی ہے — پیچھے سے اس کا اضطراب ظاہر ہے)

ہمد: اس سے زیادہ تم اور کیا اچھی ہو سکتی ہو سعیدہ!

سعیدہ: (تیزی سے) ایسا نہیں — آپ نہیں جانتے۔

ہمد: (بہت عالم آواز میں) اگر کسی وجہ سے میں نے تمہیں ناراض کر دیا ہے تو مجھے معاف کر دو۔

سعیدہ: (بہاؤ میں دیکھتی ہے) — ٹھٹھی ہے اور کرائی جوتی ہے بی بی انگلیوں سے مجھ کے بالوں میں گھسی کرتی

چہ اسکا تیرہ ہے ہمد صاحب کہیں آپ کے لائق نہیں ہوں۔

ہمد: (سعیدہ کا انداز بڑبڑ کر) یہ تمہارے دل کی اچھائی ہے۔ اگر تم ایسا سمجھتے ہو۔ ورنہ حقیقت اس کے

بالکل برعکس ہے۔

سعیدہ : (باہوں میں لٹکھی کرتے ہوئے) سو جائیے — کئی راتوں سے آپ جاگ رہے ہیں۔ بلکہ جب سے یہاں آئے ہیں ایک لمحے کے لیے بھی آپ کی آنکھ نہیں لگی۔

امجد : مجھے نیند نہیں آتی سعیدہ۔

سعیدہ : کیوں !

امجد : معلوم نہیں لیوں — بس ایسا لگتا ہے کہ نیند کبھی آئی تھی نہ آئے گی — میں تو وہ راتیں بھی یاد رکھتا ہوں کہ جب سرباگڑنا تھا۔
سعیدہ : کاش ! میں آپ کو اپنی نیند رکھ سکے۔

امجد : نہیں سعیدہ ! میں اپنی عزت پر چیز تم سے نہیں چھیننا چاہتا — یہ تمہاری آنکھوں ہی کے لیے سلامت رہے جو نیند میں اور صبحی خوبصورت ہو جاتی ہیں — جاؤ جاؤ
اب سو جاؤ۔

سعیدہ : میں تم بخت تو سو بھی جاؤں گی۔

امجد : ایسا نہ کہو — خدا تمہارے بخت بد رکھے — جاؤ سو جاؤ۔

سعیدہ : (چڑا کر) آپ کیوں میرے ساتھ اتنی نرمی سے پیش آتے ہیں۔ امجد صاحب ! مجھے اس سے بڑی

دشمت ہوتی ہے۔ خدا کی قسم آپ کی یہ نرمی۔ یہ حلیمی۔ یہ انکسار ایک دن مجھے پاگل بنا دیں گے

(بھینھلا کر تیزی سے سر ہی لٹکھٹکتی ہے اور خود کو بستر

پر گرا دیتی ہے)

امجد : اچھے ایسا لگتا ہے کہ میرے من سے جو بات نکلتی ہیں۔ وہ بھی ٹوٹی چوٹی ہوتی ہیں۔

(سعیدہ خاموش رہتی ہے۔ کڑھ جلا کر وہ اپنا منہ دوسری

طرف کھینچتی ہے — امجد اپنی گود میں سے کتاب اٹھا کر

اداس کی رونق گود میں شمع کر دیتا ہے — سکوت کا

عالم ہے۔ ہلکی ہلکی سبز روشنی میں یہ سکوت اور بھی زیادہ نحیف

جو گیا ہے — کافی لمبا عرصہ موٹی میں گزرتا ہے۔ بڑی
 میرا اسی خاموشی ہے — احمد کے چہرے پر لاشی قبول کے ہنس
 خان کئی چڑھی ہے — اس کی نگاہیں کتاب سے ہٹ کر
 بار بار سعیدہ کی جانب اٹھتی ہیں اور سرسار ہو کر رہے پائوں لوٹ
 آتی ہیں — تصدیق ایک کے اجدت زیادہ مضرب ہو
 جاتا ہے)

احمد : سعیدہ !

سعیدہ : جی !

احمد : میں — میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔

سعیدہ : (کرٹ زبندتے ہوئے) کیا ؟

احمد : کیا — کیا آج ہماری پہلی رات ہو سکتی ہے

سعیدہ : (بستر میں لمبی جاتی ہے)

احمد : دو رات — جو ابھی تک نہیں آئی۔

سعیدہ : (خاموش لہجے میں ہے)

(وقفہ)

احمد : سعیدہ !

سعیدہ : جی !

احمد : کیا تم میری یہ درخواست قبول کر سکتی ہو ؟

سعیدہ : کرٹ بل کہہ کر دیکھتی ہے — اس کی آنکھوں میں ہیرنگ کی زخمی خواہش تیر ہی ہے آ کیے

احمد صاحب ؟

احمد : جھوٹ موٹ — محض میرے بہادر سے کیے — تم یہ فرض کرو کہ میں تم سے

پہلوں لپیٹا ہوں — میں بیان فرم کروں گا کہ تم میرے پہلو میں لپیٹو — میں تم سے
 وہی باتیں کروں گا۔ جو پہلی رات کو مجھے تم سے کہنا تھیں — تم اُسی طرح جواب دینا جو طرح کہتے ہیں
 دینا تھا — میرے لیے — کیا میرے لیے تم پر جھوٹ مڑا کا کہیں کیل سکتی
 ہو سیدیہ !

سیدیہ : (آنکھوں میں پرنگی گنچی خوشی کے بجائے دم کے آنسو تیر رہے ہیں) میں حاضر ہوں امجد صاحب ۔
 امجد : شکریہ !

(طویل وقفہ)

امجد : آج ہماری پہلی رات ہے سیدیہ — وہ رات جس میں جو انہاں اگنی
 بہت کی طرت پہلا قدم اٹھاتی ہیں — وہ رات جس کی تمام پہنائیوں میں
 دو جی غوطہ لگاتے ہیں اور ایک جو جاتے ہیں — شراؤ نہیں یہ
 رات تو وہ ہے جب تمام پر شیدیہ صحیفوں کے گھونگھٹ اٹھنے کے لیے
 بیاباں ہوتے ہیں یہی ہی گرو گشتی۔ نرم سی آہ۔ ایک چوڑا سا مس۔ پر وہ سانس
 کا تنہا سا ہلکدہ ہے ان گھونگھٹوں کے پٹ ٹھول دیتا ہے — اس تڑ
 آہستہ کہ معمولی۔ سرسراہٹ تک بھی نہیں ہوتی اور آدمی دیدار — پوسے
 دیدار کے تمام مراحل طے کر جاتا ہے — یہ وہ رات ہے جب گنگا میں
 ٹکڑے ٹکڑے کرتار سے جھرتی ہیں اور یہ افشاں مدلوں نگہ کیوں کے ایک ماتھے پر
 چینی جاتی ہے — یہ وہ رات ہے — پہلی سب سے
 پہلی سبب آدمی کی پسلیاں چیر کر تو انکا لی گئی تھی — یہ وہ رات ہے
 جس کی درازئی عمر کے لیے شاعر دماغ میں انگ مانگ کر بھی تک نہیں ٹھکا
 — یہ وہ رات ہے جس کے معمول کے لیے جوانی کی جانے نماز بچھا
 کر زندگی اکثر سجدہ دینا ہی ہے — یہ وہ رات ہے جس میں مجاہد

کی تمام گرمیوں کی طرف سے تھک جاتی ہیں۔ یہ وہ رات ہے۔ جب
 قدرت کے تمام کارخانے صبح تک ایک ہی پوزیشن میں رکھے جاتے ہیں۔ وہ
 پوزیشن جس نے کائنات کے ان تمام کارخانوں کو حرکت بخشیا تھا۔ یہ وہ
 رات ہے جب تمام آوازیں واپس اپنے غزروں میں چلی جاتی ہیں کہ اس آواز کا ہلوس
 انتہائی آرام دہ سکون سے گندھائے۔ جس میں کُن "کی گونج ہے۔ یہ وہ
 رات ہے جس کا ہر پوزیشن آجائے سے بنا ہے۔ یہ وہ رات ہے
 ہر آنے والی رات جس کے حضور جہول بیلائے بیبک کا منتظر کھڑی ہے۔
 یہ وہ رات ہے۔ جب دن کا رونا روناں نہ کھول کے بولتا ہے اور کان کھول
 کے سنتا ہے۔ بڑے بڑے آن کے راز۔ بڑے
 بڑے گائے وگ۔ (ایک دم بچ کر) ڈھانپ لو۔
 ڈھانپ لو۔ سیدہ اپنا بدن ڈھانپ لو۔ مجھے یہ
 ڈس رہا ہے۔ اس کا ایک ایک خط قرمز کی دھند کے مانند
 میری ٹوٹی ہوئی آنکھوں پر پھیر رہا ہے۔ ڈھانپ لو۔ خدا کے
 لیے اپنا جسم ڈھانپ لو۔

صحیحہ: (مٹی کی بڑی بڑی گھاس کی نرم نرم پتیوں سے بنی ہوئی لاش کے مانند لٹی ہے۔ اس کا بدن لڑتا ہے
 ایک ایک انگ کانپ رہا ہے) جی!

امجد: (بک بک کر رونے لگا ہے) اپنا بدن ڈھانپ لو۔

(سیدہ اپنا لڑتا ہوا بدن کھل سے ڈھانپ لیتی ہے۔ امجد آنکھوں

کے سامنے ہاتھ رکھے رہتا ہے)

پانچواں منظر

(نجمار دلا سے مہتممہ بیچہ — شام کا وقت

نور سے کا پانی کھل کھل ۱۲ ہے۔ سائے گہرے جو چکے ہیں ہیں
منظر میں ناکستی پہاڑیاں شام کے دھندلوں میں لگتی ہیں
کرگئی میں آسمان نے ایسا گت ہے۔ اپنے بدن پر بصورت
مل ہے۔ تھوکن کے سینے پر سبز و ناموش لیتا ہے۔ کرسیاں
خالی ہیں — ساری نفا خالی ہے۔ اس فریم کی طرح
جس میں تصویر جڑی جانے والی ہے — مجید اور سعیدہ کی
ہنسی کی گواہ آتی ہے — چند لمحات کے بعد دونوں ہنسنے
جڑی شکل سے اپنی تھکاوٹ کا ابھرا اٹھاتے، نمل ہوتے ہیں
— سعیدہ ٹڈھال ہو کر خود کو کسی میں گرا دیتی ہے مجید

ہیں کے پاس کھڑا رہتا ہے)

سعیدہ : (دونوں پر گھٹیل ماتے ہوئے) آف — ن !

مجید : (ہنستا ہے) آپ تک گیش — واؤں آپ کو؟

سعیدہ : (گہرا کر) نہیں نہیں — اصغری کو بیچ دیجئے — مجھ سے تو اب دو قدم بھی چلنا دشوار

ہے۔

مجید : (مکڑا لہے) بہتر

(انگے بڑھ کر سعیدہ کے پیر سے بزم ہنرے بالوں کی آوارہ لٹ

انگھیلوں سے اٹھا کر ایک طرف کر دیتا ہے)

سعیدہ: (بہت زیادہ گھبراہٹ سے) میں جانتی ہوں اندر۔

(اٹھنے لگتی ہے)

مجید: (ایک طرف دیکھ کر) اوہ اصغری خود ہی آگئی — ادا اصغری — بھائی جان کے پاؤں دباؤ۔

(اصغری داخل ہوتی ہے — اس کے ہونٹوں کے ہفتائی

کو نے پلکپلک رہے ہیں جیسے کچھ کتنے کے لیے تڑپید ہے وہیں

پاس آجاتی ہے)

اصغری: (سعیدہ سے) دولہن بیگم ننگ گئیں آج؟

سعیدہ: (درازا پڑھتیاں ہاتھ ہوئے) ہاں!

اصغری: (گھاس پڑھی کر۔ سعیدہ کی ایک پنڈلی دبا کر شروع کرتی ہے۔ خطاب مجید سے ہے) یہ سب مجید میاں

کا قصور ہے — اتنی بڑی سیر اور اتنی جلدی (الجے میں تیکھا بن ہے) ہر سیر دیر دیر میرے

ہوئی یا جیسے (برسرے ہوئے دباتی ہے) اس طرح — برسرے برسرے (سعیدہ سے) کہوں دولہن بیگم۔

کچھ آرام محسوس ہو آپ کو؟

سعیدہ: (دوسری ٹانگ جو اصغری کی گرفت سے آزاد ہے۔ اضطراب کا شدید مظاہرہ کرتی ہے) ٹھیک ہے

ٹھیک ہے!

اصغری: (مجید سے) مجید میاں، آپ جائیں — منہ ہاتھ دھو آئیں — گرد و خراب سے

آپ کا چہرہ بالکل انا دھویا آلو سنا ہو اسے۔

مجید: (تیزی سے) تم بہت گستاخ ہو گئی۔ — یہ سب —

اصغری: (مجید کی بات کاٹ کر) دولہن بیگم کا قصور ہے جنہوں نے مجھے منہ لگا لیا ہے (سعیدہ کے چہرے کی طرف

دیکھ کر) ایسا خوبصورت منہ!

(مجید نگاہوں ہی نگاہوں میں غصہ برساتا چلا جاتا ہے)

اصغری : (سنی ہے) مجید میاں کی شکل و صورت بڑی تو اناشا والا بڑی اچی ہے ——— مگر خفے میں

روحشہ بگڑ گئی ہے ——— آپ کا کیا خیال ہے ؟

سعیدہ : تم مجھے ایسی باتیں نہ کیا کرو (الٹنا جا رہی ہے مگر اصغری کی مفسوہ گرفت کے باعث نہیں اٹھ سکتی) !
بے ڈو مجھے !

اصغری : (دبا تے ہوئے) میں اس خدمت سے خود کو چھڑانا نہیں چاہتی (سعیدہ کے پاؤں سے سینٹل اُتارتی)

ہے مجید میاں کہہ رہے تھے۔ میں گناہ نہ گئی ہوں ——— کیا یہ درست ہے دولہن بیگم ؟

سعیدہ : بالکل درست ہے۔

اصغری : (اڑے اوجھان سے سعیدہ کے پاؤں کی انگلیاں چنچرتے ہوئے) تو یہ بہت بُری بات ہے

نوکرانی کرتا کچھ نہیں ہونا چاہیے ——— آپ میرے کان کھینچئے !

سعیدہ : حاکوش بربر !

اصغری : (چالہ ہے) ——— زبان بند ہی بہت بڑا ظلم ہے دولہن بیگم ——— میں نے اس کو کسی

بات کی ہوا آپ کو ناگوار لگدی۔

سعیدہ : (اضطراب سے ساتھ) تمھاری سب باتیں مجھے ناگوار لگتی ہیں۔

اصغری : اصغری بے چاری اب کیا کرے (دلف کے بعد) میں تو یہ سمجھتی تھی کہ آپ صبح کبھی طرح ہی بیگم کی

نوکر کی ہیں میں ایک برس کے اندر اندر ہی مجھے سب کچھ اگیا ہے ——— یہ اب ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ یہ غلط آدمی تھی ——— میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں سیکھا ——— لیکن یہ کس کا قصور ہے

سیکھنے والے کو یا سکھانے والے کا ؟

سعیدہ : (پتہ نہ لگتا) کیوں کہ میں نے فیصلہ نہیں کیا تھا (خار میں) تم کہنا کیا چاہتی ہو ؟

اصغری : (مستزحی حیرت سے) میں ؟

سعیدہ : اہاں تم ——— کیا کہنا چاہتی ہو تم ؟

اصغری : (سوچتے ہوئے) کہنے کو تو میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں

سعیدہ: (ٹھک کر نکلے پاؤں گھاس پر چلتے ہوئے) نوکڑ ڈالو آج — مجھے تمھاری سرمد کی مہین میں
چٹکیاں پسند نہیں — تم جو کتنا چاہتی ہو۔ میں سننے کے لیے تیار ہوں۔

اصغری: آپ بڑی بہت والی ہیں دو من بیگم۔

سعیدہ: میں بہت والی ہوں یا بڑی ہوں۔ تم اسے چھو دو — کھانا چاہتی ہو آج اُگل ڈالو۔

اصغری: پرنے آپ کو اور مجھے دونوں کو تکلیف دے گی۔

سعیدہ: میری تکلیف کا تم کچھ خیال نہ کرو — میں برداشت کر لوں گی۔

اصغری: (سچتے ہوئے) میں سمجھتی تھی میرے دانتوں سے دلی ہوئی کٹاوری دیکھ کر آپ ڈرجائیں گی۔ پر اب

ایسا لگتا ہے کہ آپ چینی چلتی ایسی جگہ پہنچ گئی ہیں۔ جہاں زخموں کی کوئی پروا نہیں رہتی — اب تو

مجھے خوف آنے لگا ہے آپ سے۔

سعیدہ: (اضطراب میں ادھر ادھر ٹپکتے ہوئے) اصغری!

اصغری: اچانک کر اچی!

سعیدہ: تم مجھے یہ بتاؤ — اگر ہجر میاں گاڑی کے حادثے میں مر جاتے تو میں کیا کرتی؟

اصغری: آپ — مجھے معلوم نہیں آپ کیا کرتیں۔

سعیدہ: میں جوان ہوں۔ خوبصورت ہوں۔ میرے سینے میں ایسے ہزاروں ارمان ہیں جو میں سترہ برس تک اپنے

خوالوں کا شند پلا کر الٹی پکستی رہی ہوں — میں ان کا گناہیں گونٹ سکتی — میں

نہ بہت کوشش کی ہے اصغری — میرا خدا جانتا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔ لیکن میں

اپنے اہمقوں کو جس قدر پر آمادہ نہیں کر سکتی — تم مجھے کڑو کر دو — جزدل کر لو۔

اخلاق باختہ کر دو — تم ایک نوکرانی ہو — میں تھکے سامنے احترام کرتی ہوں۔

کہیں اپنی ہوائی کا باغ جس کے پتے پتے۔ بوٹے بوٹے ہیں میرے کنوئرسے۔ ان دنوں کا گرم گرم خون دوڑ

رہا ہے۔ اپنے اہمقوں سے نہیں اُجاڑ سکتی۔ — ویسے میں کسی کو بھی اجازت دے سکتی ہوں کہ وہ میری

آنکھیں بند کرے — میں — میرے تمام حواس میں تانے لگا کر بڑھا پے

اندھڑپے کی عین ترین گہرائیوں میں اتار دے — یا ایک ہی بار دھکا دے کر مجھے اپنے ادا گنوں کی لائق مہرٹی چٹانوں کی چوٹیوں پر سے نیچے گرا دے جن پر میں اس وقت کلنٹن ٹیٹے شندھواؤں کا مقابلہ کرتی رہی ہوں — میں تم کو بھی اجازت دیتی ہوں۔

اصغری: (شکست خوردہ اُٹھتی ہے) بس روٹن بیگم۔

سعیدہ: میں ایک ایسے دور لپے پر کھڑی ہوں اصغری۔ جہاں زمین میرے تذلزل کے نیچے گھوم رہی ہے۔

میں جس راستے کی طرف منہ کرتی ہوں وہیں مجھ سے منہ موڑ لیتا ہے — میں ہوا راہ کرتی ہوں مجھ سے اپنا دارا من بھڑا کے بھاگ جاتا ہے۔ میں اس کے پیچھے بھاگتی ہوں — انڈھا دھندوڑ پٹی ہوں اور جب اسے بکیر پٹی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریت کا بنا ہوا افتادہ سب سے بکیر پٹتے پکیر پٹتے ہی ٹھیرا ہوا ہے۔

اصغری تم نہیں جانتی ہو۔ میں کتنی دیر سے آگہ روں کے بستر پر ٹوٹ ہی ہوں۔ بھانسنے کے سیدھے میں ان پر اپنی ذالقی ہوں تو بھاب کے ایسے گورے اٹھتے ہیں جو مجھے اپنے ساتھ ادا نچاؤں میں لے جاتے ہیں اور جھنجھوڑ بھنجھوڑ کر بھنجھوڑ کر ایک م نیچے ٹپک دیتے ہیں۔ میری ہڈی ہڈی پسلی پسلی جوڑ رہی ہے اصغری۔

کیا یہی اچھا ترنا اگر نبہ سب کے بدلے میں اپنا بیج بولتی ہوتی۔

طویل وقفہ

(اصغری خاموش کھڑی رہتی ہے — سعیدہ انشطراب

میں اور ادر ادر ٹھنکی رہتی ہے)

سعیدہ: بناؤ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

اصغری: (محبت کے عالم سے سبھا رہتی ہے) کیا کرنا چاہئے — آپ کو — آپ کو اچھ میاں کی موت کا انشفا کرنا چاہئے۔

سعیدہ: (کچھ دیر سوچ کر) تم مجھے ہنسا دے کی سنگدل کوگی — لیکن میں دیکھتی ہوں — انیس کب موت آئے گی؟

اصغری: جب اللہ میاں کو منظور ہوگا (بڑھتی ہے) لیکن اجد میاں کی دوستی تو ان سے ختم ہو چکی ہے۔
 سیدہ: کیا؟
 اصغری: جی! کچھ نہیں۔

(اکھڑے اکھڑے قدم اٹھاتی اصغری چلی جاتی ہے —
 سیدہ ہنسنے اُدل گھاس کے ٹھنڈے ٹھنڈے فرش پر مہطراب
 کی حالت میں ٹہلتی رہتی ہے)



چھٹا منظر

(نگار دلا — ڈرائنگ روم — کیتھ، جارجین، کرہ جو پرانی دست
کے ساز و سامان سے آراستہ ہے۔ ہر چیز ذرا ادب پائدار ہے۔ دیواروں
پر آئی بیٹینگ اور آویزاں ہیں جو خاندان کے مختلف افراد کی ہیں ایک بیٹینگ بیگم
کی ہے جب کہ وہ جوان تھی اس بیٹینگ کے نیچے بیگم ایک صوفے پر ٹھی تھالی
پیش کر رہی ہیں تصویریں وہ بے فکر ہے۔ کمرے میں سخت ٹکڑے ہیں کا چہرہ
غصہ مند انداز کا مجھ ہے کوئی اور چیز نہیں رہی ہے۔ گرا یا معلوم ہوتا ہے
کہ اپنے خیالات، اذکار کے الجھے ہوئے دھانچے لٹٹی ہے۔ کبھی کھولتی ہے
اصغری داخل ہوتی ہے)

بیگم صاحب: مجید میاں نے؟

اصغری: جی ہاں!

بیگم صاحب: کہاں تھے؟

اصغری: نیچے ہیں۔

بیگم صاحب: کیا کر رہے تھے؟

اصغری: جی؟ — (ٹوک کر) جی کیسے بیٹھے تھے۔

بیگم صاحب: (اصغری کی طرف دیکھ کر رنگا میں سخی کر کے) آسپے ہیں۔

اصغری: جی ہاں!

بیگم صاحب: تم جاؤ۔

(اصغری چلی جاتی ہے — مجید ہیں کی طرف دیکھتا اندر داخل ہوتا ہے)

مجید : کہا بات ہے امیر خاں ؟

بیگم صاحب : کچھ نہیں — بیٹھ جاؤ۔

مجید : (پاس ہی ہونے کی دوسری کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) سال سووی ہے ؟

بیگم صاحب : ہاں — یہاں سووی ہے۔

وقف

مجید : (بے چینی محسوس کرتے ہوئے) میرا خیال ہے — آپ نے مجھے یہاں کچھ کہنے کے لیے بلا یا ہے۔

بیگم صاحب : ہاں !

مجید : فرمائیے ؟

بیگم صاحب : یہی تمہیں یہاں سے بھیجنا چاہتی ہوں۔

مجید : مجھے ؟ اٹھ کر کہاں ؟

بیگم صاحب : بیٹھ جاؤ۔

مجید : (بیٹھ جاتا ہے) یہ کیسے۔

بیگم صاحب : میں نے ابھی احمد سے بات نہیں کی۔

مجید : (پورا اٹھ کھڑا ہوتا ہے) کون سی ؟

بیگم صاحب : یہی تمہیں یہاں سے بھیجنے کی۔

مجید : لیکن آپ مجھے یہاں سے کیوں بھیج رہی ہیں — میرا مطلب کون سا کام ہے یا

بیگم صاحب : بیٹھ جاؤ۔

مجید : (بیٹھ جاتا ہے) کون سا کام ہے ؟

بیگم صاحب : نہیں۔

مجید : تو پھر مجھے یہاں سے کیسے باہر بھیجے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی ہے۔

بیگم صاحب : کہیں یہی بہتر ہی سمجھتی ہوں۔

مجید : بہتری — کس کی بہتری؟

بیگم صاحب : ہم سب کی — اس گھر کی۔

مجید : (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) آپ پسیلیوں میں بات کر رہی ہیں امی جان!

بیگم صاحب : مجید تم میرے لڑکے ہو۔ میں تمہاری ماں ہوں — میرے تمہارے درمیان کوئی ایسی گھٹکلا

نہیں مرنی چاہئے۔ جو اس مقدس رشتے پر زندہ اسی بھی کاک لگائے — میں چاہتی ہوں

کہ تم آج ہی کراچی چلے جاؤ اور جب تک میں کھڑی رہوں۔

مجید : لیکن امی جان!

بیگم صاحب : (بات کاٹ کر) تمہارے داں بے شمار دوست ہر جہد ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ تم ان کی مدد سے

یا خود اپنی مہمت سے۔ ان نوجوہداروں سے جسے زندگی کہتے ہیں، اپنی کھلی صبح سلامت کنتارے

سے ہمارے گئے۔

مجید : (کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر کہ نہیں سکتا۔ اور بیٹھے جاتا ہے) بہت بہتر — میں چلا جاؤں گا۔

بیگم صاحب : تمہارا فیصلہ — —

(ایک دم خاموش ہو جاتی ہے)

(کمرے میں امجد اپا بچوں والی کرسی میں نکال ہوتا ہے۔ جسے کریم چلا رہا ہے)

امجد : (مجید سے) یا مجید! تم بھی عجیب آدمی ہو — میں وہاں کمرے بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا

کہ تم آؤ گے تو ہم دونوں سعیدہ کی سالگرہ کے تحفے کے متعلق سوچیں گے — لیکن تم یہاں بیٹھے ہو۔

(بیگم صاحب سے) امی جان! — آپ نے کیا سوچا — کیسا تنگہ ہونا چاہئے؟

میں تو سوچ سوچ کر باگل ہر گیا ہوں۔

بیگم صاحب : تم سعیدہ سے کیوں نہیں پوچھتے۔

امجد : لاوارسنو (ہنستا ہے) حاکم کی آپ کے امی جان — اس سے مشورہ لیا تو تحفے کا سزا

کیا خاک آئے گا (مجید سے) کیوں مجید؟

مجید : (خاموش رہتا ہے)

امجد : بوویار۔

مجید : (اٹھ کر) آپ امی جان سے پوچھیے — میں تو ہمارا ہوں۔

امجد : (حیرت سے) ماں ہے تو؟ — کہاں جا رہے ہو؟

مجید : کراچی۔

امجد : یقیناً تمہارا دماغ شراب مڑ گیا ہے — کیا کرنے جا رہے ہو کراچی؟

مجید : کیا کرنے جا رہا ہوں (پہیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ) منجھ جا رہی ہے اپنی کشتی کھلانے۔

امجد : (بیگم سے) کیا ہو گیا ہے اسے (مجید سے) بیٹھو یا یہ — برسوں میں کی سالگرہ ہے۔

ابھی ابھی فیصلہ مڑ جانا چاہیے۔

مجید : فیصلہ تو مڑ چکا ہے۔

امجد : کیا؟

مجید : کہیں کراچی جا رہا ہوں اور پھر کھجی واپس نہیں آؤں گا۔

امجد : کیا کہتے ہو (بیگم سے) امی جان پر قبضہ کیلئے؟

بیگم صاحب : کچھ نہیں — اس بیٹے میں لڑائی ہو گئی ہے کسی بات پر۔

امجد : کس بات پر؟

بیگم صاحب : تم نہیں پوچھ سکتے۔

امجد : عدول حکمی توڑتی ہے — لیکن مجید میرا بھائی ہے — آپ کے اور میں کے

درمیان اگر کوئی رنجش یا غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے تو اسے دور کرنا میرا فرض ہے — مجید کو میں

آپ سے زیادہ جانتا ہوں — اس سے ایسی کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی جو آزاؤ کا موجب

ہو (مجید سے) ادھر آؤ مجید۔

مجید : بھائی جان۔ مجھے اپنا اسباب بندھوانا ہے۔

دھچکھ : لا حول ولا ————— یہ سب کیا ہے (بیگم سے) امی جان — خدائے لیے اسے دیکھنے
 میرے لیے نہیں تو سبیا کے بے رو کیٹے ————— اس گھر میں ایک طرف ہی
 ہے جس نے ابھی تک اسے آواز نہیں دینے دیا ————— یہی خاطر تہی رحمت بڑا شرت
 کرتا ہے ————— اگر نیچے اسے جھنڈے یا زخمی جان امی میں مانتا۔ میرا کیا حال ہوگا
 سعیدہ کو میرے لیے سے جا آئے تو میں تصور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے ہاتھ میں اس کے سر ہونے میں
 کے ساتھ کوئی کھیل کھبتا ہے تو وہ ظاہر بہت حد تک بڑا ہو جاتا ہے۔ ہوتے کے بے ہوشیوں
 سے میری زندگی میں پیدا کر رکھا ہے۔ ————— میں تو کئی برس جتا ہوں امجد۔ اُن کی ایمانی مجھ نہ ہوتا
 تو کیا تیری شکرستہ زندگی کہ لہر ہے قابل نہیں تھا کہ گھوٹے سے بڑا ہوتا ————— امی جان اسے دیکھنے
 یہ تو میرا بازو ہے ————— کیوں آپ اس کو مجھ سے جدا کر رہی ہیں ————— اللہ علیا
 کی جگہ لیجئے امی جان !

(رونے لگتا ہے)

مجید : بیچ رہا ہوں امی جان !
 بیگم صاحب : طیسرو !
 مجید : (رک جاتا ہے)
 بیگم صاحب : (اٹھتی ہے اور پیرامی کے سر پر ہاتھ پیرتی ہے) امجد بیٹا ————— روؤ نہیں جان اور
 ————— مجید نہیں جانے گا ————— جو چیز جہاں ہے وہیں رہے گی ————— اس لینے
 کہ اسے ہی منگد ہے۔ (مجید سے) ایمانی کے پاس بیٹھو اور سعیدہ کی سالگرہ کے متعلق سوچو۔
 (مجلس جاتی ہے)

(مجید کچھ دیر سوچتا ہے پیرامی کی کسی کی طرف بڑھتا ہے)

مجید : (آہستہ م ایمانی جان آپ مجھے جانے دیں !
 امجد : (جھکا ہوا سر اٹھا کر) جانے دوں ————— کہاں جانے دوں ؟ ————— پاگل مت بنو۔

مجید : آپ نہیں جانتے بھائی جان ۔

امجد : میں سب سمجھا ہوں — اپنا دماغ نکالو اور ذرا یہ میسج انسویں پختہ ہو ۔

مجید : (تھوڑے وقفہ کے بعد اپنا دماغ نکالتا ہے اور ہجے کے انسویں پختہ ہے)

(جلدی جلدی)

امجد : کیا کرتے ہو یا ر — تمہیں تو انسویں پختہ ہی نہیں (مسکراتا ہے) اتنا معمولی سا کام ہے ۔

مجید : یہ معمولی کام نہیں بھائی جان ۔

امجد : (مسکراتے ہوئے) اچھا بھائی بڑا جان جو کھوں کا کام ہے — آؤ اور جریٹھیٹر — سعیدہ

کی سالگرہ کے تحفے کے متعلق سوچیں ۔ بیٹھو ۔

مجید : (ہجے کے پاس کرسی پر ٹھہر جاتا ہے) سوچئے ۔

امجد : (آہ بھر کر) سوچتے ہیں بھائی سوچتے ہیں — سوچنے کے علاوہ اب اور کام ہی کیا

ہے ۔ لیکن مذاق بھی سوچو ۔

(مجید اور امجد دونوں سوچ میں مستغرق ہو جاتے ہیں)



ساتواں منظر

نگار بولا سے محققہ یعنیچہ — شام کا وقت۔ نوارے
 کا پانی بند ہے۔ جیسے وہ ابل ابل کر عا جزا چکا ہے۔ پس منظر میں خاکستری
 پہاڑیاں، صند لکڑیوں میں بہی گھنٹیاں جیسے چھپا رہی ہیں فرشی پر سبزہ روزنا
 بڑا سا صند مہرتا ہے۔ دائیں طرف نوارے سے دو مہٹ کر گھنٹی
 بھاریاں۔ جن کے عقب میں امجد اپاجوں والی کرسی میں بیٹھا ہے پیت
 پرمضہ سری کرسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہے — وہ اُسے
 چلانے لگتی ہے۔

امجد : نہیں اصغری — کچھ دیر ٹھہرو

اصغری : (ٹھہرائی ہے) لیکن امجد بیاں

امجد : میں آج اپنی زندگی کا آخری زخم کھانا چاہتا ہوں۔

اصغری : بیزخسہ کھانا اگر آپ ضروری سمجھتے ہیں تو اپنے تصور ہی میں کھا سکتے ہیں — لیکن — یہ
 زخم تو آپ کے لگ چکا ہے — اسے دوبارہ کیوں کھانا چاہتے ہیں آپ؟

امجد : (سکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے) میری حالت میں جو آدمی ہو اس کے بوجھنے کی کوئی طاقت نہیں رہتی
 اپنے زخموں کے ٹانگے کھول کھول کر دیکھتا ہے۔ آگہوں کی زبانی میٹیل کی دستا میں سنا ہے اندھ کو
 بست بڑا شہید بگھتا ہے (سنتا ہے) اصغری : اٹھادی گھنٹی کو لہجہ میں ٹوٹی نہیں۔ یہ ایسے تم لوگوں کا
 دردناک حال نہیں جانتی جو بوجھنے کی آہنا کو بچ کر نکلتے دیکھتے ہیں بلکہ ہر مہارتیں بندتے ہیں۔

اصغری : (سکڑتی ہے) میں تو ان عدلوں سے ہی آگے نکل گئی ہوں امجد بیاں — بڑی اونچی

اونچی جہاز میں بنا کر نوا اپنے ہاتھوں سے ڈھبائی ہوں — ایسا کرتے کرتے تو میرے بل میں

بھی گئے پڑ چکے ہیں۔

امجد : (کانپ جاتا ہے) اصغری — تم بڑی خوفناک سو۔
 اصغری : (خستہ ہے) ہر اجازت خوفناک ہوتی ہے — حالانکہ بے چاری کیا خوفناک ہو سکتی ہے۔ اسے
 اپنے ماتر پر اتنی فرصت سہری کہاں ملتی ہے جو درمروں کو ڈرائے — وہ تو خود رکبی ہوئی سہی ہوتی
 ہوتی ہے۔

امجد : تمہاری زندگی بھی کسی حادثے سے دو چار ہوئی ؟
 اصغری : جی نہیں — اس جی کچھ زندگی کسی حادثے سے کیا دو چار ہوگی جو کہ خود ایک حادثہ ہے۔
 امجد : تمہاری ماؤں سے جیسے سوئے گوشت کی بو آتی ہے۔
 اصغری : ہاں ایسے کہ اب آپ کی سونگھنے کی حس جاگ رہی ہے۔
 امجد : پیسے سو رہی تھی ؟

اصغری : جی ہاں — بہت گہری نیرسند۔

امجد : اسے جگا کس نے ہے ؟

اصغری : اس گاڑی نے جو ٹیڑھی سے اتر گئی۔

امجد : (بڑبڑاتا ہے) اس گاڑی نے — جو ٹیڑھی سے اتر گئی — (ذرا بلند آواز) کیا یہ پھر
 ٹیڑھی سے اترے گی ؟

اصغری : جو اللہ میاں کو منظور ہے وہی ہوگا۔

امجد : اللہ میاں کا نام مت لو — میری اس کی دوستی ختم ہو چکی ہے۔

اصغری : نہیں جو میاں۔ اس شخص سے ہم ایسوں کی دوستی کبھی ختم نہیں ہوتی — ٹوٹ ٹوٹ کے
 آپ جڑتی رہتی ہے۔

امجد : یہ سب کبوں ہے۔

(دو لوں ایک دم چومکتے ہیں — قدموں کی آہٹ سنائی دیتی)

ہے۔ مجید اور سعیدہ اپنے ہونے سو دارم تھے ہیں — سعیدہ
جو بت تھی ہوئی ہے۔ فارے کی منڈیر پر ٹیٹھ جان ہے۔ مجید کھڑا

(دہتا ہے)

سعیدہ: آج تو میں بہت تنگ گئی ہوں۔

مجید: حالانکہ ہم زیادہ دن نہیں گئے۔

سعیدہ: ہاں۔

وقفہ

مجید: کیا یہی اچھا ہوتا۔ اگر میں کراچی چلا گیا ہوتا۔

سعیدہ: اچھا ہی ہوتا۔

مجید: میری جان عیب تکل میں نہیں گئی ہے — میں کراچی چلا جاتا — لیکن سوال ہے

کیا میں اس منصب حاد میں سے اپنی کشتی کھینک کر مارے سے ہاتا؟ — نہیں — میں

ضرور ناکام ہوتا۔

سعیدہ: مجھے معلوم ہے۔

مجید: تمہیں معلوم ہے — مجھے معلوم ہے — سوانے بھائی جان کے اور سب کو معلوم ہے

ادب ہی اس کمائی کا سبب الٹا ہے۔

سعیدہ: میں نے کئی بار سوچا ہے کہ ان سے کہہ دوں لیکن (اٹھ کھڑی ہوتی ہے) مجھے ڈر ہے وہ اس صدمے کی

تاب نہ لائیں گے۔

مجید: مجھے خود بھی ابی ات کا ڈر ہے — ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایک

برس اور زندہ رہے گا — غریب کی زندگی کا اتنا مختصر عرصہ چھیننا ظلم ہے!

(بھاریوں کے صوب میں امجد اپنے دانت بیچ لیتا ہے)

(اصغر کی خوشی سے اس کا کندھا کھینچ لیتی ہے)

سعیدہ: ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے کہ جب تک وہ زندہ ہیں خوش رہیں۔ ان کے احکامات کے نازک انگلیں کو
بلی سچاٹیس بھی نہ لگے۔

مجید: اور اگر ہمارا کوئی چھالار گڑھل کے پھوٹ پڑا تو —————

سعیدہ: (قریب قریب سچ کر) تو قیامت آجائے گی

مجید: اسی لیے میں سوچتا ہوں کہ میں چلا جاؤں۔

سعیدہ: (ایک دم بات کاٹ کر) ایسا نہ کہو مجید ————— اتنے ظالم مت بنو۔

(امجد: یا بھول کر ہی میں راز جاتا ہے۔ صغریٰ اس کا دسرا کندہ صاحبی

مضطر سے پکڑ لیتی ہے)

مجید: محبت بڑی ظالم اور خود غرض ہوتی ہے سعیدہ! ————— کم نجات دہروں کی موت پر ناچنے کی

خوش کرتے ہوئے بھی نہیں شراقتی۔

سعیدہ: ہمیں ایسے خیال اپنے داغ میں نہیں لانے چاہئیں

مجید: ٹھیک ہے ————— لیکن آجائیں تو کیا کریں۔

سعیدہ: کیا کر سکتے ہیں ————— چلو۔

(سعیدہ کو ٹھیک کی جانب چلتی ہے) ————— مجید ہی کے پیچھے آہستہ

آہستہ قدم اٹھا آواز نہ ہوتا ہے ————— بھٹائیوں کے عقب

ہیں اپنیوں ال کر میں جگہ سر جھکا ہوا ہے۔ اس کے پیچھے اصغریٰ

بٹ بنی کھڑی ہے)

اصغریٰ: چلیں؟

امجد: (اسی طرح سر جھکائے ہوئے) نہیں ————— ابھی نہیں ————— میں سوچ رہا ہوں۔

اصغریٰ: کیا؟

امجد: معلوم نہیں ————— شاید یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے اب کیا سوچنا چاہئے۔

اصغری : ایسی سورج بھارا بالکل فضول برتی ہے ۔

امجد : (سراٹھا کر) فضول تو جوتی ہے — گھر بھر کیا کروں — (وقفے کے بعد) وہ اتنے

خالم نہیں ہیں جتنی تم ہو — تم تو مجھے سوچنے سے منع کرتا ہو — تم بڑی
خالم ہو اصغری !

اصغری : (سکرا کر) محبت بڑی خالم اور خود غرض برتی ہے امجد میاں — کم محنت اپنی موت پر بھی
ناچنے سے باز نہیں آتی۔

امجد : میسرے سامنے آؤ۔

(اصغری ہی کے سامنے آتی ہے امجد اس کی آنکھوں پر انکھیں

ڈال کر دیکھتا ہے — کچھ سوچتا ہے اور بڑبڑاتا ہے)

امجد : یہ کتاب ، ہتک کمانا پر نہیں۔

اصغری : کہیں روکی کی کرکری ہیں — اپنی صحیح جگہ !

امجد : چلو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے لے چلو۔

(اصغری کرکری بیٹھی ہے ، وہ کہتی ہے کہ تمہاری گانہب چلتی ہے)



آٹھواں منظر

(وہی کمرہ جہیے دوسرے اد پر تھے منظر میں ہے رات کا وقت بھت سے سبز پوشی کی سپوار گڑھی ہے — ہر شے کا ہمیں رنگ بدلا ٹرا ہے۔ جیسے اصحاب ندہ مر لقیوں کا — سہری خالی ہے کچھیں طور پر خالی جیسے وہ کبھی آبادی نہیں تھی — صغریٰ امجد کو اب بچوں والی کرسی میں اتار لاتی ہے)

اصغریٰ : دو لہن بگیم۔ بگیم صاحب کے کمرے میں کیوں مچی گئیں ؟

امجد : ڈر آتی تھی۔

اصغریٰ : آپ سے ؟

امجد : (سلا کر) مجھ سے کوئی کیا لڈے گا — وہ اپنے آپ سے ڈرتی ہے۔

اصغریٰ : وہ اتنی کمزور نہیں ہیں امجدیاں۔

امجد : وقت بڑے بڑے سپارٹ کھو کھلے کر دیتا ہے — وہ تو ایک جوان لڑکی ہے۔

اصغریٰ : (توقف کے بعد) آپ سنا چاہیں گے اب ؟

امجد : سنا ؟ (سننا ہے) میرا مذاق مت اڑاؤ اصغریٰ — میرے جلتے ہوئے

رضوں کی توہین ہوتی ہے۔

اصغریٰ : (توقف کے بعد) کیا آپ کو سعید سے محبت ہے ؟

امجد : نہیں۔

اصغریٰ : تو پھر جلتے ہوئے جسم کیسے ؟

امجد : مجھے سر پہنے دو — بولو اجانت دیتی تو سوچنے کی ؟

اصغری: آپ سرچے۔

(طویل وقفہ جس میں اُجھڑ سوچ میں غرق رہتا ہے)

امجد: مجھے سیرہ سے محبت نہیں ہے — جس طرح اراکیت سے آدمی اچھی چہرہ جن کے لانا ہے —

اسی طرح میں نے سیکڑوں لڑکیوں میں سے اسے انتخاب کر کے اپنی بیوی بنایا تھا — مجھے اپنے

ہاں انتخاب پر ناز تھا اور سچا مانا نہ تھا — سیرا بلنے کی حد تک خوبصورت ہے — اس پر

میرا صرت اتنا سہی ہے کہ میں نے اسے سچا اور اپنی رفیقہ حیات بنایا — اس حیات کا جواب کبھی

دیوٹی میں کرتی ہیں، چہرے — جو کسی دوسرے کی مدد کے بغیر بن نہیں سکتی — ڈاکٹروں

نے مجھے زیادہ سے زیادہ پستان اور نازہ دینے کے لیے دیا ہے — سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کیوں اس

حصے تک اس کو اپنی نچر میں بندھ کر رکھنا چاہتا ہوں جن کا ہر حلقہ میری اپنی زندگی کی طرح بغیر بھرتی ہے۔

— کچھ کھجوریں نہیں آتا — سوچتے ہوئے) اس کی جوان خوبصورتی ہی ایک وجہ ہو سکتی

ہے (ایک دم پوچھ کر) یہی - جی — یہی وجہ ہے اور کوئی نہیں (تکلیف محسوس کرتا ہے)

اوہ — اوہ — وہ نظارہ — وہ نظارہ — مجھے

بھول سکتا ہے۔ کبھی وہ نظارہ — اس سہری میں جوان خوبصورتی اپنی تمام رعنائیوں کے

ساتھ لٹیٹ دینا کے حسین ترین ملبوسات کو شرمسار کر رہی تھی — یہ نظارہ میرے ساتھ چٹ

گیا — نہیں۔ میں اس کے ساتھ چھٹ گیا ہوں — (وقفہ کے بعد) اصغری!

اصغری: (پوچھ کر) جی!

امجد: کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے جو تجھیں سچ کر میرے وجود سے علیحدہ ہو جائے۔

اصغری: مشکل کی چوٹی میں اس کو آسان کرنے کی ترکیب چھپی ہوتی ہے۔

امجد: تو دھونڈنی چاہیے — لیکن — لیکن مجھے حجاب کیوں محسوس ہوتا ہے۔

اصغری: معلوم نہیں کیوں — بیشکل آپ ہی کی شکل ہے اس کے لیے آپ کا ہاتھ کسی نامحرم کا ہاتھ نہیں ہوگا۔

امجد: سہانا ہوں — میں اپنے دل کی ان تمام ناخلف نسوں سے واقف ہوں جو اس غلط جذبے

کی دھرتی پیدا کرتی ہیں — لیکن آج اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اصغری: کس کا؟

امجد: میرے سامنے آؤ۔

(اصغری امجد کے سامنے آجاتی ہے)

امجد: جاؤ۔ مسہری میں لیٹ جاؤ۔

اصغری: (ہچکچاکر) امجد! مجھ میں وہ جوان خوبصورتی نہیں ہے جس کی عفتانیاں دنیا کے حسین ترین طبعوسات کو شرمسار کر سکیں — مسہری جوانی تو کھر دے ٹاٹ کی شرنہ، احسان ہرانا چاہتی ہے۔

امجد: مسہری میں لیٹ جاؤ، اصغری۔

اصغری: (آنکھوں سے آنسو تھپک پڑتے ہیں) نہیں امجد! یہاں — مسہری کو تکلیف ہوگی — یہ دو دن بیگم کے نرم اور نازک بدن کی عادی ہے۔

امجد: نہیں تمہیں حکم دیتا ہوں۔

اصغری: (سر جھٹکا کر) آپ الٹ ہیں۔

(مسہری میں لیٹ جاتی ہے — آنکھیں جھپٹ میں گر جاتی ہیں)

امجد: جانی ہو آج کون سی رات ہے — وہ رات ہے جب ایک تڑپی مڑی جوانی اور فراطرہ

نور مڑ کر سائیت خستیا کو نیرانی ہے — یہ قیامت کی رات ہے — فنا کی رات

اس کے اندھیادوں میں جو دہر کی بھٹیوں میں گھپل کر ایک نیر فانی قالب اختیار کرے گا — یہ

وہ رات ہے جس کے بعد اور کوئی رات نہیں آئے گی۔ اس کی اندھی آنکھوں میں ایسے کامل سے تحریریں

ہوں گی جو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشن کر دیں گی — یہ وہ رات ہے جب موت کے

نچڑھے ہوئے قصوں سے زندگی کے آخری قطرے ڈگر خود بخود باہر آجائیں گے — یہ وہ

رات ہے جب شگفتگی اپنی کوکھ سے سر بلند ایوانی کو جنم دے گی — ایسے سر بلند ایوان جن کے

کنگنوں کو عرش کی بلند ترین اونچائیوں سے پہلکام ہونے کا شرف حاصل ہوگا — یہ وہ رات ہے

جب زمزم کا سارا پانی ریگ ریگ کر زمین کی تلوں میں ٹھپ جائے گا۔ اس کے بدلے ناک اڑے گی جس سے پاکیزہ رو میں تیم کریں گی۔ یہ دعوات ہے جب کاتب تقدیر اپنا تقدیر ادا کر کے عرش کے کسی کونے میں منہ اڑے کر دوئے گا۔ یہ وہ رات ہے جس میں ابو محمد اس دنیا کی تمام خوبصورتیوں کو تین دفعہ طلاق دینا ہے اور ایک بصورتی کو اپنے رشتہ مناکحت میں لاتا ہے۔ (ایکدم جیٹا ہے) اصغری — اصغری !

(اس دوران میں اصغری سر پر سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس پہنچ کر لے
کھول لگی ہے اور وہیں کی بل پر کھڑی ہو کر نیچے گھڑیوں میں دیکھ رہی ہے)

امجد : (چیخ کر) یہ کیا کر رہی ہو اصغری !

اصغری : (کھڑکی کی بل پر ڈر کر امجد کو دیکھتی ہے) ایجاب قبول ضروری ہے میرے ایک !

(نیچے کو دھاتی ہے)

امجد : (دونوں اُتوں سے اٹھیں حانپ کر) اصغری !

(اٹھ بٹا ہے اور چند لمحات کھلی کھڑکی کے اندھیرے کو دیکھتا ہے۔)

جو ہر دیوار میں آئینہ نم کے اندر رکھ لے ہے۔ ایجاب و قبول ا بڑ بڑا ہے)

ایجاب قبول واقعی ضروری ہے ! زور لگا کر دونوں اُتوں سے پئی کر سی آگے

گھیرے ہے۔ بڑی مشکل سے کھڑکی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔)

بچے شکل کو آسان کرنے کا یہ راستہ معلوم تھا۔ مگر شاید کسی نگلی پکڑنے

داسے کی ضرورت تھی۔

(کھڑکی کی بل دونوں اُتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑتا ہے اور اپنا

ابھی جسم بڑی دقتوں سے اُپر اٹھا ہے اور دوسری طرف لگنا شروع کر دیتا ہے)

امجد : میری پہاڑیاں — میری پیاری پہاڑیاں — میری پیاری اصغری !

(اگلا دھڑکنے پھیلتا ہے اور ایک دم اُس کا سارا وجود اذہر اکھا جاتا ہے)

پرودہ غفلت

مخاکاتہ سید مایہ حسین ایم ایف پی۔ ایچ. ڈی



کردار

- میر الطاف حسین : مول آباد کے زمیستہ علاقہ۔ عمر ساٹھ سال
 رقیہ خاتون : ان کی بیوی۔ عمر ۵۲ سال
 سعرا : ان کی بیوی۔ عمر ۲۲ سال
 محمد حسین : ان کے دادا۔ تاجر کلکتہ میں۔ عمر ۲۷ سال
 منظور حسین : ان کا بیٹا۔ میر شجاعت حسین مرحوم کا اولاد کا عمر ۷ سال
 سعیدہ : اس کی بیوی۔ عمر ۲۰ سال
 شیخ کرامت علی : شجاعت حسین مرحوم کے اولین عمر ۷۵ سال
 محمد تاجاد : مول سکول مول آباد کے چھوٹے مدرسے کا عمر ۳۶ سال
 محمد علی : ایک دوست کے قبیلہ کمال پور کا زمیندار۔ سعیدہ کا عاشق۔ عمر ۲۰ سال
 انار حسین : میر الطاف حسین کے سلسلے اور مختار عام عمر ۴۵ سال
 گڑگا سہائے : میر شجاعت حسین مرحوم کی جہانگیر کے منظم عمر ۶۵ سال
 سیتارام : مہا بن عمر ۴۸ سال

چیرپاسی۔ خدمت گار۔ خسارہ

پہلا ایکٹ

پہلا سین

(میرالطاف حسین اپنے مکان کے سامنے نم کے دھنوں کے سامنے
 ہیں ایک ٹیکہ دار موٹہ سے برہمیٹھے حقدار رہتے ہیں۔ انھیں تیسری
 وظیفے کا شغل بدی ہے۔ سید سے ذہن پر اٹھتے ہیں اور بائیں ہاتھ
 کھدھنے سے ایک جیروائی کی آستنی پر سبتارام جاجن منجھتے ہیں)

آٹھ سین (اس سلسلہ کلام جاری) کھتے ہوئے (بول دھول نہی ہے۔ خون سفید ہو گئے ہیں جس چھپانے پھین سے بیٹھے
 کا لہجہ بالا۔ اس سے برکتی۔ اپنا گھر الگ کریں گے۔ اپنی جاندا دینا چاہیں گے۔ بین کو کھٹا پڑھا کر مہم بنائیں گے
 اس میں نماندان کی آبرو ٹٹی ہیں مل جائے چاہئے۔

سیتارام : (بات کاٹ کر) آمدیاں یہ سب انگریزی ٹیڑھائی ہا قصور ہے۔ دیکھو نا : ما جہانے کے ڈالنے والے تھکے
 ساتھ اردو ڈالیں پڑھتے تھے کیے چپ چاپ میاں آدمی تھے۔ ہم تم ڈال لیں رہے اردو پاس ہو جو اگر
 انگریزی سکول میں پہنچے تب سے کیسی دھول دھاتیں کرنے لگے اور لہجہ من جا کر تو ایسے بد سے کہ کیا
 مجال کوئی کر سکے۔ بڑی میاں شجاعت ہیں جو مرتھ بکائے نعل میں بستہ اور سلٹیٹ دہائے دوسرے مایا لکھتے تھے۔
 آٹھ سین : اور تو اور اس بیٹے کھڑے کر امت علی کو خدا جاننے کیا سو گیا ہے شجاعت جہانی مرحوم کی لہجہ زبان سن
 کہ اس کی عقل ماری گئی منظور اور اس کی بین دونوں کو خدا جاننے کیا لاسبق پڑھا لکھا ہے۔

میرالطاف حسین : (غصے کے لیے) جی آٹھ سین تب سے کتنی بار کہہ دیا کہ شیخ جی کو ذکر ایسے افغانا میں نہ کیا کرو کچھ بھی ہو
 والد مرحوم کے زمانے کے آدمی ہیں اور میرے تھکے دونوں کے بڑگ ہیں۔

آٹھ سین : بیانی صاحب ایسی بڑگی کو سات سلام۔ آخر خدا رسول ہیں کوئی بھیر ہے۔ دین کی باتیں کسی کی بڑگی نہیں ملتی۔ ہر ہم
 سبانتے بڑے بڑگ ہیں جب لڑکے کو سمجھانے کہ میاں پیریت کے خیال کو چھوڑو۔ ہن کو سیدانوں کی لہجہ پرانے

میں بیٹھنے دو۔ چچا کی اطاعت کرو

سیا رام : ادا میں کی۔

احمد حسین : ہاں کجنت کس حساب میں ہے۔ وہ تو لائق۔ جاہل سے ایمان بھاجا تا ہے (میر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر)

کیڑے قد و کعبہ بڑوں کی اطاعت چھوڑوں پر فرض ہے کہ نہیں ! پھر شخص ہمتیے کو چچا سے بغارت کرنے پر دروغاٹے

اور لکھن کو پڑھ لکھ کر غائب ہو جائے کی صلاح دے۔ اس پر میں اعتراض کرتا ہوں تو کہا بڑا کرنا میں !

میر صاحب : تمہیں کہاں سے معلوم ہے کہ شیخ جی ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں منظور تیرے ہے اس کی طبیعت میں بے چینی ہے

جب مزاج میں یکسوئی آنے گی یہ باتیں ہاتھیں نہیں گی۔

احمد حسین : جلال صاحب خطا معاف۔ آپ میں فرشتہ نہ تھا حال ادب کو اپنا جیسا سمجھتے ہیں۔ آپ کو خبر نہیں کہ کیا کیا

لانڈیاں بیک نہ تھیں۔ کل نیک رام ضلع سے واپس آیا ہے۔ اپنے مقدمے کے لیے وکیل کرنے گیا تھا۔ لالہ

بالکش کے یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ سکر ہو گھول سے بات کر رہے ہیں۔ فرصت نہیں ہے۔ دو گھنٹے کا مل

انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد دیکھا کیا ہے کہ وکیل صاحب کے کمرے سے منظور اور گنگا سہاسے مگر گوشہ کرتے

ہوئے نکلے۔ دونوں نے سانس دیکھا۔ مگر لکھ بچا کر نکل گئے۔ اب فریضے اس کے کیا معنی ہیں ؟

میر صاحب : واللہ علم منظور کو کسی امر نہ تاملی مشورہ کرنا ہو گا۔

احمد حسین : جی ! وہ امر تاملی یہ ہے کہ بچی ادب حق کی جائداد کو خاندان کی جائداد سے الگ کرانے کی درخواست دیں اور

بن کو لے کر مکمل پور میں لگا گھر میں ہیں۔ پھر آزادی ہی آزادی ہے۔ بہن پہلے ہی سے بڑھی گھسی ہے۔ اُسے

منش کی بیگم سے اور پڑھو ایش گئے۔ پھر محمد علی کے ساتھ مل کر لکھنوں کا مدیسرہ قائم کریں گے اور یہ سب سکھائی پڑھا

ہے جناب شیخ کرامت علی صاحب کی۔

میر صاحب : اچھے یقین نہیں آتا۔ اور لغرض مجال ایسا ہوسکتی تو شیخ جی نے کبھی ایسی رائے نہ دی ہوتی۔

احمد حسین : اب آپ نہ مانئے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ تھوڑے دن میں آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔

میر صاحب : اچھا میں منظور کو کھجور کا گڑ سے وغیرہ کا خیال چھوڑ دے۔ لیکن اگر وہ اپنی جائداد کا انتظام خود کرنا چاہتا

ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔ اب بھی اس کی جائداد کی نگرانی منشی گنگا سہاسے کرتے ہیں اب وہ خود کرے تو

کون کی تباہت ہے؟

احمد حسین: عرض کروں کون سی تباہت ہے؟ آدھے سے زیادہ آمدنی جاتی رہے گی۔ اتنے بڑے خاندان کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ موجودہ آمدنی میں نہ معلوم کون کون سی چیزیں ہوں۔ پھر تو لغو ان کی حکمت سے بھی پورا نہ بڑے گا۔ دوسرے بہ ستارام بیٹھے ہیں انہوں نے جن لوگوں سے بہ روایت قرض لے کر تین دیا ہے۔ انہیں جب معلوم ہوگا کہ آدھی جب نہ اوصاف نکل جاتی ہے۔ تو وہ فوراً نالوش باع دیں گے۔

سیٹارام: سرکار! آدھیاں بیچ کھیں۔ گنگا سمانے نے پیسے سے لوگوں کو سنا رکھا ہے کہ چھوٹے میر صاحب کی جائداد سے قرضے سے کوئی مطلب نہیں۔ اب بٹوارہ ہوگا تو بالکل ساکھ جاتی ہے گی۔

میر صاحب: مگر یہ تو سچ ہے نہ شجاعت مرحوم نے کسی قرضہ لیا نہ منظور نے۔ اور اس کی بہن تو شاید ابھی تو فنا باع بھی نہیں ہے۔

احمد حسین: جی بالکل درست ہے۔ کسی نے قرضہ نہیں لیا۔ یہ تو مجھ کجحت کی شامت الٰہی تھی کہ صغیرا کی شادی میں خاندان کی آبرورکھنے کے لیے عمر ہمیں شان سے کرے کہ بے جیسا بزرگوں کے وقت سے مرنا جلا کر رہے۔ سالن بھر کا بیع خرچ پورا کرنے کے لیے میں نے قرض لیا۔ لیکن کیا میاں منظور اور ان کی بہن۔ دونوں خاندان سے الگ تھے۔ کیا میرے آپ کے بزرگ ان کے بزرگ نہ تھے جو ان کی جائداد قرضے سے بری ہے۔

سیٹارام: سرکار! یہ تو سچی بات ہے۔ ہم لوگوں کے گھر میں بھی سب کا ربار ایک میں ہوتا ہے۔ سب کی آمدنی ایک ہوتی ہے۔ خرچ سا تقسیم ہوتا ہے۔ قرضہ سبھی کے لیے لیا جاتا ہے۔

میر صاحب: مجس میری بھٹی میں باتیں نہیں آئیں منظور در چار دن میں آئے گا تو اس سے گفتگو کروں گا۔

احمد حسین: خدا ہی ہے جو آپ کے بھانے کا اثر ہو۔ صاحب زادے اپنے آپ کو اظہار سمجھتے ہیں۔ ان کی نظریں کس کی بات کب چمکتی ہے۔ پھر انہیں شریعت میں شیخ کرامت علی۔ اور دست محمد علی۔ اس لڑکے کے ارادے شجاعت بھائی مرحوم کی حیاتی سے سر بہ ہیں کہ سیدہ سے شادی کرے۔ جانتا تھا کہ بھائی مرحوم جو اسے خاندان کی رسم خلافت آدمی جائداد لڑکی کے نام چھوڑیں گے لیکن مرحوم نے اسے کبھی مت نہیں لگایا۔

میر صاحب: یہ تو تم مرنا غلط کتھے جو شجاعت مرحوم اس لڑکے کو بہت چاہتے تھے۔ وہ ہوتے تو ضرور ہنسی سے

شادی کرتے۔

احمد حسین: اب میں آپ کی نذر یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ اب میسر وہ سامعہ سے پوچھیے۔ ایسا نہ تو وہ سعیدہ کی نسبت محمد حجاز سے کیوں ٹھہراتی۔

میر صاحب: یہ وہ باہنیں باتم میرے نزدیک تو بہ نسبت ہی بیکسٹی کی ہے نہ لڑکی لاشمی سے نہ اس کا بھائی۔
 احمد حسین: شادی کے معاملے میں لڑکے لڑکی کی رضا مندی کا خیال کرنا لاشمی بات ہے شریف گھر والوں میں لڑکی سے جا کر
 کئی نہیں پوچھا کرتا۔ ماں باپ جیسا اولاد ہی بہتری اُسکھتے ہیں۔ وہ خود لیا بھگے گی۔ اب وجہ لڑکی کے بھائی صاحب
 تو چچا چچی کے ہوتے تھے انہیں بولنے کا کون منہ بے ہے۔

میر صاحب: گدھالی منظر بہت برس ہے۔ اگر لڑکی کی شادی جو آئے کر دے گی تو خاندان میں نا اتفاقی کی بنیاد پڑ
 جائے گی۔

احمد حسین: بہ حال نسبت تو گھبرائی ہے اور شادی جو آئے ہو نا ضروری ہے اگر ایسا نہ ہو تو دوسرا جہ کے سامنے
 ناک کٹ جانے کی کہ نہ میں نہ بھائی نسبت چھوٹ گئی

میر صاحب: خیر ہو گا (اس پاس نظر ڈال کر) نماز کا وقت آگیا ہے (اٹھتے ہوئے سیٹیا رام کی طرف مخاطب ہو کر)
 لالہ بی آپ کو کچھ گفتگو کرنا ہے احمد حسین سے کہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھ سے تو کسی بات سے مطلب
 نہیں۔

سیٹیا رام: سرکار! آپ اور آدمیاں کچھ دو تھوڑی ہیں ہم آپ کے ہمیں تا ابدار۔ ان کے بھی اور آپ لوگوں سے
 بسلامت کار بار کی بات چیت کریں گے۔ گھر کا کام جان گئے ہیں۔
 میر صاحب: بے شک آپ سے ایسی ہی امید ہے۔

(پلے گئے)

سیٹیا رام: میاں یہ توڑی بے ڈھب خبر سنانی منظر میاں نے اگر کچھ بیخبر خواست سے دی تو اتنی بڑی جاہداد
 ہاتھ سے گئی۔

احمد حسین: درخواست دینے میں کیا کچھ کسر ہے۔ بالکشن کو تم جانتے ہو۔ ایکسری کھیاں ہے۔ اس سے یہ کب

ایسا ہو سکتی ہے کہ راک تمام کرے۔

سیتا رام : پھر کیا کرنا چاہیے؟

احمد حسین : تم بلا لالہ! تم مقررہ کے معاملے میں جتنا جانتے ہو تم تعویذی جان سکتے ہیں۔

سیتا رام : نہیں آہ میاں! ہم نے جو ایک آدھ حرف قانون سیکھا ہے۔ سب آب کے طفیل ہیں لیکن اس معاملے میں ہمارے بھروسے میں کوئی بات نہیں آتی۔

احمد حسین : پھر بھلا جب تمہاری فطرت نہیں طبع تو تم کیا کر سکتا ہوں۔

سیتا رام : ایک بات کہوں اگر آپ خفا نہ ہوں۔

احمد حسین : کو کو بھلا خفا ہونے کی کیا بات ہے۔

سیتا رام : (ادھر ادھر دیکھ کر چلنے سے) کہیں ایسا جوتا کہ شہادت میاں کی کلمہ ہونے دستاویز نکل آتی کہ انھوں نے سپاس ہزار روپے میں ساٹا پلے بڑی سرکار سے قرض لیا ہے۔

احمد حسین : دستاویز کہاں سے نکل آتی۔ میں سمجھا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔

سیتا رام : جہاں سے بھین کی دستاویز ہے وہاں کے سند سے میں نکل آتی ہوں۔

احمد حسین : اچھا یہ مطلب ہے۔ مگر سنو تو وہی یہ فقرہ کیسے چل سکتا ہے۔ جہاں صاحب اس میں کہہ چکے ہیں کہ شہادت جہاں نے کبھی قرض نہیں لیا وہ جو لیا ہے اس سے یہ دستاویز کیسی ہے؟

سیتا رام : کہہ دیجئے گا کہ یہ یہ غلط تصور کر کے لیا تھا اور دستاویز کا نام۔ آپ کے ذکر کیا تھا آپ بھول گئے۔

احمد حسین : واہ۔ یہ ایسی سہل بات ہے؟ وہ دیکھنے کو انگلیں گئے اور خط کا فرق آئی نہ پہچانے وہ پہچان لیں گے۔

سیتا رام : تو ان کو مجھانے کی آپ فکر کیجئے۔ اب اتنا ہی آپ نہیں کر سکتے؟

احمد حسین : نہیں لالہ! میرے کیا کسی نے بس کی بات نہیں تم جہاں صاحب کو جانتے ہو۔ پھر ایسی باتیں کرتے ہو اگر

کوئی بیچیدار معاملہ ہو تو خیر۔ درجہ جہاں ان کی بھروسے میں گیا تو وہ ہرگز ان قانونی جانوں کے روادار نہیں ہوتے۔

سیتا رام : پھر اور تو کوئی بات سوچ نہیں پڑتی۔ آپ منکر میاں کو سمجھائیے کہ زمینداری کا کام ٹیسے کچھ ہے

کا ہے۔ اس میں تڑپو، ر، مخرج، اس کی تعین کہیں کی تڑپوگی۔ سب کچھ تھا رہے اس کو ذرا تک سرچ لگا کر
کھنڈے تو شاید مان جائیں۔

احمد حسین: جی ہاں! میرے ہی بھانجے سے تودہ انہیں گئے میری تو انہیں عدالت سے نفرت ہے دوسرے ہے
کہ ان سے منطلق کی بحث کون کرے گا۔

سیٹارام: پیرا فٹس کے سمجھتے کیسے پہنچانے کے نونین پڑھانے کے چھپا کی زندگی میں وہ الت سے توار۔ ے کی
اجازت نہیں ہوگی۔

احمد حسین: لالہ ترمذی بعض وقت عجیب باتیں لکھتے ہیں۔ ایسے ہی منظور نے نہیں کہ بوجھ بالکشن آقا سے وہ
مان لیں گے۔ اور پھر کرامت ملی جو گھاٹ گھاٹ کا اپنی بے ہونے ہے اور محمد علی جیسے قانون ازیر ہے۔
ان کے صلاح کار جو بیٹھے ہیں۔

سیٹارام: (ٹھنڈی ماس سے کہ) ایسا ہے تو منظور میاں نے جسے سے اخذ دھونا چاہئے اور چھٹی ٹیٹیا کے
جسے کو کسی طرح چاہا جائیے۔

احمد حسین: یہیں کچھ کوئی ایسا سائل ہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ محمد آد سے شادی ہو جائے تو وہ تو اپنا آدمی ہے اور
جاؤ اور ایجنڈا منظم میں ہے۔ لیکن شادی ہو جائے تو جائے۔

سیٹارام: اگر سیدانی بی بی بات کی تیج کریں تو ضرور ہوگی۔

احمد حسین: اسے لالہ ترمذی اس میں پوکو نہیں جانتے ہو۔ یہ لوگ اپنی عقل کے آگے سات پشت تک کے بزرگوں کی
کوئی تڑپ نہیں سمجھتے۔ ان کے داغ میں یہ سنا گئی ہے کہ ذیبا کی اصلاح کریں گے۔ اور وہ کیسے۔ عورتوں کو
لکھا پڑھانے۔ اور ان کا پردہ توڑنے۔ بعد کوئی ان سے پوچھے کہ اب تک ذیبا کیسے مل رہی تھی اور
اب کیا مصیبت ان پڑی ہے کہ عورتیں پڑھ کر قانون کو ہو جائیں اور گاؤں گاؤں ماری ماری پھریں؟

سیٹارام: واہ آدمیاں! اب بھی کیا خوب دلیل محامدوں کا ہی بخت کرتے ہیں۔ مگر تم سے پوچھیے تو یہ سب
انگریزی کتابوں کا پیر ہے۔ ہمارا اچھو کہ ابھی ٹھیں گھر آیا تھا اس کی کتاب لٹکا کر رکھی۔ تصویر تو اچھی ملنی
چکنی میں مگر قسم لیجئے ہر ایک حرف بھی سمجھیں! بابو جس زبان کی الف بے ایسی ہواں کی کتابوں میں تہ

جانے کیا کچھ لکھا ہو گا۔

احمد حسین : اہی کچھ ہی لکھا ہو۔ سیری طرف سے جہنم میں جانے۔ یہاں ہی مصیبت کیا کم ہے۔ جو ان جھگڑوں کی نگر ہو۔
 اچھا لالہ میں جاتا ہوں۔ ذرا گاؤں کا ایک چکر لگاؤں گا۔
 (اٹھ کھڑے ہوتے)

سینا رام : بہت اچھا لکھ کر کل سوو بیچتے کا دن ہے۔ اسے نہ بھولے گا
 (ایرودہ گر جاتا ہے)



دوست منظر

(شیخ کرامت علی ڈبوز میں ہیں ایک سونڈھے پر رضائی اوٹھے بیٹھے

ہیں۔ انداز کی طنز کے دروازے میں پردہ پڑے جس کے

بچے رقیہ خاتون ابھی ابھی آکر بیٹھی ہیں)

(پر سے کے بچے سے رقیہ خاتون کی آواز)

شیخ جی! بسنگی عرض ہے

شیخ جی: جیتی روسیڈانی بی۔ خدا رکھ میں بکت سے۔

رقیہ خاتون: اکیسے شیخ جی! اب مزاج کیسا ہے۔ اس کھانسی نے آپ کو بڑی تکلیف دی۔

شیخ جی: کسے؟ مجھے؟ نہیں سیدانی بی! بڑھاپے میں تو کھانسی تکب کلام ہو گئی ہے۔ سنتے والوں کو اس سے تکلیف ہو۔ مجھے تو آرام ملتا ہے۔

رقیہ خاتون: سچ ہے۔ شیخ جی۔ بڑھا پاسو بیماریوں کی بیماری ہے۔ آپ تو خدا رکھے پانچ اوپر ستر برس کے ہیں۔ صغرا کے باپ کو ابھی ساٹھ یورے نیس مجھے وہ بھی سدا کے رو گی تو گئے ہیں۔

شیخ جی: جی اللطاف میاں کی نہ کہئے۔ وہ جوانی ہی میں کون سے تندرست تھے۔ ات یہ ہے کہ جب انسان ایک اندھیری کوٹھڑی میں لات دن جانا زبرد میاں ہے گا۔ تو صحت آپ ہی نواب ہو گی۔

رقیہ خاتون: بس شیخ جی! کئی نہیں باتوں سے تو آگ لگ جاتی ہے۔ آپ کے نزدیک جو اللہ کا نیک بندہ ناز و نطفے میں اپنے۔ ان رات کاٹے وہ احدی اور نکلا ہے۔

شیخ جی: اے روسیڈانی بی خفا ہو گئیں۔ میں نے تو ایک بات کہی تھی ان پر اعتراض کب کیا تھا۔

رقیہ خاتون: آپ منہ سے نہ کہیں مگر دل میں ہی ہے کیسے میں بھوٹ کسے ہوں۔

شیخ جی: اب آپ کس لاتی ہیں تو کتا ہوں۔ میرا اللطاف حسین کے کاہل ہونے میں کیا شبہ ہے۔ جو شخص دنیا میں اپنے

تازدن کو نہ سمجھا سکے۔ جو اپنے ہمسایوں کا حق ندادار کر سکے جو اپنی جائیداد کو اپنے ذائقہ کے واسطے۔ اولیک بیٹے یمان حجاج کے ہاتھوں برباد ہونے کے لیے چھوڑے۔ وہ کارل نہیں تو کیا ہے

رقیہ خاتون: دیکھو تائیں جانتی تھی کہ صغیر لکھنیاں اور حسین کو صلواتیں سنا تا آپ کو منظور تھا۔ میں احمد حسین کی طرف سے نزدیک نہیں کہتی۔ لوگ کہیں گے۔ یہں ہے طرفداری کرتی ہے۔ لیکن صغیر کے آپ کو کوئی دوسرا کچھ کہتا تو میرے بھروسے میں۔ غضب خدا کا اس شخص نے دنیا کچھ بھڑا۔ جین آرام تہج دیا۔ دن رات کی عبادت میں اپنی جان ہلکان کر دی اور لوگوں کے نزدیک کارل ہے۔

شیخ حبی: سیدانی! کاہلی ہی کا نام نہیں ہے کہ آدمی سچ مچ ہاتھ پیر نہ لٹھے جو شخص اپنی بھروسے کام لیسنا نہیں چاہتا اور زندگی لگتھوں کے سلیمانے سے بھی جو آپ ہے وہ صوب سے بڑھ کر کارل ہے۔ محض اللہ اللہ کرنے سے کوئی شخص اللہ کا نیک بندہ نہیں بن جاتا۔ اس کے لیے پہلی شرط یہ کہ انسان نیامیں اپنا فرض جانے اور ادا کرے۔ اللہ کے اللہ بول کے لیے مصیبت نہیں بلکہ راحت کا باعث ہو۔

رقیہ خاتون: اسے چہ تو اس لیے ہا سے نے کس کے سر پر مصیبت ڈھالی ہے؟
 شیخ حبی: اس بے چارے نے مصیبت ڈھالی ہے اپنی اسامیوں پر جو جن کا خدا نے اس سے سابقہ ڈال لیا اور جس میں لے لیا اور احمد حسین کے پیر کو دیکر پولیس سے مل کر انھیں لٹوائیں۔ اس نے مصیبت ڈھالی ہے اپنے ساتھ ان پر جس کو اللہ جاننا داس کی نمازگاری کی بدولت حجاج کے قبضے میں جا رہی ہے۔ اس نے مصیبت ڈھالی ہے اپنے بیٹے اور سوتیلے بچن کی تعلیم و تربیت کو اس نے آپ پر چھوڑ رکھا ہے۔
 (کھا نینے لگے)

رقیہ خاتون: یا اللہ یا اللہ! اب میری باری آئی۔ شیخ حبی! آپ بزرگ ہیں۔ اس بے زبان تک کر دیا جاتی ہوئی مگر اتنا کہ بغیر نہیں رہ سکتی کہ بڑھاپے میں آپ کا رواج صحیح نہیں رہا۔ — میں اُن کی تھی ایک معاملے میں صلاح کرنے۔ مگر سٹری سوڈا بیوں سے کون باتیں کرے۔ لیجئے بنگا میں جاتی ہوں۔

شیخ حبی: (ہنس کر) آپ نے خود ہی چھیڑ چھیڑ کر کہنا دیا۔ درجہ میں نے تو آپ لوگوں کو عقل کی بات سمجھانے سے توبہ کرلی ہے۔ اچھا لیجئے اب ہفتے کو متوکل دیکھئے۔ میرا الطاف حسین ہیں خوبیاں بھی بہت سی ہیں۔ آپ کہیں تو

سنایلوں۔ سیدانی بی۔ _____ ایں کیا سیج حج چل گئیں؟

رقیہ خاتون: کیا کر دل بٹھکے۔ انسان اپنے اس میں ہو تو اس سے بات کی جانے۔

شیخ حبی: اچھا اب سے ہے۔ یں سمٹ سٹھانکے اس میں سما جاتا ہوں۔

رقیہ خاتون: اچھے اب گالیاں لینے سے تھکے تو دل لگی کنے لگے کسی ہوں کہ بڑی ضروری باتیں کرنا ہیں۔

شیخ حبی: یا اللہ انضر ری باتیں کیا ضرور ہے کہ درود کے کی جائیں اور کراہ اراہ عیسیٰ جاتیں۔ آپ کہہ چلے۔ میں غور سے سن رہا ہوں۔

رقیہ خاتون: کچھ نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھے سیدہ کی طرف سے بڑی فکر ہے۔ یہ لڑکی ایسی لگتی ہے کہ اس کے دل

کی بات کبھی سمجھیں نہیں آتی۔ دن بدن ذہل ہوتی جاتی ہے اور اوپر سے بڑھنے کی جوس ہے ویسے تو میں

روک تمام کرتی ہوں۔ لیکن جب نیچائی بہاں ہو تو سوائے کتاب سے سہ ماہی کے اور کوئی کام ہی نہیں ہے

اور یہ منظر تو دنیا سے اٹھکا لڑکھانے۔ اس نے میری سچی کو خدا جاننے کیا بھاریا ہے کہ وہ زندگی سے بیزار

ہو گئی ہے۔ میں دن رات چیخا پیٹا کرتی ہوں مگر نہ تو وہ خدا کی بندی منہ سے کچھ کہتی ہے اور نہ میرے کنے

پر کان دھرتی ہے۔

شیخ حبی: جہاں تک میں بھلا آپ کو اس سے دو شکایتیں ہیں ایک یہ کہ پڑھنے کا شوق کھتی ہے۔ دوسرے یہ

کہ اس میں ہا کرتی ہے اور اس کا علاج آپ یہ کرتی ہیں کہ اُسے پڑھنے نہ دیں اور اُس پر بھڑکوں۔

رقیہ خاتون: آپ نے پھر اسی باتیں کرنا شروع کیں۔ میں اس پر بھڑکوں تو اس کی بھلائی کے لیے۔ یا خدا نخواستہ

دشمنی سے؛

شیخ حبی: سیدانی بی! سنے سبیرہ کو میں نے گود میں کھلایا ہے اور اس کے باپ کو مجھ سے پڑھا ہے۔ اس

لڑکی کی طبیعت کی افتاد آدمی جب بچھ سکتا ہے جب اس کے باپ کی سیرت سے خوب واقف ہو۔

شہامت حسین لپکے دیوا تھے۔ مگر ان کو نہ آپ نے پہچانا نہ آپ کے شہر اور بھائی نے۔ اور سیج

پوچھیے تو چلے بیٹھا اور چند لوگوں کے کسی نے بھی نہیں۔ اگر میں آپ کو ان کی طبیعت اور ان کے خیالات

بھی بتاؤں تو آپ کیا سمجھیں گی۔ اتنا سن لیجئے کہ مروج ایسا داغ رکھتے تھے جو دوزخ و زندگی سے آگے کچھ پہنچ

سکتا تھا اور ایسا دل جو اپنے اور اپنے خاندان کے رنج و راحت کے علاوہ اور باتوں کا بھی احساس رکھتا تھا۔ ایسے لوگوں پر ان ذرا ذرا اسی بات کا بہت اثر تو کم ہے جو آپ کے نزدیک کچھ معنی نہیں رکھتیں۔ سیدہ ان کی بیٹی ہے اور اس نے منظور سے کہیں زیادہ ان کی طبیعت پائی ہے۔ علاوہ اس کے وہ عورت ہونے کے سبب سے ان سے بڑھ کر وہ طبیعت میں کھتی ہے۔ اس کے سے لوگ دنیا میں نفس امارت سے بچنے اور سوتے کے لیے نہیں بلکہ قلب و دماغ سے ہم کام لینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں اور اگر انھیں اپنے خیالات و احساسات کو الفاظ میں ادا و مقاصد کو ناموں میں ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے۔ تو یہ دل ہی دل میں اٹھتے ہیں اور ان کی زندگی خاموشی و انفرادی اور مرن ملال بن کر رہ جاتی ہے۔ اب اس لڑکی کا دل تو ٹھہرا اس تجربہ اثر پذیر اللہ پیدا ہوئی ہے، وہ ایسے ملک میں جہاں عورت کو جانتے۔ سوچنے اور کرنے کی ممانعت ہے تو جو نتیجہ ہونا چاہئے وہ ظاہر ہے۔ اس پر طرہ ہے آپ کی محبت جو اسے تھوڑے بہت پڑھنے کو بھی روکنا چاہتی ہے اور تنبیہ و سرزنش سے اس کے دل کو اور صدمہ پہنچاتی ہے۔

رقیہ خاتون: شیخ جی میر کی سمجھ میں آپ کی باتیں نہیں آتیں۔ یہ میں سمجھتی ہوں کہ لڑکی کا بچہ شیشے کا سادل کھتی ہے مگر یہ کیسی طرح نہیں ہو سکتا کہ وہیں نصیحت کرنا چھوڑ دوں۔ جو ان لڑکی کی تعلیم آسان نہیں ہے۔ اگر گھر کی بھڑکی سے کام نہ لوں تو کل کو میری برابر بنا کر لے گئے گی۔ خیر۔ میں نے جس بات میں صلاح لینے کے لیے آپ کو بلا یا تھا، وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اگر سیدہ کی شادی ہو جائے تو گھر کے کام دھندوں میں اس کا جو بہن جانے گا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

شیخ جی: یہ لیجئے پھر اپنے دیوانے کو برو کی کہنی سے دی میں اس پہلی تقریر سے بائپ ہا ہوں۔ آپ نے وہ بات کہہ دی کہ اہل پٹنے کو بھی چاہتا ہے۔ مگر آپ کے سامنے بکو اس کرنے سے کوئی مانہ نہیں۔ اس لیے اب میں آپ کی بات کا نہایت ہمتار سے جواب دیا کروں گا۔ آپ جو مجھ سے پوچھتی ہیں یہ میرے نزدیک سیدہ سے پوچھنا چاہیے۔

رقیہ خاتون: افسوس تو لوگوں میں لڑکی سے جا کر اس کی شادی کی باتیں کروں۔ شیخ جی آپ کی حیا و شرم کو آخر کیوں آگ لگ گئی۔ یہ باتیں لڑکیوں سے دنیا میں کوئی کرتا ہے۔ باپ ان۔ چچا چچی آخر کا بے کے لیے ہوتے ہیں۔

شیخ حبی : جراب سے بخوبی طہالت قطع نظر کر کے گزارش ہے کہ آپ سعیدہ کی شادی کس سے کرنا چاہتی ہیں؟
رقیہ خاتون : یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اسی سے جس سے منگنی ہوئی ہے۔

شیخ حبی : یعنی مسی محمد تواد مدرس ڈل سکول سے؟

رقیہ خاتون : اور نہیں تو کس سے؟

شیخ حبی : ہیں اس کے بالکل غلات ہوں۔

رقیہ خاتون : آخر کیوں؟

شیخ حبی : نمبر ایک تیرا ذہل مرلہ ہے۔ نمبر دو کی اور اس کی طبیعت میں راجہ بھوج اور گنگا تپتی کا فرق ہے۔ نمبر تین۔ وہ ایک دوسرے رطکے سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

رقیہ خاتون : صاف صاف کیوں نہ کہیے کہ آپ سعیدہ کی شادی محمد علی سے ہونے کا جواب دیکھتے ہیں لوگ
کہتے ہیں کہ جو بونہو بے گھٹتے ہیں وہ بچہ سے بچھے ہوئے ہیں۔ مگر میں ایسے نہیں ہوں۔ مجھے رتی رتی
کی خبر ہے اور سب کو سنا کر کہتی ہوں کہ چاہئے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے میری بچی کا بیاہ میں بھیب
محمد علی سے نہیں ہو سکتا۔

شیخ حبی : آپ کا یہ خیال ہے اور میں یہ سمجھا ہوں کہ دونوں طرف کی دنیا اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے گی اور آپ کی بچی
کا بیاہ محمد علی سے ہے گا۔

رقیہ خاتون : وہ کون تیس ارغالا ہے جو میرے مقابلے میں آئے گا، میں میں تو سنوں اس کا نام۔

شیخ حبی : لیجئے سنئے۔ اس کا نام ہے۔۔۔۔۔ سعیدہ۔

رقیہ خاتون : بس۔ میں تو سمجھی تھی کہ بڑا رسم ہے۔ میاں منظور صاحب بہادر کو آپ کیوں بھول گئے؟

شیخ حبی : سعیدہ کا مقابلہ ایک نوآپ کی اور اہل سین کی دستِ سیمانی سے ہے اور دوسرے خاندان اور قوم
کی رائے سے۔ پیلے سالے میں بے شک منظور اس کی مدد کرے گا مگر دوسرے میں وہ آپ اپنی مددگار
ہوگی۔ کیونکہ اس کا دل قوی ہے اور ارادہ مضبوط۔

رقیہ خاتون : (اعلیٰ آمیزہ ہنسی کے ساتھ) کہیں نہیں یہ وہ لوگ فہم رکھنے کی ضرورت لہجے قیلے سے لڑائی رٹھے گی۔ اچھا ہے

شیخ حبی: جی ہاں! یہی ہے زبان لڑکی ساہ سے جہان کا مقابلہ کرے گی۔ میں کہ چکا ہوں کہ آپ اس لڑکی کو نہیں پہچانتی ہیں۔ سنئے دنیا کے دو مذہبوں کے نکلنے سے ایک شرارہ پیدا ہوا ہے جس کا مخزن اس لڑکی کا دل ہے۔ ایشیا کے منہ ب سے ایک قوم عزم حوصلہ اور جرات لے کر آئی اور مشرق میں ایک دوسری تھی جو صبر، ایثار اور درد رکھتی تھی۔ دونوں کے صدیوں تک رہنے سے ایک نئی سیرت کا خمیر تیار ہوا جس کے اجزاء میں دونوں قوموں کے ہوا پر ملے جیلے تھے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان دونوں قوموں کے مردوں نے اس دولت کے لینے سے انکار کر دیا اور کہا یہ ہماری چیز نہیں ہے۔ مگر عورتوں نے چپکے سے اپنے قلب میں چھپایا اب چونکہ عورتوں کے دل پر جہالت اور غفلت کے بندوں نے پیرا بٹھا رکھا ہے اس لیے اور بہت سے مشربہا غریبوں کی طرح یہ امانت بھی زمانے کی نظروں میں نہیں ہے۔ اس سبب نے خوش قسمتی سے ایسا باب پایا جس کی بدولت وہ کم سے کم خود اس سے واقف ہو گئی ہے۔ کہ اس کے پاس کہا ہے ہما دولت ہے۔ اب آپ کی اور مارنے زمانے کی مخالفت کو وہ صبر، خاموشی اور سکینہ سے برداشت کرتی ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سمجھیں کہ آپ بہن بھائیوں کی سختی نے اس کے عزم کو دبا دیا ہے اور اس کے حوصلے کو توڑ دیا ہے تو آپ سے بڑھ کر کوئی غلطی پر نہیں۔ وہ دن آ رہا ہے کہ آپ پر بھی اہل حقیقت عیال ہو جائے گی۔

رقیہ خاتون: شکریہ ہے آپ نے بس تو کی۔ میں تو کبھی تھی شام ہوئی۔ اب مجھے آپ کے سٹھبا جانے میں مطلق شبہ نہیں رہا۔ خدا جانے کہاں کی ہسلی ہسلی باتیں کرتے ہیں۔ لڑکی کے دل میں پورب پچھم، خیر، خزانہ، خاک، محل خدا جانے کیا ہے۔ خیر میں آپ کا عندیہ لینے آئی تھی۔ معلوم ہو گیا ہے کہ آپ نے بھی میری دشمنی پر کمر باندھی ہے۔ بہت خوب۔ زندگی ہے تو دونوں دیکھیں گے کہ کیا نتائج ہوں گے۔ اچھا بندگِ حرم ہے۔ میں جاتی ہوں۔

شیخ حبی: بیٹی بھو۔

(اٹھ کر باہر کی طرف طرف چلے جاتے ہیں)

(آپ ہی آپ)

یہ تو سچ لکھا ہے لڑکی — میں ضرور ٹھیکیا گیا ہوں۔ ورنہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیوں کرتا۔ جو اس کے
 گھری برابر دماغ میں کہہ جاچ نہیں سکتا تھا۔ دو سے لے کر اس طرح شستل کر دینا بھی بڑا ہے۔ مگر میں
 مجبور ہوں۔ بڑھاپے کے سبب سے زمان بڑھتا جا رہا ہے۔

ڈیوڑھی کے ردا سے سے نعل جلتے ہیں۔

پیرہہ



تیسرا منظر

(ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ جس میں ایک طرف پینٹ بچھا ہے اور
اس کے پاس اب چھوٹا سا تخت ہے جس پر بند دھونے کا ساٹا
اور نیچے ایک تسلا رکھا ہے۔ کمرے میں ایک طرف ایک چھوٹی
سی میز اور اس کے سامنے اور سیڑھی طرف ایک کرسی رکھی
ہے۔ میز پر چند کتابیں اور قلم و ادوات وغیرہ ہے۔ کونے میں ایک
الٹا ری پر چند کتابیں رکھی ہیں۔ دیوار پر ایک نقشہ لٹکا ہوا ہے۔
سیدہ تخت پر ٹھہری نہ دھور رہی ہے۔ چند منٹ کے بعد رقیہ سلیم
کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سیدہ، جواب نہ دے کر چلی ہے اور تالیف
سے خشک کر رہی اسے چھوڑ کر عیدی سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے)

سیدہ : تیسرا منظر ہے بچی جان ۔

رقیہ خاتون : جی ہاں بیٹی! خدا عمر دراز کرے۔ اب طبیعت کیسے ہے؟ رات کو دشمنوں کو سنا رہا تھا۔

سیدہ : جی ہاں! خلیفہ سی حرارت تھی۔ اب اچھی ہوں۔

رقیہ خاتون : میں رات کو ادھر سے گزری تو دیکھا ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے فوراً بند کیا۔ تمہیں کتنا بھلا یا

کہ تمہاری منہ لقصص ان کرتی ہے مگر تم پر اثر نہیں ہوتا۔

سیدہ : بچی جان رات گرمی بہت تھی۔

رقیہ خاتون : بیٹا! اگر گرمی بہت تھی مگر صحت کا خیال مقدم ہے۔ پسینہ آتے میں ہوا کا لگ جا، بہت بُرا

ہے۔ اسخرم لوگوں کی اتنی عمر آئی ہے ہم نے میں کچھ دنیا میں دیکھا ہے۔ تم نے دو حرف کیا پڑھ لیے

میں کہ اپنے نزدیک گھر بھر سے زیادہ عقل مند ہو گئی ہو۔ اور سچ پوچھو تو اس ٹیڑھے سے تمہیں بیمار ڈالا

جس دن میرے ساتھ اردی خانے میں کام کرنا سینا پردہ اور رات کو بیچکر پٹھنا صغرا کتی تھی کہ
 گھڑی بھرنے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ ذکر و دود گھنٹے سر مغز بن کر آتا۔ اب ساری یہ جے کو آجمل
 بھالی موجد میں کس راج عرش پر ہے۔

اسی سیدہ کچھ جواب نہیں دیتی بلکہ آٹھائے لفظوں میں ایک جھاڑ سے

کراہی مزمعہ مان کرنے لگتی ہے۔

رقیہ خاتون: اردی میری بھین نہیں آتا یہ پڑھنا کا ہے کہے کیے۔ قرآن پڑھ لیا۔ نماز رز سے کے مسائل تھمتہ معلوم
 میں سے نکال لیتے ہوں۔ اب غنن ہانی ایک کرسے سے کیا فائدہ ہے؟ ہاں خوب یاد آیا صغرا کتی تھی کہ تم نے
 اسے خط لکھ کر بھیجا تھا۔ آخر فرجاستی کیا ہو؟ کیا بالکل ہی خاندان کی ناک کوٹنے کا ارادہ ہے؟ جو سننے کا
 وہ کیا کہے گا، کہ میرے سجاد میں کئی اپنی تحریریں لکھتی ہے۔ شجاعت مرحوم کو خدا بخشے جانے کیا سوچھا کہ
 لکھنا ساکھا یا۔ خیر اس تو بھی صبر کیا۔ تھمتی لکھتے لکھتے بھائی کو خط جانے لگے۔ اس کو بھی کسی طرح سہہ لیا مگر یہ
 تو مجھ سے نہیں دیکھا جانے گا کہ دوڑے کر کتنے تک بات پہنچے۔ خیر دار اب کوئی خط پڑھ صغرا کی
 سسرال گیا تو مجھ سے بڑا کوئی نہ ہوگا۔ ادھر دیکھو اتر سے کتی ہوں۔

اسی سیدہ مزمعہ نامورف کر کے بے تعلقی کی نظر سے رقیہ

کی طرف دیکھتی ہے۔

رقیہ خاتون: میں دم بھر کے لیے تمہارا مزاج پوچھنے آئی تھی۔ یہاں آکر باتوں میں لگ گئی۔ ہاں مجھے یہ سمجھ کر آتا
 تھا کہ غنن کا عمل کیا ہے وہ صغرا کو لینے آ رہا ہے اور وہ پرکھا گئی سے اترے گا اگر تمہاری طبیعت
 ٹھیک ہو تو وہ پہرا اور شام کے کھانے کے لئے ٹھیک ٹھاک کر لو۔ لیکن جو جی ٹھہرا ہوا تو خبردار کسی کام
 میں ہاتھ نہ لگانا۔ صغرا کو بھاد۔ وہ سب کرے گی۔

سیدہ: جی نہیں۔ میری طبیعت اب بالکل صاف ہے۔

رقیہ خاتون: اچھا میں اب جاتی ہوں۔ مجھے صغرا کی لڑکی کے کرتوں میں پچکا ٹاٹ لکھنا ہے۔

(پہلی جاتی ہیں)

(سعیدہ اپنی کتابیں ترتیب سے رکھتی ہے۔ اس سے نازع ہو کر ریز کے خانے سے ایک تصویر نکال کر دیکھنے لگتی ہے صفرا کرے میں داخل ہوتی ہے اور سعیدہ کے ٹاٹے میں تصویر دیکھ کر چپکے چپکے تدم رکھتے ہوئے اس کے پاس پہنچ کر چھپے سے جھانکنے لگتی ہے۔ سعیدہ ایسی محو ہے کہ اسے مطلق صفرا کے آنے کی خبر نہیں)

صفرا: کیا پیارا چہرہ ہے؟

سعیدہ: (چونک کر) اسے ہے آپ بھی ڈرا دیتی ہیں بعض وقت صفرا! یہی!

صفرا: پچ کو کیسی چوری پکڑی ہے۔ نکلی نامحمد علی کی تصویر؟

سعیدہ: ہاں! یہ تصویر سعیدہ جان پرال بھول گئے تھے۔ اس وقت میرضا صاف کہتے ہیں سامنے آگئی تو میں نکال کے دیکھنے لگی۔

صفرا: (تصویر؟ قد میں بے کر) بہت دن کے بعد یہ صورت نکلی ہے۔ چچا جان کی زندگی میں ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ مگر تب پچھنے کا چہرہ تھا اب ادری بات ہے (سعیدہ سے) بھئی دو لہا خوب ڈھونڈو کے نکالا ہے۔ بڑی خوش نصیب ہو۔

سعیدہ: کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ کس کا دو لہا۔ کہاں کی دو لہا؟

صفرا: چٹلیں باقی بناؤ مجھے سب معلوم ہے۔ روزانہ خط لکھے جاتے ہیں۔ ننھے آبا جابا کر سکتے ہیں۔

سعیدہ: آپ خواب دیکھا کرتی ہیں اور صبح اٹھ کے بھوسے سے سمجھتی ہیں کہ جاگتے ہیں دیکھا تھا۔

صفرا: یہ تصویر بھی تو خواب میں دیکھتی ہیں ہوں نا؟ آخر تم انکار کیوں کرتی ہو؟

سعیدہ: جب کوئی بات بھی ہو آپ کو تو سہر وقت نہی سوچتی ہے۔

صفرا: ہنستے ہی گھر لیتے ہیں بھئی میں تو دل سے تصدیق خیر خواہ ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ محمد علی سے شادی ہو

وہ چکنی مٹی کا ڈھیر جواد مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔

سعیدہ: بس ہو چکا اب کوئی اور ذکر چھیڑیے۔

صفرا: اچھا تمہارا مزاج کیسا ہے؟

سعیدہ: اچھا لگتا ہے۔ اچھی ہوں۔

صفرا: کیا آٹاں جان بہاں آئی تھیں؟

سعیدہ: ہاں! ابھی بھی تشریف لے گئی ہیں۔

صفرا: نئی خبر تو سنائی ہو گی؟

سعیدہ: ہاں کتنی تھیں، لہذا بھائی آج سے ہی مبارک ہو۔

صفرا: بس رہنے ہی دو مبارک باد۔ یہی معلوم ہے کہ اب سے لیے آ رہے ہیں؟

سعیدہ: آپ تو لینے آ رہی ہیں تو میں نے مبارک باد دی تھی۔

صفرا: یا اللہ! یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آدمی اپنا گھر جوڑے پائے گھر جائے؟

سعیدہ: پرایا گھر کیوں۔ آپ کا نہیں ہے؟

صفرا: اے! ہاں کہو ان نہیں۔ لیکن یہ تو میری تھری ہے کہ راج کروں گی جلا خوش و خوش صاحبہ کو خدا سلامت

رہے۔ ان کے ہوتے ہوئے میری کون کسیتی ہے۔

سعیدہ: یہ میری بھئی نہیں آتا۔ دیکھا بھائی اپنے وہاں میں کے ارتقا کے لیے افسر خاندان میں۔ آپ کی بیوی

میں۔ آپ کی کوئی سہیلی نہیں۔

صفرا: بڑے افسر خاندان ہیں اس بات میں ان کے اشاروں پر چلتے ہیں وہ سو کچھ کہہ دیں۔ مجال نہیں ان میں

بال برابر فرق آجائے۔ جو کچھ کہتے ہیں لاکر بی اماں کے اٹھ میں کھ دیتے ہیں وہی افسر ہر سب کا انتقام کھاتا

یہ وہ شخص ہے جو ہر کسی کا پھانسا۔ بیٹہ جانا۔ سینا۔ پرونا یہ سب میرے متعلق ہے۔ یہ سب کچھ ہے اور یہ تیری منہ

سے آتے نہیں کرتی۔ مگر جو چاہو کہ دشمنوں کو چھپی آجائے تو یہ ناممکن ہے۔ دنیا بھر کے الزام میرے سر

تھوپے جلتے ہیں۔ لڑکے کا دل ان سے میں پھرتی ہوں۔ سانس کا ادب میں نہیں کرتی۔ بزرگان میں ہوں۔

غرض کوئی بڑی ایسی نہیں۔ جو بھئی نہ ہو۔ اور تو سب فرشتے ہیں۔

سعیدہ: پھر آپ ہی دیکھئے میں جو ہستی ہوں کہ شتر کہ خاندان قساویٰ کی نسبت کیا ہے تو آپ خفا ہوتی ہیں۔
 صفرا: تم تو دنیا سے نرالی باتیں کرتی ہو۔ یہ میری تقریر ہے کہ ایسے اس کے غلام سے بلا پڑا ہے۔ نہیں تو ایسی اشک بنو یاں
 بھی ہیں جن کے مہاں ان کے بس میں ہیں۔ وہ گھر بھر میں راج کرتی ہیں اور اس کو تاکوں جتنے چوراہی ہیں۔
 سعیدہ: وہ تو ایک ہی بات ہے کہ میں اس ہو کہ ستانی ہے۔ میں ہو ساس کو۔ اس کو کسی گھر میں نہیں ہے۔
 صفرا: تم سے لیے ایک بات ہے۔ کوئی میرے دل سے پوچھے۔ اب راجہ امن نہ ہرنا تو یہ دنیا کا قاعدہ ہے اس
 کے لیے کوئی کیا کرے جب تمہاری شادی ہو تو میاں کو لے کر اپنا گھر دندا لگے مٹا۔

(منظور داخل ہوا ہے)

منظور بھائی بہت گئی!

سعیدہ: آداب عرض ہے۔ بھائی جان!

منظور: کیوں سعیدہ طبیعت کیسی ہے؟

سعیدہ: لکھنؤ! بالکل بھری ہوں۔ عمارت رات ہی کو جاتی ہے۔

منظور: آج صاحبہ! آج میں معامہ تو لکے ہیں یہاں ہتھیابی کیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا۔

صفرا: میں دل سے ہتھیاباں کرتی ہوں۔ دل سے کی گئی۔ یہ آپ کی بہن صاحبہ شت — شت — شتر کہ

خاندان کی بھوت کر رہی ہیں

سعیدہ: بھائی جان! صفرا بہن اپنی ساس کی شکرگاہت کر رہی تھیں کہ گھر بھر یہ جو مت کرتی ہیں۔ اعلیٰ معطل

کر رکھا ہے اور ان سے ہمیشہ لڑتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا کہ شتر کہ خاندان کی خرابی ہے تو خفا ہوتی ہیں۔

اور کہتی ہیں کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ سب مل جل کر رہیں۔

صفرا: آپ ہی کیسے ہیں کیا چھٹ گئی ہیں۔ دنیا میں کون شادی کے بعد الگ گھر کے ٹھکانے ہے۔

منظور: پھر تم جا رہی کیا ہو آخر جو؟

صفرا: میں چار سڑی ہوں کہ جس طرح خوش دامن صاحبہ مجھ بے گناہ پرستم توڑتی ہیں۔ خدا وہ دن لائے کہ میں بھی

بتا دوں۔ ہو کیسی ہوتا ہے۔

منظور : تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ساس ہجو میں مخالفت کیوں ہوتی ہے ؟

صغرا : میں دیوانی تو نہیں کہ غور کیا کروں۔ سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔

منظور : اسی وجہ سے اور غور کرنا چاہیے کہ سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے اور کوئی غور نہ کر سکا ہے بقول شیخ زبیر کے : خدا ہی پر اپنے نام کے دین کی اور نہ ان کی جوڑتا ہے۔

صغرا : اچھا آپ ہی کوئی سبب بتائیے آپ تو غور کرتے ہوں گے۔

منظور : ساس ہجو میں ساس لے بیٹے اور ہجو کے شوہر کے سبب نہیں ہوتا ایک طرف تو ماں ہوا اپنے بیٹے کو

بچپن سے بہ ہزار ناز و نعمت پالتی ہے اور اسے اپنی زندگی کا سہارا اجانتی ہے سمجھتی ہے کہ ایک غیر عورت

نے اسے اس کے نورِ نظر کو اس سے چھین لیا۔ دوسری طرف جو اپنے عزیز و اقارب گھر بار چھوڑ کر اور

ایک شخص کا دار میں مقام کر لے اپنی زندگی کا شہ باب بناتی ہے۔ کبھی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کو چھینتا

کسی اور کو۔ خواہ ماں ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے زیادہ عزیز رکھے بلکہ اسے اس سے بھی اذیت داتی ہے۔

کہ کوئی دوسرا اس کے جینے کو خود اس سے زیادہ چاہے۔ انسانیت کی نشوونما کی بہت اہم حالت میں

یہ تعلقات عداوت کا پہلا اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جب نوع انسانی علم و تمدن کی شاہراہ میں لگے

قدم بڑھاتی ہے اور محبت کا مفہوم پاکیزہ تر اور لطیف تر ہوتا ہے تو انسان اس سے جسے اس کا محبوب

چاہتا یا جو اس کے محبوب کو چاہتا ہے عداوت کے محبت کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہندوستان

قوموں کی ارتقا کے ابتدائی تہیے پر ہے اور بالخصوص میاں لی عورتیں توجیہ والوں سے ذرا ہی بہتر ہیں

اس پر طرہ یہ ہے کہ شہرہ کو خاندان کی بدولت ساس ہجو ہمیشہ ایک دوسرے کے سر پر سوار رہتی ہیں

اس میں لڑائی کے قدرتی جھجھان کو پوری طرح اٹلہار کا موقع ملتا ہے اور ہر گھر میدان جنگ بن جاتا ہے

صغرا : بالذات! میں تو نہیں جی بھائی اور جی فیلسوف نکھے ان تقریروں کا جھلاں کیا جواب دے سکتی ہوں۔

منظور : اچھا اپنے شوہر جنگ بھاد کو آجانے دو، دونوں مل کر گھر سے بحث کرنا۔

صغرا : جی ہاں! وہ ضرور اپنی ماں کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں گے یہ تو تو بھر سارا روٹا ہی کا ہے کا تھا۔

منظور : ماں کے مقابلے کا کیا ذکر ہے۔ جی تو شہرہ کو خاندان کے مسئلے پر علم و عنایت کے لفظِ نظر سے بحث کیلے

کوکتا ہوں۔

صغرا: جلا نقطہ نظر سے بحث کر کے مجھے کیا مل جائے گا؟ آپ سے کوئی ایسا درد رکھ بیان کر کے تو آپ بجائے تسلی و تسکین کرنے کے اور آپ سے نقطہ نظر سے بیٹھے ہیں۔

سعیدہ: (بہتر کر) بجائی جان کی اور آپ کی نہیں بنے گی۔ آپ کو اپنی مشاعرے اور انہیں سانسے جہان کی آپ اپنی ماں کا بے حد کرنا چاہتی ہیں اور معالیٰ جان دنیا بھر کی سانسوں کا بھگوانا چاہتا ہے۔

منظور: (اسکرتے ہوئے) جیسی صغرا یہ تمہاری زیرکستی سے کوئی کچھتی ہو مجھے تم سے بھدی نہیں۔ مگر اب یہ ہے کہ جن مشکلات میں تم مبتلا ہو۔ انہیں میں تمہاری ہزاروں ہنسین گرفتار ہیں۔ اس لیے میں ان خصوصیتوں میں بلکہ عمومی نقطہ عام حقیقت سے غور کرتا ہوں۔ تمہاری سانس کچھ دنیا سے نرال۔۔۔۔۔

صغرا: بس منظور بجائی ہی تو کہتی ہیں، آپ نہیں جانتے مجھے کس بلا سے سابقہ پڑا ہے۔ آپ کی بھی خوش ماں صاحبہ کو کبھی تو صلوم پروردیا سے ملنا پڑا ہے۔ وہ ڈرونی شکل کنخک پناہ۔ تبھی کا سا ڈیل ڈول تجو کی سی اسکیں۔ موٹے موٹے ہونٹ۔ بالشت بھر کی ناک۔ پھر زبان کا یہ حال کویر اولد جانتا ہے۔ جیل فریب برد پور میں

منظور: بس بس ہنسے دو صغرا۔ اب تم کا لیون اور کوئے پر اڑاؤ کی معلوم ہو گیا کہ تمہاری اور تمہاری سانس کی مخالفت اتنا کوئی کچھ نہیں ہے۔ جس کو کہتے دو میں ان سے اس شکلیے پرفتنکو کر دل گا۔

(حاضر مدخل ہو گیا ہے)

خادمہ: سیدانی باکتنی این کھانا پکانا شروع کیجئے۔ دیو ہو رہی ہے۔

صغرا: (اٹھتے ہوئے منظور سے) ماں ماں وہ آپ کی بات ضرور مانیں گے میرے منظور بجائی خوب اچھی طرح کئے مگر ضرور بھول جائیے گا۔

منظور: نہیں بھولوں گا۔

صغرا: (اٹھ کر) آؤ سعیدہ چلیں۔ بہت کام کرنا ہے۔

سعیدہ: آپ چلیے میں ایک منٹ میں آتی ہوں۔

صغیرا: یکسویں دن گزنا۔

(جلی جاتی ہے)

منظور: آج تو تمنا، اسبق، اکل جمع ہے۔ پر مولدین کو پڑھنا۔

سعیدہ: کیوں جانی جان، اکثر یہ پہ کو ذمیت نہ ہوگی۔

منظور: نہیں آج کا دن تو سارا محسن کی نذر ہوگا۔

سعیدہ: بہت اچھا لگو سنیچ کو سنو۔ ہاں یہ تو بتائیے آپ نے جو ہفتوں کی کتاب منہ کانے کا وعدہ کیا تھا۔

منظور: ہاں میں نے محسن کو لکھ دیا تھا، غالباً لائیں گے۔

سعیدہ: خدا کرے بھول نہ جائیں۔

منظور: اچھا اب تمہارا کام کرو صغیرا منتظر کرتی ہوگی۔

سعیدہ: (الٹھڑا) آداب مریض ہے۔

منظور: جہنم روم۔

پردہ



دوسرا ایکیٹ

پہلا منظر

(ایک اونچی کرسی کا دالان ہے۔ جھولن کی چوکی پر مضبوط چاندی ہیں ہے اور صدیوں تالیبن اور گارڈیکہ ہے۔ میرالطانت حسین تکرید گائے بیٹھے ہیں۔ ایک چھوٹی سی تپائی چھتہ رکھا ہے تخت کے ایک سرے پر احمد حسین ایک ٹیکے دار سونڈھے پر بیٹھ کر استیلا اور دو کرسیوں پر محمد محسن اور مستعد بیٹھے ہیں)

احمد حسین : دوٹھامیاں سنا ہے کہ کلکٹر صاحب کی بدلی ہونے والی ہے۔
 محسن : یہ خبر یہاں تک تو صحیح ہے کہ حکام صادر ہو گئے تھے۔ بلکہ کڑٹ بھی ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد کئی کاروائی لوگوں کو معلوم نہیں۔ وہ حکم منسوخ ہو گیا اور یہ دستور میاں میں گئے
 احمد حسین : آخر یہ کیسے؟ سنا رہے تھے کہ گورنٹی احکام نادی ہوتے ہیں اور کسی ٹاٹے نہیں ملتے۔
 محسن : معلوم نہیں۔ "روز مملکت خورشید" خسران دانندہ
 احمد حسین : نہیں دوٹھامیاں آپ کو خبر ہو معلوم ہے مگر آپ بتانا نہیں جانتے۔
 محسن : نہیں صاحب میں کیا جانوں۔

احمد حسین : ہاں اب یہ باتیں بھنسنے کیجئے آپ کو صاحب اور میر صاحب دونوں جتسنا مانتے ہیں وہ کس سے پھلپا ہے۔
 بھلا کوئی بات ہے کہ انھوں نے آپ سے نہ کہا ہو؟

محسن : (مسکرا کر) آپ کس نے کہا کہ صاحب مجھے مانتے ہیں؟ خیر اب آپ پوچھنا ہی چاہتے ہیں تو سنئے:
 دو ہفتے ہوئے میر صاحب مجھے بلایا اور کہا کہ ناظر ہم بڑا پریشان ہے۔ صاحب کا بدلی ہونے کا حکم ہو گیا ہے اور ہم جا نہیں چاہتا۔ ہم کو یہاں کا آب و ہوا بہت پسند ہے اور دوسرے اس ضلع کا زمیندار لوگ بڑا اشراف ہے۔

احمد حسین ریح کی یہ کتنی ہی مہم صاحب!

مہمن : اور نہیں کیا میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ خیر تو مہم صاحب کہنے لگیں۔ ناظر آپ کوئی ترکیب بتائیے کہ صاحب یہاں رہ جائے۔ میں نے کہا حضور۔ یہ کتنی بڑی بات ہے آپ کے اقبال سے آج ہی حکم تبادلوں سے جو جانے کا بس حضرت ماں سے آتے ہیں تمہرے دکلا اور دوسرے معززین اور بااثر لوگوں سے ملا اور دوتا رہا ایک بندوں اور ایک مسلمانوں کی طرف سے لاٹ مہم صاحب کو دلو اور دیکھے کہ محرم میں طے کی تیار ہوں ہیں۔ اگر یہ کلٹر صاحب یہاں نہ ہوئے تو خون ریزین کا اندیشہ ہے شام کو باگاہ یعنی منی سے ارجنٹ آدھینا کہتا حکم نامہ تبادلوں موقوف ہے۔ یہ بے سارا قاعدہ محکوم سے اپنے آپ رہنے دیکھیے۔ اب تک سولہ چاند لوگوں کے کسی کو خبر نہیں ہے۔ صاحب خود یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی نساہ لائش ہے۔ لوگوں سے دھڑا دھڑا چلکے رہے ہیں۔

احمد حسین : کیوں نہ ہو رہا میاں آخر آپ کس آپ کے بیٹے ہیں۔ آپ کے والد نے اپنی تحصیل داری کے زمانے میں ایک حٹ کو بولوا دیا تھا۔ آپ نے کلٹر کو روک لیا۔

شیخ جی : داد ناظر صاحب واہ! رام ہوتی کو سنا کرتے تھے وہ موڑ روک لیتا ہے آپ نے کلٹر کو روک کے دکھا دیا۔

میر صاحب : مگر سندن تم نے خلاف واقعہ تار دلو دیا تو گویا سکر کا رو دھو کا دیا۔

مہمن : جی نہیں۔ دھوکے کی بات کیا ہے محرم میں ہندو مسلمان کی نزاع تو طے شدہ امر ہے اور یہ جی جی ہے ہمارے صاحب جس طرح ان معاملات کو باحسن دعوہ سمجھا سکتے ہیں اور کسی سے ذہن پیسے گا۔

شیخ جی : ارے یہ کیا۔ اگر یہ سب سچ تھا تو آپ کی تعریف ہی کیا ہوئی احمد حسین اسے کت علی تھوڑی کہیں گے۔

احمد حسین : بس آپ کے نزدیک تو میں دنیا بھر کا جھوٹا ہوں اور پھولوں کا کت دوان۔

شیخ جی : نہیں توہ کرو اگر تم جھوٹے ہوتے تو ہمارے میر صاحب تمہیں اپنا سکریٹری اور دنیا کیوں بتاتے اور کمزور مقامیوں والے نہیں ہی گویا ہیں کیوں لکھایا کرتے (مہمن سے) ان صاحب تو آپ نے فقط سپانار دوسے کر کلٹر صاحب کو دکھا۔ خیر روک تو لیا۔

منظور: میاں محسن تم نے ضرورتاً دلوایا ہوگا۔ لیکن مسٹر فریزر کا تبادلہ منسوخ ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کی جگہ شخص آرا تھا دو دفعہ بیمار ہو گیا اور چھٹی لیکچرنگلستان جانے والا ہے۔

محسن: تم سے کہیں نے کہا

منظور: محمد علی نے ان سے خود مسٹر فریزر سے باتیں ہوئی تھیں

محسن: میں معلوم ہو گئی حقیقت۔ ویسا ہی تو محمد علی کا کلاس سے بار بار ہے۔

منظور: بار بار کا ہے کہہ گئے لگا۔ ان دونوں میں تو ہمیشہ سے ان بن بے محمد علی نے جب سے کاشتکاروں کی انجمن قائم کی ہے سائے حکام ان کے جانی دشمن ہیں۔ فریزر کا منشا ان کو یہ خبر سنانے یہ تھا کہ تم میرے جانے سے بہت خوش تھے۔ اب سن لو کہ میں ٹلنے والا نہیں۔

محسن: کیسے کہیں کی باتیں کرتے ہو، حاکم ضلع دشمن جو تا اور محمد علی ضلع میں رہنے پاتے سب انجمنوں میں کھیلتی اور صاحبزادے کو بوریا بھنا سٹینا پڑتا۔

منظور: کیوں؟ حاکم ضلع کو سخت بیمار ہے کہ جے چاہے ضلع سے نکال دے۔

محسن: یوں اختیار نہیں ہے تو کیا ہوا۔ وہ سوہانے سے باغیوں کو کچل سکتا ہے

شیخ جی: مثلاً بکر عید کا میلہ لے کے۔

منظور: (غصے کے ہنسنے میں) تمہارے نزدیک کلکٹر

(محمد جواد کے داخل ہونے سے سب لوگ ادھر متوجہ ہو جاتے)

ہیں اور سلسلہ کلام منقطع ہو جاتا ہے)

محمد حسین: آئیے آئیے بیٹے مدرس صاحب۔ کب سے آپ کا انتظار ہے

محمد جواد: (ہمایت جھک کر سلام کرتے ہیں) تمیلمات عرض ہے۔ ناظر جی کی خدمت میں آداب (شیخ جی سے)

ہنگی (محمد حسین سے) اجرا (منظور سے) کونش۔

(سب لوگ سلام کا جواب دیتے ہیں)

میر صاحب: جیتے رہو۔ کہو آج تمہارے کتب میں لٹھیل ہے نا؟

محمد خواجہ: اپنی تعطیل کی یہی قیلہ و کعب۔ ملازمان سرکاری اور خصوصاً عمال سررشتہ تعلیمات مغربی و شمالی کو تعطیل کمال پر رسول ٹیڈی صاحب بہ غرض مسائنہ تشریف لائیں گے۔ صبح سے صرف دو ڈھوپ تھا۔ طالب علموں کو جمع کیا۔ مدرسے کے سامنے گھاس چھلوائی۔ درجوں کے اندر زمین کو لیوڑا یا۔ دفعہ چار میں چوبوں کے بل تھے۔ نہیں بند کروایا۔ بہت میں نہیں گاؤں لئے ہانگے گئے تھے۔ ان سے واپس لگائیں۔ غرض بے اتھار عرق ریوڑا کے بعد اب مدرسہ اہل قابل ہوا ہے کہ خوشنودی حکام بالادست کی ماہل کے۔

”انٹرویو خطا از بزرگان خطا“

شیخ حبی: بلکہ حکم حاکم مدبر مفاہرتا۔

اب صاحب مکر نے لگتے ہیں اور منظر (مثلاً نہیں کو رکھتے ہیں)

الحمد حسین: سنا ہے ٹیڈی صاحب بہت سخت آدمی ہیں۔

محمد خواجہ: دیکھنے کیسے نکلتے ہیں۔ نایبیز کا تو ان سے پوچھا۔ سابقہ ہے۔ سب مدرسوں کو تاکید کر دی ہے کہ ایک سبب نہاگردوں کو چھپ چلے نوک بزبان کراویں۔ اب تک تو ٹیڈی صاحبان کا یہ تاہمہ راجے کر مہیہ مدرسوں کو حکم دیتے ہیں کہ سوال کرے اور مدبر لگ ہی سبق میں سے پوچھتے ہیں ہوا لگوں نے جن لٹین پہلے دیکھتا ہے۔

شیخ حبی: ایسے پارسل کا واقعہ ہو جو اب ان کی طرح صاحب مدائنہ کو لگتے تھے۔ آپ نے لاکوں سے کہا کہ برکت رکوت کی برکات بیان کرو وہ لگا قحط کے اسباب بتانے۔

محمد خواجہ: نہیں وہ تو اتفاقاً یہ بات تھی۔ وہ ایک کا کئی دن غیر حاضر رہا تھا اسے معلوم نہیں تھا کہ کون سا سبق یاد کروا گیا ہے کسی کو سیکرٹ ہر سبق سے پوچھا۔ اس نے نایب شتاب بنا دیا جب میں نے پوچھا تو ہوا سے یاد تھا سنانے لگا مگر اس دن بھی خیریت ہو گئی۔ ان کی طرح صاحب لائے بہادر سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے سنا نہیں روز نماز جلنے کیا ہوتا۔

شیخ حبی: ہوتا کیا۔ دیکھے سے۔ اس کے ہاں باپ سے اور آپ سے جھگڑے لیتے۔

محمد خواجہ: شانان چرمیب گرنواز نگارا۔ میں نے صاحب کے جانے کے بعد رکوت نماز شکرانے کی پڑھی۔

شیخ حبی: اور سچ کہتے ان کے اُسے سے پہلے نمازِ نعت پڑھی تھی کہ نہیں؟

محمد حواد: یہ تو نہیں مگر بوشن کیر میر صاحب سے کھرا گیا تھا وہ ہانڈ پر بندھا تھا۔
 شیخ جی: تو اب کی مرتبہ ڈپٹی صاحب کے بلے بوشن صغیر کھرا لے جائیے۔

میر صاحب: شیخ جی آپ ذمہ داری ہاتھ میں پا لے جتنا مذاق کیجیے۔ امور دین کا مضحکہ آپ کی بزرگی کے شرایاں نہیں ہے
 شیخ جی: میں ہیڈ مدرس صاحب ان کے مذاق کی باتیں کر رہا تھا۔ آپ کیوں نقل دیتے ہیں۔ آپ اعتراض کریں گے
 مجھے معقول جواب دینا پڑے گا اور اس سے میں حتی الامکان پرہیز کرتا ہوں۔

میر صاحب: آپ کو اس کا تو خیال کرنا چاہئے کہ جب آپ ایسی باتیں کریں گے تو فوجوانوں پر کیا اثر پڑے گا۔
 شیخ جی: انہیں فوجوانوں کی نگر تو میر سے ایسے کا ہوش جان ہو رہی ہے۔ یہ مغرب بچپن سے مغربی عقیدت کے سائے
 میں پلے میں اور عقیدت و معرفت کی مدنی کو جو قلب کے پایدا کن صحرا میں بہت مدد چکتی ہے علم کی نزدیک
 بین عینک سے دیکھنا چاہتے ہیں اور سب کچھ نظر نہیں آتا۔ تو کہتے ہیں میاں تار کی کے سوا کچھ نہیں۔ مگر قانون
 فطرت کے خلاف باوجود کہ یہ کوشش بہت دور ہے۔ اس کی حرارت قلبی ہر حصے میں محسوس ہوتی ہے اور
 اسی نے اہل مغرب کو حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ اگر مدنی نہیں ہے تو یہ حرارت کبھی؟ رہے فوجوان تو ان
 کا علم اور شک و ظن انکے کسے میں اس لیے نہیں یہ حیرت بھی نصیب نہیں۔ یہ تو ہے ان کی حالت اور
 اس پر طرہ یہ ہے کہ کتابی مذہب کو جس سے ان کم نگاہوں کو نظر شنے کی میسر نہ ہو سکی تھی آپ لوگوں نے
 پھونٹنا رکھا ہے۔ مذہب کی حقیقت قرار دی ہے عبادت ظاہری اور عبادت کا مقصد زندگی کے
 ادنیٰ مقاصد کا حصول۔ پھر اگر یہ لوگ اس سے دور ہیں۔ تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

میر صاحب: مگر شیخ جی جو شیخین کی فضیلت میں روایات صحیحہ موجود ہیں۔

شیخ جی: بس ہنسنے دیجئے اپنی دوا استِ صحو۔

اٹکھسین: (اللہ کہ حضرت مجھ سے تو یہ کفر نہیں سنا جاتا۔ میں تو رخصت ہوتا ہوں۔

محمد حواد: شیخ جی آپ کا سا بزرگ اور یہی باتیں کرے۔ بڑے تعجب کی جگہ ہے۔ میں آپسے خرد سال ہوں لیکن
 اگر حکم ہو تو منطقی فلسفے سے خدا کا وجود ثابت کر دوں۔ دفعہ سات کی سائنس ریڈیو تک میں ہم اندر اندر مل جیم
 کھائے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں اس وقت یاد نہیں آتا۔

شیخ حبی : الایا ایہا الساتی اور کاسا ونا لہما۔
 محمد جواد : نہیں وہ شعر ارد ہے ”چوں سے شرع ہوتا ہے۔
 شیخ حبی : یعنی میں تو چوں دچرا سے خدا کے وجود کو نہیں ثابت کر سکتا لہذا اگر ضرورت پڑ جائے تو خدا کے
 وجود سے چوں وچرا ثابت کروں۔

(نوکر داخل ہوتا ہے)

نوکر : حضور اندر سے کھانا بھیجا ہے کہ کھانا تیار ہے۔

میر صاحب : اچھا کھدو کہ آتے ہیں۔

(اللہ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ منظور محسن ہمدین اور

جواد بھی)

میر صاحب : میاں محمد جواد تم میں ہیں شیخ حبی کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ تمام کو جانا۔

محمد جواد : نہیں قبلہ و کعبہ مجھے جانے دیجئے۔ بہت کام کرنا ہے۔

شیخ حبی : ابھی تمہارے ہی آپ کے ساتھ کھانا کھانے میں لطف آئے گا۔ آپ کے امانت مدد سے میں لیب پوت
 کر لیں گے۔

الحمد حسین : نہیں جواد میاں تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔ میں کھانا بھیجتا ہوں۔

پُردہ



دوسرا منظر

(میری حسب کے گھر کے زمانے جتنے میں ایک رات ان کے گھر میں
 تھوڑا سا بچہ کا بھابھا ہے۔ اس پر اسی طرح کا فرش ہے جیسا کہ میں نے
 میری حسب کی نشست گاہ میں تھا۔ الا ان کے ایک حصے میں دیا
 سے لگی ہوئی ایک گھڑی ہے جس پر گھڑے اور ایک تیلی پر تیل
 کون سے دکھائی دیتے ہیں اور منظر دیکھنے سے گلے بیٹھے ہیں اور
 احمد حسین تالین کا ایک کونہ رہائے چر کے کے پاس ایک لوار کا
 بیگ ہے جس کے چھانے بھوننا ایسا ہوا رکھتا ہے اس کی لگنے لگانے
 نظر خاتون بھی بھال کر تڑپتی آہستی کی جانب منظر اٹھیں ان بنا رہی ہے)

محسن : ایاں جان! سعیدہ کھا کھا کے کہاں غائب ہو گئی؟

رقیہ خاتون : اس کا جی اچھا نہیں تھا۔ میں نے کہا جا کر ذرا آرام کرے مجھے اس لڑکی کی طرف سے بڑا اندیشہ ہے۔
 سدا کی مدلی ہو گئی اور دن گھلی جاتی ہے اس بچہ کو اتنی ہے کہ دن بھر میں انی گئی باتیں کرتی ہے اور اپنا
 حال کسی کو نہیں بتاتی۔

صغیرا : میں تو تھوڑے دن سے یہ بات دیکھتی ہوں۔ جیسا یہاں کی زندگی تک یہی سعیدہ مبل کی طرح چلتی تھی۔
 محسن : آپ کو اس کی غذا کی طرف خاص توجہ کرنا چاہیے۔ عورتیں عموماً مردوں کے کھلانے کے بہتر نام ہیں۔ اسی لگی
 رہتی ہیں کہ اپنے کھانے کی اعضاء مطلق پروا نہیں ہوتی۔ خراب اور ناکافی غذا نہ صرف جسم کو تولتی ہے۔ بلکہ
 مزاج کو بھی بدل دیتی ہے۔

احمد حسین : محسن میاں۔ یہ سچ ہے۔ لیکن ب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اس کی تادیب کر دی جائے۔

محسن : مجھے آپ سے اتفاق ہے۔

رقیہ خاتون، ان جواد کی ماں کا اصرار ہے کہ جلدی کرنا چاہیے، اہم لگ بھگ سوچ سمجھ کے تاریخ مقرر کرو۔

محسن: کیا جواد والی نسبت اتنا تک ناممکن ہے؟

رقیہ خاتون: اے اور نہیں تو کیا، شریفوں میں کہیں ہندو ہی نہ دعائی نسبت چھوٹی ہے۔

محسن: ان بلا سبب، نہیں چھوٹنا چاہئے، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ جواد کی ماں نے ان کی پہلی شادی پوشیدہ رکھی تھی اور جاننا کے معاملے میں دروغ بانی کی تھی، تو آپ پر اس نسبت کی پابندی کب پڑا۔

رقیہ خاتون: میاں تم بچے ہو، شادی سیاہ کے معاملے میں لوگ سچ نہیں بولا کرتے، یہ تو سیریا ہے، شخص اپنے مال کی بچی چھوٹی تعریف کرتا ہے، سچ ہے کہ جواد کا بیٹا، ایک بار بڑا کا بیٹا، لیکن جب بیوی مر گئی تو وہ قصہ ختم ہوا، یہی جائداد، جو وہ ہزار سال چھوٹ سہی ٹکڑے ہزار کے در سب تو حوا کو اپنی ذات سے ضرور ملے گا پھر یہ دیکھو کہ کیا سناؤ، ان کساں کے گا اصل نسل مرادات جن کی سات پلہ میں غیر ذات کا بل نہیں

محسن: اہاں بیان، آپ سیدہ کی تھی ہیں، آپ سے بڑھ کر ان کا حوا کو ان کو نہ ہوتا ہے، لیکن یہ آپ میری رائے تھی ہیں تو مجھ پر فرقت ہے کہ اس کا خیال ظاہر کروں، میں تم جواد کو ہرگز سیدہ کا شوہر ہونے کے قابل نہیں سمجھتا، آواں تو عمر میں لفظ زیادہ ہے، دوسرے جواد کی علی تانیت اور داعی تربیت، بہت کم ہے، بلکہ بیچارہ عقل بھی واجبی ہی، جسمی کھتا ہے، نیکری، ایچھے عود سے پر بارو نہیں، سیدہ کو لگا کر بہت کم ہے، ضلع کے دریا میں بھی نہیں جاتے پاتے۔

صغرا: اور صورت نسل کے بھی عاجز لے، ایچھے نہیں، میں نے سنا ہے طباق سا چہرہ ہے اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔

رقیہ خاتون: یہ تو تم دونوں زبردستی کی باتیں کرتے ہو، میں نے کئی بار لویو می سے جہاں تک کہ جواد کو دیکھا ہے، انہ رکھے، پچیس کے گاہ جگاہ ہے اور ایچھی غامی آدمیوں کی صورت ہے۔

محمد حسین: اور یہ کیا کہا کہ تانیت نہیں ہے، گیارہ مدرس ڈیڑھ سو لاکھ کے یوں ہی خواہ مخواہ ان کے تحت میں ہیں راد بار، تو قصباتی لوگ کب دربار میں جایا کرتے ہیں، اور یوں جواد میاں کو پار سال مردم شادی کے کام کے صلے میں تحصیلدار صاحب نے اپنے ہاتھ سے سندوی تھی جس پر گلہڑ کے دستخط تھے۔

محسن : آپ دونوں متفقین میں تو کچھ کمناسی فعلوں ہے۔ لیکن میری نظریں تو کسی طرح شخص نہیں سمجھتا۔ کیوں نہیں منظر
تم کیوں چپ ہو؟ تم بھی اپنی رائے ظاہر کرو۔

منظر : بھرائے دینے کی ضرورت نہیں۔ میں اس بحث ہی کو فو بھنا ہوں۔

رقیہ خاتون : تم تو دنیا بھر کی باتوں کو فو بھتے ہو۔ غضب خدا کا بہن کی شادی کی باتیں موبہ ہی میں اور صاحبزادے
انہیں لغو بناتے ہیں۔

منظر : شادی کی باتیں عمل نہیں مگر جس طریقے سے آپ اس کا فیصلہ کرنا چاہتی ہیں وہ عمل ہے۔

راقیہ خاتون : اور کون سا لکھا طریقہ فیصلہ کرنے کا ہے؟

منظر : وہ یہ ہے کہ جس کی شادی ہو وہ خود فیصلہ کرے۔

راقیہ خاتون : بس رہنے دو لڑکے۔ میں یہ بے شرمی کی باتیں نہیں سنا جا سکتا جا کر اپنے اسکول میں تقریریں کر خیر لوگوں کے

گھر میں

محسن : ٹھہریے اماں جان! آپ تو خفا ہو جاتی ہیں۔ ذرا مجھے کاشش کرنے، بیٹھے کر یاں منظر کو سمجھاؤں (منظر)

کہ طعن مخاطب ہو | اس سے تو یہ روشن خیال آدمی کو اتفاق ہے کہ لڑکے لڑکی کی شادی ان کی رضامندی

سے کرنا چاہئے۔ ان کی طبیعت کے خلاف نہیں مجبور کرنا سخت ظلم ہے۔ لیکن ان کے بڑے بڑے بھانجے تو

والدین ہی کا کام ہے۔ کیونکہ شادی سے پہلے تو لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں اور بلا واسطہ

کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔

منظر : یہ کیا ظلم ہے کہ دو ملہا دو ملن شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔

محسن : اچھا تو یہ کہئے آپ بھی شیخ جی کی طرح پرے کے بہت مخالف معلوم ہوتے ہیں۔

منظر : بے شک مرصیح حقل کے آدمی کے لیے بڑے بڑے کا مخالف ہونا ضروری ہے۔

راقیہ خاتون : (عمن سے) دو ملہا میاں اب مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ تم دونوں باہر سدھا رو۔ وہاں شروع

سے بحث کرنا۔ تم کو صل معاملہ نہیں معلوم۔ یہ سب بحث مباحثہ ہے میاں محمد علی کی خاطر۔

منظر : اماں جان! سچ پوچھئے تو آپ کو صل معاملہ معلوم نہیں۔ کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جواد سے سعیدہ

کائنادی کے اہل محرک لازمیتاً عام ہیں۔

رقیبہ خاتون: کتنے دنے کا کھیمہ، اوتھم کو کیا کموں، بھائی مرحوم کا خیال کہ کے رہ جاتی ہوں۔ (معن سے) دوہلا
میاں نہیں فرصت ہو تو سر پہر کا ناستہ بھی آج گھر میں کرنا۔ اس وقت تم سے باتیں کروں گی۔ ساری دنیا
یکے جانے نہ۔ مجھے ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ میں نے جو دل میں ٹھانی ہے وہ کر کے رہوں گی۔

(معن اذ منتظر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

معن: آداب عرض ہے۔

رقیبہ خاتون: جیتے رہو۔

منتظر: تسیر عرض ہے چچی جان۔

(رقیبہ خاتون منہ پھیرتی ہے — دونوں باہر چلے جاتے ہیں)

پکڑو



تیسرا منظر

(میر صاحب کی نشست کا وہ جس کا، اگر ہو چکا ہے، شیخ کرامت علی
 اور محمد حجازی انہیں گلہوں پر بیٹھے ہیں۔ جہاں ڈیڑھ گھنٹہ پہلے
 بیٹھے تھے، حقہ کا دواہل برآ ہے)

محمد حجازی: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں یہ لڑکے پڑھانے کی نوکری نوشی سے کرتا ہوں؟ بھی نواب صاحب کی
 زبردستی سمجھے کہ انھوں نے سہمی دستاویز کر کے مجھے اس بلا میں پھنسا دیا۔ مجھے تو بیچین سے حدیث خوانی
 سکھائی گئی تھی۔ اس میں پرہیزگاری، عریضی کی آئینہ باریں رہتی تھیں۔ مگر ایسے ویسے مجمع میں تو فرفر
 پڑھنا تھا، معلقہ کے نعرے سے آسمان مل جاتا تھا۔

”چھیت دینا خاک مانے کنتہ ویرانہ“

شیخ صاحب: آپ کی وہ ابتدائی تعلیم ہرگز بے کار نہیں گئی۔ میں نے آپ کو پڑھانے سنا ہے۔ انڈین پریس ریڈر
 کو بھی آپ خاص لب و لہجہ اور عبور و تدبیر سے پڑھتے ہیں۔ چند ماہوں غنہ تو اس جہاں فرسا مکان کے ساتھ
 ادا کرتے ہیں کہ مجلس عزا کا سماں آو آتا ہے اور رقت بھی۔ آپ کے دل میں کانی ہرتی ہے اور نہایت
 غلوں سے۔

محمد حجازی: شیخ جی آپ تو معلوم ہوتا ہے مذاق کرتے ہیں۔

شیخ جی: ہاں یہ سیری بڑی بری عادت پڑ گئی ہے۔ تمہارے ایسے تین آدمی کو دیکھ کر خواہ مخواہ مذاق کرنے کو
 جی چاہتا ہے اور لوں بھی جن طرفت کو اچھا سمجھتا ہوں۔ بشرطیکہ اس کے اندر بھی کچھ ہو۔

(مستند ادیبوں داخل ہوتے ہیں)

محمد حجازی: اصل میں اندر عورتوں کے سامنے یہ بحث چھیڑنے کا موقع نہ تھا۔ اب یہاں ملیت ان سے ٹیک کر باتیں
 ہو سکتی ہیں۔

منظور: محض بے کار ہے۔ آپ لوگوں سے بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

شیخ حجتی: کیوں خیر تو ہے۔ کا ہے کو بچنا بچتی ہے!

محسن: مجھ سے اور منظور سے پرے کے مسئلے پر بحث ہونے والی تھی کہ اماں جان نے اذون کو نکال دیا۔

شیخ حجتی: خیر پرے کی برکت سے آپ کو مردانہ میں تو زمین نصیب ہے یہاں بیچ کر زبان آزمائی کیجئے۔

محسن: (منظور سے) تم جانتے ہو کہ میں مذہبی آدمی نہیں ہوں اور پیسے کی حمایت ہی میری سبب کی بنا پر نہیں بلکہ شائستگی اور تقصدی امور سے ہے۔ ایک طمان تہذیب گاہ زندگی کے جسمانی اور اخلاقی خطرات سے صنف

ذکر کو محفوظ رکھنے کے لیے پڑھ ضرور ہے۔ دوسری جانب امور خانہ داری کا انجام دینا جو عورت

کی تدریجی صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقسیم محنت کے قبول پر اس کے حصے میں آیا ہے۔ یکسوئی کے ساتھ

ہی وقت مکن ہے کہ وہ گھر کی چار دیواری کو اپنی دنیا سمجھے۔

محمد جاوید: اس میں کیا تعلق ہے نہ سہرا نہ زن است نہ ہر مرد مرد!

منظور: جی دوست ہے بڑا گناہ جسے ایسا ہی مدغم تو ہے کہ اس کی عمر کو آپ کی چار دیواری سوک سے گی اور اس

کے جسمانی اور اخلاقی خطرات ایسے ہی کمزور تو ہیں کہ آپ کی چین سے ٹکر آکر واپس جائیں گئے۔ لے خراب

یہ اندھ بھی کسی کے روکے رکھنے والی نہیں اور بغرض مجال ہر سے آنے والے بچوں کو آپ نے روک بھی لیا تو

جو گھر کے اندر کی خاک سے اُٹھتے ہیں۔ ان کے پیسے کیا کیجئے گا؟ اگر لیا انسان سے کام نہیں تو تسلیم کرنا

پڑے گا کہ زندگی کے مشکلات اور خطرات حرم سر رکھا مذہبی ہوتے ہیں اہمیت۔ ان سے مقابلہ کرنے کی

وقت نہیں ہوتی۔ رہے امور خانہ داری۔ تو یہ کتنا اور بھی اذہم ہے کہ پرے میں بیچ کر یہ امور بہتر طریقہ سے

انجام دینے جاسکتے ہیں۔ بے شک مذہب منزل کا مرکز گھر ہے۔ لیکن یہ مرکز بجائے خود بے معنی ہے۔ اگر

اس کے گرد ایک دائرہ دنیا کی معیشت کا دیکھنا چاہئے اور مرکز نشین ذات پاد سے دائرے پر چلائی

نہ ہو۔

محسن: یہی دلائل ہم صاحب پیسے کے غفلان پیش کیا کرتی ہیں انہیں تو جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن تم کو دیتا

ہوں۔ گھر کے مرکز کے گرد بڑا سا دائرہ بنا کے یورپ کی عورتوں نے جو پیچیدگیوں میں پناہ ڈالی

ہیں دی تھاسے یہاں پیدا ہو جائیں گی۔

محمد حواد: جی ہاں اور چین کو دیکھئے۔ وہاں عورتوں کے پیروں کو باہر بچھوٹے کرتے ہیں۔

مستطرد (مخمس سے) تھا اسے دماغ پر ڈیولوپ منٹ ہے۔ تھا اسے نزدیک اصلاح کے لیے ذمہ لگھا صرف

اُسی راستے پر ممکن ہے جس پر یورپ چلنا ہے۔ میرا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم یورپ کی مثال کو سامنے رکھ کر اس

سے نامزدہ نکالیں یا عبرت نہ حاصل کریں۔ لیکن ہمیں ہمارا یورپ اور ہندوستان کے فرق کو نہیں بھولنا چاہئے

تم کو شاید یہ معلوم نہیں کہ یورپ میں پردہ پہلے ہی نہیں تھا۔ لیکن جن پچھیدگیوں کا ذکر تم کرنے ہو یہ زمانہ حال میں

پیدا ہوئی ہیں۔ یورپ کی بعض عورتیں مرکز سے محیط ایک خطوط کھینچنے پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ چاہتی ہیں کہ مرکز

اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ ظاہر ہے کہ پورے دائرے کی شکل گول جائے گی۔ بالنا ناویگے بعض عورتوں کا

یہ خیال ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد اہل حرف گھر کو گھرنانا اور مردوں کو آزادی نمانا نہیں ہے بلکہ وہ زندگی

کے تمام شعبوں میں مردوں کی طرح کام کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ گویا فطرت کے خلاف پیام جنگ ہے اور

زندگی شاید ہے کہ سوائے ان پیشوں کے جو ہورخانہ و اداری اور تعلیم ذمہ داری سے زیادہ بُد نہیں رکھتے

اور کسی میں عورتیں مردوں کی طرح کام کر سکتی ہیں اور تجربہ ان کو بہت جلد سکھائے گا کہ وہ غلطی پر ہیں۔

خیر یہ دوسری بحث ہے۔ مگر اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ مشکلات یورپ میں وہاں کے مخصوص تاریخی

معاشرتی۔ اقتصادی حالات کی بنا پر پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان کا پردہ نہ ہونے سے لازمی تعلق نہیں ہے

چودہ صدی سے پہلے کی صدیوں میں یورپ کو دیکھئے۔ پردہ وہاں نہیں تھا۔ لیکن عورتیں گھر کو اپنا مرکز

سمجھتی تھیں۔ اب بھی جو ممالک اور طبقات صنعتی تمدن کی زمرہ میں ہوں اسے مقابلتہً پیچھے جوئے ہیں ان

میں بہتر یہاں نہیں ہیں۔ ہندوستان کی اور قوموں کو جن کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں دیکھئے۔ کیا ان کے گھر

برباد ہو گئے ہیں یا ہورخانہ و اداری کو مرد انجام دیتے ہیں۔

محسن: خیر اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ پردے کے ٹوٹنے سے وہ نظام معاشرت جو خانہ

کے نام سے ملام ہے برباد ہو جانے کا تو یہی اس کا کیا جواب کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب

اور مختلف نسلوں کے لوگ رہتے ہیں جو ایک دوسرے پر اتنا اعتبار نہیں کر سکتے۔ جتنا یورپ دلسے

ایک قوم ہونے کے سبب کہتے ہیں

منظور: تم جیسے آدمی کو یہی بات نہیں کہنا چاہیے۔ میں بھی کہ چکا ہوں کہ ہندوستان کی اور قوموں میں بالعموم عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ وہ ایک دوسرے پر اور مسلمانوں پر کیوں عمت بار کرتی ہیں؟ اور ان کے اعتباراً کہنے سے کیا نفع ایساں پیدا ہوگا جس میں جو مسلمانوں کو ان کی تقلید کرنے میں غم نہ ہو؟

محمد جواد: تغلیب تو سوائے غم نہ رہا حسب اہواز۔ کسی کی جائز نہیں دانہ اعظم بالعباد۔

محسن: اس وقت موقع نہیں رہتا میں تمہیں بتانا کہ کیا خدایاں سید امویٰ ہیں۔ لیکن تم یہ تو کہہ دو کہ ساری عورتیں تو پردہ پہنے سے نہیں رہیں۔ انہوں نے اس لئے دن کے تمہیں پہنے سے تمہیں گھر کے اندر۔ یہ کہ کام کرنا اللہ صبر و قناعت سے۔ نہ کہ تمہیں خوشی اپنی۔ لگی کہ دن کاٹ دینا سب بھد بنا بنا۔ انہیں یہ طریقہ زندگی چھوڑنے میں سخت استوری ہوگی۔

منظور: ان میں مجھے تم سے اختلاف ہے۔ عادت نے ہمارے عورتوں کو اس قدر بے حس بنا دیا ہے کہ وہ زندگی بہترین سمجھتی ہیں اور روشنی سے دینا دکھائی گھٹ کر دینا اور سل میں ایڑیاں و گوزر گوز کر جان دیتی ہیں اور ان کے دل کب کبھی شکایت نہیں کرتی۔ انہیں کیا اس سے نہ کہیں مرنے کی اچھائی ثابت کر سکتے ہو کہ مریض صبر و قناعت کا محسوس ہے۔ جن مردوں نے یہی تدبیر پائی ہے۔ اگر تم انہیں اظہار رائے کا موقع دو اور سوائے کے صبر و قناعت میں ذرا تھکنا ہو تو تم دیکھو کہ یہ کہ عورتیں گھر کی چار دیواری سے نکلنے کے لیے کس قدر تڑپتی ہیں۔

محسن: جیسی میں اپنی بات کی بیخ کے لیے نہیں بلکہ ایمان سے کہتا ہوں کہ ہاں ہاں میرا تجربہ ہے۔ شرفا کی عورتیں پردہ تو نہ ہیں چاہئیں

محمد جواد: ناظر میری آپ بات کو سمجھتے ہیں۔ اسی سبب شریعہ جاڑے میں یہ حکم بر کار میں نے اضافہ تھا اور طالب علمان نسوانی کے لیے فتنہ کا دورہ کیا اور دروازے سے دروازے پھر۔ بیخ قوم کے لوگ دو دو رہنے کے لالچ میں راضی ہو گئے۔ لیکن شرفا میں بعض عورتیں نے تو یہی سس بلکہ سو روپے مانگے۔ اور بعض نے صاف انکار کیا۔ "صلاح کار کجا دامن خراب کجا"۔

محسن : شیخ جی آپ تو پوسے کے بڑے مخالف ہیں۔ آپ نہیں کچھ برتتے؟
 شیخ جی : جہاں میں کیا لوں؟ آپ لوگوں نے ابتدا ہی سے مذہب کو بحث سے خارج کر دیا ہے۔ میں ٹھہرا ہوا
 آٹھ سلطان۔ میرا دارو عمار مذہب پر ہے۔

محمد جواد : اہیں! شیخ جی آپ اور مذہب آپ بوشن کیر کے متاثر نہیں۔ خدا کو انتہے میں اور کتھے میں مذہب
 پر دارو دار ہے

محسن : ان صاحب نے تو میری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ میں تو آپ کو اب تک معقول پسند کرتا تھا۔
 شیخ جی : آپ کا میں تصور نہیں ہے اپنے جو مذہب کے سمجھ میں اس کے مطابق میں مذہب کو میں دہوں۔
 محسن : آخر آپ کے نزدیک مذہب کیا معنی ہیں؟

شیخ جی : کیا محقر سا سوال جناب نے کر دیا ہے۔ ایک تو میں یوں ہی کیا کم کہی ہوں۔ دوسرے آپ بات دو
 پوچھتے ہیں اس کی حقیقت کا تعین الفاظ میں ناممکن ہے اور جو ایک نقطے کا علاج ہے۔ جس کے گرد خیال
 پھرتا ہے۔ لیکن اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس کو شش میں جتنا میں وقت صرف کر
 کہ ہے۔ میرا وقت مجھے نہ تقریر یا آگئی جو مجھ سے اور اس عجیب و غریب پیر و مرشد رو سے چلنا
 تھی۔ جس کے ساتھ میں نے تمام ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ اس نے مذہب کی جو تعریف کی تھی اسے میں
 اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں اگر درست بحث کی بنا قائم ہو سکے۔ کیونکہ ہر نکتے کے استحقاق میں صرف
 مذہب کے نقطہ نظر سے رائے سے ملتا ہوں۔ یہ پھر کہے دیتا ہوں کہ یہ الفاظ مذہب کی ماہیت کو کسی
 طرح ظاہر نہیں کر سکتے۔ بہتہ اگر سننے والا پر اسرار کیفیت چہ سے دل میں رکھتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ
 اس بگڑی ہوئی تصویر میں ماہیت کے خدا حال پہچان لے۔

محسن : جی ہاں! فرمائیے۔

شیخ جی : سنئے! تہذیب انسانی کو رنگوں جذبات کا جلوہ گاہ ہے جن میں سے ہر ایک کسی خاص چیز کے
 ادراک یا خیال سے براہ کھینچتا ہوتا ہے۔ کوئی چیز جیسے دل میں خوشی پیدا کرتی ہے۔ کوئی غم
 کوئی نفرت۔ کوئی محبت۔ لیکن ایک ایسا جذبہ ہے جس کے موضوع کا تعین کرنا ہی نہیں کہہ سکی نہایت

کایاں کی باجمی شکل ہے۔ یہ جذبہ شاذ و ادرسی ششتمن ہوتا ہے۔ لیکن جب ہوتا ہے تو ہمارے سارے وجود پر چھا جاتا ہے۔ اس وقت ہمارے دل پر زندگی کا بوجھ ٹھکا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ساری کائنات بجلی کی لہر کی طرح جاری مدح میں دوڑ گئی۔ عام لوگوں پر بس کا اثر محض اپنی ادریت ہلکا ہوتا ہے۔ امدد نہ تو اس واردات کو سمجھ سکتے ہیں نہ الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن بعض برگزیدہ ذاتیں اس جذبے کی حرارت کو اس درجے تک محسوس کرتی ہیں کہ وہ اس کے عالم معنی اور علام صورت میں نہیں روشن کر دیتی ہیں جن کی روشنی میں (ان مقدس لوگوں کی بدولت) دوسرے بھی زندگی اور کائنات کو دیکھا اور سمجھ سکتے ہیں اور جن کی گرمی سے عوا اپنے قلب کی حرارت کو تازہ کر سکتے ہیں۔ ایسی ایک تندرلی روشن کی تھی رسول ماضی نے جس کی روشنی سے دنیا تیرہ سو سال سے جھنگا رہی ہے۔ لیکن ایک نوسنگ نظری اور تصورات کی گود اُس بقدریل پر جم گئی ہے جس سے اس کی روشنی اندر پڑ گئی ہے۔ دوسرے لوگ اس کی خارجی گرمی پر بالکفا کہہ کر خود اپنے قلب کی حرارت سے غافل ہو گئے ہیں۔ تیسرے سب سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے نود کو دیکھنے کے لیے ساری دنیا کی طرف سے آئیں بند کر لی ہیں۔ چنانچہ شمع کے روشن کسندے والے کا مقصد اس کی روشنی میں حیات اور کائنات کو دیکھا جائے تو فوت ہو گیا ہے۔ بلکہ کھنڈے والا چاہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں شمس نے ہی شمع کے گرد کی فضا کو نہیں دیکھا اس نے گویا خود ہی شمع نہیں دیکھی۔

محمد عیواد: شیخ جی! میری خطا محافات کیجئے۔ میں آپ کو لانا سب سمجھا تھا۔ آپ نے اس وقت وہ وعظ کہا ہے کہ سحان اللہ! اگر عیبیدہ بہت نغابین نے اگرچہ سکن زمانے تک پڑھا ہے۔ لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہیں سمجھا کہ محض سیلا اور شمع کی روشنی کا ذکر تھا

بلغ العلیٰ بلسالہ مکشف اللہ عجیباً لہما

تحسن: اگر مذہب ایسا ہے جیسا آپ نے کہا تو بہت اچھی چیز ہے۔ مگر پڑے کی بحث سے اس سے کیا توقع ہے؟ موقبل کو پڑے میں بیٹھ کر مذہبی کتابوں کے پڑھنے سے تو کسی نے نہیں روکا۔

شیخ جی: پڑے سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ مجھے پڑے سے بڑی خشکائیت یہ ہے کہ اس نے عورتوں کو مذہب کی تکمیل کے لیے باز رکھا ہے۔ میرے خیال میں عورتیں مردوں کی طرح، بلکہ شاید مردوں سے

زیادہ بہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ شیعہ مذہب کے نورد سے متوجہیات اور کائنات کا نظارہ کر کے اس کی حرارت کو حواس ظاہری لوہ باطنی کی مدد سے جذب کریں اور مصلح ہی خمی آگ کو پھرتل کریں جو مذہب کی اہل اور زندگانی کا مدعا ہے۔ لیکن جہالت کا خدا برا کر سے جس نے عورتوں کو اس قید فرنگ میں ڈال رکھا ہے جہاں وہ میاں منظر کے الفاظ میں لیکن دوسرے معنی میں روشنی اور ہوا کی آوندیں تڑپ تڑپ کر جان دیتی ہیں آپ نے بجا کہا کہ بعض گھروں میں جہاں عورتوں کو تصور اہست کھنے کی اجازت ہے وہ مذہبی کتابیں پڑھ سکتی ہیں لیکن عسزین مذہب کا جو مختصر خاکہ میں نے پیش کیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ کتابوں میں بند ہونے والی چیز نہیں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو تمام عالم پر طاری اور تمام زندگی میں ماری ہے۔ اللہ جس کے احاطے کے لیے انسان کو لازم ہے کہ زمان و مکان کی بڑی سے بڑی وسعت میں جو اسے میسر آسکے۔ ہر چیز کو اسی خاص شئی میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ دیکھیے۔ یہ رکھے۔ سوچے اور اگر لیکن جو تو مجھے۔

محمد حواد : واہ صاحب ! کہاں مذہب کا ذکر تھا کہاں

منظور : شیخ جی ! میں چاہتا ہوں کہ اب یہ سلسلہ گفتگو ختم کیا جائے۔ آپ کی تقریر سننے کے بعد اب دوسروں کا ہر لفظ مجھ پر گراں گذرے گا۔

شیخ جی : اہ بھائی میں میری شل ہو گیا۔ بیٹھنے کی طاقت نہیں۔ اٹھا جا کر آرام کروں گا۔

(اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

پر دہ



تیسرا ایکٹ

پہلا منظر

(ایک چمٹا سا کروڑ جو کہ ایک سدا زہ ہے اور دور درشنان -

آدھے کوسے کو ایک جا۔ پانی گھیرے جوئے ہے لقیہ جتھے میں
 ایک چمٹائی چولی ہے جس پر بے ترمیمی سے خطوطا دوسری
 جیزیں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک طرف دیوار کے اندر ایک تین
 خانوں کی الماری ہے۔ ہر خانے میں کتابوں کے ڈھیر ہیں۔ دو
 کھڑکیوں پر دو اگلیں اور ایک علامہ لٹکا ہوا ہے۔ پنگ
 کے پاس ایک پتائی پر چند دواؤں کی تیشیاں۔ گلاس۔ سقر یا میٹر
 وغیرہ رکھے ہیں۔ دو کرسیاں چائیا کی کے پاس بھی ہیں۔ ایک
 خالی ہے۔ دوسری پر منظر بیٹھا ہے شیخ جی رضائی اور طے
 جا رہا ہے پڑھتے ہیں۔)

منظر : خدا کا شکر ہے کہ آج بخار آڑ گیا کل ڈاکٹر کہتا تھا کہ اگر دو دن اور یہی حال رہا تو بہت اندیشے کی
 بات ہے۔

شیخ جی : (غیبت آواز میں) لال بھائی گنبت تپ نے علاوہ میری بڑیوں کو پھر نہک ڈالنے کے تم کو اور
 تمہاری بہن کو بہت تکلیف دی۔ چھ دن سے دہلی کا سارا وقت میری پٹی سے گزرتا ہے۔

موتو : نہیں شیخ جی۔ انسان سے پوچھیے تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ساری تمہاری سبیدہ کرتی تھی۔ میں تو
 بیٹا ہوا کتاب پڑھا کرتا تھا

شیخ جی : یہ تیسرا موقع ہے کہ سبیدہ کی تمہاری سبیدہ نے میری جان بچائی ہے (کچھ دیر کے بعد) خدا جانے کیا
 بات ہے کہ مجھے اس بیماری میں تمہارے والد مرحوم بہت یاد آئے۔ تم دہلی کو اکثر میں شجاعت ہی کے

نام سے پکارا جاتا۔ تم مجھے ہر گے کوئیں بذریعہ بک رہا ہوں۔ یا بخمار نے مرحوم کی خیالی شکل میرے سامنے پیش کر دی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں تم دونوں کو خوب پہچانتا تھا۔ پھر سبھی یہ پارتا تھا کہ تمہیں بھی نام سے پکارتے۔

(خادمہ داخل ہوتی ہے)

خادمہ: منظور میں چوڑی بیٹا چوستی ہیں کہ کوئی اور نہ ہو تو میں آؤں۔

منظور: ہاں کہہ دو چلی آؤں۔

شیخ حبی: اچھا ہے سیدہ کو بھی آجانے دو۔ آج میرا تم دونوں سے کچھ باتیں کرنے کو چاہتا ہے۔

منظور: اگر آپ کمزور بہت ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہیے۔

شیخ حبی: ڈاکٹر کا بہت بہت شکریہ بخیر میں مجھ ہوں۔ ستر برس سے باتیں کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔

(سیدہ داخل ہوتی ہے)

سیدہ: آداب عرض ہے شیخ حبی! کئے اب طبیعت کیسی ہے؟

شیخ حبی: جیسی رہو بیٹی۔ اب بالکل اچھا ہوں۔ لہجہ بھارے کشتی جیت لینے کے بعد ذرا ناپ رہا ہوں۔

سیدہ: یہ لہجہ آپ کے لیے تھوڑا سا نار کا انشرہ لائی ہوں۔ اسے پی لیجئے۔

شیخ حبی: اچھا لڈا ٹھہر کر پیوں گا۔ بھی دلا پی ہے۔ اسے چوکی پر رکھ دو۔

(سیدہ پالہ چوکی پر رکھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ جاتی ہے)

سیدہ: چچا جان نے آپ کا مزاج پوچھا ہے سنا ز سے مانع ہو کر خود بھی تشریف لائیں گے

شیخ حبی: خدائیں جیسا لڑے۔ دنیا میں تم دونوں کے بعد ملن کی ذات سے مجھے اس سے تھما سے باپ نے

بستر پر لگائیں میری خبر گیری کی تا کید کی تھی۔ بے جا رہے کہ اس کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ اور وہیکہ خاندان

میں حضور متوطن ہیں لیکن جب کوئی میری مخالفت کرتا ہے تو ان سے سنائیں جا آئے۔ اگ ٹھکان ہے

تھیں نے میرے ساتھ کیا کیا اسباب غیر شخص میرے ساتھ کیا کر رہا ہے (کسی قدر دفتر کے بعد آتم دونوں

سے میں نے پتی ابتدائی زندگی کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ آج ہی چاہتا ہے کہ تمہیں اپنی کہانی سناؤں۔ بشرطیکہ تمہیں

گوارہ بنو۔

منظور: بہت شوق سے۔ مگر ڈاکٹر

سعیدہ: شیخ جی آپ ڈاکٹر کو کھنے دیجئے اور جی کھول کر باتیں کیجئے مگر چیکے چیکے اسے ٹھہر ٹھہر کر
 شیخ جی: رسم کے مطابق میں ہی اپنے قہقہے کو غد کے بعد سے شروع کرتا ہوں۔ ۱۵۰۰ میں ایک دور و دراز
 قصبے کے زمیندار کا اکھڑاڑ کا سنبڑس کا تھا۔ بڑا کاقرب و جوار میں شراست اور شدہ و پستی میں مشہور تھا۔
 کم اور اردوں کے باغوں میں چھاپا پانے اور اپنے ہم عمر لوگوں کو اسے بیٹھنے میں اس کا نظیر لکھو نہ تھا
 گاؤں کے بڑھے اس کی حرکتوں کا ذکر سن کر مسکراتے تھے اور کہتے تھے کہ اس لڑکے میں بچوں سے زمینداری کی
 شان ہے (سعیدہ منظور کی طعن دیکھ کر سکتا ہے ہنگاموں کی ایک بات سے شرمیں خائف اور سرد تھا
 اسے بڑھنے کا بت شروع تھا راجا لاکھوی صاحب جو اس کے پڑھانے پر نوکرتھے اور جن کی اقران اور ختے میں
 دو گویں کتابیں تھیں کرتا تھا اس کا اطمینان دلایا کرتے تھے کہ اسے اس سے زیادہ پڑھنے میں اتھا کہ میں
 جتنا کہ ایک زمیندار کے بچے کو پڑھا چاہئے۔ مگر گاؤں بھر جاتا تھا کہ یہ قریب کی گودوں کی بھانڈی میں جا کر
 ایک بنگالی ابو سے انگریزی پڑھا کرتا ہے۔

سعیدہ: اس بایوکا نام ہندو بالوتھا۔

شیخ جی: اچھا مقدم ہوتا ہے۔ بخاریں یہ نام میری زبان پر تھا۔ خیر اپنے باپ سے چھپا کر یہ لاکھ انگریزی ہندو بالو
 سے جو بنگالی ہرنے کے سبب جا دو گ مشہور تھے اور فارسی بھور خود پڑھا کرتا تھا۔ اس سبب سے
 لوگوں کو نہ صرف اس کی زمینداری بلکہ اس کی آدمیت میں بھی شہ پہننے لگا۔ یہاں تک کہ آخر میں بالکل
 ظاہر ہو گیا کہ وہ کا دین دنیا سے گڈ گیا ہے۔

منظور: کیوں؟ کیا اس نے ٹل پاس کر لیا؟

شیخ جی: نہیں اس کا باپ اس کی تادی ایک نہایت معزز اور امیر گھرانے میں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس
 بے نصیبے اتھا کہ وہ اور جب اپنے تندرکنا شروع کیا۔ تو اب میں برس کی عمر میں گھر چھوڑ کر تن بہ آتیر

تعل کھڑا ہوا۔

منظور: افسوس ہے اس نیت کو۔

سعیدہ: اُس لڑکیں کیا خیر الیٰ متی؟

شیخ جی: کوئی نہیں بسوائے اس کے کہ وہ دیوانی تھی۔ خیر مرصے تک یہ لڑکا ہندوستان کے محقق جتوئیوں مارا مارا پھرتا رہا اور زیادہ تر زمیستداروں کے لڑکوں کی آرائی کر کے بیٹ پالنے والا۔ اُس لڑکی میں اُسے طرح کا آرام تھا۔ اہل دہلی کے خدمت گار کی حیثیت سے ہر خانہ دار میں رہتا تھا۔ کھانے پر شے کے علاوہ اٹھ آنے سے لیکر دودھ پے یعنی تک تھراہ جتی تھی اور کام کچھ نہیں تھا مگر مرقا کا نڈ بھلا کرے۔ ہوش کو سب کیں شہر کا اڈیشہ لگا رہتا تھا۔ کیں زمینداروں کی حالت سے مالا تھا۔ کیں کاشتکاروں کے ساتھ ان کے ظلم کا شاک۔ بارہ تیرہ برس کی گزشت کے بعد بیٹھیں ایک ایسے خانہ دار میں پہنچا۔ جو اُسے طرح پسند تھا اور اُس کے سپرد ایک بچہ لگایا گیا جس کا ذہن اور ہونہار شاگرد اس مسلم کو کبھی نہیں ملتا تھا۔

سعیدہ: اُن زمانے میں کیا عرصی آبا جان کی؟

شیخ جی: اس سال کی۔ اس لڑکے کو پڑھانے میں آرائی کو معلوم ہوا کہ مسیٰ کہا اور فریب پیش ہے۔ نچے کو کھل کر بھول جیتے ہوئے دیکھتے سے اور اس کی شہرہ فہم سحری کی مدد سے سو گھنٹے سے باہر اور نامہ کوہ فرحت حاصل نہیں ہوا ایک عرصی ہی جان کو اپنے ماحول میں پھیلتے اور بڑھتے ہوئے دیکھتے سے اور اس میں مبادلہ ہونے سے مدح کو حاصل ہوتی ہے۔ قبضہ مختصر اب اس آرائی کو زندگی کا ایک مصروف مل گیا شاگرد کے خدا داد ہوش و شوق استاد کی مدد سے خوب چلے۔ لڑکے نے اسکول کی پڑھائی کا مابقی کے ساتھ غم لگا۔ کالج میں داخل ہوا۔ اور وہاں ہی اپنی قابلیت کا سکہ طالب علموں کی دنیا میں جما دیا۔

منظور: میں نے بعض رشتہ مندوں کی زبانی سنا ہے کہ کالج میں اُس لڑکے کی زندگی صوب اور تقاضے سے بڑی تھی۔

شیخ جی: بچے تھی کہتے ہیں غلطیاں کرتے ہیں۔ فرض کرو کوئی اُس شخص کو اٹھارے اور بچے پڑھ لکھ کر فصل جو بائیں تو نہیں ملے گی غلطیاں دکھا کر مسترد دلائے۔ ایسے شخص کو میں اُن لوگوں کے مگالے میں کم ہتی

ادب و اہل بھنگوں جو ایک پسندیدہ سیرت کے مالک کو اس کی خنداؤں کا طعنہ دیں جو اس سے آویختہ کی کوشش میں مزید جوئی تھیں۔

سعیدہ: آپ تو یہی کہانی کئے اداس ذکر کو چھوڑیے۔

شیخ جی: رشکے نے کالج سے امتحان کے ساتھ ساتھ حال کی اداسی سے وصلہ پیدا ہو کر یورپ میں جا کر مزید تسلیم حال کر کے ادیبانہ زندگی کا مرنے کے لیے وقف کر دیا۔ رشکے کے خاندان کو اس کا اسکول اور کالج میں جا بھی ناگوار گذرنا تھا۔ پورے نام پر تو قیامت ہو رہی ہو گئی۔ لیکن رشکے اپنی ذہن کا پتہ تھا اس کا حرم ساری مخالفتوں پر غالب آیا اور اس نے یورپ کی راہ لی۔ اُس ادارے میں مزید شکر و دلدادگی کے بعد زندگی دوبھر ہو گئی۔ اگر وہ اب اسے آئین کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ اور گورنوں کے اکثر طے اپنے دکان کی تسلیم اس کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس نے سب سے انکار کر دیا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ کسی کام میں ہی نہیں لگتا تو رحمت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ دلیں ٹھکانے کی کمرالیہ ہوتا ہوا تبت جا کر اپنی زندگی کوہ نور دی اور رحمت پائی میں گذارے جہاں ایک دن صبح رشکے اس نے اپنے سب ابھی سے مدھمکے کپڑے نیکر ایک گھڑی میں بانڈ سے اور بیٹھ کر رکھ کر نکل کھڑا ہوا۔ اسے منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے دن ڈن چھٹے تھے۔ کراہ میں ایک پیر مرد نے جو عید کستی اس کے رفیق سفر بن گئے۔ ابتدا میں تو جوان آئین کوشش کرتا رہا کہ اس بڑھے سے کسی طرح پچھا پھڑائے لیکن ایک طرف تو اس کی رحمت آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی۔ دوسری طرف اس کے ساتھی کا اثر اس پر بے اس کے عموں کیجے چھٹے پڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد دونوں میں گہری دوستی ہو گئی اور ہمارا آئین اپنے پہلے اہلے کو ترک کر کے پیر مرد کے ساتھ عرصہ دراز تک سفر کرنے کے لیے راضی ہو گیا۔ پیر مرد نے اس سے یہ شرط کی کہ پہلے دھوں کوہ دھو کر اکیلا چھوڑ کر بیسیوں دوستوں کی یہ کریں اس کے بعد اگر جان کو کوہ پھالیر چڑھنے کی بات ہے تو پیر مرد ہی اس کا ساتھ دے گا۔

سعیدہ: خوب شرط کی پیر مرد نے۔ میں بھی جی تو یہی کرتی۔

شیخ جی: چار برس میں ان دنوں نے سارا ہندوستان یورپ کے پچھلے تک اور اتر سے دکن تک چھان

وہاں اس سفر میں انہوں نے لہرنے ہوئے دیا۔ تارا اب دادا والی لہلا تھے جوئے کھیت دیکھے اور
خاندان کش مرد جے زبان حدیث اور بیمار تھے۔ انہوں نے سرلیٹک محل اور مالیشان مکان دیکھے اور
مان کے جاہل اور عشرت پسند کین۔ عشرت، رفعت، مسجدوں اور مسندوں کو دیکھ کر نہیں خدا
پار گیا۔ ایمان سے خالی نازیوں اور بیماریوں کو دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ گئے۔ دل فریب نہیں اور
پہنچت انسانوں۔ قابلِ فخر ماضی اور شرفناک حال کے ان نظاروں اور روشن خمیر پر برد کی محبت کا آئین
پر عیب اثر پڑا اس کی جے سنی اور بے مرکزی دُور ہو گئی اور اس کا دل لیک نئے درد سے سوسہ گیا۔ جو
مصر اور ہند کی کانیں بلکہ آبادی میں رہنے کا۔ ہالیہ میں جا کر خود کو کھورینے کانیں بلکہ انسانوں سے مل کر
اپنے آپ کو پالنے کا معاشی تھا۔ پیر مرد تو اس سے رخصت ہو کر اپنے دائمی سفر پر روانہ ہو گئے اور
وہ اپنے شاگرد کی دلچسپی کی خبر سن کر اس کے گھر پہنچا تا کہ اسے اپنے نئے جذبات و خیالات کا شریک
بنائے۔

یہ اتفاق دیکھو اور ہر شاگرد ہی یوپی سے رہی چوٹ لے کر آیا تھا جو استاد نے ہندوستان میں کھائی تھی
نئے یوپی میں پنہا وقت بے کانیں کھیا تھا۔ بلکہ راں کے قدح کا نہایت غائر نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ لیکن یہ
عجیب بات ہے کہ اس کی ظاہری آنکھیں جس قدر وضاحت سے یوپی کو دیکھتی تھیں ہی قدر اس کی چشم
بصیرت کے آگے ہندوستان کے اہلی خود حال نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ ہندوستان کے اس نئے مرتع
میں اسے بہت سے مدناک مناظر نظر آئے لیکن ہمیک زیادہ قابلِ رحم اس نے عورتوں کی حالت نار
کو پایا۔ چار برس کے بچے سے استاد شاگرد ملے۔ دونوں نے اپنی اپنی کمانی ایک دوسرے کو سنائی لہ
جینوں شولے ہوئے جن میں شاگرد کی بیوی بھی شامل ہوئی تھی۔ یہ نیک بیوی کچھ دن کے بعد ایک بچہ اور
ایک بچی چھوڑ کر رہی جنت ہوئی۔ مگر استاد و شاگرد نے اپنی زندگی کو عورتوں کی آزادی اور تقسیم کے لیے
دقت کرنے کا قصد کر لیا (ذرا ٹھہر کر) اس کے بعد کا تقسیم معلوم ہے کہ کس طرح دونوں نے اپنی قوم
کے تعصب اور اہمیت کا مقابلہ کن شروع کیا۔ یہاں تک کہ شاگرد کو موت دینا سے لے گئی اور استاد کو
بڑھاپے نے ہر کام سے محسوس کر دیا۔

منظور: کاش ہمارے مکہ میں اور چند افراد ایسے ہوتے — کاش!

سعیدہ: شیخ جی! آپ پیاسے ہوں گے لیڈا اٹھا کر مجھے اب پی لیجئے۔

(شیخ جی اللہ کر انشر وہ پیتے ہیں)

شیخ جی: بیٹی! خدا تمہاری عمر میں برکت دے۔ انہیں کھل گئیں۔

سعیدہ: آپ کا قصہ میں نے بہت ہی سے سنا۔ اس سے دل میں دکھا اور خوشی بھی ہوئی آپ سے اب بات پوچھنے کو ہی چاہتا ہے۔

شیخ جی: شوق سے پوچھو۔

سعیدہ: آپ کے نزدیک ہم عورتوں کی حالت کبھی بڑے گی یا نہیں؟

شیخ جی: بیٹی! میری عمر کا اور اس وقت کی حالت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لال بھنگڑا کی ہی صورت بنا کر اور سر مل کر کہوں کہ: مبادا ایسی نیر گردو! لیکن نئی نسل میں تھا۔ ہی سی رکھیاں اور تمہارے جہان کی سے رنگوں کو دیکھ کر مجھے ہستہ ہوتی ہے کہ خدا انہیے دل آغاں گے۔

منظور: شیخ جی! آپ کی محبت ہے کہ آپ ہم عورتوں کی نسبت ایسے خیالات رکھتے ہیں۔ آپ کا تعریف کی دل سے

تقدیر ناموں لیکن اس سے بھی زیادہ احترام آپ کی تنقید کا میری نظر میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسی

گفتگو کے سلسلے میں آپ ہیں ان خامیوں سے آگاہ کر دیں جو آپ کو ہم لوگوں کے طرز عمل پر نظر آئیں۔

شیخ جی: بس سے خیال میں تم نوجوانوں پر دوڑتے نظر آتے ہیں ایک تو یہ کہ تم لوگوں میں جو ستم مرہ سے زیادہ

ہے وہ ستم میرا تھا۔ اسے سوال سے ماہر ہر داتا ہے تم لوگ نکرہ جیسی کو صورت میں زیادہ ہم سمجھتے ہو۔

منظور: پہلا عرض میں تسلیم لیکن دوسرا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ کا ایر سخت گیرانہ منہ ہے کیا وہ مخالف کبھی ہو سکتا ہے؟

شیخ جی: ہاں بیان! میں بھی ایک زمانے میں زبان کی کاٹ کا بہت معتقد تھا۔ ہی۔ طائفے کی عادت پڑی ہوئی

ہے۔ دوسرے بڑھاپے میں ایسا رنگوں کے ساتھ عرض کر کے کا تاہ اور بڑھ گیا ہے۔ لیکن جبر فطری

میں میں مستلاموں اس سے تمہیں پچانا چاہتا ہوں۔ تمہارے حریف زیادہ تڑپے لوگ ہیں اور

یہی زیادہ تر تھکائے ہوتے ہیں لیکن انھان سے دیکھو تو ان لوگوں پر اعتراض کرنا بالکل بے جا ہے
انہوں نے ان کو ایک خیالی کسے نہ لےنے میں یہوش پلے ہے جس کا تم سب کو لپٹی کو دیکھ کر بھی اندازہ نہیں کر سکتے
مادت نے ان کے خیالات کو راسخ ادھر نے قرآنے ذہنی کو مست سوز کر دیا ہے۔ یہ بے جا رسے کے طلوع نئے خیالات
نہیں قبول کر سکتے۔ چنانچہ تمہاری نگہ میں علاوہ بے جا رہنے کے لاعمال میں بے تعلق چاہئے کہ جو وقت زمانہ سے
میں صرف کرتے ہو اسے اندھیرا کا مہل میں صرف کر دے۔ اپنے دست محمد علی کو دیکھو۔ اگر اے تمہاری سرفرازیات
اور جودت نہیں مہل پہنٹی ہے۔ لیکن اس کی لائی قدرت نے وقتِ عمل سے کر دی ہے۔ بحثِ باختر بھگڑے
بھگڑے سے اسے کوئی مطلب نہیں سنا کوشی سے اپنا کام کیے جاتا ہے۔ گویا ایک بھاری ٹھکر کم جواز ہے۔
جس پر طوفان کا کوئی اثر نہیں ہے جو موجوں سے لڑنے کے لیے نہیں ٹھہرتا۔ بلکہ انہیں پیر کرانا راستہ
بنا تا چلا جاتا ہے۔

سعیدہ: سچ کہتے ہیں آپ شیخ جی میں بھی جہانی جان کو بہت بھلائیوں کو بھی جان اور میرا کھد حسین سے نہ
الجھاکریں۔

منظور: خیر احمد حسین تو خود مجھ سے ان قدر گھبراتے ہیں کہ بات نہیں کرتے۔ بہت سچی جان سے نہ الجھاست مشکل
ہے مجھے یقین ہے کہ اگر ان کے سامنے فرشتے تسبیح تمہیں کر رہے ہوں تو وہ ان سے بھی ڈروں گا کوئی
بہانہ نکال میں گی۔

شیخ جی: ہاں وہ کہیں گی کہ یہ جو ہر وقت بددیا کرتے ہیں۔ ضرور مجھے کوستے ہیں۔

سعیدہ: (ہنس کر) شیخ جی اب آپ آرام کیجئے۔ کہیں پھر خود خواستہ طبیعت نہ غراب ہو جائے۔

منظور: (اٹھ کر) ان بھم دگوں کو نصت مہنا چاہئے۔

شیخ جی: ذرا ٹھہرو۔ میں تم سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ پرسوں تم سے اور محمد علی سے کیا طے ہوا؟

منظور: معاملہ قریب قریب تیار ہے محمد علی کو آپ کی ٹانے سے اتفاق ہے۔ انشاء اللہ سب ہی صلح ہو گا جیسے

آپ چاہتے ہیں۔

سعیدہ: شیخ جی دعا کیجئے۔

شیخ جی: دل و جان سے دعا کرتا ہوں۔ پھوہ

دوستِ منظر

(میر الطاف حسین اپنے مکان کے سامنے نیم کے درختوں کے تلے
 میں جہاں سبز پہر کو ان کی نشست ہوئی ہے۔ ایک ٹیکے والے
 سونے پر بیٹھے تشریف لے رہے ہیں۔ ان کے پاس کڑی پر منظور ٹھیکھا

(ہے)

میر صاحب، بیٹا تم جانتے ہو کہ میں گھر کی کسی بات میں دخل نہیں دیتا۔ مگر تمہاری بہن کی شادی کے معاملے میں
 کچھ ایسی پچھیدگیاں پڑ گئی ہیں کہ تم دونوں کی محبت مجھے غمناک نہیں رہنے دیتی۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری رائے
 محمد علی کے ساتھ سعیدہ کی شادی کرنے کی ہے اور میری جاننا ہوں کہ شجاعت مرحوم کا جھسان ہی طرف
 تھا مگر تمہاری بچی کو ضد ہو گئی ہے کہ محمد جواد سے شادی ہو۔ اور ان کی بات نہ بدی ہوئی تو خدا جانے کیا
 قیامت برپا کرے گی میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ تم سفیرِ شکر کے لیے اسی پر راضی ہو جاؤ۔
 منظور: چچا میاں! اگر محض والد مرحوم کی خواہش اور میری رائے کی بات ہوتی تو میں آپ کے فرمانے کے
 مطابق یقیناً مخالفت سے باز آ جا تا مگر آپ کو تاہم یہ معلوم نہیں کہ سعیدہ خود محمد علی سے شادی کرنا
 چاہتی ہے اور جواد کے نام سے نفرت کرتی ہے۔

میر صاحب: یہ میں نے بھی سنا ہے۔ مگر ہم نانا یہ ہے کہ لوگوں کی رائے نہ اس معاملے میں کوئی
 پرہیز ہے اور نہ اس کی طرف التفات کرتا ہے۔ دوسرے میری کبھی میں آتا کہ جواد ہی کیا
 غرابی ہے۔ علاوہ نجیب الطرفین ہونے کے نایب سادات مندا اور تھی لڑکا ہے۔

منظور: ہاں! یہ بالکل سچا ہے۔ مگر بعض وجوہ سے سعیدہ انہیں پسند نہیں کرتی اور وہ نہ نیا کچھ بھی ہو۔
 قتل و نقصان اور محکم خرابی کا یہی تقاضا ہے کہ لڑکی کی ضمانتی کے بغیر اس کی شادی نہ ہو ناچار ہے۔
 میر صاحب: ہاں! یہ بھی تم شیک کہتے ہو (کچھ سوچ کر) مگر میں محمد علی کی نسبت کما جاتا ہے کہ شجر کی

ہر گویا ہے۔

منظور: یہ میں آپ کو تعین دلاؤں کہ محمد علی بھائی کے ذہنی مختلفہ بالکل دہی ہیں۔ جو والد مرحوم کے تھے۔ اب یہ آپ بستر جانتے ہیں کہ وہ نیچری تھے یا نہیں۔

میر صاحب: نہیں نہیں، شجاعت مرحوم کا سینہ نورایان سے محور تھا۔ بعض اور میں مثلاً اتھما سے کے یا ان اور اور دلائف کے معاملے میں جو کسی مراد سے پڑھے جائیں اہستہ مرحوم کا عقیدہ واضح تھا۔ سو کوئی ذکر ٹی ضعف سوٹے مصروفین کے ہر شخص کے ایمان میں ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ عین و رحیم ہے۔ ان خنداؤں سے درگد کرے گا۔

منظور: بس تو محمد علی بھائی کی نسبت میں جناب کو یہی رائے رکھتا چاہئے۔

میر صاحب: ایک اور بھید گی می تو ہے۔ محمد علی پڑے کا مخالف ہے اور چونکہ اس کا قول اور عمل واحد ہے وہ اپنی تدبیر کو ضرور ہر نکالے گا۔

منظور: میں سٹے پر جہاں تک مجھے یاد ہے والد مرحوم نے جناب سے ایک بار بحث کی تھی اور ثابت کیا تھا کہ شرح میں جس پڑے کی تاکید ہے وہ انکھ اور دل کا پردہ ہے یہ قید فرنگ نہیں۔

میر صاحب: مرحوم نے یہ بحث ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ میر سے سنانے کی تھی۔ اور ان کے دلائل مزید دوی تھے۔ مگر کچھ میں ہر مجھے یہ گوارا نہیں کہ ہمارے خاندان کی لڑکی میوں کی طرح ماری ماری پھرے۔

منظور: مجھے یقین ہے کہ محمد علی بھائی مسیہ کو اس کی مرضی کے خلاف ہرگز باہر نکلنے پر مجبور نہ کریں گے بلکہ اگر وہ خود چاہے تو اسے روکنا بڑی جواب دہی کا کام ہے۔

میر صاحب: مجھے ایک ادا بت می تم سے پوچھنا تھی۔ کیا تم اپنے بھائی ہمنوں کی جائداد الگ کرانے کے لیے مقرر لڑتے ہو؟

منظور: چچا میاں! آپ نے جنہی باتیں سنی ہیں یہ ایک ہی سازش کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں مجھے معلوم ہے کہ آپ ان باتوں سے گھبراتے ہیں۔ لیکن ذکر آ گیا ہے تو مناسب سمجھتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ۔ پورا معاملہ آپ کو سمجھا دوں۔ آپ کو اس کی خبر نہیں ہے کہ خاندانی جائداد میں جتنا حصہ آپ کا ہے۔

وہ سر سے پیر تک قرضے سے زبردار ہے۔ سیتا رام جین چاہیے نامش کر کے اس پر قبضہ کر سکتا ہے لیکن اسے انتظار ہی کا ہے کہ آہستہ آہستہ اور قرضے سے کر تہیہ جاؤ اور کبھی اپنے قبضے میں کرے اس لیے اسے اس امر میں خاص دلچسپی ہے کہ مسیوہ کا عقد محمد جواد سے ہو جو اس کے مقروض ہونے کے سبب سے پہلے ہی سے اس کے قابو میں ہے۔ اس کی اس سازشوں کا سدباب کرنے کے لیے میں نے درخواست دی ہے کہ جاؤ اور ادکا ہوا رو کر دیا جائے تاکہ میں خود گنگا سہائے کی مدد سے اپنے حصے کی دیکھ بھال کروں۔ میں اتنی سی بات ہے نہ کوئی مقدمہ ہے نہ معاملہ۔

میر صاحب: سننا ہوں کہ اگر یہ امر وقوع میں آیا تو جہاں نامش کریں گے۔

منظور: بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو کیونکہ آپ جس نہ جیسے سے سب باتیں سنا کرتے ہیں وہ سیتا رام کے مقاصد کا صحیح ترجمان ہے۔ لیکن اگر نہ کیا جائے تو کچھ دن کے بعد وہ پراسرار جہاں: سیتا رام کا بہات میں حوالہ دیا کرتا ہے۔ پدی جاؤ اور قبضہ کرنے کا کم سے کم ایک حصہ تو بچا لینا چاہیے۔

میر صاحب: خیر بھئی! تم دن باتوں کو بہتر سمجھتے ہو۔ میں خود کو ماننے دینے کا اہل نہیں سمجھتا۔ تم آگے سین سے مشورہ کر کے ہونا سب سمجھو کرو۔

منظور: (مسکرا کر) بہت بہتر۔

پروہ

○

چوتھا ایکٹ

پہلا منظر

(محمد علی کا مکان۔ دفترِ کارہ۔ وسطیں ایک میز ہے جس پر
 جیٹر کا خذات وغیرہ ترتیب سے لکھے ہوئے ہیں جس طرف
 مدواڑہ ہے۔ اس دیوار پر بڑی گھڑی لگی ہے۔ اور چند نقشے
 لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلے کی دیوار سے لگی ہوئی الماریاں
 رکھی ہیں جن میں کتابیں بیٹھے سے چنی ہوئی ہیں۔ تیسری طرف وہ
 کھڑکیاں ہیں جن کا نام باغ نظر آتا ہے۔ وسطیں میز کے تین
 طرف تین کرسیاں لگی ہیں۔ چوتھی طرف جدھر سبڑوں کے ایضے
 ڈھیر رکھے ہیں کوئی کرسی نہیں ہے۔ ایک کرسی پر محمد علی بیٹھا
 رہ جیٹر میں سے نشان کرنا ہے اور بیچ میں گھڑی اور
 دروازے کی طرف نظر ڈالنا جاتا ہے۔ ہینڈ منٹ میں اٹانے
 کے باہر سے قدموں کی آواز آتی ہے اور منظر دو دواڑہ کھول
 کر اندر آتا ہے۔ پچھلے پچھلے گنگا سمانے کاغذوں کا بستہ
 رہا۔۔۔ کسے ہوئے داخل ہوتے ہیں اور جھک کر آداب

(بجالاتے ہیں)

منظور : (معاذ کرتے رہنے) بھائی صاحب! معاف کیجئے گا۔ ذمائی دیر ہو گئی۔ اسٹیشن پر نہ جانا نہیں
 اتحادِ المسلمین کے سکریٹری مل گئے۔ ان کی گاڑی میں دیر تھی۔ میرے پچھلے بڑے گے کہ انہیں کہنا دے گا
 سن تو پیٹ فارم پر پکڑے کھڑے سو ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب سنا نا شروع کر دی اور اس تیزی سے
 کہیں چھیڑی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے ٹوک دینے کے خوف سے وہ سانس کسی جگہ کے فالتے نہیں

قڑتے تھے نہ کہ وہ میان۔ وہ تو کئے گاڑی وقت پر آگئی۔ جب وہ ہو کر سچی ہوئی گاڑی میں بیٹھے۔ مگر میری
 لیکن کے لیے بہار پکار کر کہتے گئے کہ بقیہ دفعات کسی دن میں سے مگر یہ اگر سنا میں گئے
 محمد علی : اچھا اب فوراً کام شروع کر دینا چاہئے مجھے ایک پنچایت میں سوین چلنا چاہیے۔
 (دونوں کر کی پر بیٹھ جاتے ہیں)

محمد علی : بیٹے دفنی گنگا سائے صاحب۔

(گنگا سائے کی ہٹا کر فرس پر بیٹھنا چاہتا ہے)

منظور : ایں ! یہ کیا کہتے ہیں۔ آپ کسی پر بیٹھے۔

گنگا سائے : حضور لوگوں کی غراب چوری ہے۔ روز ندوی یہ صلاحیت کہاں رکھتا ہے۔

(جھک کر آداب بجالاتا ہے اور کسی کے سرے پر بیٹھ جاتا ہے)

منظور : آپ کی پنچائیتیں خوب تر تھی کر رہی ہیں سنا اب کوئی مقدمہ عدالت میں نہیں جاتا۔

محمد علی : نہیں یہ تو بالوغت ہے بہت چھوٹے چھوٹے معاملات اکثر پنچائیت ہی میں طے ہو جاتے ہیں۔

منظور : کس قدر خوشی کی بات ہے کہ آپ کی کوشش سے ہمارے کانوں میں خود ماری اور جمہوریت کا بیج پیدا

ہو رہی ہے بلکہ یہ کتنا چاہیے کہ بیدار ہو رہی ہے۔ کیونکہ جدید تاریخی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ

قدیم الایام سے ہندوستان کے دیہات میں حکومت خود مختاری کے ہول پر زندگی بسر کی جاتی تھی یہ

مردن چندوں کی بات ہے کہ غلامی کا طوق ہمارے گردن میں پڑ گیا ہے (گنگا سائے سے) آپ بتا

سکتے ہیں کہ اس کا کیا سبب ہے ؟

گنگا سائے : چھوٹے میں ہم لوگ یہ امورات کیا جاعیں بہت سے جانتے ہیں کہ کلنگ کے ایام میں لگان

بڑھتا جاتا ہے اور پیداوار کم ہوتی جاتی ہے۔

محمد علی : اچھا اس کی تحقیقات پھر کریں گے۔ (گنگا سائے سے) آپ سب کا فزات ماحصل لے لیں ؟

گنگا سائے : ایں حضور ندوی نے ہم بہت سے پابندی احکام کی کہ ہے۔

محمد علی : اچھا انہیں پھوڑ جائیے۔ میں اطمینان سے دیکھوں گا۔ آپ برسوں پھر بارہ بجے کی گاڑی سے تشریف

لایئے گا اور تمام تک میں قیام کیجئے گا لہجہ میں وقت مجھے بڑے میر صاحب کی جائیداد کے متعلق چند سوال کرنا ہیں۔

گنگا سہسٹا : ارشاد فرمادیں۔

محمد علی : بڑے میر صاحب کے حصے پر مجھ سے جو رقم کتنا ہے ؟

گنگا سہسٹا : حضور کھم انیس دستاویزیں ہیں جن کی میزان اصل کی ستیس ہزار ہے اور سو دو سو مل کر پچاس لاکھ کے قریب تک تیس ہزار چار سو بانو سے روپے گیارہ آنے سات پائی ہوتے ہیں۔

منظور : آپ یہ غضب دیکھتے ہیں۔ تیس ہزار ترغہ اور چالیس ہزار سو۔ یہ سو خوردی کی قوم جو ملک کی طرح انسان کے لپٹی ہے اور ایک قطرہ خون کا نہیں چھوڑتی۔ ہمارے ملک میں عدالتیں بھی ہیں۔ جج بھی۔ کونسل بھی۔ ٹانوں بھی۔ مگر اس جتنا ظلم کے مدکنے کی کسی کو تو قیہ نہیں ہوتی۔ العاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سیاہ کار جیل خانوں میں بگ پائیں اور وہ لوگ جو جان بوجھ کر خورد کو ان کے حوالے کرتے ہیں پاگل خانوں کو زینت دیں۔

محمد علی : اس صے کی سالانہ آمدنی کیا ہے ؟

گنگا سہسٹا : حضور آمدنی جو بے سواں کا حساب ہے کہ کھاتا وغیرہ احمد زیاں کے پاس ہے اور فدوی کو دیکھنے کی مجال نہیں۔ البتہ کا غذات پیواری کے حساب سے گزارش کر سکتا ہے۔ ساٹھ چھ ہزار آمدنی بڑے سرکار کے حصے کی ہے۔ حضور کتنے کی ات نہیں (ادھر ادھر دیکھ کر) سارا انکم و نسخ اس قدر بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری پناہ۔ بہت سے اسامیوں پر برسوں کی آتی ہے اور بہتوں سے دو دو بار بڑا لیا جاتا ہے۔ نہ پرنے چاہات کی سرت ہوتی ہے نہ نئے بنوائے جاتے ہیں۔ منظور میاں اور صاحبزادی کا حصہ بھی اتنا ہی بڑا ہے مگر اس کی آمدنی سال گزشتہ میں آنے پائی چھ لاکھ سات ہزار سات سو گیارہ تھی۔ اور پھر یہ حصہ بھی پوری طرح فدوی کی سپرد میں نہیں ہے۔ ہندوی تحصیل وصول کر کے احمد میاں کو دے دیتا ہے۔ زمین میں لگانے کے لیے لگتا ہے تو ایک پائی بھی نہیں ملتی۔ اگر دو تین بار کے ایک دس ہزار روپیہ جائیداد میں لگا دیا جائے تو آمدنی ڈیڑھ سی ہو جائے۔

منظور : منشی جی! آپ اطمینان رکھیے۔ چند دن میں ہمارا حصہ الگ ہوا جاتا ہے۔ پھر آپ جو مناسب سمجھے کیجئے۔

(محمد علی سے) بھائی صاحب لارہ بالکشن کتے تھے کہ اب کی بیشی میں ضرور ڈبوئے گا حکم ہو جائے گا
اس وقت ضرور آپکو مجھ پر ہونا چاہئے۔ ورنہ ایکے میسے بنائے کچھ نہ بنے گا جب انسان کے ایک طرف پروا کی
اور دوسری طرف تانوں کو ہونے عقل نذیوں ہی گم ہو جاتی ہے۔

محمد علی: ذرا بالکل شکر نہ کرو۔ سب کچھ ہو جائے گا۔ (گنگا سمانے سے) بڑے میر صاحب کے حصے کی کتنی نیت
کیا ہوگی۔ اور اگر سلام ہو تو کمان تک دام لگیں گے۔

گنگا سمانے: حضرت قیامت آپ پر رکھیے کہ بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ ساری بات بیچنے والے اور خریدنے والے
کی ہے۔ حقیقت سے سلام کیا جائے اور مال یعنی خریدنے والے لالہ جائے تو دلاکھ سے زیادہ ہی ملے گا۔

راہیہ دام تو اس میں کوڑی کے سول چیز ہوتی ہے۔ جتنا خریدا ہے اتنے ہی دام لگ جائیں تو قیمت ہے
منظور: ان بھائی صاحب! میں نے سنا ہے کہ سیدنا رام نانش کرنے پر تلاجیا ہے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ سعیدہ
کی شادی حواد سے نہیں ہوگی۔ تو فوراً نانش کر کے گا اور جائدا زین سلام کر لے گا مجھے بڑا اندیشہ ہے
کہ اس کے بعد کام کیسے چلے گا۔ ہم بھائی بن اپنی آمدنی کا جتنا حصہ لیا کرتے ہیں انگوٹھی سے بھی کم
ہیں تب بھی چچا جان کے یہاں کا خرچ پورا نہیں پڑے گا۔

گنگا سمانے: حکم ہو فردی اپنی ٹاٹے نا چیز عرض کرے اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اگر اس کو اتنی جھستہ
ہو شکاری سے فروخت کیا جائے تو سارا قرضہ ادا ہو سکتا ہے اور باقی جائدا دے دینے کا بھی خیال ہے۔
منظور: لیکن فروخت کرے کون؟ چھوٹے سے یہ امید رکھنا بالکل فضول ہے کہ اس کی سمجھ میں بات آئے
گی۔ ایک تو وہ پیلے ہی سے معذور تھے۔ دوسرے سیتا رام نے اور انو بنا رکھا ہے۔ رہے چچا جان
تو وہ کسی حساب ہی میں نہیں ہیں۔

(نوکر داخل ہوتا ہے)

نوکر: سکا گھوڑا تیار ہے۔

محمد علی: (اٹھ کر) اچھا۔ اب مجھے کیڑے بدل کر فدا جانا ہے (منظور سے) تم ابھی ٹھہرو۔ تم سے ملا سے
کے متعلق باتیں کرنا ہیں۔ میں اسکو کی نئی مٹلہ میں امین چائے پرائیں گی ان سے بھی مشورہ کریں گے

منظور: بہت اچھا!

محمد علی: زوشنسی جی! آپسوں سوا بارہ بجے۔

گنگا سہکا: فدوی بسرو جیٹھاں حاضر ہوگا۔

(نوکر دوبارہ داخل ہوتا ہے)

نوکر: حضرت! مسلین کے سکتر صاحب آئے ہیں منظور میاں کو پوچھ رہے ہیں۔

منظور: اسے یہ بزرگ کیاں کیسے پہنچے۔ میرے سامنے ریل میں بیٹھ کر مدانہ بزرگئے تھے کیوں نہیں جی تم نے بھی تو دیکھا تھا۔

گنگا سہکا: ہاں! چھوٹے میاں۔ دیکھنے میں تو یہی معلوم ہوتا تھا جیسے گاڑی میں دوڑ کر بیٹھ گئے ہوں منظور! انیس صاحب معلوم کیا معنی انھوں نے گاڑی چلنے کے بعد کھڑکی میں سے سر نکال کر مجھ سے بات کی تھی۔

محمد علی: خیر جی! میں تو اب جا آ ہوں۔ تم جی بھر کے ان کی صحبت کا لطف اٹھاؤ۔

(چلا جاتا ہے)

منظور: میری بھین نہیں آتا کیا معاملہ ہے (پیرزاد کی چاب سنبلی ڈتی ہے) خیر وہ خود ہوا ہے۔ ان سے معلوم ہو جائے گا۔

(اسکرٹی صاحب داخل ہوتے ہیں)

اسکرٹی صاحب: آداب عرض ہے میاں منظور صاحب! ابھی مجب دل لگی ہوئی تھی، میں بیٹھ کر آپ سے باتوں میں ایسا مشغول تھا کہ بے سوچے سمجھے غلط گاڑی میں بیٹھ گیا مجھے جانا تھا پدپ کی گاڑی سے اور وہ تھی برانچ لائن کی گاڑی۔

منظور: برانچ لائن کا پلٹ نام ہی تھا۔ کوئی دوسری گاڑی وہاں سے کیوں چھوٹنے لگی مجھے معلوم نہ تھا۔ آپ کو کمال مانتا ہے ورنہ روک لیتا۔

اسکرٹی صاحب: جب گاڑی در سے کے پاس پہنچ کر تحصیل کے کچھری کی طرف مڑی تب مجھے معلوم

سرخ روٹی حاصل کریں۔ ————— علاوہ اس کے سکرٹری کے فرائض مخصوصی حساب
 ذیل میں جو گیارہ شعبوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔
 شعبہ الف نجیسن کے اجلاس کی اطلاع سکرٹری میمبروں کو اجلاس سے پہلے دے گا

پرودہ



دوسرا منظر

(میر صاحب کی نشست گاہ۔ میر صاحب اپنی معمول جگہ پر
 ٹیکہ لگا کر بیٹھے ہیں۔ شیخ جی جو نہایت ضعیف نظر آ رہے
 ہیں، زبانی اور طے کیے داروں کے ساتھ پرہیزگار
 ہیں۔ محسن اور جواد بھی موجود ہیں۔ احمد حسین بے چینی کے ساتھ

(دالان میں ٹہل رہے ہیں)

احمد حسین : (گفتگو جاری رکھتے ہوئے) میر صاحب! حسین کا نام بادل کا دُل میں مشہور تھا۔ بہت طرف دھاگ بندھی
 ہوئی تھی اس گھر کے محرم کی ضلع بھر میں اہم تھی۔ آج ابی خاندان کی آکروٹھی میں مل رہی ہے سر بازار
 جاننا دنیلاں ہو رہی ہے اور آسمان نہیں پھٹ پڑتا۔

میر صاحب : لا حول ولا قوۃ! تو بہ کرو تو بہ۔ جو مرضی آئی ہو میں میں بند سے کو دم ماننے کی گنجائش نہیں۔
 احمد حسین : تو بہ۔ لغتوں بالشر۔ سب کر کے دیکھ لیا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ حرام زادہ بیٹا رام آیتیں کا
 سانپ نکلا۔ مجھے مل جانے تو بوٹیاں جبا جادوں میر سے یار غار بنے تھے۔ بچپن کے دوست ہم
 کلب خاندان کے خیر خواہ ہوئی دوالی۔ عید بقر مجیب رحمانی لے کر آئے تھے۔ ہر وقت
 آمدیاں آمدیاں کہتے۔ منہ سوکتا تھا۔ اور ایک سی طرح کی سی آٹھیں بدل لیں۔ پرسوں میں گیا
 تو مجھے دیکھتے ہی گھر میں چلا گیا اور بیٹے کو کھکا دیا کہہ دو نہیں ہیں۔

محسن : کجنت نے آتی جلدی نالاش نہ کی ہوتی تو میں روپے کی فکر کرتا۔ دو شہینے کو مجھے تار پہنچا چاروں
 میں کیا ہو سکتا تھا۔ آتی جلدی زبردستی اچھے دالوں نہیں بیچا جاسکتا تھا اگر میں جینے کی حمت ہوتی تو
 روپے کا فراہم ہونا کوئی ذلت نہ تھی۔

جواد : جی ہاں! یہ مزید تعجب ہے کہ سیتا رام کو اتنی جلدی کیا پڑی تھی۔ دیر آید درست کہ آید!

احمد حسین: جی ہاں۔ آپ سہی کیا بھولے بنے جاتے ہیں، جلدی ہوں کی تھی کہ جاؤ اور سیلاب پر چڑھے تو خود اپنے
 پونے خریدے۔ آپ دیکھئے گا اگر ایلی سیتارام کے نام نہ ختم ہو تو میرا نام احمد حسین نہیں اور یہ سب کیا
 دھرا ہے اُس منظور کا (شیخ سچ کی طوت دیکھتے ہوئے) خدا جانے کن مفردوں نے کان بھرنے تھے لڑکے
 کے، جاؤ اور کاٹو اور ہوا وہ گنگا سسکا کا بیچہ سفید و سیاہ کا، لاک مقرر ہوا، ایک تو اس بات سے ہما جن
 بھڑک گیا، دوسرے شادی کے معاملے میں بزرگ دو دھکی کھٹی کی طرح نکال پھینک دیئے گئے، اور میری
 اور میرا صاحبہ کی خد پٹھہ پٹھہ کی محمد علی سے نسبت قرار پائی، اس نے جو کاشتکوں کی انجمن کا جال
 پھیلا رکھا ہے اس کے سبب سے دنیا بھر کے ہما جن اس سے جلتے ہیں، نسبت ہو تھی کہ سیتارام کتھے
 تووں سے آگ لگ گئی، اس نے نالاش داغ دی، اب صاحبزادے منظور الدولہ بہادر کتھے ہیں کہ اپنی
 اور بہن کی آمدنی کا نصف چھا جان کو دیا کریں گے۔ پوچھیے جب دونوں حصوں کی آمدنی میں گھر کا خرچ
 نہیں چلتا تو ایک حصے کے نصف میں کیا ہوگا؟

محسن: منظور اس وقت ہیں کہاں؟ میں ابھی گھر میں گیا تھا، وہاں اماں جان نے قیامت برپا کر دکھی ہے
 کل سے سعیدہ کے پیچھے پڑی ہیں، سوٹھے اسے کوسنے اور برا بھلا کہنے کے کوئی کام نہیں، سنا ہے کہ
 سر تا پھینک کر مارا تھا، وہ بے چاری ایک کونے میں بیٹھی سب خاموشی سے برداشت کر رہی ہے۔
 احمد حسین: جی ہاں! بس دنیا میں دو قصور وار ہیں۔ ایک میں ایک میری بہن، اس گھٹی لڑکی کے کتوت کسی کو
 نہیں معلوم، ہندی کرنے کو سب موجود ہیں، آج جو تعداد ہے کہ محمد علی کی گئی شہن کی میم روٹی ہوئی گھر
 میں چلی آئی اور دو گھنٹے بیٹھ کے سعیدہ سے باتیں کیں، ہمیشہ صاحبہ کو جواد سے نسبت ٹوٹنے کے بعد
 یوں ہی اس لڑکی کی صورت سے نفرت ہو گئی ہے، دوسرے میم کا اس طرح گھر میں بیچہ آنا سیدانی کے دل
 پر تیر کر طرح لگا، اس وقت تو بھوک کے سبب کچھ نہ کریں مگر دل میں بات ایسے میں، پھر ان بھائی بنوں
 کی بدولت جو بزرگوں کی بیٹیاں، بس رہی ہیں، بس کا صدمہ اور ہی طرہ ہو گیا، ان سب باتوں نے ہمیشہ
 صاحبہ کو دیوانہ کر رکھا ہے، دو دن سے ایک نوالہ نہیں کھا یا ہے اور وہ رو کر آنکھیں سجباتی ہیں۔
 اہلکالت میں اگر لڑکی کو جو بھڑک دیا تو کیا اندھیر ہو گیا۔

محسن : ہاں ہر سبھی جانتا ہوں کہ اماں جان کے لیے بڑا سخت موقع ہے لیکن سعید وہے چاری سے سب کا بدلہ کیوں نکالتی ہیں اور یہ کہے کے آنے میں کیا خرابی ہو گئی ہے پتہ پوچھئے تو ہم ایسوں کی عزت افزائی ہے کہ ایکشن کی ہم عامیہ وہ بھی امریکن نہیں انگریز قوم کی ہمارے گھر سے نہیں۔

جواد : کیوں ناظر جی صاحب کیا امریکہ کی عربوں میں ہم صاحب کسلائی ہیں؟
میر صاحب : منظور آتا تو گھر میں جا کر اپنی جی کو سمجھا کر آؤ و بکاسے کیا نامزدہ ہے اور لو کی پکیوں تشدد کرتی ہیں یہ تو بڑی بات ہے۔

شیخ جی : بجا ہے منظور ہی سیدانی کو سمجھائیں گے۔ ان کے پاس اس وقت بوعلی بیٹا بھی جائیں تو چولے کی مٹی ہوئی مٹی اور کھوٹا ہوا پانی لے کر گل عکلت کریں۔

احمد حسین : شیخ جی آپ کو کسی بات کا حس بھی آتی رہا ہے یا بالکل عقل نے جواب دے دیا غضب خدا کا سادات کی آبرو جا رہی ہے بزرگوں کا نام مٹ رہا ہے اور آپ آئی جے ٹکری سے مذاق کر رہے ہیں۔

شیخ جی : سادات کی آبرو چند گھنٹے زمین میں نہیں مٹا کرتی۔ اس کے مخزن اس کے سینے میں۔ اگر سیادت کا خیال ہے تو صبر اختیار کیجئے جو آپ کے بزرگوں کا شمار ہے۔

احمد حسین : بس باتیں بنا کر آپ سے لیکھو۔ دوسرے کی صحبت پر صبر کرنا بہت آسان ہے آپ کو کبھی ایک

بگھنے زمین سے نصیب ہوئی ہوتی اور پھر وہ اس طرح سر بارنا سلام ہوتی تو البتہ قدر ہوتی (بہر ٹیلنے لگے)

اور نہ بچ چکے ہیں۔ مگر ابھی تک سلام کی آواز نہیں سنائی دیتی۔ بات یہ ہے کہ سلام کیا کی گئی ہے۔ معلوم

ہے کہ ماہین کے مقابلے میں کون بولے گا۔ ستر آئی ہزار اس کے پہلے سے میں ضرورت پڑ گئی تو

دو چار ہزار اور سے دے گا چیلنے ٹھٹھی (دور سے شور و غل کی آواز آتی ہے۔ سب بے حد صدمہ اتر کر مٹا

بدلی پاس ہزار) بیٹھے شروع کر دیا بے ایمانوں نے۔ نہیں سوائے ہر اک کے پھوٹے کے کوئی اللہ

مجھ سے نہیں مٹی تھی۔ (آواز پچھن ہزار۔ پچھن ہزار۔ پچھن ہزار ایک) کیسا بڑھ بڑھ کے بول رہے ہیں۔

جیسے ان کے آپ ہی کی جائداد تو ہے۔ بس تھڑکی دیر کی بات ہے۔ آدھے گاؤں خانہ لٹے و عایا

باغات۔ سب پرستی رام کا قبضہ (آواز پچھن ہزار ایک۔ پچھن ہزار دو۔ پچھن ہزار ایک دو) باقی گاؤں

کیا ہو گیا ہے کہ بات بات پر زجر و توبیح کرنے لگے۔
 مردانِ خدا شہداءِ نباشند
 لیکن زعمدُ اجدانِ نباشند
 (منظور داخل ہوتا ہے)

منظور: (فصیح کے لہجے میں) چچا جان! میں آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔ سواری تیار ہے۔ سعیدہ
 ڈیڑھ میں کھڑی ہے۔ اگر تکلف نہ ہوتی تو کسے خدا حافظ کہہ دیجئے۔
 میر صاحب: کیوں۔ کہاں؟

شیخ جی: اتنی جلدی؟

منظور: بس اتنا ہو گیا۔ اب ایک منٹ اس نخوس گھر میں ٹھہرنا مجھ پر حرام ہے۔ کل سے اس غریب لڑکی پر
 زرد کو بربت و شتم کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا ہے۔ اس بد بخت نے منہ سے اُن تک نہیں
 کی۔ لیکن پھر بے رضوں کی ایک بوند نہیں۔ مردانِ جہاد ہی ہے۔ اگر وہ چند گھنٹے یہاں اور ٹھہری تو قلب
 پھٹ جائے گا۔ میں آج صبح سے سفر کا سامان کر رہا تھا۔ خالو کو تار دے دیا ہے جب تک
 دو سے گھر کا انتظام نہ ہو۔ اُن کے یہاں قیام ہوگا۔ (محسن سے) مہربانی کر کے ہم دونوں کا بقیہ سامان
 بیچ دیجئے گا۔ اگر شیخ صاحب کی مرضی ہو۔ ورنہ اس سے بھی ہاتھ دھویا۔

میر صاحب: شیخ جی! یہ کیا قیامت ہو رہی ہے؟ آپ ڈیڑھ میں جا کر صغٹے کی ان سے گفتگو کیجئے۔
 شیخ جی: جتنے حضرت! یہ میرے بس کا کام نہیں ہے۔ میری ڈارٹھی کی جڑیں بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ دوسرے
 میں تو خود منظور کو مشدہ دیا کرتا تھا کہ الگ گھر میں رہیں مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ اس طرح آٹا نانا نارواگی
 ہوگی۔ (اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے منظور سے) ذرا مجھے سارا درد تو حل کپہی لگی کہ رخصت کر دوں۔

منظور سسوارا دیکھ اٹھا ہے)

میر صاحب: آبدیدہ ہو کر، بیٹیا منظور فی امان اللہ! شیخ جی! مجھ سے سببہ کر رخصت نہیں کیا جائے گا آپ بیکار
 سے آتے الگ کسی طرف رکھ کر اس کے باند پر دم کر دیجئے گا مرضی اطمینان کئی جا رہے ہیں۔
 (شیخ جی منظور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں اور تھپتھپاتے ہیں)

تیسرا منظر

(ڈیوڑھی کے دروازے کے پاس ایک بے پردہ کی تھکڑی ہے اور اس کے پیچھے ایک چھوٹا چھادتا اللہ سے اسباب لا کر فکروں کو دے رہی ہیں جو پھکڑے پر بار کر رہے ہیں۔ دروازے کے قریب شیخ جی منظور کے کاغذ سے پر ہاتھ رکھے کھڑے ہیں۔ اعلان کے قریب محسن ڈیوڑھی کے اندر سے رفیقہ بیگم کی رو رو کے ہاتھوں کے آواز آرہی ہے)

رقیبہ کی آواز: سعیدہ! اب بھی ہوش میں آ جا۔ اگر تجھے سادات کی آن۔ کنبھ کی آمد کا خیال نہیں ہے تو اپنے چہرے کی وضعی پر توجہ کر۔ اسے کیا تر سے دل میں میری محبت ذرہ برابر نہیں ہے۔ خدا گواہ ہے میں نے تجھے عیشہ اپنی بیٹی سے بڑھ کر سمجھا ہے۔ تیری تربیت اور دیکھ بھال میں اپنی جان بیکان کر دی تیری انوکھی طبیعت سے کڑھ کر کڑھ کر جگر کا خون کر دیا۔ کوئی لحظہ ایسا نہیں تھا جس میں مجھے تیری تھکڑی کی فکر نہ ہو۔ تیرے سودا گین کا دھڑکا نہ ہو۔ پانچ برس سے تیرے بیاہ کا بیٹا کر رہی ہوں۔ اب خدا خدا کر کے ٹسکا نا ہوا تھا کہ دنیا بیٹ گئی۔ سادات کا ستارہ ڈب گیا۔ پیشینہ ریاست میں خدائی خواہماجن کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اس مصیبت کے وقت میں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ میری زندگی کا سہارا چھوڑ کر جا رہی ہے۔

سعیدہ کی آواز: چچی جان! میں نے کبھی آپ کے سامنے زبان نہیں کھولی ہے مگر اس وقت جب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرا آپ کا ہاتھ چھوٹ رہا ہے۔ مجھ سے بے چہرہ لفظ کے نہیں رہا جانا۔ آپ یہ برگزیدہ مجھے سے کہ آپ مجھ سے جس قدر محبت کرتی ہیں مجھے معلوم نہیں ہاتھ پر اس کا اثر نہیں ہوتا مگر اس بد نصیبی کا کیا علاج ہے۔ کہ آپ کی محبت نے میری ڈھارس بندھانے کی جگہ میرا دل توڑ دیا ہے

مجھے خوش خوشم رکھنے کی فکر نہ کی سے بیزار کر دیا ہے آپکے گھر میں آئے مجھے سات برس
 ہوئے۔ اس سے پہلے میری زندگی کے دس سال کمال گزریں اب جان کے ساتھ گزر چکے تھے جب میں اس
 دس سال کا مقابلہ ان سات برسوں سے کرتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو ہرے بھرے بارغ
 کی ایک جھلک دکھانے کے تپتے ہوئے بیابان میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ ان جان کا سار بہت ٹھپن
 میں ہوتا۔ جسے اللہ گھٹا مگر اب جان۔ بھائی جان اور شیخ جی کی پیار بھری نظروں کی چھاؤں میں میرا
 بچپن تھے کمانی کی طرح گزر گیا۔ دسویں برس تقبیر نے آنکھیں پھیر لیں۔ اب جان اللہ کے پیار سے
 ہوئے اور بھائی اور شیخ جی مجھے لے کر یہاں آئے۔ یہاں میں نے دوسری ہی دنیا دیکھی۔ بھلانے والی
 شفقت کی جگہ سہل سفا دل جاہ۔ ہنسانے والے پیار کے بجائے۔ رُلانے والی محبت کمال مگر
 دائے گھر کے خوش نما میں میں کھیلنے کی جگہ مجھے یہاں کالی کالی چار دیواری میں بند ہو کر بیٹھنا پڑا۔
 میرے پڑھنے لکھنے کی آزادی پر قیدیں لگائیں گئیں۔ دوسری دیکھوں تک سے لکھنے کی مخالفت
 ہوئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے اتنے دن کس طرح کاٹے۔ اگر شیخ جی اور بھائی جان دل ہی کہنے
 والے نہ ہوتے تو میں ضرور گھٹ گھٹ کر جاتی۔ آج مجھے بھائی جان ہی مکان میں لے کر جا رہے ہیں۔ جہاں
 سے سات برس پہلے لائے تھے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ سے قسمت بچتے وقت آپ کے سارے احسانوں
 کا جو آپ نے مجھے دل سے اسمان گھر کر کے تھے بہت بہت شکریہ ادا کروں۔ چچی جان مجھ سے جو
 خطا میں ہوئی ہوں ان سے درگزر کیجئے۔ اور مجھے سبھی خوشی جاننے کی اجازت دیجئے اچھا آداب
 عرض ہے۔ صغرا بہن خدا حافظ

(پردہ الٹ کر نکل آتی ہے۔ نوکر زہیر کو کھڑے ہو جاتے ہیں)

صغرا: (پکار کر) سیدہ بہن اللہ کو سونا خط ضرور لکھنا۔

(دفعۃً پردہ پھر اٹھتا ہے اور ترقیب بگم برآمد ہوتی ہیں نوکر گھبرا

کہ پاتے ہیں بھاگ جائیں مگر پھر کھڑے ہو جاتے ہیں)

ترقیہ بگم: (دلی توجہ سے ترقیب کی ایک بات ادا سننے جا۔ ہیں لڑائی میں تو جیتی ہیں مگر اس فتح پر بہت

اترا مت۔ اس وقت تجھے بڑی خوشی ہے کہ چچی کے پنپنے سے نکل کر راح کروں گی۔ مکہ بقیس کی طرح دینا بھر میں میری حکومت ہوگی۔ خلق خدا میرے سامنے آنکھیں پھیلانے لگیں۔ مگر یہ دھوکا بہت دن نہیں رہے گا۔ ایک اشوک سے کہے اندر اندر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ خدا رسول کی انفرانی۔ بزرگوں کی بے ادبی کتنے قبیلے سے کشتی کر کے آدمی کی کیا گت بنتی ہے۔ اگر تجھ پر راہ میں انگلیاں نہ بھینس۔ دنیا تیرے نام پر تھڑی تھڑی کرے۔ شریفوں کو بوٹیوں میں کر کاؤں پر اتھوڑیں۔ تو میرا نام رقیب نہیں۔ اور اس بھروسے ذرا نہ کرب کیں ٹھکانا نہ ہوگا تو پھر چچی کی گود میں آن بھڑوں گی۔ آج سے ہی ذیترہ چچی نہ تو میری بیٹی۔ خدا نے جا تو جیتے ہی تیری صورت دکھوں گی۔ جا بگت اپنے کیئے کی مزا۔

(اندر چلی جاتی ہے)

(اللہ سے آواز آتی ہے)

چل سفر ایسا کیا کھڑی ہے۔

(سعیدہ شیخ جی کے پاس آتی ہے۔ وہ کانپتے ہاتھوں اس کے

سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں)

شیخ جی : بیٹی! تیری چچی کی باتیں سخت ہیں بالکل سچ ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کہا۔ اس سے بڑھ کر تجھے برداشت کرنا ہے۔ مگر ایک بات سیدانی اہل جہول گئیں کہ شجاعت کی ٹیٹی ہے۔

سعیدہ : شیخ جی! آپ نے یہ ایک لفظ جو میری بہت بڑھانے کے لیے کہہ دیا ہے وہ سوتقریریں پر بھاری ہے۔ خدا آپ کو ہم بھائی بہنوں کے سر پر سلامت

منظور : شیخ جی! آپ جو وعدہ کیا کرتے تھے وہ ذہبویہ گا۔ جب آپ کو تہی طاقت آجائے کہ سفر کر سکیں تو چل کر ہمارے ساتھ رہنے گا اور ہمارے کام میں جو آپ کا اور والد مرحوم کا کام سہی ہے ہماری مدد کیئے گا۔

شیخ جی : (ہنسنے لگا کر شش کرتے ہوئے) ہاں مجھے ضرور طاقت آئے گی بیٹا! انسان کی جوس کی کوئی انتہا نہیں۔ مگر عقل جوس کو منسوب کر سکتی ہے۔ میری زندگی کا مقصد آج سے پورا ہونا

شریح ہوتا ہے۔ تم بھائی بن اپنی بیڑیاں توڑ کر آزاد ہو رہے ہو۔ اور مجھے دل سے لیتیں ہے کہ تم
 دونوں اپنی نئی زندگی میں خوش و خوش رہو گے کیونکہ خوشی نام ہے عقیدے اور عمل کا اور یہ چیزیں
 ملتی ہیں۔ تازہ ہوا میں جہالت کی تاریکی اور جس سے نکل کر بے شک تم دونوں سے جلائی ضرورتاً
 سیدہ سے چھوٹا مجھ پر بہت شاق ہے مگر زندگی اور دنیا دوسرے کی ہیں۔ میری نہیں۔ میری عمر
 کی چند ساعتیں باقی ہیں۔ ان میں مجھے شکر کرنے دو۔ اس نئی زندگی پر جو میرے لیے آ رہی ہے میرے
 عمل کا دُرخم جو چکا ہے۔ اب میرے لیے مرنے کا عقیدہ باقی ہے اس کی آسکیں ہے اور وہی نکات۔
 (منظور سے) اچھا بیبا اب تم مدعا دہیل کا وقت نزدیک ہے۔

(منظور سے) سب سے بھلی گریہ کر سیدہ کو رتہ میں بٹھا آ ہے اور
 خود بھی محسوس کے ساتھ بیٹھا ہے۔ گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں)

”بسم اللہ محمدیاً و سرساً“

(گاڑی میں سیدہ اور منظور نے کانسے شیخ جی کو رکھتے جاتے ہیں
 یہ اپنی کلاسی کے سامنے کھڑے ہیں۔ نوکر چاکر سب گاڑیوں
 کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں۔ شیخ جی اکیلے رہ جاتے ہیں پردہ
 اُترتا اُترتا آ رہے)



ہمسائی بائیں

عصمت چغتائی



کھوار

برج نرائن

حامد علی

نوپا : برج نرائن کی بیوی

عائشہ : حامد علی کی بیوی

سنوج : برج اور نوپا کا لڑکا

خورشید : حامد اور عائشہ کا لڑکا

گیشی : سنوج کی بیوی

منہارن

دو پڑوسی ہیں



پہلا منظر

(برقع زائران کا مکان، صحن اور برآمدے کا کچھ حصہ صحن میں
 ایک کھڑکی ہے۔ جس میں سے حامد اس کے گھر کا کچھ حصہ نظر
 آتا ہے۔ معمولی سا زو سلطان۔ دو چار کرسیاں اور میز۔ دیوار
 کی کھڑکی کے پاس ایک چوکی بھی ہے۔ جس کے قریب ہی میں
 پر ایک چٹائی اور دو تین پڑھیاں پڑی ہوئی ہیں۔ جب پر وہ
 اٹھتا ہے تو برقع زائران کا مکان خالی نظر سے کھڑکی میں حامد علی
 نظر آتے ہیں۔ بنگ پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ حالت امان کی
 بیوی اس میں بیٹھی بیٹھی ہے۔ برقعے کے پیرو اسے
 مدد لانے سے برقع زائران کی طرف سے بدل کر گفٹا تے ہوئے

(نکلتے ہیں)

برقع : ارے یہی کتنی دیر کدی۔ کیا آج بھوکا منے کا ارادہ ہے ؟

بیوی : (رسولی سے) اسے ہے کھاؤ یہ رسولی۔ میں تم بیٹھوں میں لاتی ہوں۔

برقع : (کھڑکی کے قریب چوکی پر پالٹی مار کر بیٹھ جاتا ہے) فونک چکے ہیں۔

بیوی : (لاندے سے تعالیٰ ایسے آتی ہے) کہیں بچے نہیں۔ نو بچے میں میں منٹ ہیں۔ بیکار کو اندھیر مجاہد یا کو دیر

چوکی نڈا یا کچھ دیاں مل رہی تھی۔

برقع : ادب ہو۔ تب تو بالکل رو نہیں ہوئے (کھا کر) واہ

حامد : ارے بیانی سے کچھ دیاں کھلا کر کا ہے کو مٹا کے دیتی ہو۔

عالتہ : تو ہے ہے ہنہ دو۔

حامد : (جملہ پورا کرتا ہے) بے چارے کو دے ہی چلنا دو بھر ہے۔

روپا : ہے بے بھیاڑ سے ہی منیدے جو۔

برج : (کچوری سے منہ ہرا ہے) سچ کہتا ہوں

روپا : (تمہاری سے کچوریاں اٹھا کر کھڑکی سے خارجہ کرتی ہے)

برج : (پریشان ہو کر) میں ہیں۔ یہ کیا کرتی ہو۔

روپا : تم کھاؤ میں اور لاؤں گی (حامد سے) لوبھیہا لگے لو ان کیلئے نظر نہ لگاؤ۔

عائشہ : (کچوریاں سے کہتی ہے)

حامد : جیو بھائی! اللہ پاک تم کو سات بیٹے دے۔

روپا : (بھینپ کر) اے رام۔ کیا آدمی ہے

برج : کتا تھا کہ نہ دو۔ نیکی کر دیا میں ڈال (منہ بنا کر) اسے کوئی اچار دو چار نہیں؟

روپا : کل ہی تازہ ڈالا ہے۔ ابھی اٹھائیں۔

عائشہ : (سسن کر) کیا اچار چاہئے۔

(اچار نکالتی ہے)

روپا : اب رہنے بھی دو۔

برج : کہا ہے کہ رہنے دو۔ تمہیں تو میرے کھانا بڑا لگتا ہے۔

عائشہ : (اچار دیتے ہوئے کھڑکی سے) جیسی تو کتنی بڑی میسران کھانا کھانا کیجئے۔

حامد : ابی بس رہنے دو۔ کہتا ہوں بھائی سے دو چار کھانے پکا اسیکھ لو تو

روپا : (جلدی میں حمایت میں) یہ تو نہ کو حادہ بھیجنا۔ عائشہ تو ایسا لاجواب کھانا بناتی ہے کہ کیا کہنے۔

برج : مگر منہ دیا جانے اور ک کاسزہ۔

(ہنس پڑتے ہیں سب)

حامد : اہاں کھا بھی چکو۔ یا آج دفتر چلنے کا ارادہ نہیں۔ اسے بھائی نکالو نا اسے گھر سے

(برج: منہان کے کنسے سے کچھ ٹکڑے مر رہا تھا ہے)

حامد: اماں کیا آدمی جو چلتے مر رہا آج لی منہان سے ہڑیاں پیسنے کا ارادہ ہے۔

برج: (چپتے برسے) بڑی ہی اہم تو کسی اخبار کے دفتر میں نوکری کر لو۔

منہان: (مانے کے بعد) اسے میں اب کیا کروں گی نوکری۔

(صوبح اور خورشید دونوں چٹختے ہوئے آتے ہیں)

(منہان بیٹریٹھی بجاتی ہے)

ایسٹن ایسٹن — اسے کیا پتہ ہے؟

صوبح: (اور خورشید ایک دوسرے کو گھومنے لگتے ہیں) سو رہاچی — گدھا۔

خورشید: ناقول بیٹی!

روپا: اسے اسے — یہ کیا؟ — اور صوبح — خورشید نہیں مانو گے۔

عائشہ: (پلک کر کھڑکی سے آتی ہے) ایسٹن ایسٹن

(خورشید کو پاؤں کھینچتی ہے)

(عائشہ اور روپا دونوں بچوں میں بیچ بچاؤ کرتی ہیں۔ دونوں

اپنے اپنے پہن کو مارتی اور گھسیٹتی ہیں)

روپا: اسے کیوں مارتی ہو۔ کچھ تو یہ ہے (مارتی ہے) بول — اور لڑے گا — کیوں؟

عائشہ: انہیں وہ بیچارہ چپکا ہے۔ یہ ہے بذات — کیوں — لے لے

اور لڑے گا۔ آج میں اس کی ٹہری پہلی ایک کروں گی۔

روپا: اسے چھوڑو (صوبح کو ماننے سے رک کر خورشید کو چھڑاتی ہے) اسے دیکھو چھوڑو — تمہیں

میری کسم عائشہ۔

عائشہ: انہیں نہیں۔ یہ مذکرا جھکڑا نسا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ آج تو میں

روپا: خورشید کو چھڑا نسا جاتی ہے۔ تو صوبح اس کے ساتھ

سے پھوٹ جاتا ہے)

(عائشہ دبا کا ایک اٹھ پکڑ کر خورشید کو دوسرے اٹھ سے

لٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ پھوٹ جاتا ہے)

دبا۔ عائشہ کا اٹھ پکڑ لے لیجئے۔ اب دونوں ایک دوسرے

کو ایسے بڑھاتی ہیں۔ جیسے وہی لڑ رہی ہیں۔ پیچھے دوڑ کھڑے

تاشہ دیکھتے ہیں، ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر حیرت سے

منکراتے ہیں۔ یہ دونوں ایک دم سے رگ کر ایک دوسرے

کا مزاج سے لکھتی ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو پچھے منس پٹتیں

یہ دونوں غصہ ہو کر چوں کی طرف لکھتی ہیں۔ وہ کھڑکی سے کود

کر عائشہ کے گھر میں جاگ جاتے ہیں۔ دونوں بڑی طعنت

ہیں اور انتہی چوٹی جھکی پر بیٹھ جاتی ہیں)

عائشہ : واہ جی اچھا بھلا چکا یا۔

دوبا : بھئی بڑے خواب پیچھے ہیں۔ (کئی کشمکشیں دونوں کی چوٹیاں ٹوٹ گئی ہیں) چہ اسے ہے۔ ماری پکنا چوٹ
پر گئیں۔

منہا دن : (موقع سے فائدہ اٹھا کر) یہ دعائی یا نہیں نئی آئی ہیں۔ بالکل۔

عائشہ : (چوٹیوں سے شازہ ہو کر دوبا کو دیکھتی ہے) دو دو ڈالو۔

دوبا : تم جی بہنو۔

عائشہ : میرے لیے نوہ لالے تھے۔ سوڑی ہیں۔ وہی ڈال لوں گی۔

دوبا : تم پہنو گی تو میں ہر پہن لوں گی۔ ورنہ سونے کی ڈال لوں گی۔

منہا دن : دبا بیٹی سہاگ تو کاغذ کی چوڑی سے ہے۔ لو اوہر لاؤ ہاتھ۔

عائشہ : (دبا کا اٹھ بڑھاتی ہے)

منہارن: (مدیا کے اقد پر خون دیکھ کر) خون گل آیا۔ تو بر میری کیا فتنے ہیں۔ صبح سماں کی چوٹی ٹوٹے یہ کوئی
اچھا گل ہے۔

عائشہ: (متاثر ہو کر سہم جاتی ہے) بڑے شیطان ہیں یہ بچے۔

منہارن: (چوٹیاں بنا کر ہنسنے لگتی ہے) امدی پٹن کما تم سے کہ یاد ہی کو آج نہ جانے دو۔ پتہ ہے۔ شہر میں کیا ہو رہا ہے
گلی گل خون ہو رہے ہیں۔ جبر و دیکھو مارو۔ لہجو۔ جلیو میرے تو رو گئے ٹکھڑے ہونے ہیں۔ اری بیٹی۔
تم کھر کی بیٹھنے والی کیا جانو۔ وہ بنو کا لڈ اٹھانا۔

دوپا: آہں؟

عائشہ: مری بھیلے جب لٹکے کا عقیقہ کیا تھا نا۔

منہارن: وہی ٹکڑا۔

عائشہ: تو

منہارن: پھل گل سے گلور لٹھا۔ دھریا۔

دوپا: ائے ائے رام سے ——— !

(ہرتی ہے تو چوٹی ٹوٹ جاتی ہے)

منہارن: اے جہ بھو بھومت۔ اور تو کے تو تیز خستم ہو گئے۔

عائشہ: ہیں؟

منہارن: وہ تو چوک ہیں مسلمانوں سے کاٹ کے ڈال دیئے۔ اور ایک: ہتھیلا والا ہتھیلا ہر ہسپتال کے پاس
جو آگ لگتی تھی۔ اس میں کپڑا گیا۔

عائشہ: ائے خدا میرا تکیہ نکلا پڑتا ہے۔ سنا ہے کہو کے دونوں پتے ماہ سے آسے تھے تو راستہ میں

دوپا: اے ہے مر گئے؟

منہارن: ایک تو خج گیا۔ پردہ بھی ناک بجا۔ ٹانگ سدا کو بیکار ہو گئی۔ دائیں اکھ جاتی رہی۔

دوپا: ہے بیگوان۔

(بجڑی ٹوٹی ہے)

منہارن: اری بیٹی بے قیمت جا۔ پر چہ
عائشہ: یا خدا یہ جھگڑا کب بند ہوگا۔ اٹ پک اب تو جی گھر گیا (منہارن سے) پر بوالہذا کا شکر ہے مجھے
محلہ میں تو ان ہے۔

منہارن: آگ سی تو ہے پیلے پیلے پھلے گی۔
روپا: بھگلاں نہ کرے۔

عائشہ: اس محلہ میں ہی تو ہندو مسلمان ہیں۔ پر دیکھو جھگڑا نہیں ہوتا۔ بھی یہ مسلمان بٹیسے غصیل ہوتے ہی۔ ذرا سی
بت ہوئی ادا چا تو سے دوڑے۔

روپا: ہر نہ۔ تو یہ ہندو کون سے کم ہوتے ہیں۔
منہارن: اسے بیٹی یہ تو ہندو ہیں نہ مسلمان۔

(منہارن کا چہرہ وحشت زدہ ہو جا تا ہے)

عائشہ: (کچھ نہ سمجھ کر) این؟

منہارن: (غور سے ہوک چاروں طرف دیکھتی ہے) یہ ————— یہ تو

روپا: (اس کا بازو چھو کر) میا!

منہارن: (بڑے رازداری کے انداز میں) یہ تو صحت ہیں۔

(ردیپا اور عائشہ ایک دم سہم جاتی ہیں)

منہارن: (جس کے چہرے پر عجیب پرہیزار وحشت طاری ہے) ہاں کئی کئی ہوں۔ بیسٹہ میری جی نے بھڑے کہا ہے
نہوت ہیں۔ اسب بھی تو انسانوں کو مارتے ہیں۔

عائشہ: پر کیوں؟

منہارن: اس لیے کہ یہ شیطان کے چلیے ہیں۔ اور ایک دن ایک دن یہ سب انسانوں کو مار ڈالیں گے۔ اور پھر
انہیں کا راج ہو گا۔

منہارن: (پڑھیں بنا کر) و — بیٹی۔

روپا: سلام آیا۔

منہارن: جگ جگ جیو — بڑھ سہاگن جو

عالتشہ: (اپنی طرف منہ کرکے کہتی ہے) ابھی لاتی ہوں دام۔

(جاننے کے لیے مڑتی ہے۔ تو کالوں میں وہی دست نک آواز

پکڑو۔ مارو۔ مارو۔ مارو یہاں کا تھیل ہے جو سمور

ہو چکا ہے اسے یہ آواز سنا رہے۔ چونک کر ڈک جاتی ہے دست

پھر پھر بھا جاتی ہے۔ خوفزدہ ہو کر منہارن کی طرف مڑتی ہے۔

تو آواز ایک دم بند ہو جاتی ہے۔ پریشان ہو کر اسے فقائیں

ڈھونڈتی ہے۔ دیکھا اور منہارن اسے حیرت سے دیکھتی ہیں۔

کیونکہ وہ کچھ نہیں سنتی (ایجنٹوں کا سانس لے کر) اسے ہے تو

کان بچنے لگتے ہیں۔ کھڑکی سے جاتی ہے)

روپا: (بیرہنی فل ٹوڈ سے اٹھتا ہے۔ روپا سمجھتی ہے یہ اس کا دایرہ ہے۔ مگر منہارن کے دست زدہ چہرہ کو

دیکھ کر چیخ پڑتی ہے) یہ کیا ہے (کھڑکی ہو کر) اسے یہ کیا ہے (آواز بجائے رکنے کے اور ٹھہرتی ہے

لوگو — اسے عالتشہ

(غل بت نہ سے بند ہوتا ہے۔ اسٹیک پر آمیر اور عینا شروع

ہوتا ہے۔ ایک دم سے سامنے کا دروازہ کھلتا ہے اور ایک

لڑکا گڑا پٹا داخل ہوتا ہے)

لڑکا: قتل — قتل کر ڈالا — پچھری روڈ پر —

ٹپوسن: (ایک طرف سے بھاگتی رہتا ہے) کسے؟

لڑکا: صوب کو — سب پانچ آدمی۔ تمام لاشیں ہی لاشیں وہ لا رہے ہیں۔ (بھروس اور

پاگل سا بوجھنا ہے) گاڑی میں سر کر لائیے ہیں دونوں کو ———
 (کچھ ڈر کر دیا کی طرف دیکھتا ہے)
 روپا : (کلیئر تمام کر کر اپنے گتے ہے) کچھ صاف سمجھ میں نہیں آتا۔
 پہلی عورت : (ابر سے باگتی آتی ہے) ہائے رے غضب ہو گیا۔ اری ماں اری ——— ای ہی
 (گرتے گرتے کھیسے رک جاتی ہے)
 دوسری عورت : (بازو سے داخل ہوتی ہے) اری کیا سچ فوج ——— ———
 بیچ نرائن ابرو اور
 حامدیاں ———

(اسم کر مائشہ کو دکھاتی ہے۔ جو باگھوں کا لٹخ کھڑکی میں کھڑی
 ہے۔ کتنی سے ٹوکا مار کر دوسری کو دکھاتی ہے)
 لڑکا : (ایسے کھڑا ہے گویا اس نے کچھ شرارت کیا ہے)
 دوسری عورت : کیوں سے چھو کر سے تو نے دیکھا بیچ نرائن
 لڑکا : (جدی سے) ماں قرآن تم اپنی آنکھوں سے کچھری روڈ پر پھیر چلی ہے تھے۔ ادھر سے ہندو تھے۔
 ادھر سے مسلمان آگئے۔ بیچ نرائن ابرو کے یہ لگا لگا تھپڑا (سر پر تعظیم مار کر تاتا ہے) وہ دھائیں سے
 گرسے۔ حامدیاں انھیں اٹھانے کو بھلکے تو یہ دیا ایک نے پیچھے سے جا تو۔ مگر زندا اوپر
 (افسے بتا ہے۔ سارا یاں سے مال کب کاٹ کر رکھ دیا۔)
 مائشہ کو لاش کا لٹخ چپ چاپ کھڑا دیکھ کر ڈھبالتا ہے اور
 بھلگنے کو معاف سے کی طرف مڑتا ہے۔)

قرآن قسم ——— لاری میں لار ہے ہیں۔
 عھت : (بدلا کر ب کی حالت میں دیکھ کر) دو پاہن ——— اسے دو پاہن (اسے بے ہوش پا کر مائشہ کی
 طرف مڑتی ہے) مائشہ آیا ! (اس کی صورت دیکھ کر ڈھبالتی ہے) اس کے پاس جاتی ہے (مائشہ آیا !
 اسے بھجوتی ہے تو اس کا سر ڈھک کر آگے سینے پر گر جاتا ہے)

(بیچ مار کر دیا جاتا ہے۔ اندھیرا بڑھ کر پوری اسٹیج کو اندھک

لیتا ہے)

ایک جھلک

(سیکوں اور آدمیوں کی جلی گھٹی آوازیں — اسٹیج پر چپ

اندھیرا ہے۔ ایک بار ایک سی منڈی کی گیر ایک اندھ پر پڑتی ہے۔ جس میں
 ”دھانی بائیں جھنگا۔ ہی ہیں۔ ایک پتھر ایک بوڑھے سے دُولنے اتھریں
 ہے۔ وہ دھانی بالوں پر پڑتا ہے۔ کھڑکی کا پٹ کھلتا ہے اور عاٹش کا
 ستا پراسفید چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ دھانی بائیں ٹوٹی دیکھ کر وہ بھی اپنا اٹھتے
 پاس گرا دیتی ہے۔ اور پتھر دُولنے اتھروں کی چوڑیاں ٹھنڈی کدیتا ہے۔ اسٹیج

پر بائیں اندھیرا چھا جاتا ہے)



دوستِ منظر

دہلی برس بعد

وہی گھر ہے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ چمن دریا کا چرند کا جگہ ٹی
 پھرتی ہوئی ہے۔ وہی چوکی کھڑکی سے نڈا ہٹا کر چھائی ہوئی ہے۔
 پاس دو چار کرسیاں بٹکی ہیں۔ کینڈے سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ نئے
 ۱۹۳۷ء کے اب ۱۹۳۷ء ہے۔

بزدلہ اکتاہے تو وہ پانچویں کرسی سے اٹھ کر آتا ہے۔ اس
 کا سن برس لکشی پانچ سوڑھے برس ہیں۔ اتنی سڑھی نہیں رہی ہے۔

روپا : (جو قبل از وقت بڑھی ہو گئی ہے) بھو!
 لکشی : جی!

روپا : اس سوچ کو مل کے پیسے دیئے؟
 لکشی : دیدئے۔

(مائلتہ کے گھر کا اندازہ کھاتا ہے روپا کی اس طعن پہنچتا ہے۔)

خود شہید نظر آتا ہے۔ وہ اتنا سے اسے غلاموں رہنے کو

کتاہے اور خود روپا کی طعن بڑھتا ہے۔ لکشی سنہری روکتی ہے)

روپا : اپنی دھن میں اور تمہیں ملے سمجھا بھی دیا ہے۔ یہ نہیں کہہ دو اور اٹھا لائے

(خود شیراں کے کتے سے کچھ ندرے پڑھتا ہے)

(ندرے اچھل پڑتی ہے) اسے ہے۔

(لکشی ندرے سے قہقہہ لگاتی ہے)

خوشنید: بڑی ڈپوک، ہو ساسی! (اس کے کندھوں پر پیار لود جا ہے) میرا بس چلے تو بلائی ہو کیا کر دل؟
 لوپا: اسے ہٹ۔ میسے کھرے اٹے۔

خوشنید تمہارے اقد میں بندوق دیدوں ادکوں ایل پلو میرے شہر!
 لوپا: (حیرت سے) اے کمال چلو۔

خوشنید: فکر کرو۔ مادوشمن کو!

لوپا: چل ہٹ یاں سے۔ میرا کون ہے دشمن۔

خوشنید: میں — میں ہوں نا!

(اس کے گلے میں مھول جسا ہے)

لوپا: (خوشی سے سکتا ہے۔ مگر بن کر ڈانٹتی ہے) اسے ہٹ! ابد ذات۔

(عائشہ ایک چھڑا سا کتا ایسے آتی ہے)

لوپا: اسے منع کرنا اس کو دیکھتی ہو عائشہ۔

(سوریج توری سے اقد پر پھینکا کر کسی پر ٹیڈھا ہے)

عائشہ: رنہ! میں کہا دیکھوں۔ تمہیں نے لاد میں سر چڑھایا ہے۔ اب جھگڑو۔ یہ ٹیڈک ہے۔

خوشنید: (کتا دیکھ کر) اسے یہ کس کا کتا ہے اماں!

عائشہ: سوریج کے پتے کا۔

(لکھشی نا چھینتی ہے)

خوشنید: (انسبھر کر) ارے اتنا سا؟ کیوں بے سوریج کے پتے تیرا اتنا سا کتا۔

سوریج: (شرا کر رہتا ہے) میں ہیں

(لکھشی اُٹھ کر بیٹھتی ہے)

خوشنید: (گھبرا گھبرا کر ب کو دیکھتا ہے۔ پھر سہم جاتا ہے) اچھا تو یہ ٹھاٹ ہیں (نور سے سوزن کھینچتا ہے)

پر ہاتھ اتارے (بھی واہ — کمال کر دیا۔

دو پا : اسے ہنسنے کی بھی تادی کرنا۔ بہت آزاد گھوم لیا۔
 خورشید : (دو پا سے) اسے تم ہی کرانا۔ اپنے نالائق بیٹے کی توجہ سے کر لیں۔
 دو پا : اسے اس کی بھی تو ہیرالال کے یہاں تیری ماں نے ہی لگائی تھی۔
 (پڑوسن - سوپ میں دال لاتی ہے)

دو پا : (دیکھ کر) بہو! یہ چنے کی دال دکھٹے۔ اسے چند ماہن! اس کی اپنے خورشید
 کی کہیں بات چیت بچی کرنا۔ تم نے مزاجی کی دیکھوں گا ذکر کیا تھا۔ جاؤ نا ایک دن۔
 پڑوسن : (ناک چڑھا کر) ابھی میرے کوئی دینا نے کتے نے کاٹا ہے ہوسمانوں کے محلہ میں جاؤں۔ رام
 رام کیا اندھیر ہوا ہے۔

خورشید : اسے تمیں کون چھیڑے گا۔ تم تو خمد شہہ کو توڑا ہو۔
 سورج : اود کیا کم از کم ہمارے محلہ میں تو انہیں کا راج ہے۔
 منہارن : (ایک دم داخل ہوتا ہے۔ وہی ہن بان) اسے کیسا راج قسم سے سلج پٹ توڑ جاتے کہاں بیٹھا
 اُدگھدنا ہے۔ اب تو میں ہم راج ہی کا راج ہے۔ (فنا لہو بدل کر) اسے لوبہ کہاں ہے۔ کیا دھانی
 اکیس لال ہوں کر بس۔

(دھانی لائیں کے نام سے دو پا کے ہاتھ رنٹے لگتے ہیں اود
 مالٹہ کے چہرے پر وہی پاگلوں میںی سخت طاری ہو جاتی ہے۔
 دونوں منٹے میں دیکھتی ہیں۔ خمد شہہ سورج کو اُن کی حالت کی
 طنز متوجہ کرتا ہے)

گوشمی : آتی ہے۔ سب کو خاموش دیکھ کر) کیا بات ہے۔ خالہ جی ؟
 دو پا : (ٹلنے کو) آ — — — کچھ نہیں — — — جاؤ بھی کسی کو جڈیاں نہیں پہننا۔
 پڑوسن : مرئی سونے کے ٹول۔
 منہارن : سہاگ کی چیز ہے۔ سونے کے مول بھی سستی۔

(دھان باگیں دکھاتی ہے)

لکشمی: اددہ باگیں تو کسی کم کم کی نہیں۔ دم بھر میں ٹوٹ جاتی ہیں۔

روپا: (کانپ کر) بھگوان نہ کرے۔ (ہنو کو ڈاٹھی ہے) یہو چپ نہیں رہتی۔

لکشمی: کیا ہوا۔۔۔۔۔ میں نے تو کہا۔۔۔۔۔

عائشہ: (خوبصورتی سے لڑھی ہے) چپ، نہ ہو۔ ان کا دل کمزور ہے۔

(اپنے دل کو آہستہ سے مٹی ہے۔ کمزور ہے۔۔۔۔۔ یاد

بہاں ہے تو۔۔۔۔۔ تو کیجیو پر جیسے پھریاں ہیں

جاتی ہیں)

روپا: اناالت شراب ہر جاتی ہے (آہ۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔!

خو کوشید: اماں۔۔۔۔۔ خیر دکھلا دو۔

عائشہ: (مردہ دل سے) کھلا دو۔۔۔۔۔ طاق میں رکھا ہے۔

(خو کوشید پینے گھر جاگتا ہے)

سو سوج: اماں۔۔۔۔۔ اماں جی!

روپا: آہ۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ سو سوج۔۔۔۔۔ آج زجانا۔۔۔۔۔ آج

تو نہ جا۔۔۔۔۔

سو سوج: مگر۔۔۔۔۔

روپا: (متد سے) نہیں۔۔۔۔۔ یہ اگر مگر میں نہیں سنوں گی۔۔۔۔۔ میرا

کلیجہ کھنجا رہا ہے۔

(لکشمی اشارہ کرتی ہے)

سو سوج: اچھا۔۔۔۔۔ نہ جاؤں گا۔

(مگر روپا کی گھبراہٹ اددہ بڑھتی ہے)

انخوشید خیرہ قائم ہے۔ بادچی خانہ کی طرف بھاگتا ہے سداڑ
پر رُک کر جتنا آنا کر اندر جاتا ہے (ادھیچے لیے نکلتا ہے)
روپا کو دعا کھلائی جاتی ہے۔ عائشہ نہ جانے کس عالم میں
بیٹھی ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں (

لکشمنی: (اسے دیکھ کر) خالہ جی تم بھی ایک چھچھو کھاؤ۔
عائشہ: (روپا سے دیکھتی ہے۔ پھر سر ہلاتی ہے) صبح کھائی تھی۔
شہنازین: اسے میا نہیں ان دداؤں سے کچھ نہیں ہے۔ ان دکھیا ریلوں کے دل کی کون دوا۔ جیسے کٹی
نہلا لاش دیکھی تھی۔ بجاؤ لڑتے گیا۔

لکشمنی: اسے چپ ہو شہنازین ان ————— تم تو ادھیچھی
شہنازین: (گڈر) اسے ماہری بنو۔ بڑوں کا ایسے بولتے لاج ہی نہیں آتی۔
لکشمنی: تو پیر؟

روپا: (سنسنیل جاتی ہے) چپ ہو۔
سودج: لیٹی ہو۔ اماں۔
لکویا: نہیں۔ ابھی اچھا ہے۔

(سکر اکر عائشہ کو دیکھتی ہے۔ وہ بھی سکر ادی رہے۔ علی
خانہ ہو جاتا ہے)

سودج: (بچوں کو علی ہسٹا ہے) اسے جی خالہ جی ایک دن جی پانچ پلین۔
نخوشید: ہاں بیٹی ————— اسکی بیٹی کچھ دیاں نہ انا لکھی سے۔
لکشمنی: ہر نہ۔ میں تو نہ بناؤں گی۔

(نخوشید۔ براماں کر سودج کی طرف دیکھتا ہے)
سودج: بناؤں گی کیسے نہیں۔

لکشمی: بناؤں گی تو پران کو نہ دوں گی۔

(خوشیدہ: مظلوم صورت بنا کر، اُکود کہیتا ہے)

دوپا: (یار سے سزوں پیچھے) ارے واہ کیسے نہیں دے گی، وہی تو یہ شوق سے کھا آئے۔
لکشمی: کھانے کا شوق ہے تو بیاہ کر کے لائیں۔ بویا بنائے گی۔

خوشیدہ: ارے تو کیا کسی طرف پر سے پڑ لاؤں کہ چہ بنا کچھریاں۔ یہ تھا ہی سا کیا میں ہی جب تو۔
عائشہ: جیب رہ رکھے۔

لکشمی: کابہ کہ سوپ بے بیج خار جی ہمارا تو جی گھر تلبے۔ کیجئے ناں کا بیاہ۔

خوشیدہ: اسے بیاہ دیا، نہ کریں کہ ہم تو یوں ہی حائیں گے ناٹھے۔ چلو تہی سوسج۔

سوسج: (بیٹھنے کو تیار ہوتا ہے) لکشمی سے اپنی دینا۔

خوشیدہ: لمبی، دو ڈیڑھ لمبائی رکھو ٹکٹاں دیتا ہے، کیسی بے شرم ہو ہے گھونٹکھٹ بھی نہیں کاڑھتی۔

لکشمی: ہر نہ کیا کارٹھوں۔

خوشیدہ: جیٹھوں میں۔ کیوں ناں، میں سوسج سے بڑا ہوں نا؟ پورا ڈیڑھ مہینہ۔

لکشمی: تب بھی نہیں ڈھکتے تو۔

نو۔ دو سوسج سے آتا دیتی ہے)

خوشیدہ: اچھا آنے دو میری بویا کو، وہ تھساری ٹھکانی کرے آ۔ میں۔

لکشمی: جی، کہیں ہم دونوں مل کر ہی آپ کی مرمت نہ کر دیں کہ مرزا آ جائے۔

(خوشیدہ: سوسج کی طرف شکایتاً دیکھتا ہے)

سوسج: (دستار سے کتا ہے۔ خود ہی ہے) یہ تم دونوں کو لڑائی تو ضرور ہوگی۔

لکشمی: واہ کیوں ہوگی لڑائی۔ جی رہنے دیجئے، ہم لوگ نہیں لڑا کرتے۔

خوشیدہ: (سوسج سے) یار بڑی تیز زبان ہو گئی ہے اس کی۔ ذرا سسی کڑواہا۔

عائشہ: ٹھیک تو کہتی ہے ہو۔ یہ مرد ہی ہیں جن میں آٹے دن سرھٹوں ہوتی ہوتی ہے۔

خوشید: (اجراب برکہ) لوجھیا جوا ب حملہ شروع ہو گیا۔

(اندوں بننے لگتے ہیں)

منہارن: (ٹٹنے ٹٹنے) ویسے نہیں کہتی بیٹا۔ یہ آج اسپتال کے ٹکڑ پر تین خون ہوئے ہیں ملائی دٹی کھڑی ہے پڑوئن: اسے لڑکے تو کیا جھوٹ ہے۔ گھلی گلی پھیراں تین رہی ہیں کہ نہیں؟

(دوباسہ کر مانتے تو دیکھتی ہے)

سورج: (گنتی سے پانی لے کر) اے کیا نہیں برتی ہو چندا کسی منہارن کی دیکھا کچھ تھیں بھی شوق چڑایا۔ منہارن: اسے جا جا۔ کل کا لونا

عائشہ: سچ ہے منہارن بی تر تو بہت بے پرل ادا کرتی ہو۔ اس دن شریہڑ کرتی آئیں اے کتنے لگیں کہ وہ گھسیٹا ہے نا اس کے جڑواں لونا سے جڑے ہیں۔

خوشید: (منہارن کے پاس اکڑوں بیٹھ کر) گھسیٹا ہے؟

منہارن: اسے سرٹ ادھر۔ اس کی جورو اسکے۔ اسے تو کیا نہیں نے جی سے کہہ دیا مجھ سے تو نتھو کی ہونے لگا تھا کہ اس کی خال گئی تھی تو

سورج: تو اس کی نانی نے بتایا تھا کہ کچھ چھپانے فرمایا تھا کہ کسکے چھپو گیا۔

(سب زور سے ہنستے ہیں)

منہارن: (کھسیا کر) اسے بٹو میں جاؤں۔ نہ چوڑیاں پہنوں نہ کچھ۔ بے ناک کو میری کھوٹی کری۔

روپا: تم سے کہہ دیا تھا کیا کہ چوڑیاں نہیں چاہئیں۔ پر تم عائشہ: ہاتیر ٹھانے کو بیٹھ گئیں۔

منہارن: اچھا بابا — جاویں ہیں بس۔

(گنتری بانہنے لگتی ہے)

خوشید: لے بوا۔ بگڑومت (اٹھ بڑھا کر) تو تم مجھے چوڑیاں پہنا دو۔

منہارن: (سب کے کسے ہنسنے سے من کرنا سے خوشید کا لہو تھک اتجا ہے) اے جیل چاں سے اڑنا

سیانا بننے ہے ہم سے ذائق کرے ہے۔

لکشمی : (سورج کے اقدے گلاس لے کر دو ہند پانی غور شید کے سر پر ڈال دیتی ہے) مارو مندرین ماں نہیں۔
خورشید : (اوسم کر کے کھڑا ہوا ہے۔ لکشمی کو منستا دیکھ کر) اچھا (سورج کا کڑھا پکڑ کر ہلاتا ہے)
دیکھ بے سوج۔ یہ تیری بیوی۔

سورج : تو میں کیا کروں۔ سہٹ۔

خورشید : (استین چڑھا کر) اچھا — — — ٹھہرو ذرا ابھی۔
(لکشمی بھاگتی ہے)

روپا : ارے نا!

عائشہ : بھو — — — بھو! اے اور شید۔ ابھی سپردی چوٹ آجائے گی۔

خورشید : (گھیر لکشمی کو پکڑ لیتا ہے) اب بلو۔ تم رہنے دو۔ افاق آج میں اسے ٹھیک کروں گا۔ اب تبا۔

روپا : (بہنوئیں جی ہے) بس سے — — — بھگھوٹ۔

خورشید : اقدے پکڑ لے تیریاں ٹوٹ جاتی ہیں

روپا : (ایک دہائی بھئی اراتی ہے) آہ :

(خورشید سہم کر تھوڑا دیتا ہے)

(سورج۔ خوفزدہ ہو کر روپا پر درہ پڑنا دیکھتا ہے)

(روپا دیکھ کر اتنی کھڑی ہو جاتی ہے۔ لا قدم بڑھتی ہے)

(عائشہ تھکے بت کی طرح بیٹھ رہتی ہے)

(خورشید پریشان از انام ساہو کر ٹھیک کر زمین سے ٹوٹی چوڑی اٹھا کر ہے)

روپا : (زور سے چہنیتی ہے) نہ بھڑنا — — — ریہ — — — ریہ — — — ٹوٹ

بڑی چوڑاں۔ (ندرسے خورشید کو ایک طرف ہٹاتی ہے۔ اور سورج کو دوسری طرف دیکھاتی ہے۔

ہو کہ اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔ پیرسہم کر چوڑیوں کو لکھتی ہے) یہ — — — یہ — — —

(آنکھوں میں آنسو لانے کی دھمکی دیتی ہے)

سورج: (ہاریسے) اچھا۔۔۔۔۔ بس کام ختم کر کے فوراً تمہارے پاس۔۔۔۔۔

(لکشمی مسکرا کر منہ بناتی ہے)

خود رشید: (جوڑو کھڑا دونوں کی باتیں سکا جتا ہے) جیل بے سورج کے پتھے۔

(لکشمی رانت کچکا کچکا کر رہ جاتی ہے)

منہارن: آہو جھڑیاں ہیں سے۔ یہ دعائی یا نکلیں۔ نہیں تو لے یہ گھولنا کھیا۔

پڑوسن: اے منہارن وہ بناؤ۔۔۔۔۔ بڑی کی چڑیاں۔۔۔۔۔ بڑی کی چڑیاں۔۔۔۔۔
کبھی نہیں لڑتیں۔

منہارن: اری بنیا اسگن کی چوڑی کبھی نہیں لڑتی۔ پر جب ٹوشی سے تو لوبے کی بھی ٹوٹ جاٹے لایٹی

تو لے پیلے سیدھا، سر اللہ

(لکشمی کو چڑیاں پہننے گنتی ہے)

روپا: (منہارن کی غلاشی سے سہم کر) عائشہ! آج لٹکے نہ جلتے تو اچھا تھا۔

لکشمی: (پرہیز کر رہی ہے تو چوڑی ٹوٹ جاتی ہے) اوہ!

عائشہ: نہیں بن اللہ روز کی طرح اپنی رحمت کے حد تو میں نہیں صحیح سلامت پہنوائے گا۔

منہارن: (لکشمی سے) اے ہوسیدھی بیٹھ۔

روپا: اے بھگوان پر سیرا دل کیوں بیٹھا جاتا ہے۔

عائشہ: کچھ نہیں فریڈٹ نہو۔ اُس پر بھروسہ رکھو۔ وہ بڑا کارما ہے۔ کن لکھیوں سے پہلا ہے۔ اب اللہ نے

جین دیا ہے تو کیا حیرہ کھین لے گا۔

لکشمی: (کا ہنسی ہے تو پھر چڑی لڑتی ہے) رہنے دو متا۔ میں نہیں پہنتی۔ نہ جانے کیا ہو رہا ہے۔

منہارن: اے واہ واہ سو۔ اتنی ڈھیر سی سری چڑیاں توڑ ڈالیں۔ اور اب۔۔۔۔۔ واہ

عائشہ: اے تو بویہ دام سے لو۔

مہمارن : ماؤں کا آنکھوں کے سامنے بچوں کو قتل کر ڈالنے، باپ بھائی کے سامنے لڑکھوں کی عزت لوٹنے،
لکشمی : اے۔۔۔۔۔ !

(بڑی طرح لڑکر ایک طرف دیکھ جاتی ہے)

مہمارن : گڈن کو ————— زندہ رکھ کر دیا۔

(لکشمی گھٹی ہوئی سی جا کر بے حال ہو جاتی ہے)

(دیا بڑی طرح کلیجے سے بس لیتی ہے)

عائشہ : اے، عادت ہو رہا ہے (اٹھ کر لکشمی کو سنبھالتی ہے) خاک تمھارے منہ میں ————— سے بیٹی !

جلدی سے پن لے (مہمارن سے) لے ڈرھا پنا چاک نا کر بیٹھی نکل رہی ہے۔

مہمارن : اے تو وہ کل سے بیٹھے جب تو برابر تہہ جالے ہے۔

دوسری عورت : سنا ہے بھول گئی ہیں تو چار آہوں کو ایک گاڑی سے بانڈھ کر زندہ جب لایا۔

پہلی عورت : اور سنا ہے دو لاشیں تو صبح سے پڑی تھیں، لوگوں نے کوٹ کوٹ کر قہر بنا دیا تھا۔ ایک کامر
تیرپتہ سے بارہ دفعہ کھولا۔

دوسری عورت : بارہ دفعہ

پہلی عورت : (مزے کر) مان مارو دفعہ مارا، چیخ نکل کر شکرک پریوں بہہ لایا تھا تمام، ادھر ادھر سے

بچے لے آتے تھے، اور لاشوں سے بیٹھتے تھے۔

لکشمی : آہ۔۔۔۔۔ بچے

مہمارن : ناں بیٹی، ذرا سیدھی ٹیٹھ، جب شیطان سر پر سوار ہو جاتا ہے تو پھر نہ انداز سے بچے بھی خون
ہو جاتا ہے۔

لکشمی : اے تے بچے، مانے نام کیجے چتر کے کلیجے ہوں گے۔

مہمارن : اور بیٹی، ان کے کلیجے نہ گریں گے، یہ تو بھوت میں جوت، آسیدب !

لکشمی : (سسہ کر) آسیدب ؟

منہارن : (اپنی پہلی آواز سے) اہل اوزار باہر نکالو، کھیر تو مارا شہر جانو مرگھٹ بنا پڑا ہے۔ گھیاں پٹی بھائی
بھائی کر رہی ہیں۔

پہلی پڑوسن : ما! کیا شو بھائی شہر کی۔ مہ لگئی۔
منہارن : (خندہ من سے) اے حب بھوے پوسے گھر لٹ گئے۔ سنا کٹوں کی انگلیں اُچھٹکیں۔ ماؤں کی گودیں
خالی ہو گئیں تو چہر کیا رہ گیا۔

(فلٹری بھر لٹنے لگتی ہے)

منہارن : جانوش میں مر رہا۔ پھیل رہا ہے جس عمر سے سنو۔ بین کی پکار رہی ہے۔

دلکشی : چھٹے چھوٹے۔۔۔۔۔ پتے۔

منہارن : پتے بوڑھے ہوں۔ جس کی موت آئی۔

دوسری پڑوسن : سنا ہے ایک آبی برس کے بوڑھے کو لاطھیوں سے کوٹ کوٹ کر بھرتہ بنا دیا

منہارن : عمر توں کو کپڑا لیکر کرے گئے اور بازار میں کوٹے کر دیتے

پہلی پڑوسن : اسی بھئی بہار میں تو نوا کھال کا بہ لہا ہے۔

عائشہ : اری یہ کیسا بہ لہ۔ اروں گھٹنا اور سپوٹے آگے۔ کریں نوا کھال مانے اور بھگتیں بہا مانے۔ لوگو
یہ کیسا بہ لہ ہے۔

دوسری پڑوسن : لڑائی میں تو یہی ہوتا ہے۔

منہارن : اے رہتے بھی دھیندا یہ لڑائی ہے؟ مردوں کی یہ لڑائی ہی کو کہتے ہیں۔ ارے لڑنا ہے۔ تو

مردا بھی تھے سسٹم ٹھوک کر میدان میں جا کے رہو۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ۔ یہ کیا کراہگل بیٹریوں

کی طرح نھتے۔ بے کس عورتوں بچوں پر ٹوٹ پڑے۔ اری ہوا! یہ لڑائی مردوں کی تو نہیں۔

دوسری پڑوسن : سچ کہتی ہے ہوا۔ اور کیا۔ بہ تو کوئی دہا ہے جو سسٹن پر سوار ہو گئی ہے۔

دلکشی : ہے رام کوئی شی کیوں نہیں لڑتا بے قصور کیوں مانتے ہیں؟

پڑوسن : کون شی کرے آنکھوں پر چیر لی آجانے تو چہر کسی کو کچھ نہیں رہتا۔

منہارن: (بہرینہ، ۷۷ کر) سنا ہے۔ ایک عورت کے پانچوں بچوں کو اس کی جھاتی پر لٹا کر کاٹا۔
لکشمی: اٹھے!

(مرزئی ہے اور اپنا ہاتھ جھاتی ہے)

پہلی ٹرومن: اور وہ جیتی رہی۔ بچوں کی لاشیں جھاتی سے دکائے پڑی رہی۔ پاگل ہو گئی ہے۔ کیوں منہارن بوا۔
منہارن: اور کس ہیں کر پیٹ والیوں کے پیٹ سپر کر
(لکشمی رعیت سے آنکھیں پھٹ جاتی ہیں)

دوسری ٹرومن: بچے نکال بیسے اور برہمنوں میں پر دکر

پہلی ٹرومن: (لکشمی کی غیر حالت دیکھ کر ٹھوکرے سے منہارن کو منع کرتی ہے) اسے بوا!

روپا: (بغور بڑی دلچ زور رہی ہے اٹھ کر بھینتی ہے) دور ہو یہاں سے ڈاکٹرو! (ٹھماں لکشمی کو کھیرے گا
میسٹی ہے) میری مچی! (منہارن سے) عارت ہو یہاں سے چل میں اس کو مل ہی مچی کا کلچے ٹاٹے
ڈالتی ہے اور جھگوان نہ کرے اسے کچھ ہو گیا تو ————— میں کیا کروں گی؟ نکلو دور ہو
یہاں سے!

منہارن: (منہ بھلا کر) اسے واہ اتنی ڈھیر سی بھری پٹیاں لٹو ڈالیں۔

روپا: (پیسے رے کر) لو ————— اور جاؤ۔ (الہاجت سے) ہم ویسے ہی
دکھیا ہیں اسے نہیں تاکر کیا ملے گا تمہیں۔

منہارن: اچھا! اچھا! اچھا! ————— میں تو تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہی تھی جو یہ شہر چھوڑ کر چلی جاؤ
تو اچھا ہے۔

عائشہ: اری تیا! تو کہاں چلے جائیں۔ ہمدرد دیکھو یہی آگ بگڑ کر ہی ہے۔ اب تو چاروں کھرنٹ
شعلے چل گئے ہیں۔ یا مولہ جسم کر۔

(بڑ دھنیں بڑ بڑاتی چلی جاتی ہیں)

منہارن: تم جاؤ ————— اچھا میں تو چلی۔

(جاتی ہے)

آہ کی آہستہ آہستہ بڑھنے لگتی ہے۔ تینوں عود میں قریب قریب کھسک آتی ہیں، آہ کی بھی سہٹ آتی ہے۔ تمام شہی سے آگاہ کردہ او بھی قریب آجاتی ہیں، کوشی ان پر صرف ایک ٹاڑہ میں رہ جاتی ہے اور پھر وہ دائرہ چھٹا ہونا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی طرح پگھپ اذیہرا پھٹا جاتا ہے۔

بندہ اٹھتا ہے تو روپا پگھری پگھلی نظر آتی ہے۔ بیکارسی لائق پر اٹھنے لگے نہیں ہے، ہاتھوں کی پریشانی لڑش سے اس کے دل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کوشی بھی سوئٹین رہی ہے۔ سوئٹین چھڑ کر گھڑی کو دکھاتی ہے اور اس میں کوک بھرتا ہے روپا مگر اس کی اس حرکت کو دیکھتا ہے۔ تو جلدی سے گھڑی رکھ کر سشزندہ ہرگز نہ کڑھنے لگتی ہے۔ روپا اس کی حرکت سے اور

بھی پریشانی ہو جاتی ہے |

روپا : (بھلا کر) ہو کیوں بار بار گھڑی کو ٹیٹھتی ہے۔ ٹوٹے برسے لگا۔

(کوشی سر اٹھتا کا لہجہ ہے)

روپا : (کوشی کی عاجزی سے دل دکھ جاتا ہے۔ بیکار سے کہتی ہے) اچھی کہیں کی ٹوک دینے سے گھڑی کوئی

جلدی چلنے لگے گی

کوشی : (خفیت ہرگز نہیں تو)

روپا : (ادبیار سے) جا کھانا بنا سے۔ ان دیر میں جو کسے گی تو ان کا بگڑے گا۔ جا

کوشی : (تڑکاری تیار ہے۔ پر اٹھے، دل میں)

روپا : (ان اور گھڑی کی جوڑیاں بھی تلی سے۔ شہیہ کتا تھا کھٹنے کو بھی کہتا ہے۔ وہ لوگ آتے رہی

ہوں گے۔

لکشمی : ایسی تو تین بچے ہیں۔

روپا : (تھلا کر) ہاں ہاں ————— تو کیا ہے ————— بنانے میں دیر بھی لگے گی
کر نہیں۔

لکشمی : (سوڑ بکھ کر جاتی ہے) اچھا۔

تھنائی میں روپا بھر کا ہنسنے لگتی ہے اور گھبراٹھ کر کہاؤں طرف
دیکھتی ہے۔ بیکاری سے کٹا کر وخت سے بچنے کے لیے گھڑی
نہوں کر سینے کی لکشمی کرتی ہے۔ مگر اتنا تاباؤں نہیں۔ کھٹکام
نہیں تھا کبھی مگر بھوت جاتا ہے اور کبھی سولہ۔ عاجز ہو کر ظاہر
کچھ سوچنے لگتی ہے۔ اتنے میں دقت سمٹ کر اس کے چہرے پر
اگلی ہے۔ ایک دم آنکھوں سے دھت بیسنے لگتی ہے اور
کانوں میں ————— مارو ————— مارو ————— مارو ————— لینا
لینا ————— کن دلدوز آواز آتی ہے جو آہستہ آہستہ اڑھٹہ
کرتے مفلوج کر دیتی ہے۔ روپا کلیجہ کپکپ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔
اور نور سے جلاتی ہے (

روپا : ہوو ————— ہوو !

(آواز ایک دم رگ جباتی ہے)

لکشمی : (ادھر سے بھاگتی نکلتی ہے آٹے میں اتھ بھرے ہیں) کیا ہے ان ————— ماں !

روپا : (اپنے کانوں کی دھوکہ بازی کو سمجھ کر شرمندہ ہو جاتی ہے) کچھ نہیں ————— جاؤ ————— !

(لکشمی ہانے کو بڑھتی ہے)

روپا : (لکشمی کے پیٹے ہی دشتی کا دارہ پھر چھوٹا ہونے لگتا ہے۔ سہم کر کہتی ہے) اے ہوو۔

لکشمی: (جو خندیں جاتا چاہتی) جی!

روپا: آہ ——— زدا (کتنے عجیبی ہے) ٹھہر رہنے دے پٹھے ابھی سے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ آہ
ہیٹے حامیکے پاس۔

لکشمی: آئی ہوں۔ زدا نقد وصولیوں (سڑتی ہے پیر سوچ کر) خالد جی کو بلا دوں۔ اب تو نماز پڑھ چکی ہوں گی۔
روپا: (اس کی ٹانے سے خوش ہو کر) ااا۔ بلائے۔ کہہ، ااا کیسی کیا کر رہی ہیں۔ ااا اور پڑھے ڈال ہی
سے۔ دیر ہو جائے گی۔

لکشمی: (عائشہ کی طرف جاتی ہے) خالد جی۔ نماز پڑھ چکی ہو۔ تو زدا ااا کے پاس آجائیے۔
عائشہ: اچھا بیٹی۔

لکشمی: (ایلیسٹان دلفنے کو) ابھی آتی ہیں۔

(پہلی جاتی ہے)

روپا: ہوں۔

(اسٹیشن ہو کر نڈا میٹ جاتی ہے)

(عائشہ بے پردہ کے سرٹنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے اس کے ہاتھ میں تسبیح
ہے اور لب پر خدا کا نام ہے۔ تھوڑی بڑھتی محبت اور عمر میری آنکھوں سے
سے دکھتی ہے۔ پیریں پر دم کرتی ہے)

(روپا۔ دم کی ہوائے انکھیں کھول کر مسکراتی ہے۔ انا سے اسے
اپنے سرٹنے چکا کر اس کا ہاتھ پٹی پٹیانی پر رکھ کر پیر انکھیں بند کر لیتی ہے۔
عائشہ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پیرتی ہے)

روپا: (سرور میں انکھیں بند کئے ہوئے) عائشہ!

عائشہ: کیا؟

روپا: اگر تم میرے ٹپوس میں نہ ہوتیں تو میں کیسے کیسے کرتی۔

عائشہ : (سکڑا پڑتی ہے) وہی جو میں تھکے بنا کرتی۔

روپا : (آنکھیں کھل کر اسے بڑی عزت کی نظروں سے دیکھتی ہے) نہیں عائشہ تمہارا دل بڑا مضبوط ہے۔

عائشہ : (اداسی سے ٹھنڈی سانس بھر کر) میرا دل ——— رزنا! بس دھڑک رہا ہے جیبت تک سانس کی ڈوری چلتی ہے۔ درنہ اب تو ———۔

(گلاب زور جاتا ہے)

روپا : (حیرت سے اس کی گھڑی کو دیکھتی ہے۔ اٹھ کر ٹھیکرتی ہے) تم بہت بہت والی ہو۔

عائشہ : رزنا غریب سے سکڑا کر (بڑی بھی ہوں تم سے۔

روپا : (جوانی کی پچی پچی شرمیلی سے) اوہوہو! ——— جلا کتھی بڑی ہوگی؟

عائشہ : (ڈیگ اٹنے ہوئے) اے جب تم بیاہ کر آئی تھیں تو کتنی تھیں یہی کوئی تیرہواں سال ہوگا۔ ادیش پورے

روپا : پندرہ کی تھی۔ رزنا بہت بڑی ہوئیں ہی ساٹھ چھ سال۔

عائشہ : بات کرنے کا سلیقہ بھی نہ تھا۔ اسے شرم کے گھٹری ہی جاتی تھیں۔

روپا : (زہنس پڑتی ہے) ان گریڈوں میں تمہارے سوا تھا بھی کون بات کرنے کے لائق

عائشہ : (زانیہ سانس سے تھک کر) اے تو نہ کوہ سہیل۔

روپا : (بڑی شرات سے) پر تم جیسی کسی سے نہ کھٹی

عائشہ : ہاں! بہ تو بات ہے۔ یاد ہے جب سوچ ہونے کو تھا تو ——— اسے بے ارہنتی ہے (بہت

ہی بھولی تھیں تم تو۔

روپا : پر تم نے بڑی دیکھ جال کی تھی میری۔ راتوں کو جاگنا۔ بجلا کا بے کو تھیں میرے اتنا خیال تھا؟

عائشہ : (معموبیت سے) اللہ جانے۔

(گلتھی۔ اگر ان کے پیچھے کھڑی دپٹر سے ہاتھ پونچھ رہی ہے۔

ان کی باتیں سن رہی جاتی ہے)

روپا : کون جنسے پچھے جنم میں تم دونوں ہمیں ہوں۔

عالتہ : (اس افسانے سے متحرک ہو کر) میں ۹ دن اور پھر نہرانے ہوا، امتحان لینے کو الگ الگ پیدا کر دیا۔

روپا : اتنا الگ پیدا ہو کر بھی عمل گئے

(لکشمی کو دیکھ کر کھنسی جاتی ہے)

لکشمی : (سرت سے دونوں کو دیکھ کر) اے خالہ جی آب کی اور اماں کی صورت بھی تو شقی ہے۔

روپا : (خوشی سے ستر کر) اماں بہت ترسناک لگتے ہیں۔

لکشمی : (میں نے اور شقی سے طرز سنائے آجاتی ہے) اے رام تو بھر لہیں آپ سچ سچ ہمیں ہی نہ ہوں۔

عالتہ : (پلکے سے اس کے ہاں کو بھونک کر) سچا! میں ہی تو سب باوا آدم کی اولاد میں!

لکشمی : (ایک دم ٹکڑا اور اُداس ہو کر) تو میری لیں نہ کہنے دن بھر ٹھہرتے ہیں۔

(ایک دم سے دونوں بڑھیل کے چہروں پر کی عالتہ کی جلی سرت اور اماں

جاتی ہے اندہ کیسی سے ایک دوسرے کو لگتی ہیں۔ دوپانہ پھرتی ہو کر لکشمی

کو کھینچتی ہے۔ جیسے اس نے ان کے ہتھ پھانے گھر نشے میں ٹوکر

(اردی)

لکشمی : (ستر نہ ہو کر غصہ سے نظروں سے نہیں دیکھ کر نہ پھیر لیتی ہے۔ اماں۔۔۔!)

عالتہ : (موقع کو سنبھالتی ہے) اے تو کیا سنے بیانی بھائی نہیں دشتے۔

لکشمی : ایسے ایسے جھکی جانوروں کی طرح؟ خالہ جی! ان چھوٹے چھوٹے بچوں۔۔۔ لاچار عورتوں کو

انہیں کیوں مارا؟

روپا : رلا ہوا اور کھسیانی ہو کر (جا بڑی! ترکاری نہ بل جائے۔ (نا ایا بیکر) بہت اچھا ماں۔

(اٹھ کر جانے لگتی ہے)

عالتہ : (کنہ سے پر اٹھ کر دیکھ کر کہ لیتا ہے) جمع کتنی ہے یہ۔ بیٹی پر اماں پر جب جھوت سدا ہوا ہے تو پھر

وہ بھی جھوت بن جاتے ہیں۔ یہ بد بلا ہے تو آگلیس بند کر کے جو سامنے آئے اُسے مڑپ کر دیا ہے۔

لکشمی : پر کیوں؟

عائشہ : جیسے گندے نالی تیلوں سے بہا ریاں پھیلتی ہیں۔ ایسے ہی گندے روں کی کھوٹ آپس کی بہوں بن جاتی ہے،

شیطان سب شیطان کے کڑوت ہیں۔

کشمی : شیطان کو جگوان روکنے بھی نہیں۔

روپا : روکیں تھے۔ ضرور رکیں گے۔

کشمی : اے جگوان تو پھر کب روکو تھے۔

(کھٹنے پکڑ رکھتی ہے)

روپا : چہ تازہ کر میرنی لاڈو۔ جب ہمارا اتنا بھم سے گا تو ہر بھیا ہم اہل دیش پر سے پھوٹ جائیں گے۔

(کشمی اشر اجاتی ہے)

عائشہ : انسان کے دل میں نفرت ہے تو محبت بھی ہے۔

کشمی : (شک سے سسم کر) اے جگوان! میں بے جا ہے پر ہم کو بھی کس کچھ نے زنا ڈالا ہو۔

عائشہ : محبت کبھی نہیں مرنی ہو جاتی ہے۔ پھر جاگ اٹھتی ہے۔

کشمی : (سرت سے) جاگ اٹھے گی۔

عائشہ : ہاں! تب پھرتا آئے گا۔ بڑے ناموں کا خون یاد کر ڈرنا ہے گا۔

روپا : (ہوا میں سو گھمگھم کر) جا بئی ایسے جان پڑتا۔ بے تروری ٹک گئی۔

(کچھ دھارس بندھ گئی ہے۔ ہاگ جاتی ہے)

روپا : (شعنی مائیں کھینچ کر التجا بھری آواز سے) اے پرستور! ایسے گندے سسے ہیں کسی کو بھم نہ دے۔ اے

پرستور! ہر بلا دور ہو جائے۔ تو ساتھ برہمنوں کو بھوک دکھاؤ گی (عائشہ سے) تم کچھ نہیں کرتیں۔

عائشہ : (شکٹ خوردہ ہو کر) تین چٹے کھینچ کپی ہوں۔ جو تاشہ وضع لیا ہے۔ ہمیشہ شریف۔ ہنت بھی ان لڑا ہے۔

پروردیکھو۔ خدا کب سناتا ہے۔

روپا : (المیہ زان لانے کو بڑے وثوق سے) سنے گا۔ ضرور سنے گا۔ تم ہمیں جگتین کی زبٹے گا تو پھر کس کی سنے گا

وہ اٹکوں کے پیسے تو نے تو یہ نہیں ہنگائے۔

عالتشہ اکل آجائیں گے۔

(دونوں خاموش ہو کر سوچنے لگتی ہیں۔ روشنی کا دائرہ سمٹ کر عالتشہ کو گھونٹا ہے۔ چہرہ پر کرب طاری ہوا ہے اور وہی صبا بک
 یکار آواز دے مارو ————— لینا
 پڑنا ٹکانوں میں اگلے آہستہ آہستہ پھر اندر سے آنے لگتی ہے)

عالتشہ : (دست زدہ آگھیں بھاٹے کھدے کو لہجہ لگتی ہے) اوہ ————— اوہ
 روپا : (زخمی آواز میں سن رہی ہے۔ پوچھتی ہے) کیا ہوا ————— عالتشہ !
 عالتشہ : (آواز ایک دم صبر سے ہوتی ہے) یہ سنا۔
 روپا : کیا ؟

لکشی نکل کر پیچھے ان کھڑکی ہوتی ہے)

عالتشہ : (آواز کو ہیر کان میں پڑنے کی کوشش کرتی ہے) یہ ————— یہ ————— تم نے سنا ؟
 روپا : (متحیر کہہ کر آواز سمجھ کر) تو تم نے ہی سنا ! اطمینان سے کہہ صرف ان کا دم میں) میں جانتی تھی کہ
 میرے ان کو ان ہی ہے۔

لکشی : (جو وہی کھڑکی سن رہی ہے ہم کہہ گیا۔) ————— کیا ؟ ————— میں نے تو کچھ نہیں سنا۔
 روپا : (دونوں رطاعتی میں بات ٹال دیتی ہیں کچھ نہیں ————— کچھ نہیں ————— کچھ بھی تو
 نہیں۔) (ایک دم سے کوئی نیر انفرادی سے کہتی ہیں)

(لکشی سمجھتی ہیں دونوں کے بیچ میں کون گھسی ہے اور خود سے ان

کے چہروں میں کچھ تلاش کرتی ہے)

روپا : (ڈر کر کہیں نہ بھی خوفناک صدا سن سے) تو جا ————— جا ————— سو جا
 خدا دیکھو سو جا۔

لکشی : (سسہی ہوتی) نہیں وہاں مجھے ڈر لگتا ہے۔ (سسہی ہونے لگے سے) جانو کوئی مال لال خون

میری تواریفے بھجنا ہے مجھ سے کو مٹری میں ہی نہیں جایا جاتا۔

عائشہ: اچھا۔ اچھا یہاں لیٹ جا

(دراؤ پر سر رکھ کر ٹا لپتی ہے)

(یعیانک ناموشی میں لکشی کا دائرہ چھوٹا ہو کر تیزوں کے گھسٹنے لگتا

ہے۔ لکشی سہی ہوئی سر اٹھا کر ظالمی کچھ سننے کی کوشش کرتی ہے

ٹوٹا پھوٹا رڈ اڈا میوزک کانوں میں رینگتا ہے۔ دائرہ چھوٹا ہو کر

لکشی کا دم گھوٹنے لگتا ہے۔ وہی ہرزائی کیفیت اس پر طاری

ہو جاتی ہے۔ اردو ————— اردو۔

لینا ————— لینا ————— کی اٹھک طرح کانوں

میں گونجتی ہے۔ بیخ ملد کر ٹھٹھٹتی ہے۔)

لکشی: (اکھیں پٹی ہوئی ہیں۔ ہنٹ نکاک) آہ!

روپا: نیو!

لکشی: (بھڑکت کے اسے نوب پگھلتی ہے اور عائشہ سے چوٹ جاتی ہے) یہ ————— یہ سننا؟

میں نے بھی سنا۔

عائشہ: کیا؟ ————— جو؟

لکشی: اردو ————— اردو لٹو ————— لینا ————— لینا۔ سنا؟

روپا: (اسے کلیجے سے لگا کر بیچ لیتی ہے) مسری تھی۔

عائشہ: (دیکھتا اسے سے منہ کر کے) کیا۔ کیا؟ دم ہے کان بجتے ہیں۔ ہم نے تو کچھ نہیں سنا۔

لکشی: (دند بٹ کر) نہیں۔ میں نے سنا۔ شی۔ چپ۔ دسیان کے سنو۔

تیزوں جیسے غم سے سننے کی کوشش کرتی ہیں۔ جگمگت کا سامنا

بھیلا جاتا ہے۔ کو ایک دم سے کوئی گنڈی کھٹکتا ہے)

اواز : ہے — سورج کی ماں !

(تین دن کی بیچ میں جاتی ہے)

روپا : میرا لال — میرا سورج — چینی درانے کی طرف بٹاتی ہے (میرا چاند (مددازہ کھلتی ہے
ایک آدمی کھڑا ہے) کہاں ہے میرا لال — میرا سورج ۔

آدمی : اے ارے . گھبراؤ نہیں . خورشید کی ماں .

(عائشہ کھیر کھیر کر بے حس حرکت رہ جاتی ہے)

(لکشمی اٹھ سے اپنی کلائی پر مضبوطی سے چوڑیوں کو کھینچے سناٹے

میں رہ جاتی ہے)

آدمی : (جو گھبراہٹا ہے) اے . شہزادہ بہت سہارا سے ڈرتا ہے ۔

(روپا ٹکھڑا کر دیوار سے سہارا لیتی ہے . وہاں سے نیچے

گر پڑتی ہے)

آدمی : باپ سے — لکشمی کو دکھ کر اور گھبراتا ہے (سورج کا خون آیا ہے) نہایت گھبراہٹ انداز میں)

گودہ اور خورشید کو فیکو کی وجہ سے آج رات کو مزاجی کے یہاں رہیں گے — اور —
مزے میں ہیں دونوں کوئی شک نہ کریں ۔ نیتے ۔

(ایک کربھاگ جانتے . مجسروں کی طرح

لکشمی ایک دم مہینان کا سانس لیتی ہے ۔ ایک کربھاگ میں

دیکھی ہوئی ہے آگے ہاتھ ٹھکا کر مہینان کی سانس لیتے گئے ہیں)

(عائشہ آہستہ آہستہ خود ہی چونک کر اٹھتے جیسے اٹھتے

آسمان کی طرف اٹھا دیتی ہے)

روپا : (آنکھیں کھلتی ہے) ہوا !

لکشمی : (دوا کرتی ہے) ماں . بٹھو ماں . وہ بالکل اچھے ہیں . بے رام بیکار میں ایسا ڈر گئے بٹھو ۔

(کھاتی ہے)

روپا : وہ کسے کیوں نہیں ؟

کشمی : کرفیو کے اسے۔ اچھا تو کیا۔

عائشہ : ااں ! اچھا کیا۔

روپا : پر یہاں تو جان ادھی ہوگئی۔ عائشہ آج ادھی سو جاوے۔ ااں یہی تو میں بھی سوچ رہی تھی۔ اکیلا گھر

تو پھاڑ کھانے کو روٹنا ہے۔ نماز پڑھ کر آ جاؤں گی۔

(اپنی طرف جاتی ہے)



تفسیر منظر

(پردہ اٹھتا ہے۔ تو تینوں صورتیں مائل سمتی نظر آتی ہیں ایسی
 بدہیت ناک تاریکی پھیل برتی ہے منہ منہ سے موموں کو لکھ جڑے
 ٹٹھا ہے میں۔ مرن روشنی کا دار، روپا کے اُپر اُپر آہستہ آہستہ
 دار و بھڑا ہر ماشرع چلے ہے۔ روپا کے چہرے پر کرب کی کیفیت
 طاری ہو جاتی ہے۔ اُنہدے میں تسخیر تہ ہے اور دوسے کو کہتی ہے
 جیسے سوتے میں کوئی ڈاڈا ناخواب دیکھ ہی ہے۔ دار: گھٹ کر
 مرن چہرے پر رہ جاتا ہے۔ روپا کے کارن میں دوسے ٹی ڈاڈا
 بگاڑ گزرتی ہے۔ جو آہستہ آہستہ قریب آجاتی ہے۔ روپا
 رُپ کر اٹھ بیٹھی ہے اور اُنہدے سے لگا کر دو ٹی ہے۔)

روپا : (خواب کی حالت میں) نہیں نہیں۔ نہ مارو میرے لال کو۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔
 سلطان کے پیسے دیا کرو (میری من کلیر سوسٹی ہے) نہ مارو۔ چھوڑو (لوگر ڈاکر) اسے چھوڑ دو۔
 یہ بند نہیں۔ یہ مسلمان نہیں۔ یہ تو بھلا بھلا گن کا بیٹا ہے۔ میرا بیٹا۔ دیکھو۔ دیکھو۔
 میری طرف دیکھو۔ یہ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے۔ اس نے کبھی کسی کو نہیں ملا۔ میں
 نے بھی تمہارا کچھ نہیں لگاؤ۔ نہ بھاؤ اس کا لال لال خون۔ ٹی پر نہ پھیلو۔ یہ
 مال کا درد ہے مال۔ تمہاری بھی تو ہے؟ جس نے تمہیں جنم دیا۔ میں نے بھی
 اس کو جنم دیا ہے۔ میں نے بٹے دکھ بھی کر لیے پلا ہے۔ یہ دیکھو سلائی کرتے
 کرتے میری آنکھیں چوٹ کیوں چکی جیتے جیتے ہتھیلیوں میں گھٹے پڑ گئے (ایکسی سے بنیالی بیڑا کو
 دو کچے جوئے) ٹھیرو! پریشہ کے لیے دیا کرو۔ نہ مارو۔ نہ مارو۔

میرے لال کو — آہ — آہ !

(دونوں ہاتھوں سے خیال سوچ کر بجاتی ہے۔ ایک کرسی سے

کھڑکھاتی ہے)

(عائشہ سوتے ہیں کانپتی ہے)

روپا : (زمین پر گر کر سسکیاں بھرتی ہے) مار ڈالا — مار ڈالا میرے بچے کو — آہ !

عائشہ کے چہرے پر روشنی کا دائرہ پڑتا ہے۔ سوتے ہیں اس
کے کان میں یہی وہی موت کی مہیب پکار گونجتی ہے اور کرسی
بے چین رہ کر عائشہ کو کھڑکتا، تڑپاتی برتی اٹھتی ہے۔ مار ڈالا
خالوں — تم نے میرے خورشید کو مٹی میں ملا دیا —
بیسبت زدہ جیسے لاش کو پھینکی بھی انکھوں سے گھور رہی
ہے۔ تم نے اس کے سینہ میں چھرا گھنکھول دیا آہ —
اکلے آنتیں باہر نکل پڑیں۔ (پانگھوں کی طرح کچھ جھبک کر سینے تلگی ہے۔)
تم نے مجھ اور مری بیٹی کا آخری سہارا لٹ لیا (سججک) نہیں
ہے ہم ہاتھوں سے تم نے میرا سہاگ لٹا لٹا — میرا
سہاگ دیا میٹ کیا تھا۔ آج نہیں ہاتھوں سے میرا کلیجہ نوحی کر
پر دل تلے سن ڈالا۔ — واہ کیا سورا تھا سورا
واہ کیا کئے (اپنی طرف اشارہ کئے) پڑوں کے ڈھلچنے سے
مقابلہ کسے تھے ہو — تاؤ کیوں؟ — نہیں
الہا مت سے) تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے میرے گھر کا چرائے
بجا دیا۔ میں نے تم سے کیا چھینا تھا۔ جو تم نے میرا سب کچھ
پھینک دیا — مجھے ادھا کر دیا۔ اب بتاؤ میں کہاں جاؤں

کے ڈھونڈوں۔ کے پکاروں۔ کس سے انعام آگوں۔
 یا خدا (آسمان کی طرف اُتتا اُٹھا کر) تو دیکھ رہا ہے؟ تو بتا
 میں نے تیرا کیا بگاڑ، تھا جو یوں میسر ہی ساری زندگی کو دوزخ
 بنا دیا۔ اور میں نے (انہی لاش کی طرف اشارہ کر کے)
 اس شخص کو منہ کون سا گناہ کیا تھا (جھک کر خیالی لاش کو پیار
 سے چھوتی ہے) میرا خوشید تیرا لال لال خون (خون اُتد میں
 سے کرگول پڑتی ہے) میرا خون! بیکس اور لاچار کا خون! رہے
 دوزخ سے پل گئے۔۔۔۔۔ اب تو ان کے کیجیے ٹھنڈے ہو گئے
 ۔۔۔۔۔ بیاں بھج گئی (بھڑک کر حکیمتی آگے بڑھتی ہے)
 ہٹو۔۔۔۔۔ میں اپنے لال کی لاش اٹھاؤں۔۔۔۔۔ نہیں
 تو اسے کتے تو چس گئے۔۔۔۔۔ گدھ (اسی ہرنی چاروں
 طرف دکھتی ہے، ملک الموت کے چوہا میرے بچے کی لاش پر
 ناک لگاٹے بیٹھے ہیں (چار پانی پر لفظ اکر گرتی ہے اور پیار
 سے تکیہ پر اُتد چھرتی ہے، میرے خوشید! جیل تخبے دد لھا
 بناؤں تجب میں تیرا بیاہ ہونے والا تھا تا تو تیرا ہی بارات آگئی
 یہ لال لال خون کی مندی رچ گئی۔۔۔۔۔ خوشید! میرے
 کیجیے کے ٹکڑے (آہستہ آہستہ آواز ڈوب جاتی ہے۔
 اور نہ کے بن کر کر جاتی ہے۔)

(اب ایک کلبی کلبی مورہ ہے۔ روشنی کا دائرہ اُتد ڈرنے۔
 کا۔۔۔۔۔ ہے سائے اسے چاروں طرف سے گھونٹتے ہیں۔ اور
 وہی آواز آرو۔۔۔۔۔ مارو۔۔۔۔۔ آہستہ آہستہ)

بلذکاؤں میں گھسکتی ہے۔۔۔۔۔ کشمی ہڑڑا کر ٹھٹھکی

ہوتی ہے۔ اور اٹھ سے دو سحر اٹھ سے چوڑیاں چھیا لیتی ہے)

کشمی ، (کسی خیالی شے سے بھی چوڑیاں چھپائے بھاگتی ہے) نہیں نہیں نہ توڑو۔۔۔۔۔ نہ توڑو
 میری دھاتی بائیں۔ میں نے آج ہی تو پہنی ہیں۔ یہ تو کھینچی گئیں۔ دو کوڑی کی بھی نہیں۔ تمہارے کس کام
 آئیں گی یہ پیر اتوان سے سہاگ بندھا ہوا ہے۔۔۔۔۔ آہ! نہ توڑو (ایک دم بھانگ چھپا لیتی ہے)
 میری انگ د اجاڑو، یہ چاول بھر لال کم کم تمہارے کس کام کی۔۔۔۔۔ آہ!۔۔۔۔۔ مار ڈالا۔
 ایکسی سے چپ چاپ کھڑی ہر جاتی ہے اور کشمی گھٹی آواز سے رو پڑتی ہے) آہ! تم نے۔۔۔۔۔ تم
 نے انہیں مار ڈالا۔ اسے ہر جی چھاتی داسے ہوان۔ میں تو تمہاری بہن مسری کی بہنوں۔ تم نے بہن کا سہاگ
 لوٹ لیا (دوسرے خیالی کداز سے) تم لے لے بی دارھی ملے باا!۔۔۔۔۔ تم نے اپنی بیٹی کی انگ
 فوج ڈالی۔ تم نے ایک زبل لٹکی کو زندہ چتا پر بھونک دیا (آواز گھٹ کر بھانگ ہر جاتی ہے) دھوا
 آہ! دھوا۔۔۔۔۔ میں دھوا ہوں۔۔۔۔۔ اب کیا ہوگا۔ (بھانک
 صورت ہر جاتی ہے) بلو۔۔۔۔۔ اب میں کہاں جاؤں۔ کیا کروں؟ یہ پہاڑ سا بہن کیسے
 بناؤں (ایک دم ہوش سے) تو میرے ہی مار ڈالو۔ میرے پتی کے خون میں اتھری تلوار کو میرا خون بھی پٹا
 دو! (انگولن کا طعنتی ہے) ان ہاں۔۔۔۔۔ پھر میں ان سے جاؤں گی۔۔۔۔۔ دیکھتے
 کیا ہو۔۔۔۔۔ ملو۔

(انسو بہ رہے ہیں۔ گرسکا آتی ہے۔ اور آنکھیں بند کر کے

منظر کھڑی ہر جاتی ہے۔

تھوڑی دیر غاموشی رہتی ہے پھر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتی

ہے۔ آنکھوں میں نیا استقلال چمکنے لگتا ہے۔ چہرے پر فرور

اور خودداری بلکہ گامٹھی ہے۔ سخاوت سے خیالی بھیر کو دیکھتی

ہے اور زور سے ڈانٹتی ہے۔

خبردار! مجھے اتھڑ نہ گوا — میں گھبرا ہوں
 (خود سے تن کر) گھبرا دئی دیوی ہوتی ہے۔ دیوی کا بیان
 دکرائو۔ اگر تم نے میرے خون کا ایک بندھی دھرتی کے سینے
 پر پٹیکائی تو سد کے لیے اٹھ کر چلے گی۔ میرا خون پی کر مٹی
 اناج اگنا چھڑے گی۔ میرے خون کے تھبے تھکے افسوں
 دھرتی نہ چھوٹیں گے۔ میں نہیں دینا کو جنم لینے والی ہوں۔ میں نہیں
 آساکا مان ہوں۔ اگر تم نے مجھے مار دیا تو تمہارا اس جو ہاٹے گا
 دنیا جڑ جڑ تک تمہاری صورتوں پر پھٹکار بھیجے گی۔ تمہارا کیس
 ٹھکانا نہ رہے گا۔ نڈ جوداڑ — تمہاری
 تواریں میسراں میں بیکانیں کر سکتیں۔ تمہارے خنجر میری
 طرت نہیں اٹھکتے۔ میں نہیں دینا کو جنم دوں گی۔
 چہرے پر ایسٹان لادکوں چھا جا آہے)
 (دو پا جاگ کر برت سے ہو کر کچھ دیکھ رہی ہے۔ اس کے الفاظ
 دہا کو لغویت پہناتے ہیں)
 (عائشہ احمد علی لغویوں سے جو کہ چہرے کی غیر معمولی لکھتی
 کو لکھتی ہے)

لکھتی : (آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جاتی ہے۔ جیسے وہ کسی بلندہ مقام پر تھکا ہوا انسان سے چڑھتی چلی جا رہی ہو)
 وہ میری ننھی ننھی دنیا پریم اور شائستگی کا سہارا ہے۔ جاگ میں پھیلانے لگی۔ (ہندوؤں کی طرت امید
 اور شرق سے بگڑتی ہے) یہ کالے ابل چھٹ کا میں کھنیا سودج جنم لے کر دنیا کو جگمگانے لگی۔
 (جذبات کی فراوانی سے آواز گھٹ جاتی ہے اور اٹھو بیٹھو گتے ہیں) آپس کی کھٹ مٹ ہانٹے گی۔
 ہانٹا اور دوپامن میں کے ہوئے دیئے اٹھا کر خیال کسائی

ہیں۔ اندر دلوں بھوکا چہرہ دیکھنے کو بڑھتی ہیں)

لکشمی : بھائی بھائی مل رہا میں گے۔ پرکاش !!

روپا اور عائشہ بڑھ کر دیے ہوئے کے پھرے

کے سامنے کرتی ہیں۔ دونوں دیوں کی کانپتی ہوئی

لوہیں مل کر ایک دم سے ایک بڑی سی لوچک

اٹھتی ہے۔ جس کی روشنی میں لکشمی کا چہرہ سوج

کی مانند جھللا اٹھتا ہے)

عائشہ اور روپا : جذبات سے بے قرار ہو کر) بہو لکشمی !

لکشمی اپنی حیرت کے احساس میں مست آئنگی ہیں

بند کیے سر پیچھے ڈالے مسکراتی رہتی ہے۔ اس

کے لب آہستہ آہستہ ہلتے ہیں)

پرکاش ! پرکاش !!



شاه جمال

ایکٹا سرینچی المیہ

عزت رحمانی

افراد

۱۔ شہنشاہ شاہجہاں (علاقت کے دوران میں)

۲۔ شہزادہ اورنگ زیب

۳۔ شہزادہ محمد سلطان (اورنگ زیب عالمگیر کا بیٹا)

۴۔ شہزادی بہمن آرا

۵۔ شہزادی زہیرۃ النساء (شہزادہ دارا شکوہ کی بیٹی)

۶۔ شہزادہ دارا شکوہ

۷۔ شہزادہ اعظم

۸۔ برہن

۹۔ چند سردار، دیگر فوجی سپاہی وغیرہ

تاریخ: عمدتاً

مقام: - آگرہ

پہلا منظر (قلعہ آگتھ)

(شہنشاہ شاہجہاں بستہ طاقت پر)

شہنودہ داراشکوہ اور جہاں آرا پاس موجود ہیں، جو آپس
مورچھل کر رہی ہیں،

شاہجہاں :- (کھالتے ہوئے) جہاں آرا۔ خواصیں اور خواہر سراہہ سو جاہیں۔ (تخلیہ)

(سب کا چلنا)

جہاں آرا :- جو حکم عالی جاہ!

شاہجہاں :- داراشکوہ! اگر بغاوت کی یہ خبر سچ ہے تو واقعی یہ بہت بُری بات ہے۔ (کھامنی)
دارا :- ظل الہی اس سے زیادہ ادرک یا ہو سکتا ہے۔ شہان نے جنگال میں بغاوت شروع کی ہے اور مراد
گجرات میں بادشاہ بن بیٹھلا۔ اورنگ زیب بھی اس کا شریک ہو چکا ہے۔

شاہجہاں :- (حیرت سے) اورنگ زیب! یہ کیسے ہوا۔ اورنگ زیب سے تو یہ توقع میں کبھی نہیں ہو سکتی
مگر اب اس آگ کو جلدی ہی بجھانا ہے۔

دارا :- ظل الہی! میں اپنے بیٹے سلیمان کو الہ آباد سے شجاع کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجتا ہوں۔ اور اس
کی مدد کے لیے صاحب جے سنگھ اور سپہ سالار دلیر خاں کو۔

شاہجہاں :- ہوں۔

(شاہجہاں کا عورتی سے حق پینا)

دارا:۔ اور مراد کا مقابلہ کرنے کے لیے راجہ جہد مت سگھ کو بھیجا۔ اس طرح یہ شطلے بھڑکنے سے پہلے

جی تہم ہو جائیں گے مانی ۱۰۶!

شاہجہاں:۔ کیا کموں نار۔ سوچتا ہوں۔

(کھانسی)

دارا:۔ جہاں پناہ آپ کی فکر دفرائیں میں باغیوں کا۔ کچھنا خوب جا تا ہوں

شاہجہاں:۔ دارا میں فکر اس بات کی ہے کہ یہ لڑائی جانیوں میں ہوگی۔

دارا:۔ نلل الھی!

شاہجہاں:۔ نہیں دارا لڑائی کی ضرورت نہیں۔ ہم سب کو سمجھا دیں گے نہیں بلاؤ۔ انھیں بے روک ٹوک ٹھہرے دے دو۔ یہاں آئیں سب درست ہو جائیں گے۔

(خفا۔ جہاں آرا جلدی سے آگے بڑھ کر آتی ہے۔)

شاہجہاں:۔ کیوں جہاں آرا۔ تو کیا کہنا چاہتی ہے بیٹی۔ کیا سوچ رہی ہے؟

جہاں آرا:۔ اعلیٰ حدت اگر ستارخ رعایا نے بادشاہ کے سر پر توجہ کھلا رکھا ہے۔ وہ انہی کے سر پر بڑنی پاپے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں۔

شاہجہاں:۔ جہاں آرا وہ کوئی غیر تو نہیں۔ آئر شہزادے ہیں۔ میرے بیٹے۔ ان میں اورنگ زیب پر مجھے بہت بھروسہ ہے۔ وہ میرا لائق بیٹا ہے۔

جہاں آرا:۔ بچا ہے نلل الھی۔ مگر بادشاہ کے جھنڈے تلے وہ رعایا کی حیثیت سے ہے۔ اور بیٹا صرف باپ کی محبت ہی کا حقدار نہیں اس کو باپ کا حکم بھی ماننا چاہیے۔ اگر اولاد ٹھیک راہ پر نہ چلے تو اس کو مراد بیٹا بھی باپ کا فرض ہے۔ اورنگ زیب جی نے زیادہ سزا اٹھایا ہے۔ اس لیے حکومت کا فرض ہے کہ

شاہجہاں:۔ (جلدی سے) میرا دل صرف ایک حکومت جانتا ہے۔ اور وہ محبت کی حکومت ہے۔

(سنجیل کر)

بیٹی ایر شہزادے بے ماں کے ہیں۔ انہیں کس دل سے سزا دوں۔ جہاں آرا۔ وہ دیکھو آنسوؤں کے

ہے ہوئے سنگ مرمر کے اس ڈبیر۔ اس تاج محل کی طرف دیکھو۔ پھر انہیں سزا دینے کے لیے کنا۔ میری دنیا اس محل تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اب نردول ہے دماغ !

جہاں آراہ۔ اعلیٰ حضرت ! یہ باتیں ۷۰ سالہ انسان کے شہنشاہ کے لائق کب ہیں۔ آپ جہاں۔ شان کی سلطنت کے مالک ہیں۔ رعایا اگر باغی ہو تو اسے بیٹا سمجھ کر معاف کرنا انصاف نہیں۔ محبت کیا فرض کو مانا سکتی ہے مغلیہ حکومت کے عزم کچھ اور ہیں۔ حضرت اکبر اعظم کا فرض جہاں بائی کز در محبت کی تقلید کے خلاف ہے۔

شاہ جہاں :- جہاں آرا اس بحث کے لیے میرے پاس دل نہیں۔ جواب نہیں۔ اگر کوئی جواب ہے تو صرف وہی محبت - دودمان مغلیہ کا یہ چراغ اب کسے دن کا ہے۔ اب اسے جہاں بائی کے جس سے کب سروکار ہے۔

دارا :- ظل الہی۔

شاہ جہاں :- دارا میں صحت یہ فکر ہے کہ اس جھگڑے میں شکست کسی کی بھی جو تم ہمارے ہی دل پر رہے گا۔ اس لیے سوچتے ہیں کہ لڑائی کی ضرورت نہیں۔ کوئی غلط فہمی ہے۔ ان کی بھول ہے۔ وہ جہاں بائی ہیں۔ ہم انہیں سمجھا دیں گے۔

دارا :- ظل الہی۔ سوار شلا عالی جاہ - لیکن ؟

جہاں آراہ۔ دارا شکوہ اعلیٰ حضرت میں تم ان کی جگہ سلطنت کے فرائض انجام دے رہے ہو۔ کیا اسی طرح کا کر دوں گا اس کمزوری سے دودمان مغلیہ کے چراغ کو بغاوت کی آندھیاں اسی طرح گل کرنے پڑیں اور تم سینہ سپر نہ ہو۔

دارا :- بیشک یہ درست ہے۔ اعلیٰ حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے اجازت دیجئے باغیوں کو سزا دینا سلطنت کی تو میں کیسے برداشت کی جا سکتی ہے۔ یہ ساری آگ اور تگ زریب کی بھڑکانی ہوئی معلوم ہوتی ہے جہاں پناہ دل کو سخت کر پڑتا

شاہ جہاں :- یا خدا ! بادشاہ بنانا تھا تو باپ کا یہ محبت بھرا ہوا دل کیوں دیا ہے۔ لوہے کا کلہاڑا تھوڑا دل کیوں نہ بنایا اور پھر متاز کی تہلانی کا یہ صدمہ !

دارا :- اعلیٰ حضرت یہ نہ سمجھئے کہ میں حکومت چاہتا ہوں۔ لڑائی کا ارادہ نہ تھا تاج کے لالچ میں نہیں۔ نعمت کی حفاظت کے لیے ہے۔ تاج کی آن رکھنے کے لیے۔

شاہ جہاں :- دارا

دارا :- غلام اجازت کا طالب ہے ظل الہی !

جہاں آراہ: دارا تھا امام نالازمی ہے۔ تم جانتے ہو۔ انصاف کے تحت کی حفاظت کے لیے۔ باغیوں کو نرا دینے کے لیے۔ ملک کو فائدہ جگلی کی آگ سے بچانے کے لیے۔ اگر بغاوت کے بھڑکنے ہوئے شعلے جلد نہ بجھائے گئے تو غلوں کی سلطنت اور ہندوستان کا امن کیسے قائم رہ سکتا ہے!

دارا۔ بسو چشم..... جہاں تک ہو سکے گا نوری پڑی سے گریز کروں گا۔ اور گستاخ باغیوں کو گرفتار کر کے اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کروں گا۔ جنھوں نے یہ سمجھ کر سر اٹھایا ہے کہ نعل الہی کے پاس صرف باپ کی محبت سے برابر اول اور نوازش و مہربانی کی نظر ہے۔ میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ ہیں اور نعل شہنشاہ کی شان و سطوت دکھانے کو دارا کی تلوار کیا نہیں کر سکتی!

شاہجہاں۔ دلا شکوہ تمھاری ہی مرضی ہے تو بناؤ تمہیں اختیار ہے گستاخوں کو ان کی بے ادبی کی مناسب نزا و دیگر سبھ سوچ کر۔
دارا۔ نعل الہی بوجھ!

شاہجہاں:- ان لوگوں نے لیکھیک کیوں لالچایا ہے! تم نے یہ بھی سوچا یہ بغاوت کی دبا کیسے پھیلے؟
دارا:- وہ کہتے ہیں اعلیٰ حضرت کی بیماری کی خبر غلط اڑائی گئی ہے کہتے ہیں نداد و ن زد دکھائے حاکم بدین جنھوں نے دنیا میں نہیں ہیں۔ اور میں اس بہانے سے جہاں پناہ کے نام پر تخت و سلطنت کا مالک بن گیا ہوں۔

جہاں آراہ۔ وگوش کے ساتھ اس میں نامنا سب کیا ہے تم شہنشاہ کے سب سے بڑے بیٹے اور بونار ولی محمد ہو۔

دارا۔ انھیں میری ولی عہدی سے انکار ہے۔ وہ میری بادشاہی قبول کرنا نہیں چاہتے۔

شاہجہاں:- یہ نہیں ہو سکتا۔ ان کی یہ مرضی پوری نہیں ہو سکتی۔ تم سب سے بڑی اولاد ہو۔ تم ہی ولی عہد سلطنت ہو۔ جاؤ تمہیں پورا اختیار ہے۔

دارا۔ نعل الہی بندہ رخصت چاہتا ہے۔

(سلاگنا ہمارا دارا چلا جاتا ہے)

شاہجہاں:- امان بخدا (وقفہ) دارا چلا گیا۔ سب شہزادے میری خوشی پر راضی تھے۔ کوئی بھی کسی کا مخالف نہیں تھا۔ یہ اچانک کیا ہو گیا یہ آگ کیسے لگی اور تمہانے کیسے بچے گی؟

(کھاسی)

دوسرا منظر

(اورنگ زیب کا خیمہ۔ سرداروں کے ہمراہ باغچیت)

(اورنگ زیب۔ کوی راج برہمن۔ چند سردار)

اورنگ زیب:۔ کوئی کشتن تم نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارا ارادہ لڑائی جھگڑے کا نہیں۔ ہم اعلیٰ حضرت کی بیماری کی خبر سن کر اٹھیں دیکھنے جا رہے ہیں۔

برہمن:۔ حضور میں نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ اس کے جواب میں۔۔۔۔۔

اورنگ زیب:۔ بھائی داراشکوہ نے کیا کہا؟

برہمن:۔ انھوں نے کہا۔ ہمیں بھائی کی بغاوت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ خود شہنشاہ نے آخری وقت ہمیں حکم دیا تھا کہ باغیوں کا سر کھینچنا!

سردار نمبر ۱:۔ شہزادہ عالم سنا آپ نے؟

اورنگ زیب:۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ یقین نہیں آتا۔ اس کا مطلب ہے کہ شہنشاہ۔۔۔

سردار نمبر ۱:۔ ہمت مکان!

اورنگ زیب:۔ طاقت بدہوشی۔ تمہا کرے یہ جھوٹ ہو۔ ظل الہی بیمار ہیں۔

سردار نمبر ۲:۔ شہزادہ عالم۔ پھر بھی آپ کا قلعہ میں رہنا خطر سے بے غالی نہیں۔ شہزادہ داراشکوہ کی نظر آپ

کی طرف سے پھری ہوئی ہے۔ اور حضور کی جان و عزت خطرے میں ہے۔

اورنگ زیب:۔ بھائی داراشکوہ! سمجھ میں نہیں آتا ان کا یہ ارادہ کیوں ہوا۔ وہ مجھے باغی سمجھتے ہیں۔ رعیت

سے اسے کوئی کا قصد۔ اٹھی بات ہے۔

سردار نمبر ۱:۔ شہزادہ عالم۔ آپ نے جو رعیت شہنشاہ کی خدمت میں بھیجا تھا اس کا جواب بھی نہیں آیا۔ اور

شہزادہ مراد نے جو کچھ لکھا تھا اس کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔

اورنگ زیب ۱۔ بھو گیا۔ اب سب باتیں صاف ہو گئی ہیں۔ یہ سب کارروائی داراشکوہ کی ہے۔

سر دار نمبر ۲:۔ بے شک حضور وہ آپ سے لڑنے اور۔۔۔

اورنگ زیب:۔ اوکے۔ رہن کر مجھ سے لڑنے۔ انوس دار نے اورنگ زیب کو اب تک نہیں پہچاندا اور

میرا بھائی ہے۔ بڑا بھائی مگر اس کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔

(ایک سر دار آتا ہے)

سر دار:۔ حضور جاسوس خبر لیا ہے کہ شہزادہ داراشکوہ کا لشکر قریب آ پہنچا ہے۔

اورنگ زیب:۔ (غصہ اور جوش سے) آتا ہے تو آئے دو۔ شہنشاہ باپ کی ایک تلوار دو بھائیوں کے سروں پر

ناچتی ہے تو۔۔۔ اس کا کیا علاج۔ اب فوج کو تیاری کا حکم دو۔ ہم کچھ سمجھ رہے تھے یہ کچھ ہو رہا ہے

ہم نے سب کچھ سنا اور میرے کام لیا۔ ہمارے وکیل میں بیگ کا مگر ضبط کر کے اسے قید کیا۔ ہم نے

چپ چاپ سنا۔ ہمارے تمام افسروں کو بیجا پور سے نکال دیا گیا۔ اور اب حکم کھلا مقابلہ دارا میرے

دشمن بھائی تو نے میرے پیارے شہنشاہ باپ کو مجھ سے چھڑایا ہے۔ آستین کے سانپ ا

سر دار نمبر ۱:۔ حضور فرمیں نیا رہیں۔

اورنگ زیب:۔ کوچ کا حکم دو۔ فوراً بڑھو۔ بجلی کی طرح لپکو اور بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرح آگے

چلو۔ اس بڑھتے ہوئے گھنڈ اور دلرا کے مخالف کو طیامیٹ کر دو!

سر دار نمبر ۲:۔ عالی جاہ!

سر دار نمبر ۳:۔ جو حکم جہاں بناہ!

تیسرا منظر

چند دن بعد اورنگ زیب کا تہہ لڑائی کے بعد،

اورنگ زیب: سب کچھ ہو چکا لڑائی تم ہو گئی، طاراً تم کو کھڑے کا قبول کیا۔ اب وہ ہماری قید میں ہے میں تمہنشاہ کے پاس جا کر

خود سب باتوں کی اصلیت معلوم کروں گا۔ مجھے یقین ہے ظلِ اعلیٰ یہ حیات میں۔

سردار نمبر ۱: حضور! آپ کو وہاں تنہا ہرگز نہ جانے دیں گے۔ شہزادی صاحبہ وہاں موجود ہیں۔

اورنگ زیب: اورنگ زیب ان باتوں سے نہیں ڈرتا۔ کون جہاں آرا میری بہن مگر وہ میری مخالفت کیوں کریں گی؟

سردار نمبر ۲: اس لیے کہ وہ شہزادہ دارا شکوہ کی طرف داریں۔

اورنگ زیب: تو کیا شہنشاہ کو بھی انھوں نے درغلا یا ہوگا؟

سردار نمبر ۲: بیشک حضور۔ اگر وہ کی ہوا آپ کے مخالف معلوم ہوتی ہے۔

اورنگ زیب: نہ مگر میں ایک بار تلخیں اعلیٰ حضرت کے سامنے جاتا۔ خود دیکھتا، سنتا اور سمجھتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے!

سردار نمبر ۱: حضور! آپ کو وہاں نہ جانے دیں گے۔ حالات بہت مشتبی ہیں۔ اور جو نفعہ شہزادہ شجاع کے نام شہنشاہ کا ملنا اس لیے زیادہ خطرہ

اورنگ زیب: سب کچھ معلوم ہو گیا۔ سب تہ جہاؤں کا شہزادہ سلطان کو بلاؤ۔

شہزادہ سلطان: حاضر آیا حضور!

سردار نمبر ۱: حضور عالی۔ یہ تو پوری سازش ہے۔

سلطان: حکم، آہا حضور!

اورنگ زیب: ہوں۔ محمد سلطان امانات ایسے ہیں کہ اب تمہیں نہ آگے کے قلعہ میں جانا ہو گا۔ تم ایک ہزار متبرہ سپاہی لے کر

جاؤ۔ اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کرو کہ وہ قلعہ کے نام محل میں آرام سے تشریف رکھیں اور تلخ پراپنی فوج مقرر کر کے

شاہی فوج ہٹا دو۔ شہنشاہ پورے شاہی اہتمام اور شان و شوکت کے ساتھ رہیں۔ مگر ان کے پاس کوئی نہ جا سکے

اور نہ کوئی محل سے باہر سکے۔ جلد جاؤ۔ اور اس کام کو ہوشیاری سے سرانجام دو!

سلطان: جو حکم آیا حضور۔

(جانا — کامل سکوت)

چوتھا منظر

(قلعہ آگرہ)

شاہجہاں: جہاں آرا۔ دارا کی شکست بہت بے وقت ہوئی۔ مجھے اورنگ زیب کا انتظار ہے۔ تعجب ہے کہ وہ اب تک قلعہ میں کیوں نہیں آیا۔ میرے حکم سے کبھی اس نے منہ نہیں موڑا۔

جہاں آرا: میرا بھی یہی خیال تھا اعلیٰ حضرت۔ لیکن۔

شاہجہاں: کیا۔ لیکن کیا ہوا جہاں آرا؟

جہاں آرا:۔ حالات کچھ عجیب نظر آ رہے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں سکتی۔

شاہجہاں:۔ اورنگ زیب کچھ بھی سہی۔ لیکن میرا لڑا زبرداریتا ہے ہمارا احترام اور ادب اس کا ایمان ہے۔

جہاں آرا:۔ ظاہر میں یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اعلیٰ حضرت کی بہت عزت اور ادب کرتا ہے۔ ثبوت کچھ اور مل رہے ہیں۔

شاہجہاں:۔ سمجھ میں نہیں آتا جہاں آرا۔ یہ سب کیسے ہوا ہے۔ اورنگ زیب کو کیا ہو گیا!

جہاں آرا:۔ دارا شکوہ کی شکست سے میرا دل ٹوٹ گیا ہے نخل الہی۔ اورنگ زیب نے اس کی عزت نہیں کی۔ اسے حضور کی محبت ہوتی تو دارا شکوہ سے مقابلہ کیوں کرتا۔

شاہجہاں:۔ ہاں۔ دارا اس کا بڑا بھائی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ دارا میں کتنا پیارا ہے۔

جہاں آرا:۔ سنا ہے دارا شکوہ کے تمام سپاہیوں کو اس نے قید کر لیا ہے۔

شاہجہاں:۔ ہم دارا شکوہ کو لڑائی جھگڑے سے اسی لیے منع کرتے تھے گروہ محافظت پر تیار رہا۔

جہاں آرا:۔ میں فانا کی یہ توہین اور بار برداشت نہیں کر سکتی۔ اعلیٰ حضرت۔

شاہجہاں:۔ اب اس جھگڑے کو ختم ہی کرنے کے لیے تو اورنگ زیب کو یہاں بلا دیا جلی۔

جہاں آرا:۔ سبیک دفعہ وہ اس قلعہ میں آئے۔ میں نے بھی سبیک انتظام کر لیا ہے۔ کئی سو سپاہیوں

کا ایک دستہ یہاں تیار ہے۔ اور نگ زریب کو ابھی طرح قید کر کے یہاں رکھوں گی۔
 شاہجہان!۔ نہیں جہاں آرا اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اسے محبت اور پیار سے قابو میں کر لیں گے
 جہاں آرا!۔ نہیں اعلیٰ حضرت محبت اور پیار کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ہم اس سے یہ برتاؤ کیوں کر برلا
 اس نے داراشکوہ کا مقابلہ کیا ہے۔

شاہجہان!۔ جہاں آرا اور نگ زریب اگر بغاوت پر بھی آمادہ ہو گیا ہو تو باپ کی محبت اسے درست
 کر سکتی ہے۔ میں دارا کو اس سے بچا سکتا ہوں۔ اگر شاہی حکم نہیں تو باپ کے پیار کی نگاہ اس کی
 نیت اور ارادہ بدل سکتی ہے۔

جہاں آرا!۔ اعلیٰ حضرت کو میں اس بے عزتی سے بچاؤں گی۔
 شاہجہاں!۔ بے عزتی کیا ہے جہاں آرا!۔ خدا کرے ہمارا اعلیٰ دارا یا شجاع کو مل جائے۔ اور
 ادھر اسے تسلی ہو جائے۔

شہزادہ سلطان!۔۔ ظل الہی میں جو عرض کرتا ہوں۔
 جہاں آرا!۔ کون۔ محمد سلطان۔

(چھک کر سلام کرتا ہے)

شہزادہ سلطان!۔ آداب! پھوپھی حضور۔

جہاں آرا!۔ تمہارے والد اور نگ زریب بھی ساتھ ہیں؟
 سلطان!۔ جی نہیں پھوپھی حضور۔ وہ تو جہاں نہیں آئے۔
 جہاں آرا!۔ پھر تم یہاں اکیلے کیسے آئے سلطان؟

شاہجہاں!۔ ہاں سلطان تم اکیلے آئے ہو۔ اور نگ زریب کیوں نہیں آئے۔ ہم نے سہم تھاہ
 یہاں آ رہے ہیں۔

سلطان!۔ ظل سحانی! حضور نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اور عرض کی ہے کہ اعلیٰ حضرت قلعہ میں تشریف
 رکھیں۔ باہر خطو ہے۔

جہاں آراہ۔ (جوش سے، غریب! شہنشاہ کو اس کے بیٹے کا فرمان سنانے آئے ہو کہ وہ قلعہ سے باہر نہ جائیں۔

سلطان :- جی ہاں۔ قلعہ سے باہر تشریف نہ لے جائیں۔ لڑائی جھگڑاتے نے کچھ ایسی ہی حالت بنا دی ہے۔ مصلحت اسی میں ہے۔

جہاں آراہ: مصلحت! کیسی مصلحت؟ شہنشاہ خود سلطنت کی مصلحت کو سمجھتے ہیں۔
سلطان :- اور سلطنت کی بھلائی کے لیے ہی یہ سوچا گیا ہے۔ شہنشاہ کے خلاف نام طور پر بری خبریں مشہور ہیں۔

شاہ جہاں :- تو کیا تم وہ بڑی خبریں سنانے اور ہمیں ڈرانے آئے ہو سلطان!
سلطان :- عالی ہاں قلعہ کے باہر ہماری فوج موجود ہے۔ وہ شہنشاہ کی حفاظت اور قلعہ کی فوج کی دیکھو جہاں کرے گی۔ میں یہ عرض کرنے آیا ہوں۔
جہاں آراہ :- اچھا بیٹے میں تم ہی کو قید کروں گی۔

(دشک)

(سپاہیوں کا آنا)

تواریخ سے دو سلطان۔

سلطان :- بیوی بھی حضور یہ کیوں؟

جہاں آراہ :- تم قیدی ہو۔ باغیوں کے طرف دار ہو۔

سلطان :- ہرگز نہیں۔ ہم بغاوت کی آگ کو دباننا چاہتے ہیں۔

جہاں آراہ :- یہ باتوں کا وقت نہیں۔ سپاہیوں کو تو تیار۔

سلطان :- تو اب مجھے بھی اپنی فوج کو قلعہ میں بلانا پڑے گا۔ رقعہ کا مضمون درست معلوم ہوتا ہے۔

جہاں آراہ :- تمہاری فوج قلعہ کے اندر کیسے آ سکتی ہے کس نے اجازت دی!

شاہ جہاں :- میں نے جہاں آراہ میں نے۔ میں نے شجاع اور دارا کے پاس جو ایچی بھیجا تھا معلوم ہوتا ہے وہ

پانچواں منظر

(شاہجہاں شہنشاہ سے جہاں اور سامنے تلخ کا لٹارہ کدہ)

ہے۔ بیچ صادق کا دکت۔ ملاح گانے کشتیاں چلاتے

گزر رہے ہیں۔ شاہجہاں دماغی انتشار میں مبتلا ہے)

شاہجہاں سورج نکل گیا۔ ویسا ہی چمک دار اور سُرخ رنگ جیسا ہمیشہ سے تھا۔ آسمان ویسا ہی نیلا ہے۔ جہاں اٹھاتی، بل کھاتی اسی پھال سے بہ رہی ہے۔ اس پار کے درختوں کا رنگ ویسا ہی ہے سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا میں برسوں سے دیکھتا آ رہا ہوں۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔ صرف میں ہی بدل گیا ہوں۔

میں آج اپنے ہی بیٹے کی تراست میں ہوں۔ معصوم بچے کی طرح کمزور اور مجبور۔ کبھی غصہ سے گرج اٹھتا ہوں۔ لیکن یہ فصول بادل کا گرجنا۔ بیکار ہائے ہائے کرنا۔ اس طرح کڑھ کڑھ کر اندر ہی اندر گھٹکتا جا رہا ہوں۔ ہندوستان کا بادشاہ شاہجہاں!

دُنیا کتنی اندھی اور بے کف ہے جہاں آرا۔ کیا تو مسکرا رہی ہے اس دنیا کے اندر سے پن پر افسوس نہیں کرتی۔ وہ سنا۔ وہ کیسا شور ہے۔ یہ سب کیا ہے۔ جانتی ہے۔ دارا شکوہ کی فتھیابی کی خوشخبری۔ یہ اس کا شور ہے۔ شاید تو بھی اسی لیے ہنس رہی ہے۔

(شاہجہاں کی دماغی حالت بدلتی جا رہی ہے)

جہاں آرا۔ مجھے مسکرانے کی مجال نہیں۔ خواہوں سے بھی مسکرانا چھین لیا گیا ہے۔ دارا کی فتھیابی

آہ۔۔۔ وہ اب کہاں؟

شاہجہاں۔ سچ کہتی ہے۔ مگر وہ سن۔ کیا یہ دُنیا کے نادان لوگ اس کے اندر سے پنی پر ہنس رہے

ہیں۔ یہ شور کیسا ہے سنتی ہے؟

جہاں آرا۔۔ نہیں اعلیٰ حضرت۔ میں نے نہیں سنا۔
 شاہجہاں۔۔ سچ ہے تو دُنیا کے پھل کپٹ سے دود ہے۔ تیرا دل اس کے مکر و قریب کو
 کیا سمجھے۔ مگر جہاں آرا! اورنگ زیب، کاشش اورنگ زیب، دارا کو اس سلطنت کا مالک
 بننے دیکھ لینا۔

جہاں آرا۔۔ اعلیٰ حضرت!
 شاہجہاں۔۔ یہی سوچتا رہتا ہوں جہاں آرا۔ یہ سب کیا ہوا۔ تو کیا چاہتی ہے۔ دارا کی آرزو
 کیا تھی۔ ہم نے کیا چاہا۔ وہ کیوں نہ ہو سکا۔ یہ کیوں ٹھہرا۔

جہاں آرا۔۔ کیا ہوا ظل الہی؟
 شاہجہاں۔۔ جو کبھی نہ ہونا پائیے تھا بیٹی۔ وہ سب ہو گیا۔ مگر مجھے یقین نہیں آتا۔ یہ سب
 کیسے ہو رہا ہے۔ اورنگ زیب۔۔ اورنگ زیب آج بار بار بلانے پر چلے سانسے نہیں آتا۔
 اور کوئی دارا کی بیٹی خیر نہیں لاتا۔ کوئی کہتا ہے قید میں ہے۔ کوئی کہتا ہے دوسرے جہاں
 میں ہے۔

جہاں آرا۔۔ یہ سب دھوکا ہے۔ ظل الہی۔
 شاہجہاں۔۔ دھوکا۔ یہ ساری دنیا ہی دھوکا ہے۔
 جہاں آرا۔۔ دھوکا ظل الہی۔

شاہجہاں۔۔ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اورنگ زیب بھی اسی دھوکے میں ہو، جہاں آرا!
 جہاں آرا۔۔ کس دھوکے میں ظل الہی!
 شاہجہاں۔۔ کسی نے اسے مغالطہ میں ڈالا ہے۔ وہ شاہ جہاں کا عزیز بیٹا ہے۔ اورنگ زیب
 ہے۔

جہاں آرا۔۔ ظل الہی۔ آج اورنگ زیب کی ہادشاہت کا دہلی اور آگرہ میں اعلان ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں
 وہ بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔

شاہجہاں:۔ کہتے ہیں! جھوٹی دنیا کے اندر سے کہنے والوں پر یقین نہ کر۔ جہاں آرا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اورنگ زیب یہ جرات کیسے کر سکتا ہے۔

جہاں آرا:۔ جو شخص اپنے پیارے باپ کو قید کر سکتا ہے۔ وہ کیا نہیں کر سکتا۔ ظل الہی! شاہجہاں:۔ نہیں جہاں آرا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کیا اورنگ زیب کو اتنی تیز نہیں کہ اس کا باپ ابھی زندہ ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہوتے ہونے وہ تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔

جہاں آرا:۔ کیوں نہیں اعلیٰ حضرت۔

شاہجہاں:۔ اور اس پر اس گستاخی پر بھی دنیا کے کام اسی طرح چل رہے ہیں۔

جہاں آرا:۔ یہ کیسی دنیا اسی طرح اپنے کام کیے جا رہی ہے۔ قیدی اور ضعیف شہنشاہ کا کسی کو خیال نہیں۔

شاہجہاں:۔ قیدی شہنشاہ۔ یہ تو کہہ رہی ہے جہاں آرا۔ ہم قیدی ہیں؟

جہاں آرا:۔ اورنگ زیب نے ہی سمجھا ہے ظل الہی۔ اور اب دنیا کو وہ ہی سمجھا رہا ہے۔

شاہجہاں:۔ کاشش ایک بار اس محل کے باہر جا سکتا تو دنیا کو سمجھا دیتا کہ اورنگ زیب اور شاہ جہاں کیا ہیں۔ جہاں آرا تو ایک بار مجھے قلعہ کے باہر لے جا سکتی ہے؟

جہاں آرا:۔ ظل الہی۔ قلعہ کے ہر دروازے پر سزروں ہتھیار بند سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔ شاہجہاں:۔ میری وفادار رعایا کا ایک آدمی بھی اس کے خلاف آواز نہیں نکالتا۔

جہاں آرا:۔ نہیں اعلیٰ حضرت۔ انسان کتے کی طرح خوشامدی ہے۔ جو اسے ایک ٹکڑا دے سکتا ہے اس کے پاؤں چاٹ سکتا ہے۔ دم ہلانے لگتا ہے۔ مکار، مطلبی

دُنیا!

شاہجہاں:۔ مطلبی دُنیا! سچ ہے جہاں آرا۔ ہم نے ان پر کیسے کیسے احسان کیے ہیں۔

کسی کو ہم پر ترس نہیں آتا۔ اپنے شہنشاہ پر ترس۔ بیچار، ضعیف اور نظر بند شہنشاہ پر ترس!

جہاں آرا۔ اب دنیا میں ترس اور رحم کا نام نہیں رہا۔ آسمان اور زمین بدلے ہوئے ہیں۔ دنیا کی
بھابھی ہمارے نعان ہے۔

شاہجہاں :- ہو کرے بیٹی۔ مت گھبرا۔ اگر تند سیریں کارگر نہیں ہوئیں تو کیا ہے۔ سب دیکھ لوں گا
سب سجدہ لوں گا۔

جہاں آرا :- عالی جاہ! آپ آرام فرمائیے۔ رات زیادہ گئی ہے۔ چیلے خواب گاہ چیلے۔
شاہجہاں :- خواب جہاں آرا۔ مغل شہنشاہ کو خواب یاد دل رہی ہے۔ شہزادی امیر بی بی جو تیری مرضی۔

(دونوں جاتے ہیں۔ شہزادی زہرۃ النساء آتی ہے)

زہرۃ النساء :- (اگر تھلاؤ زیادہ طوفان۔ اور شہنشاہ کی یہ حالت۔ خدا کرے ظل الہی کی آنکھ لگ گئی ہو
وہ آرام میں ہوں۔ رات آدمی سے زیادہ گذری ہے۔ کہیں بیدار نہ ہو جائیں۔

(شاہجہاں دیوانگی کی حالت میں پرتدہ ہوا ہے)

شاہجہاں :- کس کی مجال ہے کہ دارا کا خون کرے۔ میں شہنشاہ شاہجہاں خود اس کی گلبانی کر رہا ہوں
اپنے پیارے دارا کو بچاؤں گا۔ اسے شہنشاہ بناؤں گا۔ اور نگ زیب ناچیرے۔ ہم اگر اشارہ کریں
تو اور نگ زیب کا پٹنٹے گا۔ ہم حکم دیں آندھی اٹھائے۔ اٹھے گی۔ کہیں بھی گر تو بجلی گرے گی۔

(بادل گر جتا ہے)

زہرۃ النساء :- کیسا ہادل گرج رہا ہے۔ زمین و آسمان ہوا اور پانی میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ اور جہاں ہمارے
دارا حضرت کا یہ عالم!

شاہجہاں :- ہتھیار سنبھالو۔ وہ آرہے ہیں۔ زمین آراستہ کرو۔ جنگی بابے بھاؤ۔ جینڈا اٹھاؤ۔
وہ آرہے ہیں۔ چلو! جنگ کے لیے چلو۔ کون ہے! دودھ ہو۔ خون کے پیاسے۔ مجھے نہیں پچھتا۔ میں
شاہجہاں ہوں۔

زہرۃ النساء :- ظل الہی!

شاہجہاں :- نہیں میرے بنتے ہی وہ دارا کو مار ڈالیں گے۔ پاس نہ آنا۔ خیر دار۔

زہرۃ النساء۔ دادا حضرت اکرام فرمائیے۔ آدمی رات ہے۔ آپ کا مزاج ناساز ہے۔
 شاہجہاں :- پاس نہ آنا۔ تم لوگوں کی سانس میں زہر ہے۔ آگے قدم نہ بڑھانا۔ ہمارے سامنے
 دم مارنے کی مجال اختیار!۔

زہرۃ النساء :- اعلیٰ حضرت ارات زیادہ ہو گئی ہے۔ آرام کے لیے چلیے۔
 (جہاں آنا آتی ہے)

جہاں آرا :- کیسا پُر درد و نظارہ ہے۔

زہرۃ النساء :- پھوپھی حضور۔ آپ بھی بیدار ہو گئیں۔

جہاں آرا :- بادل کی گرج سے آنکھ کھل گئی۔ کیا اعلیٰ حضرت کی طبیعت پھر ناساز ہے؟

زہرۃ النساء :- جی ہاں۔

جہاں آرا :- رات کی دوپٹی ہے؟

زہرۃ النساء :- جی ہاں۔ دی تو ہے۔ لیکن معلوم نہیں آج نیند آنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟

شاہجہاں :- (دروانے پن میں) کس نے کیا۔ کس نے کیا!!

(پلانا)

زہرۃ النساء :- کیا دادا حضرت؟

شاہجہاں :- خون۔ خون۔ وہ خون نکل رہا ہے۔ تمام فرش بھیگ گیا ہے۔ دھواں اٹھ رہا ہے۔

جہاں آرا :- اعلیٰ حضرت۔ اعلیٰ حضرت۔ سونے چلئے۔

(ہوا کا شور اور بجلی کی کڑک)

شاہجہاں :- جہاں آرا۔ جی چاہتا ہے جہاں آرا۔ اس رات کی آندھی یا فی طوفان میں یہ سفید

بال نوج کر ہوا میں اڑا دوں۔ اونگ تریب تمھنا ہے ہم قیدی ہیں۔ نادان! مغل شہنشاہ ایک نظر کی نیش

سے تجھے ماہ راست پرلا سکتا ہے۔ آہ۔ داسا۔ میرے دل کا سکون۔

(آگے بڑھتا ہے اور نیچے کی طرف گھورتا ہے)

جہاں آرا کا سنبھالنا

جہاں آرا :- اعلیٰ حضرت آپ وہاں نیچے کیا دیکھ رہے ہیں ؟
شاہجہاں :- یہاں آرا - ہٹ جا - وہ دارا کو لیے جا رہے ہیں - ہم اسے بچائیں گے - اس کا بال بھی بیگا
نہیں ہو سکتا - ہٹ جاؤ - خیر وار !

جہاں آرا :- آپ اب کیسے بچا سکتے ہیں ظل الہی دارا اشکوہ کو ہم اب کہاں پائیں گے -
شاہجہاں :- آہ ظالموں نے اسے کیا کر دیا - کہاں چھپا دیا -

دینری سے آگے بڑھتا ہے دونوں شہزادیاں آگے بچے

ساتھ دوڑنی اور سنبھالتی ہیں

شاہجہاں :- ہم پاگل نہیں ہو گئے ہیں جہاں آرا ! سجدہ کر بات چیت کر سکتے ہیں - کوشش کر کے رہنا - مطلب
سمجھا سکتے ہیں -

جہاں آرا :- میں جانتی ہوں - اعلیٰ حضرت !

شاہجہاں :- لیکن ہمارا دل ٹوٹ چکا ہے - دارا - شجاع - مراد کوئی بھی نہیں -

جہاں آرا :- تمہا جانے کیا ہوا ہے - اور کیا ہونے والا ہے - خدا اعلیٰ حضرت کو تسکین دے -

شاہجہاں :- یہ کون - یہ کون ہے ؟

جہاں آرا :- شہزادے اعظم، تم یہاں ؟

شہزادہ اعظم :- اعلیٰ حضرت - مجھے ابا حضور نے بھیجا ہے - یہ عریضہ حاضر خدمت ہے -

جہاں آرا :- (جوش سے) غیب - اب یہ کوئی نیا شگوفہ کھلنے والا ہے -

اعظم :- نہیں بھوپھی حضرت - غلام یہ عریضہ لے کر حاضر ہوا ہے - ابا حضور کا معافی نامہ - اور یہ پانچ سو

اشرفیاں اور چار ہزار دینار نذر -

جہاں آرا :- کسی لمبی پوڑی تمہید کی ضرورت نہیں - اعظم سب کچھ سامنے آچکا ہے -

شاہجہاں :- کہنے سے جہاں آرا - اعظم، اورنگ زیب کو بہر صورت ہمارے پاس آنا چاہئے تھا -

اعظم۔ اعلیٰ حضرت! اباحضور نے بہترین کوشش کی۔ کئی بار حاضری کلاواہ ہوا مگر غلط خبروں کے جال سے نکل سکے! اباحضور کو ان حالات سے بہت غم ہے۔ وہ بہت نجیف ہو گئے ہیں۔ صحت بھی اچھی نہیں۔

شاہجہاں بہ نجیف ہو گیا ہے۔ اورنگ زیب۔ میرابانمی سپہ سالار، مہراجہ بیمار ہے۔ اورنگ زیب! اعظم۔ یہ سب خاندانگی کی مصیبت نے کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کتنی بھاری غلط فہمی جھوٹی باتیں!

شاہجہاں! یہ پڑھو۔ یہ عرضیہ پڑھو! اعظم! (عرضیہ)
اعظم۔ اعلیٰ حضرت!

بعد ازلہ التماس ہے کہ جو کچھ غلط فہمیاں اس دوران میں ہوئیں وہ درمیان کے غلط سمجھانے والوں کے باعث ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت نے غلطیوں کو جو غلط لوگوں نے حقیقت نہ آنے دی اور قدوسی کو کوہِ منجاب والزام قرار دیا۔ اعلیٰ حضرت کے حضور میں فدوی حاضر ہو کر حقیقت آشکار کرنا چاہتا ہے اور معافی کی غرض سے اجازت کا طلب گار ہے
فدوی
محی الدین اورنگ زیب

شاہجہاں! میرا نخت مگر میرا جی بیٹھا جاتا ہے۔ خدایا۔ یہ سب کیا عجیب خواب۔

جہاں آرا کیا خوب۔ اورنگ زیب۔ یہ کو خوب تماشا ہے۔ بزرگ باپ شہنشاہ کو مفاطردے رہا ہے۔ شاہجہاں دغا مویش جہاں آرا۔ خاموش یہ لہنا چمچ ہے معافی مانگ رہا ہے۔ میں باپ ہوتے ہوئے اسے کیسے ٹھکرا سکتا ہوں۔ جہاں آرا تھے کیا خبر۔ باپ کے دل کا طوفان تو نہیں جان سکتی۔ میرے دل میں کیا قیامت مچی ہوئی ہے۔

جہاں آرا! ظل الہی۔ وہ شاہس نے حکومت کے لیے باپ کو قید کیا۔ اس کے خواب کی ایسی تو ٹھگوار تعبیر! اعظم۔ پھو بھی حضور۔ ہم نے سلطنت کی حفاظت کے لیے قلعہ پر پرہ لگایا۔ اور جہاں ہناہ کی حفاظت کے لیے قلعہ بند کیا۔ اب قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہ تلج حاضر ہے۔ تخت راہ دیکھ رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت تشریف لے چلیں۔ اور اس کو رونق بخشیں یہ حکومت کا خواب۔

شاہجہاں!۔ نہیں ہمیں تاج و تخت کا ارمان نہیں۔ ہمیں یہ کچھ نہیں چاہیے۔ اب یہ سب اورنگ زیب کا ہے۔ اور خواب! بیٹا۔ وہ یاد نہ دلاؤ۔ ان سب کی معافی۔

جہاں آرا! اعلیٰ حضرت! بھائی دارا شکوہ کے قتل کی معافی نہیں۔ سب گستاخیوں کی معافی۔

نشا ہجماں :- کچھ نہ کہو جہاں آرا۔ اب وہ کہاں۔ اب سمجھ لینے دے۔ غلطیوں کو بھول جانے دے
چھ سات برس کے غم اور جدائی کو بھلا دے۔ پاگل بنا دینے والے سدھوں کا بدل آج اس
نقوڑی سی خوشی سے بھول جانے دینے اور تو بھی اورنگ زیب کو معاف کر دے اعظم اورنگ زیب
کی طرف سے تم جہاں آرا سے معافی مانگو۔

اعظم :- بھو بھی حضور ہمیں معاف کیجئے۔

جہاں آرا :- اعظم۔ یہ تم کہہ رہے ہو مگر اورنگ زیب کو یہ جرات نہیں ہو سکتی۔ اور میرے دل میں باپ
کی محبت کا جوش نہیں جواب آسانی سے ان باتوں کو بھلا دوں۔

نشا ہجماں :- اورنگ زیب بھی تیری طرح بے ماں کا ہے۔ معاف کر بیٹی۔ اس کی ماں اگر اس وقت
زندہ ہوتی تو وہ کیا کرتی جہاں آرا۔ اپنی اولاد کی محبت تمہاری ماں میرے پاس امانت رکھ گئی ہے۔
اس کی آخری وصیت مجھے یاد ہے۔ یہ سامنے کے پرزے اٹھا دے۔

(جہاں آرا اب بھی چپ ہے)

جہاں آرا :- اٹھکھ اٹھا کے دیکھ۔ اس نورانی صبح کے وقت جتنا کی طرف دیکھو۔ وہ کیسی صاف ہے یزیدی
ماں کے دل کی طرح شفاف۔ اور دیکھو محبت کے آنسوؤں کا سفید ڈھیر جدائی کے صدیوں سے
پتھر بنی ہوئی آنسوؤں کی کمانی۔ یہ خاموش ساکت ایسے داغ محل تاج ! اس نورانی محل کی
طرف دیکھو۔ اور سب کچھ بھلا دے۔ اور یہ سمجھ بیٹی تو اس دنیا کو بتنا خراب سمجھتی ہے وہ ایسی نہیں۔
بادل چھٹ چکے۔ طوفان کی تاریکی ختم ہو رہی ہے۔ صحو کے کا طوفان آجہ۔ تارے نکلتے
آ رہے ہیں۔ وہ دیکھو۔ تاج پر چاندنی چنگ رہی ہے۔ (جہاں آرا کی ہچکیوں کی آواز)
آج بھی یہ درد کی چاندنی دیکھ لیں۔

(جہاں آرا روتی رہتی ہے)

جہاں آرا صبر۔ میری نود عین صبر! صبر!

(شاہماں اور ماں آماروں خاموش تاج محل کے تنکو دیکھتے رہتے ہیں۔ جہاں آرا روتی رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ تاریکی چھا جاتی ہے)

نقرت کلینج

از

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ایم اے

افراد تمثیل

(جس ترتیب میں سامنے آتے ہیں)

ایک جھاپے خانے کا مالک	مہر فراز
روٹی کا کتا	خاور
وجاہت کا تلاش	اجمل
امتیاز کا دنا دار دوست	شاکر
ایک نیک سیرت دوست	امتیاز
امتیاز کا ملازم	افسر
خود غرض دوست جو مالوہی کے بعد دشمن بن جاتا ہے	اختر
امتیاز کی بیوی	سلیمہ
امتیاز کا دوست، نواب صاحب کا معنوب	اکرام
	کوٹوال
	محرر
	سپاہی

زمانہ ————— بیسویں صدی

محل وقوع ————— ایک دیہی ریاست کا دارالسلطنت اور برطانوی ہندوؤں کا ایک شہر

سے ایک شخص کے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہِ غنیمت کی اولد کینہ پرورد ہے..... لیکن اس وقت وہ مسکرا رہا ہے۔ اس کا نام اجمل ہے۔ دوسرے شخص کا بصیرت نو کیا بصرہ رتوں ہیں بھی ممتاز ہے۔ رنگ کا لادرا یعنی ناک، او منہ ہیچک کے داغ بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جا لاک آدمی سے..... تیسرا آدمی دُلا پتلا اور دُرُجھک کر چلنے والا ہے۔ یہ کبھی آنکھیں لڑکے کسی سے باتیں نہیں کرتا۔ اور دونوں ہاتھوں کو عام طور پر مٹائے رکھتا ہے۔ رانگہ پھار سے لیے اس نے ہاتھ ملانا کھنچ موتا تو ہم دیکھتے کہ اس کے ہاتھ ہمینہ ہینہ سے تر رہتے ہیں امدان۔ بدی اور چہرے کے علاوہ کمرٹ کا نام نہیں ہے..... دوسرے آدمی کا نام نمر فرزا اور تیرے دادا در ہے..... ہمیں چوکیدان تینوں کی ساری زندگی معلوم ہے، امدان کے بستے کہہ دیکھ کہ ان کے دل کا حال بتا سکتے ہیں۔ لیکن کسی فرخ دل نا تجربہ کار یا ایسے شخص کا جو دھوکہ کھانے سے پہلے کسی انسان کی طرف سے بدظن ہونا گناہ سمجھتا ہے۔ بن کے نیچہ میں چھننا کچھ ایسا دشوار نہیں ہے..... یہ تینوں آکر قریب قریب بیٹھ جاتے ہیں)

نمر فرزا۔ آدمی یا نکل پاگل ہے..... نا تجربہ کار، محض گاؤڑی۔

خاند۔ اہی اسے انگلیوں پر نچاؤ..... ایسوں سے کام نہ کالنا چاہیے۔

بیوقوفوں میں ایک نمر فرزا ہے کہ عقلمند ان سے ماٹہ اٹھائیں۔

اجمل۔ اس نے پڑھ لکھ کر ڈوب دیا۔ ادنیٰ دُنیا میں اس کا شہرہ ہے۔ علمی قابلیت مسلم ہے..... لیکن

قوتِ عملِ باطل نہیں۔

خاور۔ توتِ عمل؟ کتاب کے کپڑے میں قوتِ عمل کہاں سے آتی؟

سرفراز۔ نہیں تم نہیں جانتے..... میں اسے جانتا ہوں اس میں قوتِ عمل بلا کی ہے۔ لیکن گدھا ہے۔ دھوکے میں آ جاتا ہے۔ آدمی کو نہیں پہچانتا۔

اجمل۔ ہاں اسی لیے تو عمل کی دنیا میں ناکام ہے۔ مزہمٹ یاں ہو تو پھر دھوکا کیوں کھائے۔ یہ دنیا بے وقوفوں کے لیے نہیں ہے، نیز اس پر ذرا دماغِ قازم لو اور شیتے میں اتارو اسی کی طرف سے منہ ہے تاکہ یہ راستے میں حائل نہ ہو تو پھر کوئی مشکل نہیں۔

خاور۔ یہ کیا دشوار ہے؟ خوشامد بہر کرا کر دی خوشامد!

سرفراز۔ نہیں ہم سے تو کسی کی خوشامد ہوتی ہے..... لیکن اجمل کے ہم نیاز مند ہیں، سچی بات ہے۔ ان کی وجہ سے گھسے کو بھی باپ بنائیں گے۔

خاور۔ بات یہ ہے کہ یہ اگر اس جگہ پر موجود جائیں تو ہمارا بھی دل خوش ہے۔ ہم تو خیر خواہ ہیں.....
راجمل کی طرف متوجہ ہو کر آپ کہو: یقین آئے یا نہ آئے، لیکن ہمارے دل میں آپ کی طرف سے ایسی عقیدت ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

سرفراز۔ سچی یہ بات ہے کہ محنتِ آسمان سے تو برستی نہیں۔ آدمی کی مہربانی اور اخلاق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

خاور۔ اور آپ کی نوازشیں تو ایسی ہیں کہ دشمن کو گمراہ کر لیں۔

سرفراز۔ اچھی دشمن گمراہ ہیں۔

اجمل۔ یہ آپ کی نوازش ہے..... اب تک یہ حضرت آئے نہیں!

خاور۔ ملازم نے کہا ہے دلاور میں آتے ہی ہوں گے۔

اجمل۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ نواب صاحب اس شخص کے اتنے گرویدہ کیوں ہیں؟

سرفراز۔ ایک بے وقوف دوسرے کا ہمیشہ گرویدہ ہوتا ہے۔

اجمل - بات یہ ہے کہ اس کی نام نہاد زندگی کا لوگوں پر اثر پڑتا ہے بیوقوفی کو دنیا تکی سمجھ لیتی ہے اور پھر اس کی گرد و پھول جاتی ہے۔

خاور - ایسا گاؤں ہی آدمی اتنی ہمت اور ہوشیاری کہاں سے لائے کہ دوسرے کو نقصان پہنچا سکے۔۔۔۔۔ اسی لیے لوگ اسے فرستہ سمجھتے ہیں۔

اجمل - اجی سزاؤں ہے۔ ایسے آدمی سے بچنا چاہیے۔ من خوب می شناختم ہرن پا، سارا یہ سب غلی اور حسد لاپن بنا دتی ہے۔

خاور - بس آپ نے جناب پچی نا ہے اس آدمی کو۔۔۔۔۔ درد محض بھولے ہیں سے نواب صاحب کو شیشے کو میں اتا رہی نا مکن ہمیں۔

سرفراز - جیسی سب سے زیادہ مکانی یہ ہے کہ آدمی اپنی مرگاری کو جی چھپالے۔ یہ انہل کی مرگم شناسی ہے کہ من آدمی کو تازہ کیا۔

خاور - دپاؤں کی آہٹ سن کر، یہ حسد کوئی آتا ہے۔ مکن سے وہی ہوا
(شاکر: دہش ہوتا ہے زیادہ مکر نہیں ہے)

اور صورت سے مختلف معلوم ہوتا ہے)

شاکر - آداب عرض!

(شاکر تینوں سے مصافحہ کرتا ہے)

اجمل - آداب عرض

(سب بیٹھ جاتے ہیں)

تشریف رکھیے

شاکر - امتیاز صاحب تشریف نہیں رکھتے ؟

سرفراز - ملازم نے کہا ہے کہ آتے ہی ہوں گے۔۔۔۔۔ خدا جانے کہاں غائب رہتے ہیں۔

گھر پر تو ملے نہیں۔

شاکر - کام بہت رہنا سے نواب صاحب ہمیشہ مشورے کے لیے طلب

کرتے رہتے ہیں۔

خاور۔ دبی اپنے جوتے توڑیں لگے رہتے ہیں۔ انسان کے دل میں آگے بڑھنے کی خواہش ہی پیدا نہ ہو، ایک مرتبہ اگر پیدا ہو گئی تو فضا کا نظریہ ہے۔

شاگرد۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ ان جیسے غرض اور مخلص آدمی دنیا میں مشکل ہی سے پیدا سکتا ہے۔ مجھ پر ان کے اتنے احسان میں اندر میں انھیں اتنی اچھی طرح جانتا ہوں کہ.....

سرفراز۔ (بات کاٹ کر) درست ہے۔ آپ تو ان کے عزیز دوست ہیں.....

خاور۔ بی بی ہاں۔ لیکن ان بڑے آدمیوں کی دوستی بھی حوا ہی پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہے..... ان میں اخلاص کہاں سے آیا؟

شاگرد۔ آپ کا خیال ہے..... مجھے جیسے حواریوں سے ان کا کیا فائدہ؟ (اجمل کی طرف متوجہ ہو کر)

آپ محض ملاقات کے واسطے تشریف لائے ہیں یا کچھ کام بھی ہے؟

اجمل۔ مجھے ذرا سا کام بھی ہے۔

شاگرد۔ ایسا کام تو نہیں کہ میں خارج ہوں؟

اجمل۔ جی ہاں کیا کام بھرتا؟ بہر حال میں تمہیں میں گفتگو کر لوں گا۔

(باہر سے موٹر کے آنے کی آواز آتی ہے)

معلم بہت لمبے تشریف لے آئے۔

شاگرد۔ مجھے تو بس ایک بات عرض کرنا تھی۔ میں آپ کی صحبت میں کیوں نخل ہوں۔ باہر جا کر عرض کر دوں گا۔

اجمل۔ آپ ہمارے سامنے نہیں کتنا جاہل ہوتے..... خیر مناسب ہے۔ آپ وہاں جا کر گفتگو کر لیں...

..... جب تشریف لائیں گے تو میں گفتگو کر لوں گا۔

شاگرد۔ مناسب ہے۔ (جاتا ہے)

خاور۔ خوشامدی ٹٹو۔ ہل میں تو یہ بھی وہی کتا ہو گا جو ہم کہتے ہیں لیکن زبان پر تعریف ہی

تعریف ہے۔

سرفراز۔ اہی ہمدرد خانا کی تسبیح پڑھتا ہے۔ ایسے لوگوں سے مجھے لٹی ہے جو خوش آمد میں غرق ہوں!

خادر۔ کدو تو دو ایک ایسی جمادوں کہ ان کی اکھڑ جائے۔

سرفراز۔ ہاں تجنی السعل کا یہی علاج ہے۔

اجمل۔ اچی مشکل ہے!

خادر۔ کیا مشکل ہے؟ دیکھتے رہو کیسی سمنا ہوں۔

سرفراز۔ اسی صحت میں رہے۔ دیکھیں کیا جادو کرتے ہیں؟

خادر۔ بہتیلی پر سروں جمانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن دیکھو۔

اجمل۔ یہ شاکر خود کو شش نہ کر رہا ہو۔

خادر۔ ممکن ہے، مگر رہا سو، لیکن ناممکن ہے..... عمر کم ہے۔

اجمل۔ اور تجربہ کچھ نہیں۔

سرفراز۔ اچی آپ کو کماں پہنچتا ہے!

خادر۔ بھلا پہنچ سکتا ہے؟ ناممکن!

اگسی کیے پاؤں کی آہٹ ہوتی ہے..... معلوم

ہوتا ہے کہ کوئی شخص دروازے میں داخل ہوا،

اجمل۔ معلوم ہوتا ہے آگئے۔

(بابر سے استبار کی آواز آتی ہے)

اقتیاز۔ (زور سے) شاکر! اطمینان رکھو، میں آج ہی کوشش کروں گا۔

(اقتیاز داخل ہوتا ہے رکشادہ پیشانی، کشیدہ قامت چہرہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ سوچنے کا عادی ہے لیکن آنکھوں

میں اب تک بچپن کی سادگی ہے۔ اور مسکرانے کے طریقے

سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش مزاج ہے رب کھٹے

ہو جاتے ہیں۔ سلام کے بعد مصافحہ ہوتا ہے)

تشریف رکھیے۔ (سب بیٹھ جاتے ہیں۔ امتیاز خود بھی بیٹھ جاتا ہے، معاف کیجیے گا۔ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ مجھے اتفاق سے دیر ہو گئی۔

اجمل سچی زبان آپ کی مصروفیات کا کیا ٹھکانا ہے :

سرفراز۔ تمام ریاست کا کام آپ کے شانوں پر ہے۔ دنیا بھر کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

امتیاز۔ یہ تو درست نہیں ہے۔ البتہ بعض اہم معاملات میں نواب صاحب مشورہ کے لیے طلب فرما لیتے ہیں۔

نواب صاحب نے جب سے آپ کو مشورہ میں شریک فرمایا ہے ریاست کی حالت بدل گئی ہے۔ اس حسن انتظام کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔

امتیاز۔ یہ آپ سمجھتے کی محبت ہے کہ آپ ایسا فرماتے ہیں۔ درہ حقیقت یہ ہے کہ تمام امور میں نواب صاحب کی رائے صاحب ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ مشورہ سب سے لے لیتے ہیں۔ لیکن فیصلہ خود غور فرما کر کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی کے مشورے کو نہیں مانتے۔

خاور۔ آپ کے مشورے کو کیونکر ٹھال سکتے ہیں؟ اگر ٹالیں گے تو اپنا نقصان کریں گے۔

سرفراز۔ ایسے مشیر کسی کو کہاں ملتے ہیں؟ اور یہ نواب صاحب کی قدر دانی ہے کہ انھوں نے آپ کو منتخب کیا۔

امتیاز۔ قدر دانی نہیں، قدر افزائی ہے۔

اجمل۔ ہم نواب صاحب کی قابلیت کے اس دن سے قائل ہو گئے جس دن سے انھوں نے آپ کو منتخب کیا ہے۔

خاور۔ جی ہاں! حاکم کی قابلیت کا یہ کوئی معمولی ثبوت نہیں ہے کہ وہ صحیح مشیروں کا انتخاب کرے۔

سرفراز۔ غور فرمائیے نا کتنی ایسی ریاستیں ہیں جو دست بردوں کی کوتاہی یعنی سے خراب ہو رہی ہیں۔

اقتیاز۔ یہ آپ کا حن مل ہے کہ میرے متعلق ایب خیال کرتے ہیں۔

اجمل۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں آپ سے ایسی عقیدت ہے کہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔

سرفراز۔ آپ کے سامنے کیا عرض کر دوں۔ ہم نوجواں بھی بچھتے ہیں آپ کی تعریف کرتے ہیں اور ہم کیا دنیا

تعریف کرتی ہے۔

خاور۔ ہمارے یہ تو یہ امر بڑا افتخار کا سبب ہے کہ آپ کی خدمت میں ماریابی کا شرف حاصل ہے۔

سرفراز۔ اسی وجہ سے ہمیں یہ جرات ہوئی ہے کہ عیبات بھی سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض

کر دیں۔

اقتیاز۔ یہ عین نوازہ ہے کہ آپ حضرت اس قدر کرم فرماتے ہیں۔

اجمل۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے سعادت ہے۔

اقتیاز۔ آپ مجھے ناحق ترمزہ کرتے ہیں۔

سرفراز۔ اس وقت بھی حاضر ہونے کا ایک سبب تھا۔ اگر اجازت ہو تو عرض کیوں۔

اقتیاز۔ ضرور فرمائیے۔

خاور۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت گورنمنٹ اور ریاست کے مابین بعض اہم معاملات کے متعلق گفت و شنید

ہو رہی ہے۔

اقتیاز۔ جی ہاں ایسے علم میں ہے

خاور۔ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ اس وقت اس سلسلہ میں ذکیں کا تقریر جو عمل میں آئے گا اس میں

آپ ایک سفارش کریں۔

اقتیاز۔ کیا، فرمائیے، میرے امکان میں ہوگا تو میں کر دوں گا۔

خاور۔ ہماری خواہش ہے کہ اس جگہ اجمل صاحب مقرر ہو جائیں

سرفراز۔ بات یہ ہے کہ اس جگہ کے لیے ان سے زیادہ موزوں کوئی شخص مشکل سے ہی ملے گا۔

اجمل - مجھے اقسام کے کام میں کچھ تجربہ بھی ہے۔ اس سے پہلے ایک معاملہ میں جو تقریر سوا تھا۔ اس میں میں ذکیں کے مددگاروں میں سے تھا۔

امتیاز - ذرا غور کرنے کے بعد یہ معاملہ ایسا ہے جس میں نواب صاحب غالباً خود ہی تقرر کریں گے۔ در سفارش نہیں مانیں گے۔

اجمل - لیکن اگر آپ فرمائیں تو.....

امتیاز - میر خیال ہے کہ میرے کہنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

اجمل - لیکن اگر آپ سفارش کر دیں تو کیا مضائقہ ہے؟ اور اگر نواب صاحب نے آپ سے مشورہ طلب کیا؟

امتیاز - اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ امیدوار کون کون ہیں..... جب تک پُرے حالات معلوم نہ ہوں میں کیونکر رائے قائم کر سکتا ہوں۔

اجمل - ہمارے عقیدت مندی اور نیا مندی کا بھی تو کچھ خیال فرمائیے۔

امتیاز - مجھے آپ کی محبت کا کامل خیال ہے اور اگر آپ سے بہتر کوئی امیدوار نہ ہوتا تو میں ضرور کوشش کروں گا۔

اجمل - یہ تو آپ کی دیانت سے اس وقت بھی تو قہقہا جب کہ میں نیا مندی کا ثمر حاصل نہ بنا۔ اب نیا مندی کا بھی خیال فرمائیے۔

امتیاز - بہ خیال فرمائیے کہ یہ موقع ایسا ہے کہ ریاست کی بقا و بقا کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اپنے موقع پر ہم سب کو ذاتی اغراض سے کنارہ کش ہو کر مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔ میں یہ وعدہ کیونکر کر سکتا

ہوں کہ اگر یہ خدمت کوئی بہتر انجام دے سکتا ہو تو اس لئے تقریر کی سفارش نہیں کروں گا؟

اجمل - آپ خود تو اس کام کے لیے جانا نہیں چاہتے؟

امتیاز - جی نہیں۔

اجمل - کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جس سے آپ نے وعدہ کر لیا ہو؟

امتیاز۔ کوئی نہیں۔

سفرِ آرزو۔ تو پھر آپ یہ وعدہ فرمایا لیجئے کہ اگر کوئی امیدوار نہ عمل صاحب ہی کی قابلیت کا ہوا تو آپ انہیں ترجیح دیں گے۔

امتیاز۔ یقیناً اگر تمام امور میں یکسانیت ہوئی تو میں اپنے دوست کو ضرور ترجیح دوں گا۔
(افسر داخل ہوتا ہے)

کیوں؟ کیا مات ہے؟

افسر۔ حضور۔ ٹیلیفون پر افسر صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔

امتیاز۔ اچھا آتا ہوں۔ (افسر جاتا ہے)

(اپنے دماغ کی طرف دیکھ کر، اجازت ہے، ابھی حاضر ہوتا ہوں)

(جاتا ہے)

خاور۔ پوری طرح جی نہیں۔

سفرِ آرزو۔ مجھے تو اطمینان ہے۔

اجمل۔ کیونکہ؟

سفرِ آرزو۔ یہ خود جانا نہیں چاہتا اور نہ کسی اور دوست کو بھیجنا چاہتا ہوں لہذا آپ کے لیے یہی کیونکر کر سکتا ہوں۔

اجمل۔ اور اگر کوئی امیدوار ہوا؟

سفرِ آرزو۔ ہوا کرے! لیکن آپ جیسا امیدوار کہاں سے لے گا؟

اجمل۔ کہیں شاکر تو اس کے ذہن میں نہیں ہے؟

خاور۔ ممکن تو ہے۔

اجمل۔ بات یہ ہے کہ اس شخص میں اتنی عقل کہاں ہے کہ جھوٹ بول سکے؟ اگر شاکر ذہن میں ہونا

تو کہہ دیتا۔

خاور۔ اچی وہ بچہ، نا تجربہ کار، وہ کیا ذہن میں ہو سکتا ہے۔
اجمل۔ دشمن نتمول حقیر دے چارہ شمر د۔

خاور۔ پھر؟

اجمل۔ وہ جو تیرہ تھی کہ اس کے خلاف کچھ جادوی جائے۔

نہ فرار۔ کیا مضائقہ ہے

اجمل۔ تو رہے۔

خاور۔ بہت اچھا۔

(پافل کی آہٹ ہوتی ہے..... سب خاموش ہو جاتے

ہیں۔ اسنے میں اقتیاز داخل ہونے سے سب پھوٹے ہو جاتے ہیں،

اقتیاز۔ اشرفین رکھیے۔

(سب بیٹھ جاتے ہیں)

خاور۔ اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں۔

اقتیاز۔ فرمائیے۔

خاور۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو ناگوار گزرے۔

اقتیاز۔ نہیں ناگوار کیوں گزرے گا؟

خاور۔ محض اپنی عقیدت کی وجہ سے عرض کرتا ہوں۔

اقتیاز۔ اس قدر تمہید! کیا بات ہے؟

خاور۔ صاحبی اجمل صاحب اور سر فرار صاحب کی موجودگی میں شاکر صاحب کی باتوں سے ایسا مترشح ہونا

مخفا کہ انھیں آپ سے کچھ نزاکت ہے۔

اقتیاز۔ شاکر کو؟ شاکر کو شکایت ہو سکتی ہے؟

خاور۔ بجا ہے، آپ کو یقین آنا دشوار ہے۔ اس لیے کہ آپ نے ان پراسل نماز شیں کی ہیں..... لیکن

وہ تو بہت شاکی ہیں۔

انتیازہ مدحیرت سے، شاکئی؟ اس بات کے؟

سرفراز۔ آپ کے برتاؤ کے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی نخوت کا کئی ٹھکانا نہیں رہا اور آپ انسانیت سے

بیش نہیں آتے!

انتیازہ۔ حیرت ہے۔

خاور۔ کہتے تھے کہ جب تک ذیاب صاحب سے گاڑھی نہیں مھکتی تھی یہ حالت نہ بھتی۔ اب تو دلخ

عرش معلیٰ پر رہتا ہے۔

اجمل۔ وہ کسی بات پر بہت ہی ناراض تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی کام عرصہ سے اٹکا ہوا ہے

جو آپ نے نہیں کیا۔

انتیازہ۔ شاکر سے مجھے ایسی امید نہ تھی۔ میں ابھی معاملہ صحت کر لوں گا۔

خاور۔ اجی اس کی کیا ضرورت ہے۔ بعض اوقات انسان جذبات سے متاثر ہو کر کبھی کسی بات کو دیتا ہے جو

کسی مناسب نہیں ہوتی۔ بعد میں پشیمان ہوتا ہے، ایسی حالت میں پشیمان نہ کرنا چاہیے۔

انتیازہ۔ لیکن میں تو مصفاٹی کا قائل ہوں۔

اجمل۔ مصفاٹی میں عجلت مناسب نہیں ہوتی۔ ہم نے تو اس دجر سے عرض کر دیا کہ کہیں آپ غلطی میں ہی نہ ہیں۔

اور معاملہ خوار، خواہ بڑھ جائے۔

انتیازہ۔ یہ آپ کی عنایت ہے۔

اجمل۔ تو اچھا، اب تخفیف تصدیق!

انتیازہ۔ تشریف لے جاؤں گے؟

خاور۔ جی ہاں، اب تو اجازت ہی دیجیے۔

(سب کھڑے ہو جاتے ہیں)

اجمل۔ (مصافحہ کرتے ہوئے) یاد رکھیے گا!

انتیاز۔ سچی ہاں، جھلا بھول سکتا ہوں، (قادر اور مرقد از مصافحہ کرتے ہیں) آپ لوگ تو بہت دلوں میں کہیں آتے ہیں۔

اجمل۔ آپ کی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ حاضر نہیں ہو سکتے۔

انتیاز۔ ایسی کیا مصروفیت رہتی ہے۔ آیا کیجیے۔

اجمل۔ بہت اچھا۔ حاضر ہوا کریں گے۔ اب اجازت ہے۔

انتیاز۔ آداب عرض (سب آداب عرض کرتے ہیں اور جاتے ہیں) افسر (داخل ہوتا ہے)
(شکر صاحب کو ذرا بلانا)

افسر بہت اچھا؟ (وجاہت ہے)

(دو لمحہ میں شکر داخل ہوتا ہے۔ انتیاز تعذیر ایک رسالہ کی

درق گردانی کرتا ہے جو ایک طرف میز پر پڑا تھا)

شاکر۔ مجھے یاد فرمایا ہے؟

انتیاز۔ ہاں بیٹھ جاؤ (شاکر بیٹھ جاتا ہے)

شاکر تمہیں مجھ سے شکایت ہے؟

شاکر۔ آپ سے شکایت؟ مجھے آپ سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ کیا اس تمام محبت اور لوازش کے بعد

جو آپ نے ہمیشہ برتی ہے مجھے کوئی شکایت ہو سکتی ہے؟

انتیاز۔ بعض اوقات ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو ناگوار گذریں۔

شاکر۔ آپ کو یہ خیال کیونکر ہو گیا کہ مجھے شکایت ہے۔

انتیاز۔ تم نے کسی کے سامنے میری شکایت کی؟

شاکر۔ حاشا وکلا! آپ کی شکایت کسی کے سامنے؟ میں اس قدر کینہ منہیں ہوں۔

انتیاز۔ دو باتیں یاد رکھو اگر تمہیں اپنے کسی دوست سے شکایت ہو تو اس کے سامنے اس کا اظہار

کردو اور صفائی کر لو۔ اگر وہ شکایت کا برامانے تو دوستی کے قابل نہیں۔ اور اگر تم اپنے دل میں

بات رکھو اور اس سے صفائی کے ساتھ نہ کہہ دو تو تم دوستی کے قابل نہیں اور نہ دوستی قائم رہ سکتی ہے۔

شاکر۔ درست ہے، لیکن.....

انتیاز۔ ٹھہر جاؤ، ابھی میری دوستی باقی ہے..... اگر کسی دوست سے کوئی کٹا ہی ہو جائے تو یہ سمجھ لو کہ وہ معذور تھا، اگر دوست پر اعتماد نہ ہو تو دوستی فضول ہے۔

شاکر۔ سجا ارشاد ہوا۔ لیکن میرے دل میں نہ خدا گواہ ہے کہ آپ کے حالات کئی خیال ہی پیدا نہیں ہو اور جرت ہے کہ آپ کو یہ خیال کیونکر ہو گیا؟

انتیاز۔ مجھ سے چند لوگوں نے بیان کیا ہے کہ تم شاکر ہو!

شاکر۔ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ سب سزا تمام ہے کہ میں شاکر ہوں۔

انتیاز۔ مجھے یقین آ گیا۔ تم نے نہیں کہا۔

شاکر۔ وہ کون لوگ ہیں؟

انتیاز۔ یہ معلوم کرنے سے کیا فائدہ؟ خواہ مخواہ تلخی پیدا ہوگی۔

شاکر۔ (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) بتا دیجیے کیا مضائقہ ہے؟

انتیاز۔ کیا فائدہ؟ اگر کچھ فائدہ ہوتا تو بتا دیتا۔

شاکر۔ (اسی طرح) آپ کو یقین ہے کہ میں شاکر نہیں ہوں؟

انتیاز۔ ہاں یقین ہے (گلے سے نکالنا ہے) اب تو یقین آ گیا؟

شاکر۔ آپ کے کہنے کا مجھے ہمیشہ یقین ہے۔

انتیاز۔ مجھے تم پر کامل اعتماد ہے۔ اچھا جاؤ اپنا کام کرو۔

(شاکر جاتا ہے، اختر داخل ہوتا ہے)

انتیاز۔ کیوں؟ کیا بات ہے؟

افسر۔ حضور اختر صاحب تشریف لائے ہیں۔

امتیاز۔ بلکہ (افسر جاتا ہے امتیاز خود دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ اتنے میں اختر آجاتا ہے)

اختر۔ امتیاز (اختر کو خوبصورت کہہ سکتے ہیں، گول رنگ، ناک نقشہ درست، پستہ قد، لیکن آنکھیں چمکتی ہوئی۔ اور چہرے پر ایسے خطوط ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بالاکاغصہ در ہے۔ اور اگر کسی سے ایک مرتبہ ناراض ہو جائے تو بخشنے والا نہیں ہے۔ ہاتھوں کو عام طور پر آزاد نہیں لکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں کے میل کو دھو دھو کر چھڑا رہا ہے)

امتیاز۔ اختر (بڑھ کر صاف فخر کرنا ہے) آڑ بیٹھو۔ اختر بیٹھتا ہے) آنے سے پہلے ٹیلیفون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تمہیں بھی ذقت مقرر کرنے کی ضرورت ہے؟

اختر۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یہ وقت ایسا ہی ہے۔ شاید تم گھر پر نہ ہوتے۔

امتیاز۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اچھا کیا کہ معلوم کر دیا۔

اختر۔ بھئی اس ذقت تو میں ایک کام سے آیا ہوں، اور تم سے وہ کام بے تکلف کئے دیتا ہوں۔

امتیاز۔ ہاں مجھ سے تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

اختر۔ ریاست کا گورنمنٹ سے جو تعینہ ہے اس سلسلہ میں سنا ہے کہ کوئی ذکیل مقرر ہوگا۔

امتیاز۔ ہاں ہو گا تو!

اختر۔ میں اس جگہ مقرر ہونا چاہتا ہوں۔ تم یہ کام کر دو۔

امتیاز۔ مذہباً سچ کہنا اچھی بات ہے۔ میری رائے میں بھی تم سے زیادہ کوئی اور مناسب نہیں ہے۔ یہ کام

نہایت عقلمندی اور ہوشیاری کا ہے۔ اور تم اسے انجام دے سکتے ہو۔ نواب صاحب

سے ضرور ذکر کر دوں گا۔

اختر۔ ذکر کیا کرنا ہے۔ بس تم تو مجھے مقرر کرنا ہی دو۔

امتیاز۔ سبائی یہ درست ہے کہ نواب صاحب مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کہ وہ میرے

کنے پر ہی عمل کرتے ہیں۔ ان کی قیمت ازادی بہت قوی ہے۔ اور بعض اوقات وہ کسی کی نہیں مننے اس کے

علاوہ ان کی رسل اکثر درست بھی ہوتی ہے۔

اختر۔ تم تو اپنی ہی کوشش کرو!

افتیاز۔ مزد میں یقیناً کامل کوشش کروں گا اور مجھے ایسا ہے کہ نواب صاحب مان جائیں گے۔

اختر۔ بھئی۔ کام کرو تو بہت ہی اچھا کرو!

افتیاز۔ میں اپنی ہی پوری کوشش کروں گا۔

اختر۔ دکھڑا ہو جا لے (اچھا تو اب جاتا ہوں۔)

افتیاز۔ ایسی محبت کما ہے؟ چائے پی کر جاتا۔

اختر۔ نہیں بھئی۔ مجھے اندر جگہ بھی جانا ہے اور کسی سے ملاقات کر لوں۔

افتیاز۔ وزیر صاحب سے ملو اور دیکھو ایسے کامیوں سے جن سے نواب صاحب عام طور پر مشورہ کرتے ہیں

اختر۔ اچھا تو وقت خراب کرنا مناسب نہیں۔ تم تو پکے ہو تو؟

افتیاز۔ بسبب تم میرے دوست ہو، اور دوست بھی کیسے عزیز! اس کے علاوہ میں تمہیں ایماندار سے

اس کا اہل سمجھتا ہوں، اگر اہل نہ سمجھا ہوتا تو تم سے کہہ دیتا۔

اختر۔ اچھا، بھئی رخصت۔

افتیاز۔ اپنی کوششوں کے نتیجے سے اطلاع دینا۔

اختر۔ ہاں، ضرور (جاتا ہے)

(افسر داخل ہوتا ہے)

افسر۔ حضور، سگم صاحبہ فرماتی ہیں، چائے تیار ہے اور وہ منتظر ہیں۔

افتیاز۔ اچھی بات ہے۔ (جاتا ہے)

(افسر پیچھے پیچھے جاتا ہے، پردہ گر جاتا ہے)

دوسری مجلس

(وقت ساڑھے سات بجے تا ۹)

(ذہبی کمرہ سے جو پہلی مجلس میں نکلا، جس وقت پردہ اٹھتا ہے تو سلیمہ بھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے بہت کچھ داغ و رت ہے۔۔۔ اتنے میں باہر سے امتیاز کی آواز آتی ہے؛

آواز۔ میں اس وقت تھکا ہوا ہوں۔ حضور ہی دربار میں۔

(سلیمہ کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنے شوہر کے استقبالیہ کے لیے بڑھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے باوجود ان دونوں کی محبت میں خلی پیدا نہیں ہوئی ہے۔۔۔۔۔ امتیاز داخل ہوتا ہے اور بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے)

سلیمہ۔ بہت درگلی؟

امتیاز۔ ہاں ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں کہ مجھے دم دگمان بھی نہ تھا۔

سلیمہ۔ کیا؟ پچھڑ گیاں پیدا ہو گئیں؟

امتیاز۔ ہاں۔

سلیمہ۔ نواب صاحب نے کسے مقرر کیا؟

امتیاز۔ مجھے!

سلیمہ۔ تمہیں؟

امتیاز۔ ہاں مجھے!

سلیمہ۔ تمہارا تو بالکل نادرہ نہ تھا!

اقتیاز۔ خذہ برابر نہیں، لیکن مجبور ہو گیا!

سلیمہ۔ کیا ماجرا ہوا؟ تم نے تو اختر کی سفارش کی تھی؟

اقتیاز۔ کی تھی اور پوری طرح کی۔ لیکن نواب صاحب اگرچہ ان کی تالیقت کے معترف ہیں۔ لیکن انھیں اس کام کے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔

سلیمہ۔ تم نے انھیں بتایا کہ اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

اقتیاز۔ غلط فہمی کس قسم کی؟

سلیمہ۔ اختر سمجھیں گے کہ تم نے ان سے وعدہ کیا، اور پھر اپنا لقرار کرا دیا۔

اقتیاز۔ نہیں سلیمہ، تم اختر کو یہ نہیں جانتیں وہ ایسے تنگ خیال نہیں۔

سلیمہ۔ تم اختر کو اچھی طرح نہیں جانتے۔

اقتیاز۔ میں نے نواب صاحب سے ہر چند اپنی معذوری کا ذکر کیا۔ لیکن وہ مانتے ہی

نہیں..... ان کا خیال ہے کہ اگر میں نہیں گیا تو ریاست کی سمحت نقصان پہنچ جائے گا۔

سلیمہ۔ تمھارا خود کیا خیال ہے۔

اقتیاز۔ تمام صورت حال کو ایمان داری سے سمجھنے کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرا جانا

بہی بہتر ہو گا۔

سلیمہ۔ کیونکر؟

اقتیاز۔ میں صورت حال سے اس درجہ واقف ہوں جس قدر کہ خود نواب صاحب، اور اس کے علاوہ

جس افسر سے گفت و شنید ہوئی وہ مجھے جانتا ہے۔

سلیمہ۔ ذرا یہ تو خود کر لیکہ کہیں تمھاری خود غرضی تو درپردہ دھند گانہیں دے رہی ہے۔

اقتیاز۔ میں نے کافی غور کر لیا، اب مجھے اپنی کوئی خود غرضی نظر نہیں آئی۔ تم خود سوچو مجھے کیا فائدہ ہے؟ اور اگر

فائدہ نظر آتا تو میں خود پہلے سے کو مشورں کیوں نہ کرتا۔

سلیمہ۔ ان پر تو ٹھیک ہے، تمہارے جانے سے ریاست کو نائدہ پہنچنا نظر آتا ہے۔

انتیازہ۔ معلم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ نواب صاحب نے جس طرح تمام معاملہ پیش کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر میں نہ گیا تو ریاست کو نقصان پہنچے گا۔

سلیمہ۔ یہ سوچ لو کہ اختر سے بالکل بگڑتی ہے۔

انتیازہ۔ میں اختر کو ایسا نہیں سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ جب اختر کو تمام حالات کا علم ہو جائے گا تو وہ ناراض نہیں ہوں گے۔

سلیمہ۔ افسوس تم دونوں کی روش کو نہیں پہچانتے۔ تم جیسے خود ہو دیا ہی دوسروں کو سمجھتے ہو۔

انتیازہ۔ سلیمہ! تم کیسی باتیں کرتی ہو۔ نواب صاحبہ اختر کو ہرگز نہیں مقرر کریں گے۔ انھیں اس معاملہ میں ان پر اعتماد نہیں۔ اس کے علاوہ ریاست کا نائدہ اسی میں ہے کہ میں دکالت کا فرض انجام دوں۔ ایسی حالت میں اختر کو بڑا نہیں ماننا چاہیے۔

سلیمہ۔ نہیں چاہیے! لیکن چاہیے اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اختر کو ہرگز بڑا نہیں ماننا چاہیے! لیکن وہ بڑا مانیں گے۔

انتیازہ۔ اختر میں اتنی عقل ہے کہ وہ صورت حال کو سمجھ لیں اور بڑا نہ مانیں۔

سلیمہ۔ تم انہی شرافت سے ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہو۔ تم میں اتنی شرافت ہے کہ دوستوں پر اعتماد کرو۔ لیکن اختر میں اتنی شرافت نہیں ہے کہ وہ تم پر اعتماد کریں۔ وہ اسے تمہاری سازش کا نتیجہ سمجھیں گے۔

انتیازہ۔ سلیمہ! اختر میرے دوست ہیں، جب تک وہ میرے دوست ہیں میں انہیں کیڑے بھجنے کا مجاز نہیں ہوں۔

سلیمہ۔ میرا خیال ہے کہ تم افسوس کے حسن ظن سے بہت نقصان اٹھاؤ گے۔

انتیازہ۔ پھر میں کیا کروں؟ دوستوں پر اعتماد نہ کروں؟

سلیمہ۔ میں یہ نہیں کہتی، البتہ یہ ضرور کہتی ہوں کہ دوستوں کو یہ کہنے کی کوشش کرو۔ اختر تمہارے گھر سے

دوست سہی لیکن وہ بہت خود غرض آدمی ہیں، انھیں بہت جلد اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

اقتیاز۔ تم یہ کیونکر کہتی ہو؟

سلیمہ۔ انھوں نے حسرت کو آج تک نہیں بخشا۔ اگرچہ تم حسرت کو بے تصور سمجھتی ہو۔

اقتیاز۔ خیر، اب جو ہونا تھا ہو چکا۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط ہے۔ اختر کی طرف سے ایسی بدگمانی نہ کر دو۔

اختر (فصل ہوتا ہے)

اختر۔ سنو خاور صاحب ملنے آتے ہیں۔

سلیمہ۔ پھر تمہیں رہی سیاست نہ شروع ہو گئی میرا جاتی آؤں۔

(اختر کو بائیل ہاتھ کے دروازے سے جاتی ہے)

اقتیاز۔ بلا بلو (خاور جاتا ہے)۔ محنتی دیر میں خاور داخل ہوتا ہے)

خاور۔ السلام علیکم!

اقتیاز۔ وعلیکم سلام۔ تشریف رکھیے۔

خاور۔ مبارکیاد کے لیے حاضر ہوا تھا۔

اقتیاز۔ کیسی مبارکیاد؟

خاور۔ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے آپ کو وکیل مقرر کیا ہے

اقتیاز۔ یہ تو کوئی مبارکیاد کی بات نہیں ہے۔ میری خواہش تو یہ نہیں تھی کہ میں مقرر ہو جاؤں۔

خاور۔ نہیں سمجھا آپ کی خواہش کیا ہوئی اس سے آپ کی عزت افزائی نہیں بلکہ عمدے کی عزت افزائی ہے۔

اقتیاز۔ عزت افزائی کو ذکر تو فضول ہے۔ نہ میری عزت افزائی ہے نہ عمدہ کی البتہ نواب صاحب کے

اعتماد سے میری عزت افزائی ضرور ہوتی ہے۔

خاور۔ اس عمدے کے لیے آپ سے زیادہ اتنا سب کوئی شخص بھی نہ تھا۔ اہل صاحب سے بھی یہ فرض

انجام نہیں پاسکتا تھا۔

اقتیاز۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

خاورہ جناب ذکالت وہ بھی ایسے نازک موقع پر، اور اہل سماج و توبہ بھلا ان سے یہ کام ممکن تھا۔ یہ ریاست کی خوش قسمتی ہے کہ آپ نے یہ عمدہ قبول فرمایا۔

اقتیاز۔ آپ کی محنت ہے۔ اگرچہ دفعہ یہ ہے کہ میں اگر یہ نہ سمجھتا کہ میں اس کام کی بہتر انجام دے سکوں گا تو اس عمدے کو قبول نہ کرتا۔

خاورہ۔ بالکل سچا ہے۔ اگر آپ ریاست کا فائدہ نہ دیکھتے تو یہ دیال اپنے سر کیوں لیتے! اس سلسلے میں ایک گزارش میری بھی ہے۔ اگر ارشاد ہو تو عرض کر دوں۔

اقتیاز۔ ہاں، فرمائیے، ضرور۔

خاورہ۔ اگر آپ اس خادم کو اپنی ماتحتی میں لے چلتے تو بندہ پر وہی ہوتی۔

اقتیاز۔ اپنی ماتحتی میں؟ میرے ساتھ تو صرف ایک سیکرٹری جا رہا ہے۔

خاورہ۔ جی ہاں، میں سیکرٹری کی حیثیت سے جانا چاہتا ہوں۔

اقتیاز۔ مجھے اندس ہے کہ میں شاکر کا تقریر کر چکا ہوں۔

خاورہ۔ او، کے لیے کوئی اور جگہ نکال لیجیے۔

اقتیاز۔ میں نے عرض سے وعدہ کر رکھا تھا کہ موقع ملے ہی ان کے روزگار کی کوئی خدمت نکالوں گا۔ میں زائد میں

یہاں موقع آسانی سے نہیں ملتا۔ اگر کوئی اور جگہ ہوئی تو آپ کا خیال رکھوں گا۔

خاورہ۔ بات یہ تھی کہ میں آج کل بے روزگاری سے بہت پریشان تھا۔ اس وجہ سے عرض کیا۔

اقتیاز۔ مجھے اس کا احساس ہے۔ لیکن میں فی الحال مجبور ہوں۔ شاکر کی خدمت بھی کم نہیں ہے۔ وہ بھی

بے کاری سے تنگ ہیں۔

خاورہ۔ آپ کو اختیار ہے..... معاف کیجیے گا۔ آپ کا بہت وقت خراب کیا۔

اقتیاز۔ نہیں، کچھ معاف نہ نہیں، مجھے اندس ہے کہ خدمت نہ کر سکا۔

خاورہ۔ آداب عرض۔

اقتیاز۔ آذیب مرض ہے۔ (خادر جاتا ہے)

(اکرم داخل ہوتا ہے، گھبرایا ہوا، پریشان اور غصہ کی

حالت میں، لباس بھی درست نہیں)

اکرم۔ اب بغاوت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ معاملہ درست ہو جائے لیکن نہیں ہوتا۔

اقتیاز۔ کوئی تازہ واردات؟

اکرم۔ تازہ واردات؟ میں نے سنا ہے کہ مجھے قتل کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔

اقتیاز۔ تمہیں قتل کرنے کی؟ کس سے سنا؟

اکرم۔ ایک آدمی ہو۔ ساری دنیا کی زبان پر یہی چرچا ہے۔ سنا ہے کہ سازش پوری ہو چکی ہے۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا کہ آپ بھی اس میں شریک ہیں۔ لیکن مجھے یقین نہیں آیا۔ پھر حقیقت واضح ہو گئی کہ آپ کو میاں سے بھیجا ہی اس لیے جارہا ہے کہ آپ کی عدم موجودگی میں میرا کام تمام کر دیا جائے۔

اقتیاز۔ تمہارا خیال غلط ہے۔ مجھے نواب صاحب کے خیالات کا پورا علم ہے۔ ان کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ تمہیں قتل کرایا جائے۔ وہ معاملہ فہم ہیں اور اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم سے کتنا ہی عتا دسی لیکن تمہیں قتل کرانے سے نقصان ہی نقصان ہے۔

اکرم۔ نہیں۔ آپ اپنی شرافت کی درجہ سے ایسا حُسنِ ظن رکھتے ہیں۔ درنہ میری اطلاع درست ہے۔ خود ایسے لوگوں سے مجھے تک پہنچی ہے جو آپ کے دوست ہیں۔

اقتیاز۔ تمہاری اطلاع غلط ہے۔ اگر تم خود نواب صاحب سے مل کر غلط فہمیاں دور کر لو تو صحیح ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ تمہیں خطرناک سمجھتے ہیں۔ لیکن تمہیں خواہ مخواہ نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ اگر تمہارا رویہ بائبل جائے تو وہ بھی بدگمانی چھوڑ دیں گے۔

اکرم۔ اصل میں آپ تو کسی کی طرف سے باطن ہوتے ہی نہیں۔ اس کا کیا علاج ہے۔ درنہ میں حالات

کو اچھی طرح جانتا ہوں.....

اقتیاز تم میرے کنبے سے مان جاؤ اور کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ تمہیں احد ریاست کو نقصان پہنچے..... مجھے
ملت دو میں اس معاملہ کو سلجھا دوں گا۔

اکرم صاحبی بات ہے، میں ابھی خاموش رہتا ہوں۔ لیکن جان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی لگے ہوتی
ہے تو عزت۔ یہاں جان اور عزت دونوں خطرے میں، لہذا اگر آپ کی عدم موجودگی میں کوئی صورت
پیش آئی تو پھر جو کچھ بھی ہو مجھ سے جو ہر گاہ کہہ کر دوں گا۔

اقتیاز۔ لیکن کسی کام میں عجلت نہ کرنا..... اگر خواہ مخواہ سنی ستانی باتوں پر یقین کر کے کسی مصیبت میں
بتلا ہو گئے تو ناحق نقصان اٹھاؤ گے۔

اکرم۔ اچھی بات ہے، اس وقت خاموش رہیں۔

اقتیاز۔ ہاں جا کر اطمینان سے رہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔
(اکرم جاتا ہے، افسر داخل ہوتا ہے)

افسر۔ حضور سر فراز صاحب دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔

اقتیاز۔ انہیں بھی بھیج دو

(سر فراز داخل ہوتا ہے)

آئیے تشریف رکھیے (بیٹھنا ہے) کیونکہ تکلیف کی؟

سر فراز۔ بارگاہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اچھا ہوا۔ اجمل صاحب مقرر ہو جانے تو کام پوری طرح انجام
نہیں پاتا اور خطی واقع ہوتی۔

اقتیاز۔ (حیرت سے) لیکن آپ تو اجمل صاحب کی اس قدر سفارش کر رہے تھے اند اُن کے ساتھ
اُٹے تھے۔

سر فراز۔ کیا مومن کیوں پکڑ لائے۔ انسان دو قسم میں مجید ہو جاتا ہے۔ اولیٰ بھی بات تو یہ ہے کہ وہ میرے
صوت میں۔ مگر تمہیں دکالت سے کیا واسطہ تھا؟ سارا بنا بنایا کام بگڑ جاتا۔

اعتیاز۔ مہرزاد صاحب میں تو اس کا قائل ہوں کہ انسان جو کچھ کسی کے منہ پر کہے وہی اس کے پیٹھ پیچھے بھی کہے۔

مجھے یہ بہت بُرا لگتا ہے کہ منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ!

مہرزاد جی ہاں! یہ ہے تو درست۔ لیکن آپ جانتے ہیں اس کا نام دنیا ہے۔ یہ ایمانداروں کا ساتھ نہیں

دیتی۔ اس میں کچھ نہ کچھ کلاری سے ہی کام نکالنا پڑتا ہے۔

اعتیاز۔ دنیا میں ایمان داری سے بھی کام نکل سکتا ہے۔

مہرزاد۔ جی ہاں نکلتا ہو گا۔ میں نے ایمانداری کو کامیاب ہوتے کم دیکھا ہے۔

اعتیاز۔ اگ میں آپ کے کھنے سے اجل صاحب کا تقرر کر دیتا تو کتنا نقصان پہنچتا۔

مہرزاد میں نے جب سفارش کی تھی تو یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ آپ اس پر عمل کریں گے۔ اس لیے کہ مجھے آپ

کی عقل منسی پر کمال یقین تھا۔ میں تو صرف اجل صاحب کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ اگ میں آپ کو اس نغدہ پر

ادوم دم شناس نہ سمجھتا تو ہرگز سفارش نہ کرتا۔

اعتیاز۔ شکریہ! لیکن بعض اوقات انسان اپنی رائے کو دوستوں کی رائے کا پابند بھی کر دیتا ہے..... خیر مبارکباد

کا شکریہ! اگرچہ میں نے صرف فرض شناسی سے مجبور ہو کر اس حملے کو قبول کیا ہے لہذا میں واپسی

و دھابت کے خیال کو مطلق ذیل نہیں ہے۔

مہرزاد۔ جناب ہو سکتا تھا! آپ اور ذاتی دھابت کا خیال!۔ دونوں میں تضاد ہے۔ آپ کب

تشریح لے جائیں گے؟

اعتیاز۔ کل صبح کو۔

مہرزاد۔ تو پھر آپ کا زیادہ وقت غائب کرنا نہیں چاہتا..... بس ایک امر قابل گزارش ہے۔ اجازت ہو

تو عرض کر دے!

اعتیاز۔ ضرور، نہایت بے تکلفی سے!

مہرزاد۔ آپ کو علم ہے کہ میرا ایک چھاپہ خانہ ہے۔ جو ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے۔

اعتیاز۔ جی ہاں، معلوم ہے، میری بعض کتابیں بھی پھسی ہیں۔

سفرِ باز۔ یہ گناہوں سے بچنے کا اور بارگاہِ حلالِ خدا ہے۔

اقتیاز۔ میں نے اس عرصہ میں کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

سفرِ باز۔ جی نہیں میری گزارش یہ تھی کہ ریاست کا کچھ کام مجھے مل جاتا منہایت درمائی ہوگی۔

اقتیاز۔ لیکن میں تو کل یہاں سے جا رہا ہوں۔

سفرِ باز۔ آپ کا ایک سفارشی خط کافی ہوگا۔

اقتیاز۔ میرا خط۔ کس کے نام؟

سفرِ باز۔ ملازمہ نام کے نام۔

اقتیاز۔ اچھی بات ہے۔ میں لکھ دوں گا کہ آپ کے چھاپے خانے کو بھی کبھی کام مل جایا کرے۔

سفرِ باز۔ حکمیر، مجھ پر تو آپ نے اتنے احسان کیے ہیں کہ میں بیان بھی نہیں کر سکتا۔ اجازت چاہتا

ہوں۔ آدابِ عرض۔

اقتیاز۔ آدابِ عرض۔

(ابھی سفرِ باز نے بھی نہیں پایا کہ اختر داخل ہوتا ہے)

اختر۔ دریں صاحب آدابِ عرض۔

اقتیاز۔ اختر بیٹھ جاؤ، میں تمام صورت حال تمہیں سمجھا دوں تاکہ تمہارے دل میں کوئی غلط فہمی

نہ رہے۔

اختر۔ غلط فہمی! میرے دل میں کیا غلط فہمی ہو سکتی ہے؟

اقتیاز۔ (جو اختر کے مقصد کو غلط سمجھتا ہے) یہ تمہاری شرافت ہے کہ تمہیں مجھ پر اس قدر اعتماد ہے۔

مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔

اختر۔ (جو اب غصہ کو ضبط نہیں کر سکتا) ہاں شرافت! میری شرافت پر اعتماد! کامل تمہیں اپنی شرافت

پر بھی اعتماد ہوتا!

اقتیاز۔ (زہی سے) مجھے اپنی شرافت پر بھی اعتماد ہے۔ تم ذرا می سے تمام معاملہ تو سن لو!

امتیاز۔ آخر تم ذرا غصہ کو کم کر دو تو معاملہ کو سمجھ جائے۔

اختر۔ (نہایت تیزی سے) بس میں سمجھ گیا تھے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمھاری عادت سے اھی طرح واقف ہو گیا۔

امتیاز۔ جو حقیقت تھی وہ میں نے بے کم و کاست بیان کر دی۔ اگر تم ایک ذریعہ دوست اور یہی خواہ کے متعلق بدگمانی سے باز نہیں آسکتے۔ تو یہ میری قسمت ہے۔

اختر۔ جی ہاں، بد قسمتی ہے..... دینے کا بد قسمتی ہے۔ اس کا تمہیں اس وقت احساس نہیں ہے۔ لیکن انشاء اللہ ہو جائے گا..... کرا دیا جائے گا۔ دھوکے بازوں کو ان کی دعا بازی کا ضرور انعام ملنا چاہیے۔

امتیاز۔ میں اس کے جواب میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا تمہیں غصے کے بھوت سے نجات دلائے۔

اختر۔ غصے کا بھوت! یہ غصے کا بھوت نہیں ہے، یہ فریب اور مکاری کو کہیں گوارا تک پہنچانے کا جذبہ ہے۔

امتیاز۔ (دق دق سے) نشوونما نصیب دشمن کو نشوونما تیرا!

تم دوستوں کی سلامت کہ تو خیر آرمائی

اختر نہایت غصہ سے امتیاز کو دیکھتا ہے اور باہر چلا

جاتا ہے۔ امتیاز تھوڑی دیر تک بہوت بیٹھا رہتا

ہے۔ پھنٹوری دیر میں سلیمہ آتی ہے،

سلیمہ۔ میں ہلار کے کمرے میں بٹھی۔

امتیاز۔ یہ شخص دیوانہ ہے؟ غصے کی کیفی، انشا نہیں!

سلیمہ۔ میں نے ہزار بار کہا کہ تم اپنی شرافت سے دوسروں کی طبیعت کا اندازہ لگانا چاہتے ہو۔

امتیاز۔ گرتے پھرنے کی کیا ضرورت تھی۔

سلیمہ۔ جب کسی پست حوصلہ اور تنگ نظر انسان کو کوئی مایوسی ہوتی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

یاد میں لکھ کر برداشت کرنے کے لیے بھی بلند ہمتی کی ضرورت ہے۔

اقتیاز۔ جب غصہ کم ہوگا تو آخر کو افسوس ہوگا۔

سلیمہ۔ غلط! اس شخص کو تم نہیں جانتے۔ جتنا وقت گزرے گا اس کی نفرت زیادہ ہوتی جائے گی۔

اقتیاز۔ وقت گزرنے پر غصہ دھیمہ پڑ جائے گا۔

سلیمہ۔ اس شخص کے دل میں کہنے کی آگ زیادہ تیزی کے ساتھ بجھتی جائے گی۔ اس نے تمہیں دھمکی دی ہے، تم اسے مذاق نہ سمجھو۔

اقتیاز۔ لیکن وہ میرا دوست ہے۔

سلیمہ۔ اسی وجہ سے اس کے دل میں دشمنی کی آگ اور تیز ہو گئی۔ وہ غیر کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن تمہیں معاف نہ کرے گا۔ اس لیے کہ وہ تم پر اپنا حق سمجھتا ہے۔

اقتیاز۔ اس کا کچھ علاج ہے؟

سلیمہ۔ میرے نزدیک کچھ نہیں..... تم اپنی تلافی سے علاج کرنا چاہو گے اور اس کا مزاج بدتر ہوتا جائے گا..... خیر دیر ہو گئی چلو کھانا کھاؤ۔

اقتیاز۔ چلو۔ (سلیمہ جاتی ہے)

افسر!

(افسر داخل ہون ہے)

صبح کی کاشمی سے حاصل کیا۔ اسباب تیار رہے۔ بس نر، پندرہ بیس دن کے لیے کپڑے، کتلیں
میں خود رکھ لیں گا۔

افسر۔ بہت اچھا حضور!

(اقتیاز جاتا ہے)

(پیرہہ گرتا ہے)

تیسری مجلس

(تقریباً پندرہ دن کے بعد، وقت بعد غروب آفتاب)

(ایک ایسا کمرہ ہے جو بیظاہر ذرا لمحالہ معلوم ہوتا ہے۔ یا اسے دفتر کتنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اس لیے کہ اگرچہ محض ڈیڑھی سی کتابیں موجود ہیں لیکن نہ اتنی کہ مالک مکان پر زیادہ پڑھنے کا شہیہ ہو۔ میز، کرسی، کما غلات اور دفتر کے دوسرے لوازم موجود ہیں۔ ایک آرام کرسی اور دو چار اور کرسیاں پڑھی میں..... کمرے کا سامان خاصہ ہے۔ لیکن اس میں نفاست نہیں ہے۔ اس کا یہ سبب نہیں کہ مالک مکان نے روپیہ نہیں خرچ کیا ہے۔ بلکہ یہ سبب ہے کہ اس میں ذوق سلیم کا فقدان ہے..... کتابوں کی انماری ایک گینتہ میں ہے۔ میز وسط میں، اور کرسیاں بغیر ترتیب کے اور ڈھڑھ پڑھی ہیں..... اس کمرے میں اختر جو صاحب خانہ ہے اور اجمل غل جلتے ہیں،

اختر۔ بھئی مجھے چکنی چڑھی باتیں تو آتی نہیں۔ اگر چکنی چڑھی باتیں سننی ہوں تو اس کے لیے اتنا زہا صاحب مریز کیا ہیں..... میں تو صاف صاف کتابوں پر ہی بات لگے تو میرے منہ پر کہہ دیتا۔

اجمل۔ (بی آپ نے کس کا ذکر کیا!

اختر۔ (خود میز کے سامنے بیٹھتا ہے اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے، بھئی بیٹھ جاؤ..... تم بھی، سنا ہے کہ اتنا زہا صاحب کی عیاری کے زخم خوردہ ہو جاؤ۔

اجمل بی ہاں مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے دیکھیں مقرر کرائیں گے اور پھر حضرت خود بن بیٹھے۔

اختر۔ (اب مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا..... دنیا اسے نیک سمجھتی ہے۔ لیکن ایک ہی دن میں ایک ہی

زبان سے وعدے دیوں سے وعدہ کیا۔

اجمل - اجی - کاری کا بادشاہ ہے۔ ہزاروں تھوٹے مرے ہوں گے تب یہ پیلا ہوا تھا۔
 اختر - اور پھر بھتی ان کی کسی پیدی ہونی تو درکنار، ہزاروں سال تک اور تھوٹا پیدا ہونے کی
 گنجائش باقی نہیں رہی..... پھر؟

ع - حییت یارانِ طریقت بعد ازین تدبیرا

اجمل - مجھ سے تو آپ جو کچھ کہیں اس کے لیے تیار ہوں!

اختر - کہنا آسان ہے..... کہنا مشکل!

اجمل - کہہ کر تو دیکھیے..... کہہ دھائیں کیا!

اختر - بہت مشکل ہے اہل صاحبِ بہت مشکل۔ بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ انتقام لینا آسان کام نہیں۔

اجمل - انتقام؟ لیکن کیسا انتقام؟ یعنی کس قسم کا انتقام، کس طرح؟ میرے ذہن میں تو کوئی طریقہ نہیں

آتا..... وہ میرے پاس کسی لوگروں کی سفارش کرانے سے آیا۔ اس دعا کے علاوہ کہ خدا سے نجات کھائے۔

میں کیا کر سکتا ہوں۔

اختر - دعا؟ اجی دعا سے کیا ہوتا ہے! جب بوڑھی عورتوں سے کچھ من نہیں بڑتی تو بد دعا دیتی ہیں۔

جنگِ طرابلس میں مسلمانوں نے بہت دعا مانگی تھی کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں۔ خیر انتقام اس

پر منحصر ہے کہ تم کس حد تک نالازن ہو..... اگر تمہیں واقعی ایسے شخص کے خلاف غصہ ہے جس نے دیرت بن کر

تمہیں نقصان پہنچایا تو تم انتقام لے سکتے ہو اور ابھی طرح انتقام لے سکتے ہو۔

اجمل - میں تیار ہوں..... طریقہ بتاؤ۔

اختر - تم قسم کھاؤ کہ تمہیں جو تدبیر بتائی جائے گی اس کا کسی حال میں کسی دوسرے سے ذکر نہ کرو گے۔

اجمل - میں قسم کھاتا ہوں۔

اختر - رائے کہ لہاری کی طرف جاتا ہے اور ایک کتاب اٹھا لیتا ہے، یہ قرآن ہے..... اسے

ہاتھ میں لے کر تم کھاؤ۔

اجمل - (ہاتھ میں قرآن لے کر) میں قسم کھاتا ہوں۔

اختر۔ اس قسم کے بعد تم میرے سببائی ہو۔

(مصفاخ کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اجمل مصفاخہ کرتا ہے)

اجمل۔ آج سے ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اس شخص کا اقتدار ختم ہو جائے۔

(خاور داخل ہوتا ہے)

خاور۔ اجمل کی طرف اشارہ کرتے، ٹھیک ہیں؟

اختر۔ ہاں کیوں نہیں! کیا اب بھی وہ لوگ جنہیں اس بد معاش نے نقصان پہنچایا ہے متحدہ نہ ہوں گے۔

خاور۔ مبارک ہو..... پھر گیا ہے، معرکہ جیت لیا ہے۔

(لتے ہیں مہر فرزند داخل ہوتا ہے)

مہر فرزند۔ سیمہ کس یہ؟ بل صاحب ایسے بھولے ہیں کہ خدا کی بناہ! بڑی شکلوں سے مانے ہیں.....

اختر۔ سادہ اب تک ان کا خیال ہے کہ انتقام دشوار ہے.....

مہر فرزند۔ جناب ارادہ قوی چاہیے۔ سب ممکن ہے۔

اختر۔ رشتہ اللہ ایسا بنچا دکھائے کہ یاد رکھے، اتحاد و عمل کی ضرورت ہے (خاور کی طرف دیکھ کر، ڈاک سے کچھ ہاتھ لگا؟

خاور۔ ہاں ایک خط اکرم کے نام!

اختر۔ کھول کر پڑھا؟

خاور۔ نہیں (دفاغہ نکال کر) نو پڑھو۔

(اختر اٹھ کر لیٹ سپرٹ لیمپ لائٹنگ اور ایک بتنی میں پانی..... لیمپ کو روشن کر کے اس پر پانی رکھنا

ہے.....) میں نے یہ خط بڑی مشکل سے اڑایا ہے.....! اتنا زاد اکرم کی بہت گارنٹی چھنتی ہے..... اکرم

نوب صاحب کا دشمن ہے۔ اگر اتنا زیادہ لکھ سکتا ہے تو اسی کو لکھ سکتا ہے۔

مہر فرزند۔ خیال تو ٹھیک ہے لیکن ذرا مشکل ہی ہے کہ کچھ نواب صاحب کے خلاف لکھے بہت جالاک آدمی ہے!

پھر بھی ممکن ہے لکھ دیا ہو۔

ہاں اسی وجہ سے تو ہم نے چٹھی رساں سے مل کر یہ انتظام کیا ہے۔ کہ جس خط کی مر سے معلوم ہو کہ

امتیاز کے پاس سے آیا ہے۔ اسے ہم دیکھ لیں۔

شاید کوئی کام کی چیز مل جائے

ابچ کی طرف دیکھ کر بائی لوجہ ہو گیا (خط کو مہربان کے اوپر رکھتا ہے۔ حضورؐ می درمیں گوندنوم پڑجاتا ہے۔۔۔ خط اُٹھواں ہے) (پڑھتا ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہارا خط کیا حالت کو چرندہ تر تشریح ہوئی۔ اس وجہ سے نہیں کہ واقعی یہ سمجھتا ہوں کہ تم خط پر یہ جملہ کس وجہ سے تم کو خط کے حقیقی نہ سمجھ لو اور اس کے ذرا کی کوشش نہ کرو ظاہر ہے کہ بعض خط کے ذرا میں عزت کے بدتر پتے کا بتین ہے۔ اس لیے تم صبر سے کام لو اور محبت نہ کرو۔ لود ب۔ جب کو نقصان پہنچانے کی کوشش رہے۔ اور اسے نقصان کا اثر ہو تو بھی پیشقدمی کے طور پر کوئی تدبیر لیں، اختیار سلی جہر سے تعبیر نقصان کا اندیشہ زیادہ ہو جائے۔ اس لیے میری گزارش ہے کہ تم نہایت احتیاط، برداشت اور صبر سے کام لو۔ خواہ تم خواہ ہر فراہ کو سمجھ نہ سکو۔ بلکہ دوسروں کو اس میں بالعموم بے بنیاد ہوتی ہیں اس لیے اس سے کو

مہربانی سمجھو۔ والسلام
تمہارا مخلص
امتیاز

بے کار! یہ شخص ایسا مکار ہے کہ دل کی بات منہ سے کہے گا۔

خاور۔ اور کیسے کا بھی تو صاف مان کیا کیسے کا نام نہ تھا کہ اس نے جھپٹہ نہ پڑا کوئی طریقہ نکالا ہے۔
نہ ہزار کیا ہو سکتا ہے؟

خاور۔ شاید کہ وہ جو کہنے اس کا مطلب الٹا سمجھا جائے۔

انٹرن۔ اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو ہمیں کیا فائدہ۔ تم تو نواب جب پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ شخص ان کا دشمن ہے۔

خاور۔ ہاں اس سے تو کام نہیں چلے گا کہ ہر چیز کے معنی الٹے ہی سمجھا لے جائیں۔

سفر ہزار۔ خط ذرا مجھے دینا۔

اختر - خط دیتا ہے، دیکھو کوئی صورت نکلتی ہے ؟

سرفراز - (خط کو غور سے پڑھو کہس خط میں تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن میں اگر اس میں ادنیٰ نصرت سے نہر پیدا کر دوں تو قائل ہو جاؤ گے ؟

اختر - لیکن تم کیا کرو گے ؟

سرفراز - پہلے مٹھائی کھلاؤ..... اور پھر وہ یہ خرچ ہو گا۔

اختر - کچھ تو بتاؤ..... کیونکر کریں گے

سرفراز - نہایت آسان ہے۔ اس خط کا ڈیڑے لے کر بلاک بنانا ہمیں..... لائن بلاک ہو گا۔

اختر - پھر ؟

سرفراز - فقہ فقہ مٹوایا جائے گا اور بعض الفاظ علیحدہ کر لیے جائیں گے۔ بعض الفاظ کے بلاک زیادہ مٹوایے

جائیں گے اور پھر ان سب کو ترتیب دے کر ایسا مضمون پیدا کر دیا جائے گا جو بہت نہر ملا ہو.....

اجمل - کیونکر ؟

سرفراز - دیکھو یہ مضمون بن سکتا ہے سنو !

برادرہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تمنا ملاحظہ آیا، عادت کو بڑھ کر نشوونما ہوئی۔ میں واقعی یہ سمجھتا ہوں کہ تم خطرے میں ہو۔

اختر - ”اس وجہ سے نہیں بلکہ“ کہاں گیا ؟

سرفراز - مذکورہ بلاک کے ٹکڑوں کو اٹھایا سے کارٹ کر دوبارہ کمپوز کیا جائے گا ؟

اختر - شاباش، چلو، آگے چلو۔

سرفراز - پڑھتا ہے تم خطرے کو فرضی نہ سمجھ لو اور دفاع کی کوشش نہ کرو۔

اجمل - حقیقی کی جگہ فرضی، کہاں سے آگیا۔

سرفراز - میں کمپوزنگ کی خوبی، آگے فرضی کا لفظ ہے۔ یہاں سے حقیقی نکال کر فرضی نکا دیا گیا۔

خاور - بھئی کمال ہے۔

سفرِ فرار۔ (آگے پڑھتا ہے) ظاہر ہے کہ حالات بدتر ہونے کا یقین ہے اس لیے تم صبر سے کام نہ لو اور عجلت کرو۔
 اختر۔ ٹھیک ہے "فرضی خطرے کے دفاع میں" اڑ گیا اور منہ "عجلت کے بعد سے اٹھ کر" کام کے بعد لگ گیا۔
 سفرِ فرار۔ (آگے پڑھتا ہے) نواب صاحب کہ نقصان پہنچانے کی کوشش ضروری ہے۔
 خاور۔ ضروری کہاں سے لادو گے؟

سفرِ فرار۔ بہت دور سے لایا ہوں..... خط کے اخیر میں ہے!
 اختر۔ اچھا آگے چلو۔

سفرِ فرار۔ (پڑھتا ہے) اور اگر کسی نقصان کا اندیشہ بھی ہو تو بھی پیش قدمی کے طور پر تدبیر اختیار کرنی احتیاط ہے
 میری درخواست ہے کہ ہر افواہ کو بے بنیاد نہ سمجھ لو بلکہ یاد رکھو کہ نوابیہ بالعموم صحیح ہوتی ہیں اس مشورے کو ضروری سمجھو۔
 دستِ سلام
 تمہارا مخلص

انسیانہ

اختر۔ میں نقصان میں ذرا پھیر پڑھتا۔

سفرِ فرار اچھا (پڑھتا ہے) (اختر کہتا ہے)

برادرِ اسلام علیکم درحمتہ اللہ

تمہارا خط آیا، حالات کو پڑھ کر تشویش ہوئی۔ میں واقعی یہ سمجھتا ہوں کہ تم خطرے میں پونہ خطرے کو فرضی نہ
 سمجھ لو اور دفاع کی کوشش کرو ظاہر ہے کہ حالات بدتر ہونے کا یقین ہے۔ اس لیے تم صبر سے کام نہ لو اور عجلت کرو نواب
 صاحب کہ نقصان پہنچانے کی کوشش ضروری ہے اور اگر کسی نقصان کا اندیشہ بھی ہو تو بھی پیش قدمی کے طور پر تدبیر اختیار
 کرنی احتیاط ہے میری درخواست ہے کہ ہر افواہ کو بے بنیاد نہ سمجھ لو بلکہ یاد رکھو کہ نوابیہ بالعموم صحیح ہوتی ہیں اس مشورے
 کو ضروری سمجھو۔ دستِ سلام
 تمہارا مخلص

انسیانہ

اجمل۔ صبحی میں تمہارے دفاع کی تعریف کرتا ہوں۔

خاور اسکال تو یہ ہے کہ باہر کا ایک لفظ بھی سنیں۔ سب لفظ خط ہی میں سے نکالے ہیں۔

اجمل - اور سارا خط اس طرح امتیاز کے خط میں ہو گا۔

سرفراز - لیکن یہ کام آسان نہیں..... بڑی دیدہ ریزی کی ضرورت ہے۔ بلاک کی سطح پر لٹی۔ پھر فغول کو الگ کرنا اور پھر جوڑ کر چھاپنا مذاق نہیں ہے۔ پہلے تو اس خط کا فوٹو لیا جائے گا۔ پھر بلاک بنے گا۔ پھر وہ کٹے گا۔ اور دوبارہ کمپوز ہو گا اور اس سے خط چھاپ کر اس کی تصدیق جلیجی اور پھر نیا بلاک بنے گا۔ یہ کام خود تیار ہے اور اس کے لیے روپیہ چاہئے۔

اختر - تم روپے کی پڑھا... کام شروع کر دو، کیا خرچ ہو گا؟

سرفراز - لیٹاٹری کا کام ہے۔ نانا بھی خاصہ خرچ ہوتا۔ اب تو اس کام سے جس جس کا بھی تعلق ہے، وہ رشتہ مانگے گا۔ اور دینی پڑے گی۔ کچھ نہیں تب بھی کم از کم دو ہزار روپے تو ہوں۔

اختر - دو ہزار؟ دو ہزار تو بہت ہیں؟

سرفراز - جناب کچھ بھی نہیں..... پانچ چھ آدمیوں کے ہاتھ سے کام نکلے گا۔ دو سو روپے تو رشوت کے ہیں۔ اور پھر غلو، بیل تو آپ کے خاوم ہیں۔ لیکن یہ کام نقطہ پر ہے اس کا نہیں ہے۔ اس میں تو کوئی آدمی شریک ہوں گے۔ اس کا منہ بند کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر شخص خود نہایت آسانی سے بے ایمانی کر لیتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنا ضمیر دوسرے کے ہاتھ میں چتا ہے تو اچھی قیمت مانگتا ہے۔

اجمل - ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ دو ہزار اس کام کے لیے زیادہ نہیں ہیں۔

خاور - (اختر سے) اور دو ہزار سے زیادہ تو آپ پیرا کریں گے..... امتیاز کے بعد وکالت کے لیے آپ سے زیادہ کلن موزوں ہو گا۔

اختر - ایک دفعہ کاٹھی ایسی کیا آسنی ہوگی؟ امتیاز تو تنخواہ بھی نہیں لے رہا ہے، میں بھی بے تنخواہ کے کام کر دوں گا۔

خاور - جناب کیا فرماتے ہیں کیا گورنمنٹ سے امتیاز کو رشوت نہ ملتی ہوگی؟ ان کاموں میں تو گھر بھر جاتے ہیں۔

اجمل - ہاں یہ کام ہے کرنے کے قابل۔ اس خط کی تصویر ہر اخبار میں ہو!

سرفراز - نہیں، ہرگز نہیں، امتیاز کو تو یہ تردید کا موقع ہی نہ دینا چاہیے.....

اجمل - تردید کیا کرے گا؟ اس کی مانے گا کلن؟

اختر - اس سے اگر کم کا بھی خاتمہ ہے۔

م جہ خوش بود کہ بر آید یک کہ شتمہ دوداد

خاورہ۔ در جناب والا، شاگرد بھی رفو چکر، لوگوں کی تنعم، خوشامدکہ حاصل مل جائے گا۔ اب تو مصحفہ درت کرنا پڑے گا۔

چہ خوش بود کہ بر آید یک کہ شتمہ۔ سرکار

اجمل۔ بس لڑے تے۔۔۔۔۔ (سرفراز سے) کتنا حرمہ لگے گا۔

سرفراز۔ تین چار دن۔

اختر۔ در خوشی سے اپنے ہاتھوں کو اسی طرح مٹتا ہے۔ جس کا ذکر یہ ہے کہ ہے بس کام بن گیا، امتیاز کو تو قدر و قیمت

معلوم ہو جائے گی۔ انتقام کس قدر خوش نکھار ہے۔

سرفراز۔ اچھا، میں تو جانا ہوں۔ در یہ مناسب نہیں ہے۔

اختر۔ ہاں بھئی جاؤ۔

سرفراز۔ آداب عرض (جاتا ہے)

اختر۔ (داعلیٰ سے) جتنی کچھ نہ سمجھتے تھے تبھی بیٹا جاتے۔

اجمل۔ ہاں، اس شرط پر کہ آہ داروہ ہو تو میں بھی شہریب ہوں۔

اختر۔ ہاں، خور

اجمل۔ اچھی بات ہے دے دوں گا۔ کس قدر؟

اختر۔ جتنے کے حصہ دار بنو۔۔۔۔۔ اصداف؟

اجمل۔ اتنا نہیں ہے۔ پانچ سو کا انتظام کر کے دل کا۔

اختر۔ تو جاؤ، انتظام کرو۔

اجمل۔ اچھا۔ (جاتا ہے)

اختر۔ یہ بے وقتہ اجمل، بالکل احمق ہے۔

خاورہ۔ محض گدھا، ایسا نہ ہو کہ پھپٹ پڑے!

اختر۔ نہیں اسی لیے شریک کر لیا ہے۔ یہ بھی ناواض ہے امتیاز سے، بہت ہی خفا ہے۔ اس لیے ڈاروہ کھانا چاہیے۔

اختر۔ خاور میں تمہیں اپنا سکرٹری بناؤں گا
 خاور۔ یہ آپ کی مہربانی ہے۔۔۔۔۔
 اختر۔ لیکن تمہیں اس کے لیے کام کرنا پڑے گا۔
 خاور۔ میں حاضر ہوں۔
 اختر۔ تم میرے منافع میں شریک رہو گے۔
 خاور۔ آپ کے حکم کا مطیع رہوں گا
 اختر۔ تو مجھے تم کو ایک بہت بڑا کام کرنا پڑے گا
 خاور۔ میں حاضر ہوں۔
 اختر۔ انعام بڑا ہو گا، اور کام بھی بڑا۔
 خاور۔ میں بھی تیار ہوں۔
 اختر۔ (پھر وہی قرآن لانا ہے تو قسم کھاؤ
 خاور۔ قرآن کو ہاتھ میں لے کر میں قسم کھاتا ہوں!
 اختر۔ ممکن ہے یہاں کوئی آجائے۔ چلو براہر کے کمرے میں چلیے۔
 خاور۔ چلیے۔

(دو لوں جاتے ہیں)

(پمدہ)

چوتھی مجلس

پہلا نظارہ

(وقت دس بجے شب)

(ایک خرابگاہ ہے، مغربی وضع سے آسانہ کپڑے ٹانگنے کی الماریاں کپڑے رکھنے کی درازیں پلنگ، چھوٹی میز ایک آرام کرسی اور دو ایک کرسیاں قرینے سے جچی ہوئی ہیں۔ جس وقت پردہ اٹھتا ہے تو ناظرین کو چار پائی اور دو کرسیاں قریب نظر آتی ہیں..... آرام کرسی پر اس وقت انبیاز سونے کا لباس پہنے بیٹھا ہے اور ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے..... دروازے پر کوئی دستک دیتا ہے)

انبیاز:۔ آجاؤ۔

(شاکر داخل ہوتا ہے..... ہاتھ میں ایک اخبار ہے اور کسی قدر پریشان نظر آتا ہے)

کہو؟ کیا بات ہے۔

شاکر:۔ جناب آپ نے یہ اخبار ملاحظہ فرمایا

انبیاز:۔ کون سا اخبار؟

شاکر:۔ ہمدرد ریاست

انبیاز:۔ نہیں، وطن کے اخبارات پلٹھنے کا موقع نہیں ملا کوئی خاص بات ہے۔

شاکر:۔ جی ہاں، ملاحظہ فرمائیے (اخبار دیتا ہے)

(یہ آپ کے خط کا ترجمہ ہے)

انبیاز:۔ (غور سے پڑھتا ہے، اور ذرا سیرانی کے بعد) جعل سازی، پکی جعل سازی ہیں نے یہ خط اکرم کو برگز

نہیں لکھا..... میرے خط کے مضمون کو بالکل مستح کر دیا گیا ہے لیکن ہر نقطہ میرے ہی خط کا ہے۔

ذرا سوچ کر زیادہ بہتر ہوگا کہ آپ عطاسی وقت لگو لیں اور کسی کو گیارہ بجے کی ڈاک سے بھیج دیا جائے۔

اقتیازو۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟

شاکرہ۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے دشمنوں نے ڈاک اور تار والوں سے سازش کی ہے۔ اور آپ کے خط کو ڈاک سے اٹایا گیا ہے۔

اقتیازو۔ بہت ممکن ہے۔

شاکرہ۔ اس لیے ضروری ہے کہ تار دور ڈاک پر اعتبار نہ کیا جائے۔ بلکہ اپنا آدمی بھیجا جائے۔

اقتیازو۔ مناسب ہے کسی کو بھیج دو..... لیکن یہ حرکت کی کس نے؟ اس فقیر بھروسہ کی کس کو ضرورت تھی۔

شاکرہ۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت آپ کے دوست اختر کی ہے۔

اقتیازو۔ اختر کی؟ اختر اس قدر کینہ نہیں ہیں اور انھوں نے میرے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ ان کا دل

صاف ہے۔ وہ اب انھیں کوئی شکایت نہیں ہے

شاکرہ۔ آپ کو ان کی طرف سے بہت حسن ظن ہے..... لیکن ان کے علاوہ کسی کی حرکت نہیں ہو سکتی

..... مجھے یقین ہے کہ اگر سرفراز کے مطبع کی تلاشی لی جائے تو تمام جعل کھل جائے۔

اقتیازو۔ سرفراز کے چھاپے خانے کی؟ تمہارا خیال ہے کہ سرفراز بھی اس میں شریک ہے۔

شاکرہ۔ سرفراز اور اختر کا دوستانہ ہے اور یہ جعل بغیر مطبع کی مدد کے بن نہیں سکتا۔ یہ جعل ساز اپنے

آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہیں۔ وہ اتنے ہوشیار نہیں کہ پکڑنے میں نہ آئیں۔

اقتیازو۔ تم ناواقف شبہ کرتے ہو۔ مانا کہ چھاپہ خانہ شامل ہے۔ لیکن یہ کیوں ثابت ہو کہ سرفراز ہی کا چھاپہ خانہ

اس جعل کا ذمہ دار ہے۔ وہ مجھ سے کیوں ناراض ہوگا!

شاکرہ۔ آپ کو کیا معلوم اور دنیا کی تمام ناراہنگیاں صرف مغفول ہی نہیں ہوتی ہیں۔ زیادہ تر دنیا کا مینا

سے ناراض ہوتی ہے..... جب تک کوئی شخص ترقی نہیں کرتا تو سب کا دوست بنتا ہے۔ دنیا میں آگے بڑھنا ہی کتنا ہے

اقتیازو۔ تم ایسی باتیں نہ کرو..... دنیا میں ہی جگہ نہیں ہے۔ نہ دنیا والے ایسے کہتے ہیں..... تم معاملہ کو

پولیس پر چھوڑ دو۔ وہ جسے قصور وار سمجھے گی گرفتار کر لے گی۔ اس کے علاوہ یہ معاملہ اس خدا ہم نہیں ہے

تم جاؤ آدمی کو تیاری کا حکم دے دو۔ میں خط لکھ رکھوں گا ٹھوڑی دیر میں لے جاؤ۔
 شاکر! آپ اس پر ضرور زور دیجئے کہ سرفراز کے چھاپے خانے کی تلاشی لی جائے۔
 افتیاز! میں ایسا نہیں کر سکتا!
 شاکر! اس سے سخت نقصان پہنچے گا۔
 افتیاز! پہنچا کرے۔ لیکن میں کسی دوست پر شبہ نہیں کر سکتا۔
 (شاکر مایوسی کے ساتھ افتیاز کی طرف دیکھتا ہے اور جاتا ہے)
 (پروہ گرتا ہے)

دوسرا نظارہ

(وقت اسی رات کو بارہ بجے)

ادوی کروہے جو پہلے نظارہ میں تھا۔۔۔۔۔ لیکن تاریکی ہے۔ ہم اس وقت کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ خلاسی درمیں نکلیں
تاریکی کی عادی ہوجائیں گی اور گندھی ہول کی آوازیں کی مدد سے کو ذرا سا نیکر دیا جائیگا تاکہ ہم اچھ لڑکے دیکھ سکیں کہ کیا ہوا ہے۔ اس وقت
ہم دیکھ سکیں گے کہ کیا آرام سے سو رہا ہے۔۔۔۔۔ ذرا سی ٹیڑھیں دروازہ کھلتے ہیں اور اس میں ایک شخص داخل ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ میں
ایک مودال ہے اور وہ اس کے پیچھے اس کی انگلیوں کے نشان ڈنگ مہا ٹیکسی چیز کو ہمیں چھو تا۔ روال سے پڑتا ہے۔ دروازہ وہ اس سے
خاموشی سے بند کر دیتا ہے کہ مطلق آواز نہیں ہوتی۔ اور پھر اسے نکل کر دیتا ہے۔ اور دروازے سے قفل کی کچھ اس کے پاس ہے۔ یہ قفل
دروازے میں پوسٹ ہے جیسا کہ خبری دروازوں میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور اندر باہر دونوں طرف سے بند ہو سکتا ہے جو کہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے
اور پٹی جیب سے ایک مودال آؤٹری دکھاتا ہے قفل کی دروازہ کھلتا ہے اور پہلے اس کی بولا تیار کر دیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ
مالکیا تیرپ لے جاتا ہے۔ اور ٹیڑھی اور تک نہ رہ سکتا ہے ایسا معلوم ہوا ہے جیسے ڈاکٹر کسی مریض کو کھڑو کا نام لگھا رہا ہو۔ جب اسے قفل
آجاتا ہے کہ تیار ہوجاؤں ہو گیا تو جیسے دیکھتی ہی دکھاتا ہے اور اس کی دوا امتیاز کا مگر کھول ڈال دیتا ہے اور پھر ناک پڑھتا ہے تاکہ امتیاز نہ
سے خاص لینے پڑھو جو۔۔۔۔۔ جب اسے قفل ہوجاتا ہے کہ امتیاز کے ہاتھ میں وہ آؤٹری آؤٹ وہ دوسری ٹیڑھی کو مینز پر رکھ دیتا ہے اور یہی ٹیڑھی اور
روال کو جیب میں رکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک تیلی ڈو جیب میں سے نکالتا ہے۔ دروازے امتیاز کی لانگلی میں بانہ دھرتا ہے اور
اس کا ہراساں دروازے کی اوپر کی کھڑکی میں سے باہر پھینک دیتا ہے۔ پھر دروازے کو آہستہ سے کھول کر باہر نیکھتا ہے جب قفل
ہوجاتا ہے کہ کوئی شخص تو تھا ہرگز ہوتا ہے اور دروازہ آہستہ سے بند کر دیتا ہے۔ ٹیڑھی درمیں دیکھیں کہ کبھی جس سے اس آدمی نے
سے دروازہ بند کیا تھا اور پھر چستی ہوئی آتی چاند بکے بکے جھنکوں سے امتیاز کی لانگلی ہلکے ہلکے جاتی ہے۔۔۔۔۔ اگر اس وقت کوئی وقت
دروازے کے کھڑکی کھڑکی پر روشنی ڈالے اور کوئی سبب نہیں کہ ڈر لیا پیش کہ نیولے (اسا کہ جس) تو ہمیں کھڑکی میں سے قائل پھر نظر
آئے۔ لا جس کے سر پر لٹیم کہ اس کا مقلد ہے جو پھر سے پرہیت آجاتی ہے اور جسے یورپ کے کھڑو انکاب ہرا کے وقت اکثر ہمیں لیتے
ہیں تاکہ انھیں کوئی چھان نہ سکے۔۔۔۔۔ جب قائل کو قفل میں ہوجاتا ہے کہ کبھی امتیاز کے بیگ پر سچ گئی ہے تو اس کا پھر کھڑکی سے کھاجو جاتا ہے
اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کھڑکی میں کھڑا کر وہ اچھی سے عطا ہو گئی اور اس کے بعد وہ کھینچ لی گئی۔۔۔۔۔ کہ جسے ہم پھر درمی موت ہے جو پہلے تھا۔ لیکن یہ
سکوت موت کی خاموشی ہے!

پانچویں مجلس

(وقت پانچ دن کے بعد دس بجے صبح)

دکوتوالی کا براہِ نمبر ہے، جس میں کوتوال اور محرم موجود ہیں۔۔۔۔۔ ایک بڑی میز بائیں چکر کریاں، ایک بچی، میز پر کاغذات اور روزنامہ جوں کا شمار۔۔۔۔۔ یہ اس کمرے کا سامان ہے۔ پولیس کے کمرے میں جیسا جیسا سامان موجود ہوتا ہے ویسا ہی اس کمرے میں بھی ہے۔۔۔۔۔ کوتوال وردی پہنے صدر میں میٹھا بے اور محرم واپس ہاتھ کی طرف، جس وقت پردہ اٹھتا ہے تو ایک سپاہی سر فراز کو ہتھکڑی پہنانے داخل ہوتا ہے۔)

کوتوال :- (کڑی کی طرف اشارہ کر کے) بیٹو جانے سر فراز بیٹھ جاتا ہے، زیادہ اچھا ہے کہ اب تمام معاملے کو قبول کر لیجئے۔۔۔۔۔ جیسا نے سے کیا نام لہ؟

سر فراز :- آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس طرح بے جا درست میں رکھنے کے آپ ذمہ دار ہیں۔
کوتوال :- ہاں میں ذمہ دار ہوں۔۔۔۔۔ اپنی ذمہ داری پکا کر رہا ہوں، آپ کے دوست چھی رسالے تمام معاملہ اگل دیا۔
سر فراز :- وہ کیا جانتا ہے، وہ کیا اگل سکتا ہے؟

کوتوال :- ناؤ لوگ رفتار کر گیا۔ اس لیے کہ اس نے ہی چھی رسالے سے خط حاصل کیا تھا۔
سر فراز :- ایک ایسے خط کا حاصل کرنا اور شائع کر دینا جو ریاست اور مفاد عامہ کے خلاف ہو کوئی جرم نہیں ہے۔
کوتوال :- کوئی جرم نہیں، بالکل درست ہے۔۔۔۔۔ لیکن اگر جعل ثابت ہوتا ہو اور وہ اس لیے کہ ایک ذمی مرتبہ اور دیانت دار کارکن کو نقصان پہنچایا جائے تو؟

سر فراز :- جعل؟ جعل کیسا؟

کوتوال :- اصل یہ نہیں تھا جو شائع کیا گیا ہے؟

سر فراز :- کیوں کر؟ پھر ہلاک کیسے بن گیا؟

کوتوال :- ہلاک جس طرح بنا ہے میں معلوم ہے۔ تلاشی سے اصل ہلاک کے ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ تم نے خط

اور اس کی تصویر کو تلف کر دیا۔ لیکن بلاک کے ٹکڑے تلف نہیں ہونے پائے تھے کہ ہم نے گودھا کر لیا۔

سرفراز:۔ خدار ہے، بیان، رشوت کھاگئے اور کام پورا نہ کیا۔ نمک ترام۔

کوٹوال:۔ ہاں، ٹھیک ہے، نوکروں کی کوتاہی

سرفراز:۔ تو پھر (سوچنے لگتا ہے)

کوٹوال:۔ کیا خیال آیا؟

سرفراز:۔ (دیکھا) اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو چھاپہ خانہ میں کام کرتے ہیں۔

کوٹوال:۔ جموٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے..... خاورد قبول کر چکا ہے تم اور اختر اس معاملے میں شریک ہو.....

اس کے علاوہ بد بھروسہ کی شہادت موجود ہے کہ خط ہا کر اختر نے دیا اور تم ساتھ تھے۔

سرفراز:۔ اگر تمام معاملہ حل گیا ہے تو پھر مزید تحقیقات کی ضرورت کیا ہے،

کوٹوال:۔ یہ ضرورت نہیں معلوم ہو جاتی کہ قصور کھانا زیادہ ہے یا اختر کا؟

سرفراز:۔ میرا با اختر کا؟ اختر نے سب کچھ کر لیا ہے، میں تو اکڑ کا رہا۔

کوٹوال:۔ اور خاورد؟ خط تو وہ لایا تھا۔

سرفراز:۔ اختر کے اشارے سے۔

کوٹوال:۔ (بلند آواز سے) کوئی ہے؟ (سیاہی آتا ہے اور سلام کر رہا ہے)

کوٹوال:۔ اختر اور خاورد کو لاؤ۔ (سیاہی ہاتھ ہے)

کوٹوال:۔ اور اس میں کون شریک تھا؟

سرفراز:۔ روپیہ ادا کیا گیا ہے، اجمل نے دیا تھا۔

کوٹوال:۔ اچھا، یہ حضرت اب تک بچے ہوئے ہیں..... روپیہ کیوں کر دیا تھا۔

سرفراز:۔ اختر کے نام پر ایک تھمہ

کوٹوال:۔ اچھا تو یہ حضرت بھی بیٹھے۔ (سیاہی اختر اور خاورد کو لایا ہے)

کوٹوال:۔ مقدمہ سب دونوں کے خلاف تیار ہے..... جعل سازی اور اس میں مددگار۔

اخترا: میرٹ خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے..... جب عدالت میں مقدمہ چلے گا تو دیکھ لوں گا۔
کوٹوال: یہ ثبوت ہے کہ تم نے سرفراز کو روپیہ دیا..... جس دن اس خط کی اشاعت ہوئی ہے۔ اس سے تین دن پہلے۔
اخترا: روپیہ دینا کوئی جرم تو نہیں ہے.....
کوٹوال: نہیں، لیکن جب روپیہ جعل بنانے کے لیے دیا جائے تو نسر و جرم ہے۔
اخترا: میں نے قرض دیا تھا۔
کوٹوال: قرض اگر دیا تھا تو کوئی دستاویز؟ رسید؟
اخترا: اگر تم اتنے سے ثبوت میں مقناہہ چلانا چاہتے ہو تو عدالت میں معلوم ہو جائے گا۔
کوٹوال: تم ایڈیٹر "ہمدرد ریاست" کے پاس اس خط کی اشاعت کے لیے گئے تھے؟
اخترا: ہاں ایسا فرض سمجھ کر گیا تھا۔
کوٹوال: ٹھیک ہے، اچھا فرض ادا کیا کریا ست کے ایک بھی خواہ کو بہ نام کیا۔ یہاں تک کہ اس نے خودکشی کر لی۔
سرفراز: اجیرت سے، اتیانہ نے خودکشی کر لی۔
کوٹوال: یہاں اتیانہ اپنے کمرے میں مردہ پائے گئے۔ انھوں نے کمرہ اندر سے منتقل کر لیا۔ اور پیکر ایسڈ لگا کر خودکشی کر لی۔
 ایک شاکر داخل ہوتا ہے،

شاکر: اچھا موجود ہیں؟
کوٹوال: شاکر صاحب، کیا بات ہے؟
شاکر: (خاور کی طرف اشارہ کر کے) اس شخص نے اتیانہ صاحب کو قتل کیا ہے۔
خاور: (زرور پڑھتا ہے) میں نے؟
شاکر: ہاں، تم نے!
خاور: ثبوت؟
شاکر: ثبوت یہ کہ تم قتل کی سات لوگ کہاں تھے؟
خاور: اس سے مطلب؟

شاکر داس سے یہ طلب کہ تم نے قتل کیا۔ اس کا ثبوت موجود ہے کہ تم قتل کرنے کے لیے جہاں سے ایک رات لوگے اور قتل کے دوسرے دن جہاں آگے۔

خاورہ: میں کام سے گیا تھا۔

شاکر: رات کے پونے بار بجے تم اپنے ہوٹل سے اتنا زرا صاحب کے ہوٹل کی طرف گئے۔ وہاں سوائے تمہیں ہوٹل سے نکلنے دیکھا گیا اور تم نے دریاں کے کنارے تمہیں مجھ سے کام تھا.....

خاورہ: میں تباہی صاحب سے ملتا تھا۔

شاکر: جمبوٹ میں لڑکے کرتے تھے اور رات کو لوٹے یہاں سے سوچئے تھے، ہاں نے دستک کی اور ناک نہیں بنی، اگرچہ میں برادر کے سر میں تھا۔ اور اتفاق سے صاف رہا تھا۔ کبھی نے ان سے باتیں نہیں کیں۔ اسکے علاوہ تمہیں جلتے ہو کر رات کے بار بجے کے بعد ان سے نہیں مل سکتے تھے۔

خاورہ: دریاں مجھ سے پہچانتا..... اس نے میرا نام کہہ کر بتایا:

شاکر: اس نے تمہارا امید بتایا..... اور اس کی تفسیر میں تمہارے ہوٹل سے ہوئی۔

خاورہ: افسوس پر وہ ناش ہو گیا، استراب کیا ہوگا۔

انتہرہ: میں کیا جانوں؟

خاورہ: بدعاش تو نے ہی تو مجھ سے گفت کر رہا۔

انتہرہ: جمبوٹ!

یاد رکھو کہ یہ کتاب سندھم نے تحریر کی ہے۔ اور تمہارا نام کتاب میں درج ہے۔ وہ ایسے جس سے انکار کو قتل کیا گیا۔

کو تو مال صاحب، جس نے تمام ثبوت مرتب کر سائے..... مہزموں کی ہم موجودگی میں بیان کر رہا گا۔

انتہرہ: کم بخت! اب وہ لے بیٹے کی بجائے پھانسی پر لٹکے گا

تم بہ حال وہاں ہی میرے سر پر ہی ہوئے..... ساتھ ہی لٹکے گئے۔

(انتہرہ: تم نے اس دل گرفتہ کا بچ لوبا تھا..... اب درخت بڑھ کر سایہ دار ہو گیا ہے۔ اس کے نیچے

آرام سے سو..... اتنا ہار کو تو ٹھلا چکے اب تمہاری اور تمہارے دوست کی بادی ہے۔

انکار

مجتبیٰ حسین



گوروار

مولوی سراسر ب

بشیر ، ایک بزرگ

عالی ، ایدہ تعلیم یافتہ جوان ، بشیر ، دوست

نہیر ، مولوی صاحب کی لڑک

بشارت ، مولوی حسرت کے لڑکے ، انہ جانے والا ایک آدمی ۔

پڑی

دوسرے آدمی



پہلا منظر

(مولوی صاحب کی ٹھیک سانسے تخت ہے جس پر سفید چادر بھی بولی ہے اور گاؤں کے لگا ہوا ہے تخت کے سانسے ایک بڑا سا اگلے دان ہے۔ تخت کے دونوں طرف پرانے قسم کے مرٹھے رکھے ہوئے ہیں۔ دو ایک نئی کرسیاں تخت سے بالکل لگی ہوئی رکھی ہیں۔ دیوار پر کچھ کتبے لکھے ہیں۔ ایک اسلامی کتبہ ہے، جو مرٹھے پر دو حاجت مندر قسم کے آڑی بیٹھے ہوئے ہیں۔ حاجت مندی ان کے پیروں سے ظاہر ہوتے ہوئے ہیں۔ چالیس بیسالیس سال ایک آسن ٹیپا ہوا ہے۔ شیروانی زیب ہنس اور زیب کیپ زیب رہے۔ جیسے پہلا لکی دور عیاشی کے زمانہ میں تھی۔ سب جنات مولوی صاحب کی آڈ کے منتظر ہیں)

مورٹھے پر بیٹھا ہوا آدمی : (اپنے پاس کے دوسرے آدمی سے) کچھ معلوم ہے جناب مولوی صاحب کب برا آئے ہوں گے ؟

دوسرا آدمی : صاحب کچھ نہیں جانتا میں آج یہاں پہلی بار آیا ہوں۔

(کسی دوسرے آدمی سے گریٹ نکالتا ہے۔ اور دعوت آمیز

یہ سلف سے بیٹھے لگتا ہے)

پہلا : (دوسرے آدمی سے) آپ یہاں کبھی کام سے آئے ہوئے ہیں ؟

دوسرا : (اللہ میں خفیہ سا طنز ہے) جی ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے۔

پہلا : اجنب کو رنج سے دیکھتے ہوئے : "علوم تو میری قربا ہے ؛ یعنی !
دوسرا : میں یہ آپ کے پاس میں عرض کرنا سکتا۔

ا (کسی پر بیٹھا ہوا آدمی مسکرا رہا ہے۔ پہلا آدمی کچھ بے حسی سے منہ مٹوس

کرتا ہے ، دیکھتے ہوئے کہ کچھ مخاطب ہوتا ہے)

پہلا : جی ہاں ! مجھے تو کام ہے۔ مولوی صاحب۔ ایک سفارشی جمعہ لینا ہے (ایک گز شوالہ اٹل فیکٹری کی ایک
جلد خالی ہے۔ یہی کے لیے نوشتہ کر رہا ہوں) — آپ کو معلوم ہے یہ فیکٹری کہاں ہے ؟
دوسرا : مجھے تو معلوم نہیں ہے — مولوی صاحب کو معلوم ہوگی۔

پہلا : (اُسی ماہ وہی ہے) اب دیکھئے لو بھون کا مولوی صاحب سے (پیرزادہ کو مخاطب ہوتا ہے) فیکٹری
کا مالک انگریز ہے۔ اسی کے نام چلے لینا ہے۔ — آپ کا کیا خیال ہے۔ مناسب ہے یا نہیں۔
دوسرا آدمی اس کو اس سے تقریباً اٹکھتا ہے)

دوسرا : بہت مناسب ہے۔

پہلا : سنا ہے۔ مولوی صاحب انگریزی بہت بھی جانتے ہیں۔
دوسرا : میرا خیال ہے آپ عربی میں چلے لکھو کر لے جائیے۔

ا (کسی پر بیٹھا ہوا آدمی مسکراتا ہے)

پہلا : مگر خیاب۔ عربی وہ انگریز کا جانے۔ آپ کا کیا خیال ہے ؟

دوسرا : میرا خیال ہے۔ انگریزوں سے بہتر عربی کون نہیں جانتا — !

پہلا : واقعی — ! ہر وقت ہے اور اب تو انھیں یہاں عربی سکھانی ہی پڑے گی۔ گفتگو ابھی ختم ہو جاتی مگر
وہ پھر چڑھتا دیتا) اور کوئی جگہ ہے آپ کی نظر میں ؟

دوسرا : فی الحال تو کوئی ہے۔

ا یوں جواب دیتا ہے گویا ابھی تک مختلف جگہوں کے پاس ہیں

گفتگو ہوتی تھی۔ کسی پر بیٹھا ہوا آدمی دوسری سگڑ جھٹکا ہے)

پہلا : اگر موثر خیال رکھیگا (سج کر) ہنگر آپ سے ملاقات کلاں ہوگی ؟

دوسرا : ایسی کا بیاد ممبر لیزر ہو چکا ہے (پچھلے مولوی صاحب کے یہاں۔

پہلا : آپ یہاں لفظ کہتے ہیں ؟

دوسرا : اتنا کھڑا ہوتا ہے (جی ہاں ! اب لفظ آکا کون کا (نصابت موزا بہ طور پر اس سے کتا ہے) اچھا تو

اب اجازت عطا فرمائیے۔

پہلا : (تعجب سے) مگر مولوی صاحب تو آپ سے ہی نہیں۔

دوسرا : بس ہو چکی ملاقات۔ آج اتنی ہی کافی تھی۔

(چلا جاتا ہے)

(مولوی صاحب کا نوکر اقدیس حقہ لیے برآمد ہوتا ہے۔ پہلا

اڈی تعظیماً کھڑا ہوتا ہے)

گرمی پر بیٹھا ہوا آدمی : (ملازم سے مخاطب ہوتا ہے) فوج مولوی صاحب کے کہہ دو۔ بشارت آ رہی ہے۔

(پہلا آدمی پھر بیٹھ جاتا ہے)

ملازم : ایسی کتابوں بشارت میاں

(وہ چلا جا رہا ہے وہ وادی اور آتے ہیں۔ نوکر اقدیس

میں نامداں لے کر ہوئے آتا ہے — بشارت میاں

پر پچھتے ہیں)

بشارت : کیوں کہہ دو ؟

ملازم : جی ! بس وہ اٹھ چکے ہیں پینک سے۔

(ملازم دوبارہ اپس جانے لگتا ہے کہ مولوی صاحب براہ راست

چیں۔ ملازم پر وہ شاکا ہے)

مولوی صاحب : (نذر دار لہجہ میں) السلام علیکم ! بشارت کر دیکھ کر (آغا بشارت میاں۔ کئی دنوں بعد

دکھائی دینے، کہاں ہے مجھ کو اتنے دنوں بھی تمہارا توکل بڑا انتظار مانا اور بے غیرت ہے؟

بشکارت: وہاں کا فرض ہے۔ آپ لوگوں سے فرمت یا اس تو کچھ عرض کروں گا۔

مولوی صاحب: (پیلے آدمی سے مخاطب ہوتے ہیں) آپ نے کیسے زحمت کشائی؟

پہلا آدمی: حضور! وہ مثلاً آئی فیکٹری میں ایک جگہ خالی ہے۔۔۔۔۔ میں غریب مہاجر ہوں حضور۔ آپ

اگر توجہ دلائیں میرا مطلب ہے۔ اگر سناؤ تو میں بھی کھڑے ہوں اور جاتا ہے۔ میرے بیٹے دعا میں گئے

آپ کو حضور۔۔۔۔۔ آج ذرا۔۔۔۔۔ جہاں جاتے ہیں وہاں حضور۔۔۔۔۔

مولوی صاحب: مگر ہمیں خیرہ و لاں دن ماننا ہے۔۔۔۔۔ میں کیسے لکھوں؟

پہلا آدمی: حضور! آپ کو تو ساری دنیا جانتی ہے۔۔۔۔۔ فیکٹری کا افسر انگریز ہے۔ حضور! کچھ چٹھی

مولوی صاحب: انگریز ہے۔۔۔۔۔

پہلا آدمی: انکو حضور! آپ کی بیٹی شہزادی ہے۔ خیرہ تو کرے۔۔۔۔۔

مولوی صاحب: انگریز افسر ہے تو کسی انگریز سے خیرہ کھو لینے۔ مولوی بیادوں کو وہ کیا جانے

(بشکارت کا کٹھن لگاتے ہیں)

پہلا آدمی: حضور! پاکستان کا تاج پور آپ کو جانتا ہے۔۔۔۔۔ آپ کا ایک لفظ کافی ہے۔۔۔۔۔ حضور۔۔۔۔۔

ان بگ انگریز کو خدا کھنے میں کوئی اعتراض ہوتا

مولوی صاحب: اعتراض جیسا کیا ہو سکتا! میری ذات سے اگر کسی مسلمان کا فائدہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ تو

مجھ تو بندہ کے پاس خط لکھنے میں کوئی غلہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ انگریز تو یہ بھی دہن کرتا ہے۔

۔۔۔۔۔ ٹیکوٹ آپ ۲۰۰ شریف لائیں تو اعلیٰ مسلمان سے نصوٹا ہے۔۔۔۔۔ دیکھئے آج

لوگوں کی طرف اتارہ کرتے ہیں

پہلا آدمی: (گھڑے ہو کر) ضرور حاضر ہوں گا حضور۔۔۔۔۔ جو آپ سنا کر یہ سمجھیں۔ سلام علیکم

(مولانا زریب جواب دیتے ہیں)

ادہ جاتا ہے۔ مولوی صاحب اب لکھنؤ سے مخاطب ہوتے ہیں

مولوی صاحب : آپ حضرت کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں ؟

ایک آدمی : میں نجس مہاجرین کا ٹیکڑی ————— مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلے میں ہزاروں دشواریاں
 اٹھے دن پیش آتی رہتی ہیں ————— آپ کی امداد اس معاملہ میں درکار ہے ————— مہاجرین
 کے واسطے ————— آپ کو تو مسلم ہی ہوگا ————— کوئی خاص انتظام نہیں ہو سکا —————
 آپ کی توجہ کے بغیر یہ کام نہیں نکلتا۔

مولوی صاحب : احنفہ کا آپ کس گائے ہیں۔ جہاں کی یہ توجہ فرمائی آپ نے، مگر نہ واری ہے کس اور۔
 ————— ہر حکمت کو کھنڈہ ترین مفاد میں سمجھا جا رہا ہے ————— مگر اس امر خاص میں کھنڈہ
 آپ تو اس سے بھی عرض کر رہے (احنفہ کا ایک اور گراکش لگا ہے جس میں خدا آئندہ کرتے ہیں پھر لیتے ہیں)۔
 مہاجرین نے بہت اظہار اور عادات سے کوئی مستحق خیال نہیں پیش کیا ————— ان تمام نصیحت کو پتہ
 نہ بنا۔ جو تو واقعہ مذلت میں گرتی ہیں۔ کھنڈہ ایسے ہی کتاب ہے۔ سب تک تو ہم اپنے افعال کو
 اس سے نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ غلام ہی رہتی ہے۔ وہی وقت تک اس کی تلاش و وجود رکھتے ہیں۔ خواہ
 کوئی مسئلہ ہو ————— اب کچھ کھنڈہ میں بے وارث و والی پھر رہی ہے۔ ان کا کوئی
 پڑھان والی نہیں۔ ان منویہ عورتوں کی طرف سے مگر ماہہ چشم پوشی کی جا رہی ہے۔ جو ہندوستان
 سے برآمد ہوئی ہیں ————— قوم کے پاس ————— صاف کھینچے گا ————— اتنا
 پیسہ تو ہے کہ کوجہ و بازار کی میسر کر سکے۔ مگر ان ناگردہ گناہ عورتوں کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا
 بندہ پرندہ مسلم میں چار چار شاہان جا رہے ہیں اگر دو شاہان ہی لوگ کر لیں تو میرے دل ہل سکتا ہے۔
 (احنفہ کا ایک لیاکش لگا ہے میں)

دوسری آدمی : جو لال بجا رہا ہے ————— مگر آپ کو مہاجرین کے بارے میں کچھ تو ذکر ناہوگا۔

مولوی صاحب : خدا کو وہ ہے میری کوئی سادہ ایسی نہیں گنتی جبکہ ان کے حق میں دعا کرتا ہوں۔ مجھے
 جو کچھ میں نہیں ہے (وہ) دوسرے۔ دوسرے۔ سننے سمی کرتا ہوں۔

دوسری آدمی : تہہ کل سلطان ہاں میں شام کو مہاجرین کا ایک عظیم الشان جلسہ ہے۔ اگر آپ اس کی سعادت

قبول فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔

مولوی صاحب: ابھی میں گوشتہ نشین آدمی مجھے ان مہلوں ولسوں سے ڈر رکھتے۔

وہی آدمی: جیسا ہونا، آپ کی موبھیگ سے ہم لوگوں کو تقویٰ ہوگی۔

مولوی صاحب: مجھے تو میں اللہ اللہ کرنے بیجے۔ میں میں سے آپ لوگوں کے لیے دعا کرتا ہوں گا۔

دوسرا آدمی: حضور آپ کی صداقت کا اعلان ہو چکا ہے۔ — اسی کے علاوہ آپ کے بغیر جسے سوچا نہیں سکتا

بڑے بڑے افسران کی آرزو ہے۔

مولوی صاحب: تو یہ ٹھیک ہے مجھے نے جا کر کیا کیجئے گا — اُن لوگوں کی موجودگی کافی ہے۔

دوسرا آدمی: مگر حضور آپ کی ذات مقدس اور اُن نہ ہوئی تو طے ہی نہیں ہوسکتا گا — آپ کو

فروغ عطا ہوگا۔

مولوی صاحب: اب آپ مجبور کرتے ہیں تو انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا — کب ہے؟

دوسرا آدمی: علی شام کو — بڑی عنایت ہے حضور نے صداقت قبول فرمائی۔

ان دنوں اٹھتے ہیں

پہلا آدمی: علی شام کو میں کارے کر حاضر ہوں گا۔

مولوی صاحب: بہت خوب!

(جاتے ہیں سلام مکرم، سلام مکرم، ذرا دیر خانوشی رہتی ہے۔ بشارت

کسی ذرا اٹھ گئے بڑھا ہے)

مولوی صاحب: کو بشارت!

بشارت: مولانا جی! سجدہ میں حاضر ہو رہے ہیں — بازیافتہ عورتوں کے کمیپ میں گل کچھ اور

رہ گیاں آئی ہیں — گل سے اُن بیماریوں کا دتے دتے بڑا حال ہو رہا ہے یہاں

آنے کو تو آگئی ہیں مولانا گویا نہیں سولے آریگی کے کچھ اور نظر نہیں آتا (سرور آہ صرا ہے)

کساں جائیں کیا کریں، کیا نہ کریں۔ پہاڑ ایسی زہم کی بسر کرنی ہے۔ — خدا رحم کرے۔

ان کے حال پر۔

(اسٹ سے سہلانا ہے)

مولوی صاحب: بخیر ————— تو مقدر ہے کہ خط لکھ دوں۔

بشارت: اجی ان مولانا آپ خط لکھ دیجئے ————— وہ میرے حوالے کر دی جائیں ————— نہیں نہیں

انشاء اللہ مناسب رشتہ ملا دوں گا ————— دردمیپ میں تو ان کی زندگی سنبھالنا ہی ہو جائے گی۔

————— ترسیں آتے ہیں مولانا ان کے حال پر! کیا زانا آگیا ہے۔ میں نے حمد ڈرہا ہے۔ اس وقت

میں آرام نہیں کروں گا جب تک ان غریب لوگوں کا سہارا نہ تلاش کر لوں گا۔

(آہ سرد بھرتا ہے)

مولوی صاحب: خدا اجر نیک دے ————— مگر خط لکھنے سے قبل بھی بشارت میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

اکار کے ٹارٹ کی آواز آتی ہے۔ موٹر گھر گراتی ہوئی آکر ٹکرائی

ہے گفتگو منقطع ہو جاتی ہے۔ دونوں دروازے کی طرف متوجہ

ہو جاتے ہیں۔ سوٹ بوتل میں ایک پاکستانی صاحب "داخل ہوتے

ہیں مولوی صاحب دیکھتے ہیں تخت سے استقبال کے لیے نیچے

اُترتے ہیں)

مولوی صاحب: السلام علیکم ————— بہت دنوں بعد اپنے کرم مندرایا۔

صاحب: ادھر مصروفیات ہی کچھ لمبی ہیں مولانا (بشارت پر نظر پڑتی ہے وہ چپ سے ہر جاتے ہیں جیسے پیسے سے

پہچانتے تھے۔ مگر غیر متوقع طور پر یہاں ان سے ملنے میں کوئی کمی ہے۔ پھر وہ سنبھل کر مولوی صاحب کو پوچھتے ہیں)

آپ کی ان سے کب جہان پہچان ہوئی؟

مولوی صاحب: (لہجہ میں پریشانی ہے) میں تو انہیں ————— یہ سمجھے کہ میں تو انہیں بوکھرائی دنوں

سے ادورک جاتے ہیں میرا وہ راست صاحب سوال کرتے ہیں (آپ ان سے واقف ہیں کیا؟

صاحب: جی ان میں تو انہیں جانتا ہوں۔

بشارت: (موربانہ تبسم کے ساتھ) یہ حضورؐ کی بدہشتنامی ہے (میر مولوی صاحب کی طوطا شاہہ کہنے) مولوی صاحب میرے عزیز کر فرما ہیں آپ ہی لوگ نہ جائیں گے تو کون جانے لگا۔

صاحب: لیکن بشارت کیسے آئے جان؟

بشارت: چلا آتا ہوں کبھی کبھی سہرا کرنے مولانا نور اب دیکھنے ہی جاتے اسی حضورؐ کے درشن ہو گئے۔

صاحب: اچھے تو ہے۔ کیا حال چاں ہیں۔

بشارت: آپ ہی لوگوں کے سہارے ہی راجوں۔۔۔۔۔ بددش ہے۔۔۔۔۔ درنہ۔۔۔۔۔

مولوی صاحب: تشریح رکھیے اسب ٹیٹے ہی (اور فرمائے سب خیرت ہے ہاں کچھ تو چھپتے ہیں۔

صاحب: ہاں سب اچھے ہیں۔۔۔۔۔ چھوٹے لڑکے کو زندہ از لہر گیا ہے۔

مولوی صاحب: اب اتنا خوش کا نظارہ رہتے ہیں از لہر کیا ہے لب؟ آپ تو انکی اچھے طریقے سے

موضوع لکھیں ان معاملہ میں جناب اگر میری رائے ماننے تو ڈاکٹر میرے برتربلیب ہوتا ہے۔

صاحب: اگمانہ اراہہ فوسے۔ مگر دفتر فرصت ہو دے۔ سارا کام میرے سر پر پڑا ہے

مولوی صاحب: میرے ہاتھ میں آپ تین روز کی بیٹھی لے کر کہیں باہر چلے جائیے۔۔۔۔۔ دیکھئے

بچے کے نلالی میں تو تباہی سے ہم نہ لپکے ز کام سارے اس زمین کی جڑ پھرتا ہے۔۔۔۔۔ بیگم تو

ابھی ہیں؟

صاحب: آہا کیا ہیں۔۔۔۔۔ بس وہی لائمنہ کی شکیات چلی جاتی ہے۔ آپ کے گھر میں تو بھی

ہیں!

مولوی صاحب: ان فاقوں حادثہ کے بعد جیسے دل ہی مر رہا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ ہر وقت

خاموش رہتی ہیں۔ اب کیا کیا جائے۔

صاحب: مولانا ماں کا دل ہے۔۔۔۔۔ جب مجھے ہن کا افسوس ہے تو ماں پھر ماں ہے۔۔۔۔۔ بڑی

ذہین لڑکی تھی مولانا۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔

(آہ سر روہر کہ خاتون جو جاتے ہیں)

مولوی صاحب : جی ہاں قضا و قدر کو یہی منظور تھا ۔

صاحب : کوئی خبر نہیں می — کبھی کبھی تپ لگا لیا کیجئے ۔

مولوی صاحب : اب کبا خبر ملے گی — اسے تو ظالموں نے مار ڈالا — ہم تو صبر کر کے

بیٹھ گئے ہیں — خدا بہتر جانتا ہے دل پر کیا کندہتی ہے — اس کی تصویر انکھوں

میں پیرا کرتی ہے ۔ — آپ کہہ دیجئے تو بہت دنوں پر گئی تھی ۔

صاحب : جی ہاں بیگم اکثر اس کا تذکرہ کیا کرتی ہیں ۔ — انھیں نہ بڑا املل ہے پھر اہل اپ کو روٹی

نہ ضرور تھا ہے ۔

مولوی صاحب : (آہ سرد بھر کر) تقدیر میں یہی لکھا تھا نظارہ جی پھر دفعتاً انھیں کچھ یاد آیا ہے (ہاں

پروں شب میں میرے اہل زانی میلا دتشریف ہے ۔ بیگم سے فرما دیجئے گا ۔ ضرور تشریف لائیں گی

مگر میں بھی انہی امر ہے بہت دنوں سے آپ کی بیگم سے ملاقات نہیں ہوئی — پھر اہل کے گانے

سے ذرا غم غلط ہو جائے گا ۔

صاحب : میں ضرور بیچ دوں گا انھیں ۔ وہ تو خود آنا چاہتی تھیں ۔

مولوی صاحب : پھر آپ لائے کیوں نہیں انھیں — میری عیون سے بہت بہت شکر یہ ادا کر دیجئے گا

اور فرما دیجئے گا کہ یہوں ضرور تشریف لائیں ورنہ سخت شکایت ہوگی ۔

صاحب : اچھا تو اجازت دیجئے ۔

! وہ دن صاحب کو دینا : سے ایک پہچانے جلتے پور پھر لوٹ

کر گفتگو میں شہک برساتے ہیں !

مولوی صاحب : بشارت میاں تم انھیں ہی جانتے ہو ؟

بشارت : آپ کی دعا سے کسے نہیں جانتا — تو مولوی صاحب وہ لکھ دیتے تھے

مولوی صاحب : سچا ایک بات سنو ۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) اذنا قریب آؤ ۔ اور قریب آؤ ۔

(دو دیر سے دیکھو مہلتی رہتی ہے)

بشارت : اسرہ آ رہا ہے (جی ہاں جی ہاں) — بالکل اطمینان رکھئے — جی ہاں۔
 مولوی صاحب : اچھا تو میں لکھے رہتا ہوں (واٹس پر اٹھ بیٹے ہوئے) مگر بھی کسی غیر شرعی امر کے مرتکب
 نہ ہونا — — — — — ورنہ گناہ میری گردن پر ہوگا۔

بشارت : لا حول و لا قوۃ الا باللہ مولوی صاحب — آپ ایک مسلمان سے ایسا کہتے ہیں۔

مولوی صاحب : ہاں یعنی! میں شرع کے دائرے سے ایک قدم باہر نہیں کھسکتا۔

بشارت : ایسی یہی کوئی بات ہوئی تو میں آپ کے پاس آتا رہتا ہوں۔

مولوی صاحب : ہاں جی تم جانو۔

(وہ لہجے کے لیے نام ٹھٹھے ہیں کہ ایک مزدور داخل ہوتا ہے۔ قدم

کی چاپ سن کر مولوی صاحب آنکھ اٹھاتے ہیں۔ بشیر کو دیکھتے ہیں)

مولوی صاحب : (ازیرب) یکھت اس وقت کہاں سے نازل ہوا (پھر ہنسا انا سے) تم کل آتا اس وقت
 مجھے فرصت نہیں ہے۔

بشیر : مولوی صاحب! میں تین دن سے برابر آ رہا ہوں — میں نے مزدوری لی ہے — — — — —
 مانگنے نہیں آیا ہوں — — — — — اپنے پیسے لئے آیا ہوں۔

مولوی صاحب : کل سب کچھ دیا جلتے گا۔ اس وقت فرصت نہیں ہے۔

بشیر : حساب تو اسی دن ہو چکا تھا مولوی صاحب! ایک مہینہ کی مزدوری ہے — مکان کی — — — — —
 کٹا ہوا ہے۔ سب طے ہو چکا تھا۔

مولوی صاحب : تامل کا خستہ نہ تو ہوئے ہی طے ہوا تھا۔ تم تو تاروں کا خزانہ مانگ رہے ہو۔

بشیر : تامل دن کو تو مولوی صاحب آپ مایل — — — — — میرے کو تو مزدوری چاہیے۔

بشارت : کچھ خبر بھی ہے مولوی صاحب کا کام تو لوگ مفت میں کر دیا کرتے ہیں — — — — — بڑا ثواب
 ہے اس میں۔

بشیر : مولوی صاحب بھی میرا کام مفت کر دیا کریں۔

بشارت: (بگولگر) بڑے بدلتیز ہو۔ — ایک پیسہ نہیں ملے گا۔
 بشر: ملے گا کیسے نہیں جلتی سے نکال لوں گا — حرام کے پیسے نہیں مانگا۔ پینہ بہایا ہے۔
 بشارت: نکل جاؤ تمہارا سے — ابھی نکل جاؤ (اگے بڑھتا ہے۔ بشر ہی طرح جہاڑا کھڑا ہے) نکل جاؤ
 روز اچھا نہ ہوگا۔ (بشر اس سے نہیں ہوتا۔ بشارت کی حرات سوا ب میںے گنتی ہے) کہہ دیا کو نکل جاؤ۔

بشر: مولوی صاحب سمجھا دیجئے اسے۔
 مولوی صاحب: جانے دو بشارت کس کے منہ لگے ہو۔ جانتے نہیں ان لوگوں کا رانغ خراب ہو چکا ہے کہیں
 بھر کھانے کو تاناؤ معلوم کیا کرتے۔

بشر: مولوی صاحب شرافت تو آپ میں ہے — راہ کیا ایمان دارمی ہے — زبان
 کھلائیے مولوی صاحب —

مولوی صاحب: بھائی تو پرہیزگار شام کھانا — میں میں رہوں گا — سب حساب بیان کر دیا جائے گا۔
 بشر: اچھا — مگر مولوی صاحب —
 مولوی صاحب: ہاں ہنسی ہاں کہہ تو دیا۔

(بشر جاتا ہے اور مولوی صاحب اور بشارت پھر ہنسناک ہو
 ہو جاتے ہیں)

مولوی صاحب: رانغ خراب ہو گیا ہے ان لوگوں کا۔
 بشارت: آج تو میں نے چھوڑ دیا اس کے کتے بے — مگر کسی دن بڑھو لوں گا — ہاں
 مولوی صاحب خط لکھو دیجئے۔

مولوی صاحب: (قلم اٹھا کر) گھیسٹی شرطی ہی ہے کو کوئی غیر شرعی
 بشارت: آپ پورا اطمینان رکھیے۔

(مولوی صاحب لکھتے ہیں)

پر وہ



کوئی بھی مطلب نہیں — آج ہماری زندگی ایک سزا ہے — ہمارا گھر قید خانہ ہے کھیتوں
 پر — جیکڑوں پر ادھیڑ کی بڑی نوکریوں پر کس کا قبضہ ہے؟ — کس کے گھر آباد ہیں غریبوں
 کے یا امیروں کے۔ کون پر نہیں ہیں کس سے بہتر ہے — کون دیس میں بھی پیشی ہے — یہ
 مسئلہ صرف ہمارے ممالک کا نہیں (جو ملک شروع ہوتی ہے پھر کیا ہے، آئیے بیٹھے جائیے — دوسری
 طرف سے آواز آتی ہے: — عمارت، جو مٹنے والی زمین ہماری نہیں، کارخانے ہمارے نہیں، اگر یہ
 ہمارے نہیں تو کوئی بھی آباد نہیں، سب ہمارے ہیں، سب خانہ بدوش ہیں (آوازیں یہ آواز بنے نکالوا سے
 بیٹھے جاؤ بیٹھے جاؤ) خود سے سن لیجئے (آواز ہم نہیں سنیں گے) آپ کو سنا چڑھے گا، اس وقت تک
 کسی عورت کی عصمت محفوظ نہیں جب تک ناداری، بے کاری، قحط اور جہالت ہمارا گلا رووائے ہوئے
 ہے (آپ کا گلا روائل کا یہ کیڑا ٹھکانا ہے) آپ انخواستہ و حور قوں کو یہاں لاکر قحبہ خانوں میں ڈال
 دینا چاہتے ہیں یا انھیں (ہم نہیں سنیں گے اسے نکالو) یا انھیں —

شور مچاتا ہے، لوگ دائیں کی طرف بھٹکتے ہیں، کرسیاں اٹھ

جاتی ہیں، ایک کرسی زچوان پر آکر پڑتی ہے — دوسرے

تعام لیتا ہے)

پہلو



بشری طری پڑھا آئے۔ خلیل ریاستی ملا صاحب کے اہل خانہ میں ایک
 چہرے پر پڑتی ہے۔ چہرے کے جسم عات دکھائی دینے لگتی ہیں
 بشری نظر اب زخموں پر پڑتی ہے۔ ایک ایک دو چٹائی سے اٹھ کر
 بیٹھتا ہے۔ — ہن کا چہرہ سخت پڑھا تھا۔ — خلیل
 بشری کا کوشش کرنے کے باوجود سر میں ٹھیکیا ہے (

بشری : خلیل صاحب! خلیل جو وہاں کر دیکھتا ہے نہ۔ کیا ہے خلیل بھیا؟

خلیل : کیا؟

بشری : (کھڑا حیرت آئے) آج مجلس میں نہیں ہونگا؟

خلیل : (اسکرا رہا ہے) دیکھتی ہے ہر جگہ کچھ نوا۔ بشری کا ایک کوش اور گاتھت۔) بشری ہاں صاحبوں کو ادا کرنے
 کی باتیں نہیں۔ مردوں کو عیال کا کوش سے دیکھنے لگتی ہے۔ — مجھے گولیاں دینی گئیں — لعلب
 نہیں چپ نہ تھا تو — — — — — سامنے بھی دو مہیاں — — —

بشری : (اسکرا رہا ہے) نہ تو اچھا جلسہ (اس کی آنکھیں دھڑکیں دیکھنے لگی ہیں) احوال تو خلیل صاحبوں کی کے وہ
 لوگ چلے جاتے! کبھی مزدوروں کے جلسے میں آکر نہیں تو حلو مہو۔

خلیل : اسے بھی تمہاری کیا بات ہے — — — — — تم ان و آتا ہو — — — — — ان داتا!
 (اسکرا رہا ہے)

بشری : تو توٹ کے چلے آئے خلیل بھیا — — — — — میں ہر آتا تو بغیر بیٹے نہ آتا۔ — — — — — اس میں جینے
 کی کیا بات ہے

خلیل : (اسکرا رہا ہے) بیٹے کی بات تو ہے۔ یعنی تم اپنا مقابلہ ہر سے کیوں کرتے ہو — — — — — تم مزدور
 دھرتی کی اس ہم خالی خالی باتیں بنانے والے۔

بشری : اچھا اب نہ اس پر کوئی مدعا لگاؤ۔

خلیل : تمہیں جو جانے گا — — — — — دوا — — — — — دوا — — — — — کیا ہوگی!

بشیر: (سکڑتا ہے) پیسے ہیں میرے پاس۔

خیل: تو بچہ کھا نا کھا اجئے گا۔

بشیر: (سجدہ لہجہ میں) مگو یہی ایہ بخشم۔

(رک جاتا ہے)

خیل: خیر! خیل اب تمہارے ساتھ رہتا ہے — اسے اب ان نفوں کی آبی پرواہ نہیں ہے۔

بشیر: خیل تمہارا آپ اتن کب کہتے ہیں۔

خیل: (زپلوں لہجہ میں) سچ کہتا ہوں بشیر۔ اب تک میں ایک آوارہ گرد سے کار اور بیزار آدمی تھا۔ مگو

تمہاری محبت نے مجھے زندگی کی گرمی دی — وہ زمین دی جس پر میں اب تک نہیں چلا تھا

۔۔۔۔۔ تمہاری اندھیری کوٹھڑی میں مجھے وہ روشنی ملی جو آسٹروں میں موتی کی چمک بھرتی ہے

۔۔۔۔۔ جو راہ کو روشن کرتی ہے — میں نے اب تک دکھ درد کو دُور سے دیکھا

تھا — مگر تمہارے ساتھ میں نے نہیں بہت قریب دیکھا — میں نے انھیں بھورا

۔۔۔۔۔ چکھا — محسوس کیا — میں کل تک ترنا تھا۔ مگو آج بشیر مجھے جوتا ہے

جیسے دنیا بیکر مزہ دینا بھر کے کسان دینا بھر کے مجلس اور دکھیا سے مبرے ساتھ ہیں — میرا

ہاتھ تمہارے جڑے ہے۔ — مجھے داں سے جا بے ہے جہاں غریب نہیں آئیں جہاں لٹیچ نہیں

بشیر! تم نے مجھے —

رک جاتا ہے — بشیر پر اپنی محبت بھری نظریں جمادیتا ہے —

بشیر: معلوم ہوتا ہے بھوک زیادہ مگی ہے خیل تمہارا!

(مفلک سکاٹتے ہیں)

پورہ

پتھ منظر

(رات کا وقت — مولوی صاحب کا مکان — خاموشی
 بھائی ہوئی ہے۔ چاروں طرف اندھیرا ہے — اندھیرے میں
 ایک سایہ حرکت کرتا ہے اور دھیرے دھیرے مولوی صاحب نے
 مکان کی طرف پڑھتا ہے
 دروازے پر آکر کجاہتہ — پھر آہستہ سے زنجیر کھٹکتا آ
 ہے — — اندھے کوئی آواز نہیں آتی — — اور زنجیر
 دروازے سے کھٹکتا ہے — — ذرا دیر غائب ہو کر پستی پہنچے پھر
 آہستہ سے لوٹا کھٹکتا ہے۔ مولوی صاحب لالٹین لے کر کھڑے آتے
 ہیں۔ دروازے سے منہ لگا کر دیکھتے ہیں)

مولوی صاحب: کون صاحب ہیں؟

(کئی جواب نہیں آتا)

مولوی صاحب: ان دن صاحب ہیں۔ جواب کیوں نہیں دیتے؟

سایہ آگے بڑھتا ہے۔ چونکھٹ پر آکر کھڑا ہوجاتا ہے۔ مولوی صاحب

گھبراتے ہیں)

مولوی صاحب: آپ — آپ اپنا نام کیوں نہیں بتاتے — وہیں ریجے — وہیں رہنے

لالٹین لگے بڑھاتے ہیں۔ آئینہ لے کے پھر سے پر روشنی پڑتی ہے

پہلے پڑانے کی پٹریوں میں نمبریں ایک (مٹی کی نظر آتی ہے۔ مولوی صاحب

ذرا غور سے دیکھتے ہیں۔ ان کے بدن میں لپکی پیدا ہوجاتی ہے

اُن کی آواز نے تابوڑ چڑھائی ہے !

مولوی صاحب : تم — تم — تم — تم کون ہو — ہو تم کون ہو — تمی — تمی — تمی !

مولوی صاحب کے ماتھ کانپ ہے، ہنسی بخشی ہے، آواز آ رہی ہے (تم کون ہو — تمی !

مولوی صاحب کی آواز سچ میں بدل جاتی ہے)

انہ سے آواز آتی ہے ”کون تمی“ کے پکار رہے ہو۔

میرزا کی آواز ہے — — — اس سے باتیں کر رہے ہو۔)

(اُن کی میرزا کی آواز کے کی طرف نکلتی ہے)

اُن کا ہنسی — میرزا کی آواز ہے ! وہ مانتے آجاتی ہیں)

فیصلہ : آتی جاں — آتی جاں !

وہ آگے بڑھتی ہے۔ مولوی صاحب (فقطا سامنے آکر کھڑے

ہو جاتے ہیں۔ ان کا بدن کانپتے لگتا ہے)

مولوی صاحب : (آہستہ لہجہ میں) تمی وہیں رہو !

فیصلہ : آجاں !

(الوجہ میں تپ رہے)

مولوی صاحب : کھر میں تیرا دست رکھوئی !

(اُن کی آواز سرداں میں جھٹلا رہی ہے)

فیصلہ : کیوں آجاں — آغز میرا کیا قصور ہے ؟

مولوی صاحب : تم — تم — تم — تمہارا قصور — تمہارا قصور ؟

اُن کا قصور بڑی طرح ڈالتا ہے۔ لاسٹین گڑ گڑ میں پر

چھوڑ کر جاتی ہے — گھپ اندھیرا جاتا ہے

— اندھیرے میں اُن کی آواز آتی ہے —

میرے سینے سے لگ جاؤ بیٹی! — میری مائی — تم
 اب کیس نہیں جانا (رہی ہو سسکیوں کی آواز سمی آتی ہے) میں
 تمہیں انصر سے میں دیکھ رہی ہوں نہی — تم —
 کتنی دُوبی ہو گئی ہو — تم زرد پڑ گئی ہو — بیٹی
 تم کانپ کر رہی ہو — تم اب یہیں رہو — تم
 کیس جانا!

پہلے



پانچواں منظر

مولوی صاحب کا مکان — رات سو چکی ہے۔ زمان خانہ

میں مولوی کو کھانا پوری طرح بیٹھی ہوئی ہے — مولوی صاحب

بے چینی کے عالم میں ٹس ٹس میں ٹپٹپٹے ٹپٹے — اہل کر

وہ مولوی سے فریضہ کن لہجہ میں مخاطب ہوتے ہیں

مولوی! ہفتا میں جمع جمع سوچ چکا ہوں — یہ آخری حکم ہے میرا — میں میں بار سے میں کچھ نہیں
سنسکتا۔

بیوی! کیا ایسا پتھر لگا ہوا ہے؟

مولوی! سنا۔ بداروں! تمہیں کیا بتاؤں — گو میرا اسارا اتنا — میرا اسارا اتر ختم ہو چکا گا
اگر بدق آرائی نہ — جیسا عوام ہو چکا گا جیسا میں نہ کھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ مجھے اب
سننے سے روکنے ضرور معلوم ہوتی ہے۔

بیوی! تنگ لگے تھارے دکھ کو — اماناد سے کوئی نہ مڑا لیتا ہے — تو بے ہوشی!

مولوی! سنا! دکھ کو نہ کر دے سب کے لیے عزتیں اب آتی ہی ہوں گی۔ — وقت بہت تھوڑا ہے

مرا راز دکھائیں جو جانے گا پھر میں کیا کروں گا — کہاں جاؤں گا — کہاں جاؤں گا میں

بیوی! تمہیں بری یاد ہے؟ وہ کہاں جانے گی۔ نہ اسے بھی سوچا ہے؟

مولوی! سنا! جہاں جیت بھگے کیا مطلب ہے، یہاں کہیں آئی — یہاں کہیں آئی؟

بیوی! اُس کا گھر ہے۔

مولوی! سنا! ہرگز نہیں کا گھر ہے (ٹپٹے ہیں) اُس کا گھر ہے ہرگز! اُسے جانا ہی پڑے گا — میرا حکم ہے۔

میں اس گھر کا نائب ہوں۔

بیوی : کردہ جسٹے اگی کلاں . اھلہ سے وقت جب کہ

(وہ رگ جاتی ہے — مولوی صاحب کو کھبیری نظروں

سے دیکھتی ہے)

(مولوی صاحب ایکدم زرد پڑ جاتے ہیں — وہ بیوی

کے پاس اچلتے ہیں)

مولوی صاحب : کیا مطالب ہے تمہارا ؟

بیوی : اس کا اب کہیں جانا طلب نہیں ہے۔

مولوی صاحب : اب تک کہ اور اتنا ہی بے بسی کے عالم میں پوچھتے ہیں (کیوں؟

بیوی اب بھی چپ رہتی ہے۔ صرف نفس دیکھتی رہتی ہے۔

مولوی صاحب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جم گئے ہیں)

مولوی صاحب : بولتی کیوں نہیں ہو، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ تمہاری خاموشی سے ڈر لگ رہا ہے — بولو

بولو! کیا بات ہے — مجھے یوں مت دیکھو۔ میں نے کیا کیا ہے — میں نے کیا کیا ہے۔

بیوی : تم سمجھتے کیوں نہیں۔ نبی ایسے وقت کہاں جاسکتی ہے ؟

مولوی صاحب : (سر ہٹا کر مٹھ جتے ہیں) میرے مولانا کیا ہوگا۔ میں کہاں جاؤں — نہیں نہیں

یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی ساری فرسکو رفتار کو نہیں کھوکتا — میں اپنی عزت نہیں گنوا سکتا

میلہ کا وقت قریب آ رہا ہے — نبی! تو یہاں میں رہ سکتی۔ (بچھتے ہیں) نبی تو یہاں نہیں رہ سکتی۔

(نبی آتی ہے)

نعیمہ : اچی آجان !

مولوی صاحب : (جو ہل کر) کیا کہا آجان ! — نہیں نہیں — تم فدا نکل جاؤ

فدا نکل جاؤ میرے گھر سے۔ یہ میرا گھر ہے — میں تمہارے لیے اپنی عزت داہرو نہیں گنوا

سکتا — تم چلی جاؤ یہاں سے۔ ابھی چلی جاؤ۔

بیوی : تم سے نہیں نکال سکتے۔

(اُنے پڑھتی ہے۔ بیوی صاحب بھی میں داخل ہو جاتے ہیں)

مولوی صاحب : اے فیصلہ کن لوگوں! دیکھو نہیں دو میں سے ایک ساتھ رہنا چاہئے گا۔ میرے ساتھ یا اس کے ساتھ

(اُنہی بیویاں ہمکھا کر رہتی تھیں۔ براتی ہے اس کی آواز میں خود راہنما)

نعیمہ : (آئی زبان سے مخاطب ہو کر) میں سائل ہوں آئی جہاں! واقعی یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں راستہ بھٹک کر یہاں آئی تھی۔

(اے روز سے لڑا طرف بڑھتی ہے)

ماں : کوئی بیٹی (روہ بھی) اور میں آجاتی ہے (بیٹی تم سمت جاؤ — تم سمت جاؤ بیٹی۔ میری جہاں لگی۔

باہر روہ اسے پریشان آتا ہے — سس کے کان میں یہ

آہ اڑتا ہے — وہ وہیں کھڑا ہو جاتا ہے)

مولوی صاحب : ایوی سے (تھوڑا دور آستہ — اسے جانے دو۔

نعیمہ : آپ مہلین دیکھئے! جہاں۔ میری ماہ اب کوئی نہیں روک سکتا — میں وہاں آئی تھی جہاں لوگوں نے بتایا

تھا — جہاں آپ نے کہا تھا — وہی نے کہا تھا — کبھی کہا تھا بہت دن ہوئے — یہ

تھوڑا گھر ہے نبی! میں تمہارا آپ ہوں — میں تمہاری ماں ہوں — یہی آواز مجھے بہان

تعمیر کرنے آئی ہوگی آج معلوم ہوا کہ سر میرا گھر نہیں یہ عزت و آبرو کا گھر ہے میرا کوئی آپ نہیں وہ صرف

مولوی ہے — اور میں جہاں — اور میری ماں! وہ مجھ سے چڑا دیں لاکھوں ماؤں کی

طمانیہ ہے۔ بڑی بڑی کھڑی اور سہ حق (اُن کو) میں جا رہی ہوں مولوی صاحب —

(اے بیوی صاحب سے ہاتھ پکڑتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کچھ ہر جتا ہے)

چھ سس لڑا طرف بڑھتی ہے)

بشیر : آپ کس چاہئے گا :

نعیمہ : (انگل بے نیاز اور خود شہنامی کے عالم میں) کہیں میری طرف سے ماؤں لگی

(اُس کی آواز میں کوئی کیفیت نہیں ہے)

بیشیر: آپ میرے ساتھ چلے گا؟
نعیمہ: کسی کے ساتھ بھی چلی جاؤں گی۔

دونوں چلتے ہیں — سانس سے بشارت آ آتی ہے — وہ

دونوں کو غور سے دیکھتا ہے کھانسی کرندہ سے کہتا ہے سلام علیکم

بیشیر!

بیشیر کوئی جواب نہیں دیتا علاج آتا ہے)

پارہ



چھٹا منظر

بشیر کی طولی۔ اندر سے خلیل کے گلخانے کی آواز آتی ہے

”گڈ بی، ہا کر تتر، انتظار کب سے ہے“

زادیر بعد بشیر ادا نیرہ سمجھتے ہیں۔ بشیر پہلے داخل ہوتا ہے

(نیرہ بعد میں خلیل گلخانہ کی طرف تلبے خلیل بشیر کو دیکھتا ہے)

خلیل : بلا پیسہ !

بشیر : پیسہ تو کج نہیں لا۔ پھر جاؤں گا۔

(خلیل نیرہ کو دیکھتا ہے۔ بیگانگی سے پوچھتا ہے)

خلیل : اوہو — آپ — آپ کون ہیں ؟

بشیر : یہ میری بہن ہے۔

خلیل : ہیں ہے تمہاری ! بڑی خوشی ہوئی — پیسہ ہے ان کے پاس !

بشیر : آج کسی کے پاس پیسہ نہیں ہے۔

خلیل : آج پھر ان کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا ؟

نیرہ : نہیں ہیں تو کھا کر آئی ہوں

خلیل : (بیرہ سنسکا آتے) تب تھیر چوں سے بیٹھے۔ ہم لوگ تو دو ایک دن یوں ہی چلین سے گذر دیتے

ہیں۔ آپ تشریف رکھیے۔ — بالکل آرام سے بیٹھ جھکا۔ اپنا ہی گھر کھجے انہر بیٹھ

جاتی ہے) — ان اب ٹھیک ہے۔ ادہاں میں اپنا تجارت کرادوں گا — میرا نام

ضمیل ہے۔ نیرا بشیر — یعنی آپ کے بھائی جان کا دوست ہوں (ذرا سے توقف کے

بعد پھر ہوتا ہے) آج تو بشیر فٹ پر ہی پوسٹ نے کو طبیعت چاہتا ہے — یہاں تو بڑی گری ہے

(مانوسے گردن پر پونگتا ہے)

بشر: ہاں بیٹا ہے تو — میں ہی چوں گا۔

(دونوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

نعیمہ: آپ دونوں میں تشریف رکھیے۔ میں باہر سو رہوں گی۔ آپ کیوں زحمت کریں۔
نجیل: ہم لوگ تو روزا میں کھولی ہیں — میرا مطلب ہے اس کمرے میں۔ — اس کاشانے میں اہم
فرماتے ہیں — آج آپ کی باری ہے۔ — چلو بھائی۔

(دونوں جاتے ہیں)

پیرزہ



ساتواں منظر

(مولوی صاحب کی وہی ٹیمک۔ بشارت آتا ہے۔ بھی بہت

سورہ ہے۔ کہ میں کئی نہیں۔ بشارت آواز دیتا ہے)

بشارت: مولوی صاحب! — مولوی صاحب!

(ادھر سے آواز — اچھا! — اچھا!)

مولوی صاحب: (باہر آتے ہیں ان کا چہرہ بڑبڑدہ تھا کواؤ اور بے بیخ معلوم ہوتا ہے۔ بیٹے بھاری ہیں)

اے بیٹے تم — اتنے سورہ سے — کیوں خیریت تو ہے؟

بشارت: سب خیریت ہے (مولوی صاحب کو غور سے دیکھتا ہے) آپ اسی خیریت کہتے۔ اب کچھ بشارت سے

نفر آتے ہیں مولوی صاحب:

مولوی صاحب: نہیں تو — رات ڈرا! یہ تک جاگ گیا تھا۔ گھر میں سیلا دھمی۔

بشارت: خیر حالت ہی دیکھئے اس کو — مجھے آپ سے ایک خاص بات تو سننی ہے۔

(وہ مولوی صاحب پر نظریں جمادیتا ہے)

مولوی صاحب: الگہ اگر، تم سے؟ کون سی خاص بات!

(وہ بے اطمینانی سے پلو بولنے لگتے ہیں)

بشارت: گھبرائے نہیں اطمینان سے بیٹھ جائیے۔

مولوی صاحب: (انتظار برسرِ کمر اکر جس سے ان کی پریشانی اور نایاں برعاطی ہے) کیوں بھی کیا بات ہے

آخر اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہے ہو۔ بار بار۔

بشارت: مولوی صاحب سچ بتائے گا۔ دیکھئے چھپائے گا نہیں

مولوی صاحب: (ادمال سے پسینہ پونچتے ہیں) پوچھو ہی تو — آخر کون سی ایسی بات ہے۔

بشارت: یہ بشرِ آپ کے یہاں کب سے گئے جانے لگا ہے؟

مولوی صاحب: (قد سے اطمینان کی سانس لیتے ہیں) بشر — بشر سے کیا مطلب؟

بشارت: یہی نہیں پوچھنا ہوں — بشر سے کیا مطلب؟ — اور وہ لڑکی کون تھی بر محل
مات آپ کے یہاں سے نکل کر اس کے ساتھ گئی ہے۔

مولوی صاحب: (اُن پر پیر ریٹانی بیٹ بٹتی ہے، وہ گہرا راکھ ٹکڑے جوتے ہیں) اس کے ساتھ گئی ہے؟

بشارت: دیکھئے مرزا پوچھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کسی اور کو بھی اگر اس کا روبرو میں شریک کرتے ہیں
تو مجھے کئی اعتراض نہیں، مگر کم از کم مجھ سے کہ تو دیا ہوتا۔

مولوی صاحب: کون سا کاروبار — میں سمجھا نہیں!

بشارت: (اک ذرا آگے جھک کر اور مولوی صاحب پر نظریں جھاکر) مولانا اس قدر معصوم بنئے — یہی

لڑکیوں والا، اچھا بٹائیے آپ کے گھیسے بشر سے گیا ہے۔

مولوی صاحب: کسے سے کیا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔

بشارت: مولانا! میں نے کل رات اُسے آپ کے مکان سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔

(مولوی صاحب کے چہرے پر اپنے جملہ کار عمل دیکھتا ہے۔)

مولوی صاحب کے چہرے پر بدباہر لہینہ آجاتا ہے۔ وہ گھبرائی آواز

ہیں کہتے ہیں)

مولوی صاحب: کسے؟

بشارت: اُسی لڑکی کو جسے آپ نے بشر کے محل سے کہا ہے

مولوی صاحب: (چُپ رہتے ہیں۔ پسینہ پونچھتے ہیں۔ بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پیر جیب پر جلتے ہیں۔ پیر جیب

موجھتے ہوئے بولتے ہیں) ابھی وہ قصہ بولیں گے کہ بشر کی — تم جاننے سے ہو بشر کی نزدیکی

باتی تھی اسے میں نے کل شام کو بلا با تھا۔ تمہارے تو سامنے ہی باتیں ہوئی تھیں۔ دیکھا نہیں تھا تم نے کتنا

بدتر تھادہ — تو بھئی وہ قصہ بولیں ہے۔

(نزل جاتے ہیں)

بشارت: اچھا میں سمجھ گیا تو اپنے مزدوری کا بدلہ لیکھا ہے۔ مگر مولانا! یہ اپنے اچھا نہیں کیا آپ نے
میں کس کینے سے بارانہ جوڑا ہے (رنگ کر) اگر میں بشیر کے خلاف کوئی کاروائی کروں تو آپ کو کوئی اعتراض
تو نہ ہوگا؟

مولوی صاحب: مجھے؟ مجھے کیا اعتراض ہوگا۔

بشارت: آپ کو بیان دینا ہوگا کہ یہ نزلی بشیر لگا کر لایا ہے۔

مولوی صاحب: مگر پٹی میں یہ کیسے کر سکتا ہوں — میرے گھر کی ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔

(دو چہرے چہرے سے سٹپتے لگتے ہیں)

بشارت: آپ کی عزت پر کوئی آنسو آئے گا۔ — فرض کیجئے یہ لڑائی عمر توں نے کیسے سے
بھگائی گئی ہے۔

مولوی صاحب: (پٹی میں آنسو سے دیکھتے ہیں) پھر !

بشارت: پھر کچھ نہیں — آپ بری الذمہ ہیں — ٹھوٹے ٹھوٹے بشیر میاں کے گھر

چھہ مائیں گے — سب بندوبست نہیں کروں گا۔ عورتوں کے کمرے سے ثبوت میں مسلم

کردوں گا — آپ نجات رہیں۔ — آپ سے کوئی واسطہ نہیں (تھمڑا) لیکن ایک

بات ہے اگر وہ آپ کو بھڑکواہ با شناخت کے لیے بلائے تو آپ انکار کر دیجئے گا۔ سمجھئے؟

مولوی صاحب: اس جتنے ہوئے، نہیں انکار کروں گا۔

(منفوم انداز میں سر ہلاتے ہیں)

بشارت: اہ! آپ انکار کر دیجئے گا۔ — آپ اسے نہیں پہچانتے — آپ نے اسے

کبھی نہیں دیکھا ہے۔ بشیر نے دشمنی سے آپ پر اتہام لگا لیا ہے۔

مولوی صاحب: (آپ ہی آپ کہتے ہیں۔ جیسے خواب میں کہہ رہے ہوں) میں اسے نہیں پہچانتا — میں نے

اسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔

بشارت : (جاتے ہوئے) ادریشیر نے دشمنی سے آپ پر اہم لگایا ہے۔
 مولوی صاحب : (دہر لیتے ہیں ایک مول کی طرح) ادریشیر نے دشمنی سے اہم لگایا ہے۔
 بشارت : اچھا اب اجازت دیجئے۔

(جلا جاتا ہے)

مولوی صاحب : (ٹوٹ لیتے ہیں) اچھا اب اجازت دیجئے ————— میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔
 میں نے نہیں پہچانا۔

(وہ جیتے ہیں اور سر تمام کرتخت پر بیٹھ جاتے ہیں)

پُردہ



سہولتوں کا منظر

(بستر لٹول) — بستر لٹو، ہر گیارہواں ہے۔ عین اللہ
 نعیمہ یہ جہی — عین کوئی کتاب پڑھو رہا ہے۔ نعیمہ ایک
 کپڑا سی رہی ہے۔ نعیمہ لیں لڑتے ہیں۔ کچھ لڑنا پڑتی ہے
 مگر عین کو جو مطالبہ دیکھ کر کھا کر کھینچتی ہے مگر عین بہت سہولت پر ہے
 میں مشال ہے — آخر کار وہ پوچھتی ہے)

نعیمہ: کتاب بہت سبب معلوم ہوتی ہے؟
 عین: (اٹھ کھڑے ہوئے) بہت دلچسپ!
 نعیمہ: (سکرا کر) اور سبب آموز بھی۔
 عین: (اپنی کتاب لیدر پٹائی سے ہونے اور سبب آموز بھی۔
 نعیمہ: اور شاید ختم ہی نہ ہو؟
 عین: اور شاید ختم ہی — رفتاروں ہوتی ہیں۔ کتاب پڑھتا ہے۔ مکہ آتا ہے۔ یہاں ختم ہو سکتی ہے
 (کتاب بڑھاتا ہے) کھٹے ایشاد۔ حکم —
 (اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

نعیمہ: حکم ایک فن ہے۔ تمہیں یہ دیکھنا ہے، اچھا آپ کتاب ہی پڑھیں۔
 عین: دیکھنے کل سے آپ کام شروع کر دیجیے — آپ کا تہائی دور چلے گا۔
 نعیمہ: کون سا کام —
 عین: ہر سال کام ہیں۔ محنت نہ ہو — کھانا پڑھنا — یہی کپڑے سہا کیجیے۔
 نعیمہ: مگر کپڑے سینے کو رے گا کون؟

خیلی: ہر شخص جس کے پاس کپڑے ہیں — پاس پڑوسی نکل کر دیکھئے تو — ہمارے ایسے ہزاروں آری ہیں جو ہندی کی سلائی نہیں لے سکتے۔ آپ نہیں اگر سستے داموں پرسی کو لے لیجئے گا تو وہ بڑی کپڑے دیں گے — دو صد آڑھ تو ہمارے اور شہر کے ہاں کر لیجئے۔ ایلٹان رکھیے سب کپڑے ہوں گے۔ آپ کا کوئی بھائی ہے؟

فیصلہ: (سکڑا ہے) نورا کس ہے۔

خیلی: نورا تو بیان نہیں ہے — فی الحال یہی تھیں سے کام چلا رہا ہیں (دک کر) آپ کے پاس تو ہنر ہے۔ آپ پڑوسی کی بہت سی ٹولیں رکھنا پڑھنا سیکھنا پڑھنا سیکھا سکتی ہیں۔ آپ اگر عیسوی اور لاچار ای عیسوی کریں تو سلاقتوں آپ لایے۔

فیصلہ: میں نورا سے ہری تھی کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہمارا ہی کب کب سے ہو گیا۔

خیلی: (پتھر پھینکتے) آپ تو انا اور انا بہت ذرا کم معلوم ہوتی ہیں (ٹھٹھکتے ہوئے) میرا مطلب آپ نے غلط سمجھا ہمارا ہی بڑے بڑے مگروں میں ہوا کرتا ہے۔ ہمارے مگر وہاں وہ کی مدد نہیں ہوتی۔ ہمارا ہی کو ہر ایک نہیں ہے۔ جہاں تمام کام کرنے کے بعد ہمدقت کھانسی نہیں ہوتی۔ وہاں

فیصلہ: ہمارے ہاں ہانڈا کا کس کو ہنر ہے؟

خیلی: دیکھئے۔ آپ پر غلط سمجھ رہی ہیں — وہاں خوب مہنہ داری ہوتی ہے — مگر کس نالائق

ہم سب جانتے ہیں۔ — بڑے بڑے بیکر ہمارے ہمارے

ہمارے ہی — ہم مزدوری کرتے ہیں۔ پیسہ دے جاتے ہیں۔ ہاں ہم جوتے ہیں۔ فیصلہ وہ کاتے

ہر — ہم ڈاکر کرتے ہیں۔ ہمیں وہ ڈاکر ہے۔ ہمارا ہی ہمارا ہی ہے!

فیصلہ: جی ہاں سب سمجھا!

خیلی: غلط تو نہیں کہیں۔

فیصلہ: جی نہیں!

خیلی: اسی لیے کام کرنا چاہتا ہے کہ — ہم سب کو کام کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے ہمارے ہی ہے۔

(دماغ سے دستک ہوتی ہے۔ عقل دماغ کھوتا ہے۔ دماغ
پر پتھر پڑنے کی آدی۔ ایک سن رسیدہ تھانیدار اور بشارت برآمد)

تھانیدار: بشیر کو صبح دو۔

خلیل: کہیں کیا بات ہے؟

تھانیدار: تم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

خلیل: آخر بات کیلئے — میں بھی تو سنتوں

تھانیدار: تم کو بھی بات ہے۔ تم اپنا بھروسہ لے۔

خلیل: وہ گھر پر نہیں ہے۔

تھانیدار: کہاں گیا ہے؟

خلیل: اب وہ آجئے۔ آراں سے پتھر لے لے گا — آپ اپنا تشریف لیں۔

(جانے کے لیے ٹرتا ہے)

تھانیدار: (بولیں میں سے) اسے حراست میں لے لو۔

(نعیر آتی ہے — یہ رنگ دیکھ کر زرد ہو جاتی ہے)

خلیل: دیکھئے تھانیدار صاحب! آئی تعلیم سے میری کہ حراست کے معنی کھولتے ہیں۔

تھانیدار: جب تک مضمون نہیں آتا۔ تمہیں میں رکنا پڑے گا۔

خلیل: مضمون! — کون مضمون؟

(بشیر آتا ہے۔ بشارت تھانیدار صاحب سے آہستہ سے کہتا ہے)

بشارت: تھانیدار صاحب! آپ کا آدمی۔

(تھانیدار بشیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پلاں کے آدمی اُسے

پکارتے ہیں)

بشارت: ات کیا ہے؟

تھانیدار: یہ تمہیں سوالات میں جا کر بتائیں گے۔
 بشیر: کوئی تکمیل ہے حالات لے جانا۔ چلے جسے تم بتاؤ۔
 تھانیدار: (جیسے کاغذ نکال کر) تمہیں حدوں کے کیسے ہیں اس لڑکی کے جگانے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔
 (بشریح تک کہ لکھ کر دیکھتا ہے۔ فیہریش کو بھتی ہے۔ خیل

ماک کھڑا ہوا ہے)

بشیر: لڑکی کے جگانے کے جرم میں؟ (بہترزم لہجہ میں کہتا ہے) آپ کو دھوکہ پڑا ہے تھانیدار صاحب —
 صاحب کیمپ کی لڑکی نہیں ہے۔

بشارت: تھانیدار صاحب یہ بھوٹ بھتا ہے۔

بشیر: دیکھو جی — تم چپ رہو ورنہ اچھا نہ ہوگا — اس دن کو پھر ڈرنا تھا — آج —
 تھانیدار: سیدھے سیدھے چتا ہے کہ نہیں؟

بشیر: دیکھو داد خرمی! ہر شخص کی دوا کلا — ہر شخص کی دوا کرو — کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس۔

تھانیدار: بغیر ثبوت کے پولیس کچھ نہیں کرتی۔ حدوں کے کیس کا کاغذ ملے پاس موجود ہے۔

بشیر: کاغذ موجود ہے؟ یہ بیٹی مجھے پڑھاؤ — یہ لڑکی مولوی صاحب کے گھر سے آئی ہے — اسی لڑکی سے
 پوچھ لیا جائے۔

بشارت: اس لڑکی کا کیا سمت بار!

بشیر: تیری بات کا اعتبار ہے۔ بڑا آیا کہیں کا، بشارت کی طرف بڑھتا ہے — پھر کچھ سوچ کر رقم ہاتا ہے!
 تھانیدار صاحب: اگر اس لڑکی کا اعتبار نہیں تو مولوی صاحب کو بلا لو۔

بشارت: مولوی صاحب ایسی ذلیل جگہ آنا پسند نہ کریں گے۔

بشیر: وہ تو سب معلوم ہے — مگر انہیں میاں آنا ہی پڑے گا۔ بغیر ثبوت دونوں کا کہ لڑکی
 وہ کے گھر سے آئی ہے۔

بشارت: اہ اگر ثبوت نہ کر سکے۔

بشیر، تھانیدار صاحب: مولوی صاحب کو بلائیں میری بات مانو، آپ کو دھوکا پڑا ہے۔
تھانیدار: ہمیں بات ہے (ایک سپاہی کو بھیجی) دبئارت میاں کے ساتھ جلد جادو مولوی صاحب کو بلا لادو
(دونوں جاتے ہیں)

تھانیدار: (ڈک ہے) کیا نام ہے تمہارا؟

(تعمیر خارش کرتا ہے)

خیل: (اب بولتا ہے) اجاگر کیسے آئی ہے۔ آپ کو تو معلوم ہو گا؟

تھانیدار: تم چپ ہو۔ میں چک (CHECK) کرنا چاہتا ہوں۔ کیا نام ہے تیرا۔ بولتی
کیوں نہیں؟

(دہ سخت لہجے میں پوچھتے ہیں) نیوہ کا رنگ

بولتا ہے۔ دقتاً اس کے چہرے سے شرم اور گھبراہٹ

دور ہو جاتی ہے۔ اس کی آواز کڑی جرجبائی ہے)

تعمیر: میرا کوئی نام نہیں ہے۔

تھانیدار: کونسا نام نہیں ہے۔ پھپھانے سے فائدہ۔ جاسے اس نام ہو گا ہے۔

تعمیر: پھر پوچھنے سے فائدہ؟

خیل: آپ چک (CHECK) کرنا چاہتے ہیں۔

تھانیدار: تم چپ جرجبئی۔ کیا نام ہے تیرا۔

تعمیر: میرا نام! میرا نام سیتا ہے۔ میرا نام مریم ہے۔ میرا نام!

تھانیدار: اتنے سب نام!

تعمیر: اور بہت سے نام ہیں۔ کتنے نام بتاؤں۔

تھانیدار: تم ہر کون —————؟

تعمیر: میں محبت ہوں —————!

تھانندار: یہ تو نہیں دیکھ رہی ہوں۔

نعیمہ: تم کچھ نہیں دیکھ سکتے — تم مرین غصہ ہو۔

تھانندار: کون ہے تو۔ بتاتی کہیں نہیں۔

نعیمہ: انی محبت چلا — بیوی — بس — اہ — میا محبت ہوں —

(مولوی صاحب: بشارت اور سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ مولوی

صاحب کچھ سے پروا نہیں اڑ رہی ہیں۔)

تھانندار: بڑی پرانی بان ہے تو۔ بڑی بے شرم ہے۔

بشیر: تھانندار صاحب! ان تاہیں دیکھئے گا۔

نعیمہ: شرم —: تیس بل سے اٹھیں لگے مجھے شرم نہیں آتی۔ — تم باتیں کرنا چھو۔

— تم! — تم گلخانے آؤں۔ بیٹوں کی محبت لٹی۔ اس وقت لاج نہ آئی۔

تم نے شرموں میں توں کے نگھے جلوں نکلے اس وقت شرم نہ آئی۔ آج تم مجھے شرم دلانے آئے ہو۔

بشارت: تھانندار صاحب! آپ بھی کس بے حیا کے نہ لگے ہیں۔ مولوی صاحب آگئے ہیں۔ آپ دریافت کر لیجئے۔

تھانندار: مولوی صاحب معاف فرمائیے گا — آپ کو بڑی زحمت ہوئی — آپ اس لڑکے کو پہچانتے ہیں؟

(سب کی نظریں مولوی صاحب پر جم جاتی ہیں۔ مولوی صاحب عجیب

بے بسی کے عالم میں ہیں — ان سے بولا نہیں جا آ)

تھانندار: آپ پہچانتے ہیں یا

(مولوی صاحب کچھ پوچھ کر کہہ جاتے ہیں وہ کچھ نہیں کہہ پاتے)

بشارت: مولوی صاحب! آپ بہت نرم دل ہیں مگر یہ معاملہ اب رلیس میں چلا جا رہا ہے۔ تھانندار صاحب کو آپ کے

جواب کا انتظار ہے، آپ کی وجہ سے ایک کھڑے ہوئے ہیں۔

مولوی صاحب: می — میں — اے — میں اے —

تھانندار: اہ — اہ — فرمائیے۔

مولیٰ صاحب! میں سے — میں سے —

(یک بیک وہ ٹوٹ جاتے ہیں اندر میں پڑھ جاتے ہیں۔ نعرہ کی لہریں)

حقارت سے جھک اٹھتی ہیں۔ وہ آگے بڑھتی ہے ایک نظر مولیٰ صاحب پر

داغی ہے۔ میرا تمہاری تختی سے کتنی ہے)

نعرہ : میں سے نہیں جانتی۔

بشیر : (روان کر) نعرہ بن! نعرہ بن!!

نعرہ : ان بشیر تھیا! میں سے نہیں پوجاتی — میں سے نہیں پوجاتی —

بشارت : دیکھو! آج تیار صاحب! میں آپ سے پچھری کتا تھا — مفت میں مولیٰ صاحب کو تکلیف

دی گئی۔ ان کی سیت آج بہت خراب تھی صرف آپ کی دوسرے یہاں تک آگئے۔

تھانندار : (سپاہیوں سے بشیر کی طرف اٹھا کر کے) سے چلو سے۔

خیل : چھوڑ دیجیے بشیر کو — اس رڑکی کو میں لایا ہوں۔

(سب حیرت سے خیل کو دیکھتے ہیں)

بشارت : تم لائے ہو؟

خیل : ان! میں لایا ہوں — یہ میری بیوی ہے — عورتوں کے کیپے اسے میں لایا ہوں۔

(نعرہ کا چہرہ متعاد جذبات کی آواز لگا۔ بن جاتا ہے)

تھانندار : یہ تمہاری بیوی ہے۔ کیا ثبوت ہے؟

خیل : کیا ثبوت ہے — آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ نہیں ہے؟

تھانندار : کب ہوئی تمہاری شادی؟

خیل : سن ۶۴۰

تھانندار : سنگد میں۔

خیل : ہاں! آکس میں۔

تھانیدار، مگر کیا ثبوت ہے ؟

ظیل : (نیر کے طنز بخ کر کے) نعیرہ ! انھیں ثبوت چاہیے ہماری شادی کا ثبوت — تھانیدار صاحب !

کیا ثبوت ہے آپ کی شادی پر چکی ہے ؟

تھانیدار : میری شادی ہو چکی ہے — جس کے لئے موجود ہیں۔

ظیل : مگر یہی ثبوت ہے — توئی

(نیرہ لگے ٹھہر کر ظیل کو دکھتی ہے)

نیرہ : ظیل صاحب !

ظیل : نیرہ ! تم ان لوگوں کو نہیں پہچانتی — یہ ہر رات میں ثبوت لگتے ہیں۔ یہ انسان کو قانون، سونے اور

چاندی کے ذریعے سے پہچانتے ہیں۔ — یہ مسخوم بچوں کا کلا گھڑٹ دیتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ ان کے

پاس ثبوت نہیں — یہ انھیں — مسخوم بچوں کو سماج کے اہل کر دیتے ہیں اور

جب وہ بڑے ہو کر — چاندی سونے کے ثبوت لاتے ہیں تو پھر سماج میں لے لیتے ہیں۔ یہ ہمارے بچے کو بھی

نیرہ : ظیل صاحب !

(نیرہ کے دل ظیل کو دکھ دینا چاہتی ہے)

ظیل : نیرہ ! جہاز ایچ۔ تھانیدار ادا دہریوں — دلالوں اور ماہر کاروں کے ثبوت کا محتاج نہیں ہوگا۔ ہم

اس کے ذمہ دار ہیں — ہر وہ شخص ہمارے ہوا دار دلا ہے — نہیں تو — اسے بھی اپنی لولہ

کا ثبوت دینا ہوگا۔

بشارت : دیکھئے تھانیدار صاحب یہ باندھ داری — کچھ حد ہے ان بد معاشوں کی۔ بے ہوشی کی۔ کس محتاج ہے

پتہ لے سیکے گا اعلان کر رہے ہیں۔

تھانیدار : (پولیس والوں سے) دونوں کو لے چلو (دونوں کو لے جلتے ہیں) اور اسے (نیرہ کی طوں بشارت کے)

حرفوں کے کیس میں پہنچا دو۔

نیرہ : میں وہاں نہیں جاؤں گی — مجھے چھوڑ دو — مجھے چھوڑ دو — میں وہاں تیس پہنچاؤں گی

میں ہاں کیوں ہاؤں (سیاہی بشریہ نہیں کہے جانا چاہتے ہیں) تم سبھوں نے مل کر ہزاروں کا سماگ روٹ
 لیا۔ تھیں اب گلہ میں نہیں — تم آج بھی میرا سماگ روٹنے آگئے ہو۔ — میں ہاں نہیں
 ہاؤں گی۔

(سیاہی بشریہ کہے جاتے ہیں غیر سچی ہے۔ بشریہ یا بشریہ بھائی)

بشریہ ہاتھ ہٹے ابہن! میں آؤں گا تم گھراؤ نہیں۔ میں ضرور آؤں گا۔ میں ضرور آؤں گا — میرے
 ساتھ تھکے کرڈوں جہاں آئیں گے۔ جو قہاری تو ہیں کاہرا ہیں گے۔ آج ہمارے ہاتھ بندھے ہیں۔ مگر
 کل ہمارے ہاتھ کھل جائیں گے — سچا کھیت ہر گیہن ابہن! ضرور دیکھتے گا — تم رؤفت۔
 میں آؤں گا — میں ضرور آؤں گا

(بشریہ اور علیل ادھر سے ادھر سے لوگ چلے جاتے ہیں۔ بشارت مروی

صاحب کو سنا ہے سے جاتے ہیں۔

مروی صاحب جاتے جاتے فیہر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ فیہر من

(پہنچتی ہے۔)

پرندہ



حَبِیْبُ خَالِدِیْنَ

پروفیسر محمد مجیب



کردار

علی محمد	سحبہ خاتون
ایک جوان عورت : عطا محمد کی بیوی	اُس کی ماں :
بابائیل اللہ : ایک صوفی	تین آدمی :
قاضی ابو محمد :	سید مبارک : ایک صوفی
اُن کے شاگرد :	عطا محمد : اُن کا شاگرد
ولنواز : قوال	عبداللہ راتھر : نرن اسمہ خاتون کا باپ
اس کے دوست تھی :	شہزادہ یوسف : بد کو یوسف شاہ
چوہدرار :	محمد بیٹ :
نسرین : ایک خواص	علم شیر خاں باگرے :
دونو حصیں :	علی خاں چاک :
دونو جوان :	عزیز راتھر : حبیب خاتون کا شہر

مجھ کے لوگ



ہینلا ایکٹ

پہلا منظر

ایسیج کے دائیں طرف نند ایچھے مکان کا دروازہ بائیں طرف چشمہ
 ہس کے کانسے نشاد کا درخت. پشت پر پہاڑوں کا منظر. دن
 گھر سے چھین. کوئی نکلتی ہے. جیسے تار سے سڑکتا ہے. چٹے
 کے پاس جاتی ہے. بسکرائی ہوئی. رک رک کر کچھ کہتی ہے. پھر
 ایک کوشنار سے پٹ جاتی ہے. اس کے تیز پر گال دکھتی
 ہے. اس سے یارک اپن کرتی ہے. تھڈی دیر بعد اس کی نظر
 پہاڑوں پر پڑتی ہے. وہ جاہتی ہے کہ ان کے سبھی گلے ملنے لگے
 ٹھنک کر رہ جاتی ہے.

نوں (اشکایت کے لیے میں نشاد سے) دیکھو تو ان پہاڑوں کو. جانتے ہیں کہ میرا ان سے پٹ جانے کو
 جی چاہتا ہے. مگر وہ چپ ساد سے بیٹھے رہتے ہیں. نہ ایک قدم آگے نہ پیچھے. میں بھی ان کی طرف بیٹھ
 پیروں کی (کچھ دیر سوچ کر) وہ میں بھی توجے تھے. کہیں ایسا سناؤ کہ آدمی آواز کے نام ملک کو نبر
 جائے. کہیں ایسا سناؤ کہ پیر اور کھڑانے گتے ہیں کہیں نظر کو اور پڑھاتے پڑھاتے تھکا دیتے ہیں. کہیں
 اتنے زور سے نیچے دیکھتے ہیں کہ نظر کے ساتھ آدمی خود بھی گرنے لگتا ہے. یہی بسلا کوئی طریقہ ہے
 (پہاڑوں کی طرف بیٹھ کر کہتی ہے اور میں ملے منظر ہستی ہے. گویا پہاڑوں کی شکایت میں کہ اس سے کچھ کہیں
 پھر کھیروں سے دیکھ کر طرف دیکھتی ہے اسے کوئی جواب نہیں ملتا) اچھا نہ ہو. دیکھوں کہ کب تک
 چپ رہتے ہو.

(زردن شستارے لگ کر چٹنے کے پاس مٹیجھا جاتی ہے اور اس کے
 ہواؤ کو دیکھنے لگتی ہے۔ روز روز اس کے چہرے سے ہر فریبے
 کے آثار مل جاتے ہیں۔ پیر وہ اس طرح بولنے لگتی ہے کہ گویا اللہ
 سے کوئی طاقت اسے مجبور کر رہی ہے)

زردن : میرے دل سے گیت نکلتے۔ تیرے ساتھ جیتے۔ نہ مانے کہاں تک جیتے — کسی کو پتہ نہ چلتا
 کہاں سے لائے ہیں جس کے دل سے نکلے ہیں۔ کوئی سمجھتا۔ یہ وہ بڑا ہے جو جنگوں کو گذر دیا کرتی ہے۔
 کوئی کتا۔ یہ بیاڑوں کا نانا ہے۔ چٹنے کے ساتھ جو کرا گیا ہے دل کو آرام پہنچانے۔ محنت کا پسینہ
 پونچھنے — میرے دل سے گیت نکلتے — عورتیں نہیں گویا میں اٹھا کھیتیں۔ وہ کیا
 ان کے ساتھ کھیتیں — مرد انکھیں نیچ کر لیتے — میرے گیت — گلابی
 میرے گیت (خارشہ) تو ہر! دل سے کچھ نکلتا نہیں۔ میں بوجھ بڑھتا جا تا ہے۔ پیر سے پرتکتک کے آثار،
 مر جانا آسان ہے۔ چھپ رہا مشکل — کوئی ان گیتوں کو میرے دل سے نکال لینا۔ نکال
 کر کھینک تیا! آخر ان سے فائدہ کیا! آہستہ آہستہ نظر اٹھا کر یہاں گرد دیکھتے ہوئے (اور ان پہاڑوں
 سے کیا فائدہ! لاکھ محنت کرو دو رہی۔ جیتے ہیں۔ ان کی طرف دیکھو تو نظر کو بکر پڑتے ہیں دل کو برس جیتے
 ہیں۔ کوئی تسکین نہیں۔ کوئی تسلی نہیں۔ اکیلے کو اکیلا چھوڑتے ہیں — ہم تو موت کا ایوان
 کھا کر زندہ رہتے ہیں ایسا ہی کیفیت بدل جاتی ہے شستا کی شاخوں کی طوط و بچتے ہوئے مگر اگر اچھا
 خیال ہے۔ موت کا اچار کچھ نہ ہو تو اپاری کھاؤ (کمزوری ہو تو انکھیں چمکاتے ہوئے) اچار۔

زردن کی ماں : (اندھے) زردن! زردن!!

زردن : جی ماں!

زردن کی ماں : (دراڑے کے پاس سے) اری کیا کر رہی ہو باہر؟

زردن : باتیں کر رہی ہوں۔

ماں : (بہرنگ) باتیں کر رہی ہے۔ کہیں سے؟

نون (بخش کے ساتھ بتانا کہ) چھٹے سے ششام سے پہاڑوں سے اپنے آپ سے ۔
 ماں : (ندان کی طرف بڑھتے ہوئے) تجھے کیا ہو گیا ہے لڑکی۔ دیوانوں کی طرح چلا رہی ہے۔ معلوم نہیں آج
 لوگ ایسے ہیں؟

نون : کیسے لوگ؟

ماں : کیسے لوگ آئیں گے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو سیانی ہو گئی ہے۔ سید صاحب تیرے استاد کی خوشی مٹی
 کو تجھے فارسی پڑھا کھا دیں۔ تب تیرا بیاہ ہو۔ نہیں تو اب تک تو سسرال میں کئی سال گزارا ہو چکا ہوتا۔

(نون نہ بنا کر چُپ ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک کے بائیں طرف)

پہلے تین آدمی نظر آتے ہیں۔ ان دنوں کہنے کیڑوں میں چھپا لیتی

ہے۔ آدمی مکان کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور پھر کئی انھیں اندر

بلا لیتا ہے)

ماں : (اراضہ کے مجھے میں) تیرے آبا کے ایک بہت عزیز مددگار ہیں۔ عمر میراں کا ساتھ رہا ہے۔ بہت
 کے کئی سفر کر چکے ہیں۔ تو تو خود ہی جانتی ہے کہ تیرا بیاہ نہیں ہوئی تھی۔ جب انھوں نے طے کر لیا تھا کہ ہی طرح
 کا رشتہ ہو گا۔ پچھے۔ غرض حال لوگ ہیں۔ سستی میں ان کی عزت ہے۔ تیسرے۔ ابا نے آج شاہ صاحب کو بھی
 بلایا ہے۔ ان کی دعوت میں بہت اثر ہے (غور سے) اچھا اب تو یہاں چکی بیٹھی رہے۔ مجھے جا کے ہانوں کی خاطر
 کرنا ہے۔

(ماں مکان کے اندر چل جاتی ہے۔ نون سر جھکا کر کچھ جھٹکے کے بھاؤ)

کو دیکھنے لگتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا ایک افسوس طبع

حکمت کہنے لگتا ہے۔ گویا وہ ایک سے کی روانی کو بتا رہی ہے۔)

ون توڑہ وین کمر برے ————— ون توڑہ وین کمر برے ————— زان تازہ کرو تہم لہرے

دل تازہ کرو تہم دلبرے ————— ون توڑہ وین کمر برے ————— بریو کرو چس

لے بتاوسی۔ میں تیرے بغیر دن کیسے گزاراں گی۔ لے لے دبر تو نے میرا دل لے لیا ہے۔

_____ اُٹھ پڑے _____ از تم بے مائے برتے — دل آوازہ کرو تم دلبرے
 از تم بے مائے بے _____ دل آوازہ کرو تم دلبرے (سچی میں پڑ جاتی ہے۔ گانا بند ہو جاتا ہے
 مرنے اور حرکت کرنا دیتا ہے) کھ — چاند — سکھ — کھ چاند سکھ
 کوتاہ پڑے _____ دن تڑوہ دن دن کمر بے _____

(اہی مدعا میں سید مبارک ایک نوجوان مرد عمامہ کے ساتھ آتے

ہیں۔ اور ذوق کی کیفیت دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ذوق کی نظر

ان پر پڑتا ہے تو نگہ کر چُپ ہو جاتی ہے اور اپنا سر جھپا لیتی ہے)

تیرا مبارک : مجھے معلوم تھا کہ عبد اللہ رافضی کے مکان کے سامنے بیٹھتا ہے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اس میں سر بیٹھے ہیں۔
 (ذوق کے قریب جا کر) کیوں بیٹھی تھیں اہی نام نہون ہے نا (ذوق کوئی جواب نہیں دیتی) میں تمہارے لیے دعا
 کرنے آیا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ بہت سی دعائیں دینا ہوں گی _____ میں کھلی دفعہ آیا تھا تو تم کھینتی
 پھر تھیں۔ ایک تیر تھیں استناد سے فارسی پڑھتے دیکھا تھا۔ خدا تمہیں یہ علم : یہ طبیعت مبارک کرے۔
 (ذوق کے پاس دوز تو بھڑک اچھا اب شراؤ نہیں گیت کو اپنے گھے میں چھپا کر : دیکھ لو مجھے گیتوں
 کا بہت شوق ہے۔ اور شہیرے کی گیت میں نے سُننے ہی نہیں۔

(اسی مبارک ہی کے متعلق یہ کہنا گا : شروع کرنے وہ سر جھپا

بیٹھی رہتی ہے — کچھ دیر خاموشی کرتی ہے)

عطا محمد : حضور آپ اجازت دیں تو مولانا موم کی وہ مغزل سناؤں جو آپ کو بہت پسند ہے۔
 تیرا مبارک : بہت اچھا خیال ہے۔ ضرور سناؤ۔

(عطا محمد نے ادھر گنگنانے کے بعد۔ جیسی کہ صفحات سے لبریز

آواز سے گانا شروع کرنا ہے۔ نعل چونک پڑتا ہے۔ مغزل

غٹنے غٹنے اس کی جھلک بالکل دور ہو جاتی ہے اور وہ اس کے منہ

لے لے تیری بہت سے بہر ہیں۔ گت تیرے گھر کے اندر داخل ہو جائیں تیسے لیے چھوٹے چھوٹے بیڑ بچ کر دوں گی۔

ت تیرے چہرہ دکھ سے میری راحت پیدا ہوگی۔

سے لطف اٹھانے لگتی ہے (

عطا محمد

چرا از آذیشہ، بے چارہ گشتی فروزستی بہ غم، غم خوارہ گشتی
چرا از آذیشہ، بے چارہ گشتی فروزستی بہ غم، غم خوارہ گشتی

ترا من پاره پاره، جمع کردم

ترا من پاره پاره، جمع کردم چرا از دوسرہ صد پاره گشتی
ترا من پاره پاره، جمع کردم در بن خربت چہیں آوارہ گشتی

زمین را بہر تو گووارہ کردم

زمین را بہر تو گووارہ کردم نسر دی تختہ گووارہ گشتی
زمین را بہر تو گووارہ کردم تو سونے نیشک بدخوارہ گشتی

چرا از آذیشہ، بے چارہ گشتی فروزستی بہ غم، غم خوارہ گشتی
ترا من پاره پاره، جمع کردم چرا از دوسرہ صد پاره گشتی

چرا از آذیشہ، بے چارہ گشتی

(غالباً گانے کی آواز سن کر عبدالنور دالمر گھر سے نکل آیا ہے اللہ

سید مبارک کی طرف پلٹتا ہے۔ اس کے پیچھے وہ تین آدمی بھی جو

پچھلے تھے، نکل پڑتے ہیں۔ آخر میں نعل کی ان ٹھہر سے ملتی

ہے۔ تین آدمیوں کو ساج کی محض ندا بھی پسند نہیں آتی اسدہ

ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہہ رہے ہیں انکھوں سے ڈالہندہ

کا انہل کرتے ہیں)

عبداللہ: اغزل ہم چہ نئے کے بہرہ ما فہم کرتے ہوئے (صنوبر شاہ صاحب! یہ آپ نے مجھ پر کیا غضب کیا
کرتے ہیں ہائے۔ اور میں زمین پر چٹھے لگے۔ آپ نے تو مزاج پر ہی کام تو کیا۔ غفلت کی سمانی چاہتا ہوں۔)

سید مبارک، اہم ان مٹھن ہر تو میزاں کے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں جس غرض سے یہاں آیا تھا وہ یہ کہ وہاں ہوں — زندہ کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اس کی پیشانی پر شخصیت کا جلوہ ہے۔
خاندانے جاؤ تو یہ صرف اپنے زمانے کے لوگوں کو نہیں متاثر کرے گی، بلکہ بعد کو دنیاوی نفسیں بھی اسے یاد کریں گی۔

جولڈ، حضور کا دعا سے سب کچھ ہو سکتا ہے

سید مبارک: (زندہ اس کے کہ) اس وقت تھے: معلوم نہیں کہیں جہاں آ رہا ہے کہ زندہ کا نام جب میرا تو بہتر ہے وہی اسے آج سے جبہ کہا کریں گے

جولڈ، حضور کا ارشاد سراسر انکھوں پر آج سے یہ جبہ کھائے گی۔ اب حضور اندر تشریف لے چکے ہیں اور خادم کو کچھ تراش کرنے کا موقع نہایت فرمایا۔

سید مبارک: میں میرا تو میں بیٹھے کو بھی چاہتا رہے۔ یہ جگہ بہت اچھا ہے۔

(تینوں آدمی ہوا بک جولڈ کے دیکھے کھڑے رہے ہیں، بڑھکے

سید مبارک سے مصافحہ کرتے ہیں، سید مبارک ان پر ایک نظر

ڈال کر پھر تو نہیں کہتے اور حق کی طرف دیکھتے گتے ہیں، وہ ارشاد

کھا دیکھے نہ چھپا لے ہے، تینوں آدمی ہرٹ کر اٹھ کے مابین طرہ

آجاتے ہیں۔ جولڈ کی کھنٹی میں آتا کہ ان کی طرف توجہ ہو یا تہ مبارک

(کھنٹی)

پہلا آدمی: (اپنے ساتھیوں سے) اب میں نصحت ہو جانا چاہئے۔

دوسرا آدمی: اور نہیں کیا مجھے یہ بات! اکل ہند نہیں کہ لڑکی ہر طرح بیٹھے کر گمانتے۔

تیسرا آدمی: ان دیکھو کسی بے شرم ہے خود بھی گارہی ہے۔

دوسرا آدمی: کہیں یہ لڑکی چواری لڑکیوں کو خراب نہ کرے۔

پہلا آدمی: نہیں! میں سمجھتا ہوں سسرال میں اس کی اصلاح ہو جائے گی مگر حال شاہ صاحب کی موجدگی میں

نوم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔

(آخر کار عبداللہ راقع طے کرتا ہے کہ اسے ان تینوں سے معاملہ

ہونا چاہیے اور وہ اٹھ کر ان کی طرف آتا ہے)

پہلا آدمی: عبداللہ! بھیجی اب میں اجازت دو۔

عبداللہ: یہی جلدی کیا ہے۔ ذرا دیر تو اور ٹھہرو۔

تیسرا آدمی: نہیں اب میں جانے دو۔

دوسرا آدمی: ان ہمارا چلا جانا ہی بہتر ہے۔

(عبداللہ کے چہرے سے پریشانی اور تکلیف نکال رہتی ہے۔ مگر

کوئی جواب اس کی سمجھ نہیں آتا۔ تینوں آدمی اس سے معاف

کئے اور تینوں کو سلام کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں)

سید مبارک: عبداللہ راقع! بھیجی مجھے بہت افسوس ہے کہ میرا ایسے وقت آنا ہوا۔ جب یہ لوگ یہاں موجود

عبداللہ راقع: حضور! آپ کی فرمائشیں ہیں۔ آپ کا تشریف لانا کہیں بے موقع ہو سکتا ہے۔ جہاں سے لیے تو آپ

جس وقت بھی تشریف لائیں بڑی سعادت ہے

سید مبارک: نہیں۔ میں ہی وقت نہ آتا تو بہتر تھا۔ میرے لیے اب ایک بڑا اخلاقی مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔

سید کو میں نے ہی گاتے سنا تھا۔ اس کا اکلڑا حملہ آؤلا نہیں۔ اس کا شوق سولی شرق نہیں۔

تھیں بات کیسے سمجھاؤں۔

ماں: حضور! زون۔ جیسے وہی پرانا نام زبان پر آگیا۔ سید کو میں نے کبھی کبھی گلگلتے سنا ہے۔ سچا ہے

نہا نے منع نہیں کیا۔

سید مبارک: عبداللہ! بڑا زانو — تو تم سے ایک بات کہوں۔

عبداللہ راقع: حضور! ارشاد فرمائیں۔

سید مبارک: میں جانتا ہوں کہ اس میں نقصان کا پس انداز ہے۔ لیکن آدمی کو بھی بھر کے آدمی ہونا چاہئے۔

دوسرا منظر

اب تیار ٹیلر جس کی انہ کی سطح ہوا نظر آتی ہے۔ آزاد میں
 یہاں سے پچھلے سے ایک راستہ آتا ہے۔ جو گھومنا اڑھانے کو
 نکلتا ہے۔ ٹیلر پر سخت گھاس کھینچے ہیں۔ ہی کا ٹیلا لاؤنگ
 منظر پر جاوی ہے۔ جیکھے بہت دور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پتھر دی
 تھوڑی بونٹ لگائی رہتی ہے۔ دوپہر کا وقت ہے اور دھوپ
 بہت تیز ہے۔ جبر خاتون تکلیف اندھی اور ٹڈھال مانتے تھے کہ کسے
 بیٹا ہے سہ پہلج کر اڑھانے ٹیلے کے پچھلے سے آئے تو وہ

اسے دیکھ نہ سکے |

حبیہ خاتون: (بیٹے جیسی کہ قدر، انہی آواز میں۔ پیدل سے گلے سے)

چارہ کرو میوں مانو ہر چارہ کرو میوں مانو ہر

دارہ دیں سیت دارہ چہس تو

چارہ کرو میوں مانو ہر چارہ کرو میوں مانو ہر

(ادب میں زیادہ تھکنی آواز میں)

چارہ کرو میوں مانو ہر

وہ کس۔ گڈر گڈو

چارہ کرو میوں مانو ہر

سہ ستاوتہ ولہا مشارہ

دل ہشاشا مانو ہر

لے نیکے دلو میرا چارہ کر لے سسارال، والوں کے ساتھ میں بھی حالت میں نہیں ہوں کہ کر یو سے پڑھتا میرے
 لیے مشکل جو ہے لے جبر خاتون نے اشاروں میں سب کچھ بتا دیا لے ہشاشا دل نیکے دلو۔

عبداللہ راتھھر : جی حضور سبھا ہے۔

سید مبارک : نہیں میری بات کو چھیڑنا سمجھ لو۔ تمہیں بے لوگ اسے بڑا میں کہتا ہوں کہ گانے کا شوق ہے مگر تم اسے منع نہ کرنا۔ بعد کو کچھ پوچھنا خدا کی مرضی ہے۔ — خدا جس کو صیاد پیدا کرے۔ اس کو دیر ہی پونا چاہئے۔ کسی ترفیق سے انکار کرنا کسی تپتے شوق نوار ناکفران نعمت ہے۔

عبداللہ راتھھر : اچھا! آج حضور! ان ممالک کو آپ مہتر سمجھتے ہیں۔

سید مبارک : اچھا! اب مجھے اجازت دو۔ میری بصیرت فطریہ میں بڑھ گئی ہے۔
(سید مہارل اور عطا محمد رخصت ہوتے ہیں۔ ان کے جانے کے

بعد کچھ دیر خاموشی رہتی ہے)

مال : اب چلو۔ اندر چلو میرا گھر کا سارا کام پڑا ہے

عبداللہ راتھھر : اہ چلو۔

مال : شاہ صاحب نے ہم اجمار کہا ہے — حیدر — خدا کی کوئی نام مبارک کہے کیوں ہے!
تو یہاں کتنی دیر بیٹھیے گی؟

حیدر : جب یہاں بیٹھتا رہے گا۔

مال : اب یہ پیر دیوانی باتیں کرنے لگا۔ آج احمدی سے۔

(مال اندر باپ اندر چلے جاتے ہیں۔ خبر نشا رکی ٹیپ لگائے)

سورج میں کھڑی رہتی ہے)

پیر ۵

(ترجمہ سے سرشار ہو کر حبیہ خاتون پر داغیت دوبارہ گاتی ہے۔ یہی
 دوران میں شہزادہ یوسف ٹیلے کے پیچھے سے دبے پاؤں آگئے
 ہے اور حبیہ خاتون سے کچھ دُور خاموش کھڑا رہتا ہے جب حبیہ خاتون
 تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو جاتی ہے۔ تو وہ اندر آگئے بڑھتا ہے
 مگر اب بھی وہ حبیہ خاتون کے پیچھے ہے اور وہ ان کو دیکھ نہیں
 سکتی)

یوسف! یہ آواز کس جگہ کی ہوتی اگر وہیں آتا لحدتہ ہوتا۔ میں کتنا کہ صورت بھی کسی حدی کی کی ہے۔ اگر وہ میری
 نظروں سے چھپائی نہ جاتی۔

حبیہ خاتون اور سلطان ہے اور اپنا پہرہ پھیلانے کی کوشش
 کرتی ہے

یوسف: اسے سو تیرا نام کی ہے؟

(حبیہ خاتون کوئی جواب نہیں دیتی)

یوسف: مجھے معلوم نہیں تھا کہ حدی کشمیری زبان میں گیت گالینتی ہیں۔ محرمات نہیں کہہ سکتے ہیں۔

حبیہ خاتون: میں آدمی ہوں۔ مجھ سے آدمی کی طرح بات کیجئے۔

یوسف: (ذرا جبر بول کر) مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کا لڑکا آدمی کی طرح بات نہ کرے

حبیہ خاتون: اجنبی کو شریف عمرزوں سے بات نہ کرنا چاہیے میرے لیے بادشاہ کا لڑکا بھی اجنبی ہے۔

یوسف: میں نے تارا یا کس کشمیر کا شہزادہ یوسف ہوں۔ اب میں اجنبی نہیں رہا۔ اب تم بناؤ کہ تمہارا نام کیا ہے۔

حبیہ خاتون: میرا نام میس گھر والوں سے پوچھئے۔

یوسف: تمہارے بچے والوں سے یا سسرال والوں سے؟

(حبیہ خاتون شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیتی ہے)

یوسف: میں تمہارے اوپر کوئی غلام نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے تمہیں اب داغیت گاتے سنا جیسا کہ میں نے اب تک

نہیں سنا ہے۔ تمہاری آواز اتنی سر بلبی ہے کہ آدمی کی آواز جو نہیں سکتی۔ میں خنزیراہ اور بھٹی ہوں تب بھی آدمی تڑپوں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں تمہیں آسمانی دولت نہ بھوں۔ تمہیں حمد نہ کہوں تمہارا پتہ نشان معلوم کرنا نہ چاہوں۔

حجہ خانوآن : اچھا اب بس کیجئے۔ میں مٹی مٹی مٹی ہوں گی میرا کوئی پتہ نشان نہیں۔
محمد بیٹ : علم شیر خاں اگر سے اور علی خاں چک ٹیلے کے پیچھے سے آتے ہیں۔ یوسف انہیں دیکھ کر محمد بیٹ کو اپنے پاس بلاتا ہے (

یوسف : یہاں قریب کوئی بستی ہے ؟

محمد بیٹ : ہے عالی جاہ ! کوئی مدینہ ہے

یوسف : یہ عدت رہیں رہتی ہوگی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کون ہے۔ تم ذرا جلدی سے جاؤ اور وہاں پر پوچھو کہ ایسی کوئی عورت ہے جو کشتی زنا ہی گیت گاتی ہے۔ اگر تپ چلے تو اس کے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ یہ خود کھجرتا آئیں۔ اور میں اس کا پتہ ان معلوم کیے بغیر جاتا نہیں سکتا۔

محمد بیٹ : عالی جاہ ! آپ اس دھوپ میں تکلیف کیوں اٹھائیے۔ یہ عدت آسانی سے آپ کے ساتھ چلنے پر راضی ہو جاگی۔ سری نگہ بھی کہ آپ حکم دیجئے گا کہ اس کے گھر والے دوبارہ حاضر کیے جائیں۔
یوسف : ادا اگر یہ ملک سے ساتھ چلنے پر ہمتی نہ ہوئی۔

محمد بیٹ : (حرفاتوآن کی طرف بڑھتے ہوئے) میں بسے بھی راضی نہ ہوں۔

علم شیر خاں : محمد بیٹ۔ سوئی سبھ کہ کام کرو ہم اس وقت کل جا رہیں اور شکار کے لیے نکلے ہیں۔ اگر یہ عدت چینی چلائی اور گاؤں والوں نے ہم کو گھیر لیا تو مشکل پڑ جائے گی۔ ایسے شکار کو لا کر سے جانے کے لیے ذرا انتظام کی ضرورت ہے۔

علی خاں چاک : ہر جگہ کے شکار کے لیے ایک سے مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم مجھے جو کہ سب کچھ کو لے۔

محمد بٹ: میں درخاؤں کی سسرشت کو بھی مہج پہچانتا ہوں۔ تم لوگ خواہ مخواہ ٹکڑے ہو۔
 علی شیر خاں: ہم سب جانتے ہیں کہ تم بہادر ہو۔ مگر اس وقت تو عالمیباہ کے ارشاد پڑ گئے۔
 یوسف: (سختی کا انداز اختیار کر کے) ہاں! ہم نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو (حبیب خاؤں سے) تم
 نے کیا نشانہ میرا نام گھر والوں سے پوچھو۔ وہی کہہ رہے ہیں۔

حبیب خاؤں: یہ طلب ہے۔

یوسف: ظلم؟ میرے منہ پر کتنی ہو کر فی ظلم کرتا ہوں۔ ظالم ہوں۔ یہ بہت تم میں کہاں سے آئی؟
 حبیب خاؤں: (بصیرت سے کھڑی ہو کر) یوسف کی آنکھ سے آنکھ ملا کر اچھی دیکھو۔ یہی کہتی تھی کہ یہ ظلم ہے۔ ادا آپ کا بھی
 چاہے تو یہی تلواریں میری بہت آزمائیں۔

یوسف: (تواریں دیکھ کر) یہ سوج کر (معلوم ہوتا ہے کہ تم نے سسرال میں اتنا ظلم سہا ہے کہ اب
 ارشاد کے ظلم سے بھی نہیں ڈرتی ہو) (حبیب خاؤں سر جھکا لیتی ہے) نہیں۔ یہ بھی نہیں۔ مجھے تمہاری شرافت
 کی داد دینی پڑے۔ تمہیں اب سسرال کے لوگوں کا اعتبار نہیں مجھے ظلم کی دعوت دے کر اپنے آپ کو بچانا
 چاہتا ہو۔ اور جو سوج کر (اپنے اور تمہاری سسرال کے لوگ تمہاری طرح شریف نکلے تو میں تمہارے
 تلواریں لے کر جھڑپوں گا کہ ایک ٹکڑے اپنا لیتا سنا اور نظر سے غائب ہو گئی۔ وہ
 غیب سے نکلا اور مجھ سے سر پر تاج رکھوں گا اور کہوں گا کہ آسمان سے ایک ٹکڑے میری ملک جتنے کے لیے
 اترا ہے۔

سحبیب خاؤں: ہاں، میری تلواریں عزت نہیں۔ عورت کی عزت اس کے گھر میں ہوتی ہے۔

یوسف: تمہارے تلواریں عزت ہوتی تو تم مجھے فخر کے ساتھ بتاتیں کہ میں نکال گھری ہوں۔

حبیب خاؤں: میں آپ کے ظلم سے ڈرتی ہوں۔

یوسف: یہ سوج کر۔ تم مجھ سے نہیں ڈرتی ہو (اس اس کو شانے کے لیے) اگر تم یہ دیکھو کہ میں تم سے

ڈرتا ہوں۔ تم شریف عورت میں تمہارا وہ ہوں۔ تم گاتی ہو تو میں کو سبھی کا نقد دان ہوں۔ تم کشمیری میں گیت

کہتی ہو تو میں فارسی میں خدائے کتب ہوں۔ تم مجھے اپنی محنت دو گئی تو میں تمہیں اپنی سلطنت دیدوں گا۔

حسبہ خاتون: میں ایسا سو رہا نہیں کر سکتی۔

یوسف: آدمی مجبور کر سبھی کچھ کر لیتا ہے۔

حسبہ خاتون: جی ہاں! ظالم کے ظلم کو بھی سہہ لیتا ہے۔ مگر ظالم کی بھی سوچنا چاہیے کہ اس کا اختیار کب تک چلے گا۔
یوسف: تم سے حجت کرتے کرتے تیری زبان نکل ہو گئی ہے۔

حسبہ خاتون: میں مظلوم کا خون پیسے ہی حاضر کر چکی ہوں۔

(محمد بیٹ: عزیز راتھر (حسبہ خاتون کے شوہر) کے ساتھ واپس

آتا ہے۔ عزیز پر رحمت طاری ہے)

محمد بیٹ: عالی جاہ! یہ درمیان مجھے ٹپکے کے قریب ہی مل گیا۔ یہ اس عورت کا شوہر معلوم ہوتا ہے۔

یوسف: (عزیز کو کھو کر اُس سے نیچے ہنک دیکھتا ہے) مجھے تو نہیں معلوم ہوتا۔ تیرا نام کیا ہے اور تو کیا کرتا ہے؟
(عزیز جواب دینا چاہتا ہے۔ مگر اس کی گھٹلی بندھ جاتی ہے۔)

رحمت میں وہ ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں پر گر جاتا ہے)

محمد بیٹ: عالی جاہ! یہ زمیندار ہے اور اس کا نام عزیز راتھر ہے۔

یوسف: (عزیز راتھر سے) کیوں۔ یہ عورت تیری بیوی ہے؟

(عزیز جواب دینا چاہتا ہے۔ مگر آواز نہیں نکلتی۔ صرف

سر ہلا دیتا ہے)

یوسف: مجھے تو نہیں قابل نہیں معلوم ہوتا کہ ایسی عورت تیرے گھر میں ہے۔ تجھے اس کو مطلقاً طے دینا چاہیئے۔

(محمد بیٹ کے کان میں کچھ کہتا ہے)

محمد بیٹ: (عزیز سے) چل تیری قسمت جاگ اٹھی۔

(عزیز کا ہاتھ کپڑا لٹک لٹک سے جاتا ہے اور اگرے اور عینال کچ

کو اشارے سے بلا تا ہے۔ پھر وہ عزیز کے کان میں کچھ کہتا ہے

عزیز ہتھار کے لیے سر ہلاتا ہے اور دونوں معاص

بھی ہر کے بعد سر جاتے ہیں۔ محمدیٹ جیسے ایک تھیلی نکال
 کر عزیزیکے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے کہ چلتا
 چلتے جب خاتون بڑی ایو سسی کے ساتھ یہ تو نشانہ دیکھتی ہے اور
 یوسف براہِ تہ خاتون کو دیکھتا رہتا ہے (

یوسف: (جب خاتون سے بڑی نرمی کے ساتھ) آپ نے مجھے ظالم کہا تھا۔ اب بتائیے کہ ظالم کون ہے ؟
 (جب خاتون بے بس ہو کر بیٹھ جاتی ہے۔ اور رونے لگتی ہے
 یوسف اپنے مہاجرین کے پاس جاتا ہے اور سب دینی آواز
 میں مشورہ کرتے ہیں)

پُرودہ



دوسرا ایکٹ

پہلا منظر

(یوسف اپنے محل میں دیوانِ حاضر - دائیں طرف درباری اور وزیر

دست بستہ بیٹھے ہیں۔ ان میں ولی محمد یعقوب شاہ اور محمد بیٹ
سب کے آگے ہیں۔ ان کے کچھ کچھ علم شیر خاں آگے اور علی خاں ایک
رکھالی دیتے ہیں۔ سٹیج کے بائیں طرف فرش سے ایک قدم اونچا
پلیٹ فارم ہے جس پر شاہی تخت رکھا ہے۔ تخت کے پیچھے
اڑھسے اور اڑھسے کے دھری طون گاؤنگیہ اور ڈالین سے تخت
پر یوسف شاہ - گاؤنگیہ کا سہارا لے کر جھکنا بیٹھے ہیں)

یوسف شاہ : محمد بیٹ ! اب اوکھا کام آتی ہے ؟

محمد بیٹ : میری عقل میں مسالوں کی وجہ سے حیران تھی۔ وہ سب نکل ان کی روشن ضمیر نے نسیطے کر دیئے ہیں
اب فلام کا کہہ صرف ختم کی تعمیل کرنا ہے۔

(دل احمد، طرف دیکھتا ہے)

دل احمد : عالی جاہ ! میں ایک فریڈے کر آیا ہوں — دنیا کا کھلی حصہ جہاں انسان آباد ہیں بشرفساد

سے خالی نہیں۔ عالیجاہ جیسے رعایا پرورد اور صاحبِ بعیرت حکمران ہر سہ مسطنت کی طرف پوری توجہ کرتے
ہیں۔ عدل و انصاف کا فرد بن جاتے ہیں تو مخالفت کرنے والے اور کوئی جہان ڈھونڈتے ہیں۔ عالی جاہ کی
فرہن شہنشاہی اس کا موقع نہیں تھی ہے کہ رعایا کی شکایتوں کو رجعت کا حیلہ بنایا جائے۔ اس لیے احمد
کے اور ملک جہاں کے نقد کو اعتراض کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ رعایا کو جان اور مال اور معاش کی طرف

سے پورا اطمینان ہے۔ وہ راگ اور نزل گوئی کا شوق کیوں دکھائے۔ مگر نہیں خند کا ایک نفاذت جین کے سر پہ دیا جائے کیوں علم کا عامر یا نہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب ہے کہ راگ اور مصیحتی اور مع سب مرام میں اس کا چرچا کرنے کے لیے ہے۔ یہ بات میرے کانوں تک میرے مطرووں اور قوالوں نے پہنچائی ان کا بیان تھا کہ نفل مندی مخالفت کے لیے ایک جماعت تیار کی گئی ہے جو اس معاملے میں لٹنے منسنے پر تکی ہے بعض کریں کہ یہ سب علم کے گئے گئے کردہ ڈر کر شہر سے بھاگ گئے۔ جو ہیں وہ اپنی جان خطرے میں سمجھتے ہیں نفل اللہ کا شاد ہو تو میں اپنے مطروں اور قوالوں کو حاضر کرواؤں۔

یوسف شاہ: نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ تم بتاؤ کہ تم نے کیا کیا؟

ولی محمد: ظاہر اللہ! میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس قصہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں اور اس شورش کو رفع کر دوں مگر فکر جہاں نے منع فرمایا۔

یوسف شاہ: ملکہ جہاں نے کس بنا پر منع فرمایا؟

حسبہ خاتون: عالی جاہ! قاضی ابوالکھیر بٹہ سے عالم ہیں۔ ساری دنیا میں ان کی شہرت ہے۔ جو بات وہ کہتے ہیں اور اطلاق کی بات ہے۔ ان پر ہاتھ اٹھانا علم اور دین کی ایسی توہین ہوگی جس سے عالی جاہ سلسلہ جہاں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنام ہو جائیں گے۔ عالی جاہ کو قوت کے بجائے تہریر سے کام لینا چاہیے۔

یوسف شاہ: پھر آپ نے کوئی تہریر بھی کی ہے؟

حسبہ خاتون: جی ہاں! میں نے سنا تھا کہ قاضی صاحب شاعر ہیں۔ اب دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے بہت سی خزیلیں کہی ہیں۔ ان میں آتنا ترنہم ہے کہ قاضی صاحب پر راگ کا اثر ضرور ہوگا وہ راگ اس میں سنتے کہ اپنے علم سے مطابق وہ اسے مرام سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اگر وہ کہیں آگ میں تھے تو ان کا دل ان کے علم کا حکم نہ مانے گا انکھیل ان کے تال کو رو کر دے گا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ قاضی صاحب کو نفل سن کر بھاگ گیا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جہاں کا دین سے یہی

تعلق ہے۔ ہم کے بعد قاضی صاحب ہم پر اعتراض نہ کریں گے۔ آپ باخلیل اللہ سے درخواست کیجئے
 کہ وہ قاضی صاحب کے پاس تشریف لے جائیں اور ان سے فرمائیں کہ عالی جاہ پر ان کی تفتیش کا بہت اثر
 برپا ہے۔ وہ آج غلطی میں ان سے ملنا چاہتے ہیں۔

یوسف شاہ: میں عدوت: ایک عالم دین سے ملنا چاہتا ہوں؟
 حبیہ خاتون: نہیں ماں! میں آپ کے قریب ہوں گی۔ باخلیل اللہ میں موجود رہیں گے۔
 یوسف شاہ: ملکہ جہاں مستثنیٰ ہیں کہ وہ اس معاملے کو ضمنی طور پر حل کر دیں گی۔
 وہی محمد مجھے ملکہ جہاں کی کامیابی کا پورا یقین ہے۔

انعامت کچھ کتنا چاہتا ہے کہ کچھ پشمند سائی دیتا ہے۔ ایک
 چھوٹا سا نعل چاہتا ہے اور آداب بجا لیتا ہے)

چوہدرار نعل اللہ محل کے چوکی ماحصل نے ایک بد معاش کو کپڑے ابے جو حرم سرسرا میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔
 محمد بٹ: ہاں کے یہ نعل اللہ کو ٹھیک لینے کی ضرورت نہ تھی۔ بد معاش کی دہریں پر گردن مار دینا چاہئے تھا۔
 یوسف شاہ: ان ماں! اور نہیں کیا۔

حبیہ خاتون: عالی جاہ! ہاں بد معاش کو میں خود سزا دینا چاہتی ہوں۔
 یوسف شاہ: ملکہ عالم سزا دینا آپ کا کام نہیں۔

حبیہ خاتون: یہ بد معاش حرم سرسرا میں گھسنا چاہتا تھا۔ اس نے میری اور حرم شہزادی کی دوسری عورتوں کی آبرو پر حملہ
 کیا۔ ہاں میں سزا خود تجویز کرنے کی اجازت دیجئے۔

یوسف شاہ: ملکہ جہاں کی گزارش ہے کہ ان بد معاش کی سزا خود تجویز فرمائیں۔ اُسے ان کے ملنے حاضر کرو۔
 محمد بٹ: نعل اللہ اب خاتون کو دوبارہ درخواست کرنے کا حکم دیں۔ خاتون اللہ کو شاد اور سلطنت کو آباد رکھے۔

وزیر اور داروغہ آداب بجا لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ چلے جاتے ہیں۔
 ایک خواص آکر لوٹ کر شادی ہوئے۔ دوسری نچی نقشین سبز لاکر
 رکھ دیتی ہے۔ تیسری ایک ٹشت میں ملتی اور بیلا اور تھوسے

کہا جان لو کہ وہ وحی ہے۔ تینوں خواہیں مل جاتی ہیں جب خاتونِ ذرا
بائیں طرف ہٹ کر بوجھ شاہ کے لیے جگہ کرتا ہے)

جب خاتون : آگے عالی جاؤ : اب سنیے کہ جو سنے کے لیے میں نے کہا سنا تھوڑا کر کے ۔

یوسف شاہ : ایسے اپنے قوم کی پیالی لو۔ پھر مجھے یہہر ایسا بار لا۔ ہی کے لین جرم و سزا کے معاملے پر غور کریں گے۔

خیر خاتون : میں آپ سے کہتی رہتی ہوں کہ شہ نہ لگائے ۔ آپ نہیں مانتے ۔

یوسف شاہ : لہذا میں شہرِ اٹریل کی ادرتہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے ۔ اسے غانا کرنے آتم جو تہی ہوئے میرے سر

پر تاج ہے۔ کہ اس تاج سے میرے سر کو کوئی ناکارہ نہیں پہنچاتا۔ پھر بھی ایسی باتیں کرتی ہو جو میری سمجھ میں نہیں

آتی ہیں۔ اب کئی تیرے ملتے ہو جو بد ہے برہ سہرا نشکر گیا ہے ؟

حمید خاتون : میرے لیے کبھی : کچھ آسان نہیں ہے ۔ کئی سال جو سنے ایک : ذرا صبح کو اٹھی تو ہی نشتر میں تہ

تس میرے گلہ نے اس ایک چشمہ بہتا تھا۔ چشمے کے کنارے ایک شمشاد کا درخت تھا۔ میں نے چشمے کو بار بار گیا

شمشاد سے لہلہہ گئی۔ جا سکتی تھی کہ یہاں میرے پاس آجائیں۔ مجھ سے گلے ملیں۔ وہ نہیں کہنے تو دیکھ گئی۔

یہ میں شمشاد کے گلے میں اس ڈال کر بیٹھ گئی اور چشمے کے بہاؤ کو دیکھنے لگی۔ کہ اگر لہر کے ساتھ سفر میں جانا

نفاذ میں سے دل و رانج میں نشتر کی لہریں اٹھتی ہیں۔ دل میں ایک شوق پیرا ہے جو سینے کو چیر کر نکلتا چاہتا ہے۔

میں نے گنگنا نا شروع کیا میرے اٹھ پاؤں سارے کے تاروں کا لہن کا چپنے لگے۔ میرا پہلا گیت : چشمے کی طرح

پھوٹ نکلا ۔۔۔۔۔۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک صوفی اپنے نوجوان مرید کے ساتھ ساتھ کھڑے

ہیں انہوں نے میرے نشتر کی کیفیت چھان لی۔ میرے پاس ہی طرح بیٹھ گئے کہ گو یا مرید کا گانا سنانا چاہتے

ہیں۔ مگر میں گجرا گئی۔ دل سے جو ستر نکلتا چاہتے تھے۔ وہ گلے پھینس گئے۔ جیسے آپ کی تپالی گروں

کی صراحی میں شہر آب پھینس جاتی ہے۔ نوجوان مرید نے کہا مولانا دم کی ایک غزل سنا تا ہوں اور

بڑی خوشگمانی سے ایک غزل سنائی ۔۔۔۔۔۔ مجھے اپنے اوپر تابو نہیں رہا تھا۔ شاید میں بھی

ہاں کے ساتھ گانے لگی

(بوجھ شاہ باتیں کرتے کرتے ایک اہل پالا غالی کر دیتا ہے)

یوسف شاہ : (سرا کر) کیا اس موقع پر کسی نے نشے میں نشہ نہیں دیا تھا ؟

حبیبہ خاتون : جی نہیں ۔ ایک پچھلے مرنے زندگی کے سراز کو جگا دیا ۔۔۔ اب ایک کمانی تھے ۔ ایک

نوجوان مرنے اپنے پیر کے ساتھ کسی زمینسندار کے گھر گیا ۔ وہ سوچا جو کاکو جمع کی ہانڈے کی رعایت

کرنے کی درخواستیں کی جائیں گی ۔ جیسا کہ سمجھا تو رہا ہے ۔ گھر کے سامنے اس نے ایک کیڑی بیٹھے دیکھا ۔

اس کے پیر اس کی پاس جا کر بیٹھے گئے ۔ اور پیر بد لڑکی کی کیفیتیں دیکھ کر ہی نے ایک غزل پھیر دی ۔

ہمارا کہ ہوا کے جھرنکے آئے ۔۔۔ تہی چلک گئی ۔۔۔ کئی برس بعد جہاں نوجوان کا ہنساوی

جو بچا تھی ۔۔۔ اس کا گھر بار تھا ۔۔۔ بچے تھے ۔۔۔ اس نے لوگوں کو کشمیری گیت گاتے

تہا بس گیت کی بے کسی کے ترنم کسی کی فہم گینے نے اسے وہ صبح وہ چہنتر ۔۔۔ غزل یاد دلا دی

تا وہاں گلہ جہاں یہ عاشق ہو گیا ۔۔۔ بیوی بچوں کو بھول گیا ۔۔۔ دو ہاتھ ہو گیا ۔۔۔

بھول گیا کہ ایک نشے کو دوسرے میں نہیں ملانا چاہئے ۔

یوسف شاہ : (کچھ رہا بت کچھ غصے میں) واقعتی اس بد معاش کا سراپاں کے بدن سے جدا کر دینا چاہئے تھا ۔

حبیبہ خاتون : اس کی بیوی نے سب سے پاس فرارے کر آئی ۔ میں نے اس سے کہا کہ جاؤ اپنے شوہر سے کہ دو ۔

کہ آج رات کو حرم سرا میں آجائے ۔ اسے گلہ جہاں کا اصل نصیب ہوگا بشرط یہ ہے کہ تو اب گاہ

بالکل تارک ہے ۔ اور وہ گلہ جہاں سے کوئی بات نہ کرے ۔

یوسف شاہ : (غصے کو دبا تے ہوئے) اور یہ سب آپ مجھ سے بیان کر رہی ہیں ۔

حبیبہ خاتون : (جی ہاں) آپ کی داد چاہتی ہوں ۔۔۔ فریب !

(فریب اندر ہنسا کر آ رہی ہے ۔۔۔ حبیبہ خاتون آنکھ سے آنسو

کوٹی ہے ۔۔۔ فریب باہر جا کر ایک نوجوان سے کہ اپنے ساتھ لائی

ہے ۔۔۔ شاہانہ ماسک پہنے ہے ۔۔۔ ہاں کا بدن زیلوں سے

جگمگا رہا ہے ۔۔۔ ارشاد کر دیکھ کہ وہ سر جگمگاتی ہے)

حبیبہ خاتون : علی جہ ! آج رات کی گلہ جہاں سے ملاقات کیجئے ۔

(یوسف شاہ حیرت کے کعبے حجب خاتون کبھی ہوا نہ عورت کو دیکھتا

ہے۔ یہ میں مانس لیتا ہے اور سکو کر اپنے سر سے تاج اتار

کر جب خاتون کے سر پر رکھ دیتا ہے)

یوسف شاہ : اب بیڑ بھا۔ یہ سہی آدمی کی بیوی ہے۔۔۔ اچھا اب اس مجرم کو بھی پیش کیجئے۔

حبیبہ خاتون : عالی جاہ ایک تیری گیت ہے۔ تازہ کی غزل نہیں۔ میں اپنی تھری کو دو سوائس کر سکتی۔ میں نے حکم دیا ہے کہ

مجرم کو غسل دیں۔ اس کے بدن پر نرغہ ٹھوسٹیں میں۔ اسے گلہ جہاں کے لائق بنائیں۔ اس کے بعد وہ ایک مجھ سے

میں اس سے بے آراستہ کیا گیا ہے بلکہ جہاں کا اٹھار کرے گا۔

یوسف شاہ : (شرباک) میرا تاج چھو، واپس کر بیٹھے سے آتے سے مجھے کھٹا ٹانہ نہیں ہوا۔

(جب خاتون کے سر سے تاج اتار کر بے سر پر رکھ لیتا ہے۔ جب خاتون

کے لٹا ہے پنھاس ہوا نہ عورت کو سے کر ہی جاتی ہے)

یوسف شاہ : اچھا! اب کیا کریں ؟

حبیبہ خاتون : اب باغیلاں اللہ تاجی بلو محمد کو بادشاہ اور ملک کے نائب ہونے کی مبارک خبر سنا چکے ہوں گے۔ تاجی تاجی

نیک نام ہوا دیکھ کے لگا سکتے ہیں۔ آتے ہی ہوں گے۔

یوسف شاہ : (اسراہی اور پاپے کی طرف دیکھ کر) اللہ یہ جو ہے اس کو کیا کروں ؟

حبیبہ خاتون : اب تاج کی توجہ خالی پیٹ پر نہ جوگی۔ برتن ہٹوا دیکھئے۔

یوسف شاہ : مگر میں عالم دین سے تو گفتگو نہیں کر سکتا۔

حبیبہ خاتون : آج کے یہ خبری زیادہ مناسب ہے۔ تاجی صاحب آپ کی زبان کا جازو دیکھ کر ہمت مٹا دیں گے۔

یوسف شاہ : اور کیا تاجی صاحب اس کو لپٹ کر لیں گے کہ آپ ان سے گفتگو کریں۔

حبیبہ خاتون : میری زبان میری مفضل ہے۔۔۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے باغیلاں اللہ کو سالہ چھی

طی بکھا دیا ہے۔۔۔۔۔ اپنے ہاتھ میں سنب سے کہ ایک شرابی کسی عالم کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے

طیب نے انگور کا رس پیئے تو کولہ ہے۔ مگر میں تو آجوں کو کہیں اس میں نشہ نہ پیدا ہو جائے آپ میری

ہدایت کیجئے۔ عالم کے پاس وہ مذہبی قسم کا رس لٹا۔ اور اس کے نشے کے بانے میں فتویٰ لیتا۔ آخر میں مدنون ہم مشرب ہو گئے۔

یوسف شاہ: یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، اس کا مطلب کیا ہے؟
 حبیبہ خاتون: مطلب بیان کرنے سے بات بگڑ گھٹائے گی۔ خدا صبر کیجئے۔
 یوسف شاہ: قاضی صاحب چاہے جتنی دیر لائیں، میں صبر کروں گا
 (یاد دہر کر رہا ہے، پھر کچھ گنگنائے گنا ہے۔ آخر میں یہ مصرع
 سنائی دیتا ہے، بڑا درد زلف بت کشمیر تزام ہے) ()
 (نسرین اندر آتی ہے اور کتاب پیکر حبیبہ خاتون کے کان میں کچھ
 کہتی ہے۔ حبیبہ خاتون صراحتاً اس سے کہنے کی طرف اشارہ کرتی ہے
 اور غصہ منٹ اٹھالیتی ہے)

یوسف شاہ: ہمیں ایک قاضی اب کچھ آگئے؟
 حبیبہ خاتون: جہیزاں! جب تک نسرین ادٹ کھڑی کرے گی اور لکڑی کی بتیاں جھلنے لگیں۔ اس وقت تک قاضی صاحب
 پہنچ جائیں گے۔

(نسرین آگتیاں جلاڑ ہے اور ادٹ کھڑی کر کے چل جاتی ہے)
 یوسف شاہ: اور وہ آجائیں گے تو میں ان سے کہوں گا کیا؟ آپ نے تو کچھ بتایا نہیں؟
 حبیبہ خاتون: آپ بڑھ کر ان سے معاف کیجئے گا۔ السلام علیکم اتشرف لایئے اللہ تکلیف دینے کی سمانی چاہتا
 ہوں کہہ کر انھیں تخت کی طرف لے آئیے گا۔ پھر کئی گاؤں آج اس تخت کو زینت بنائے۔
 یوسف شاہ: بے چارہ تخت!۔

حبیبہ خاتون: آپ یہ کہیں گے تو قاضی صاحب کو تخت سے بڑی جھڑکی ہو جائے گی اور اس کے پاسے صنفی
 چر جائیں گے۔

یوسف: اچھا — اچھا — اب باقی ہیں کچھ چر جائیے

حبیبہ خاتون: آپ ان سے سخت پرٹھنے کو کہیں گے۔ تو وہ بہت خوش چہ ماہر گئے۔ اندر فرش پر بیٹھ جائیں گے۔

یوسف شاہ: میں ان سے جتنی دُور بیٹھوں گا اتنے ہی بڑا ہونا؟

حبیبہ خاتون: ابائے خلیل اللہ اپنے اور ان کے ہاں بیٹھ جائیے۔ آپ دُور بیٹھیں گے تو ان کی نظر آپ پر زیادہ سہیگی۔

یوسف شاہ: پھر؟

حبیبہ خاتون: ان کی خدمت میں حبیبہ خاتون کا دست بہتہ سلام عرض کر دیکھیے گا۔

یوسف شاہ: اچھا۔ یہ تو بھئی ہیں گیگا۔ اب یہ تہا دیجئے کہ تو ان کن چیزوں سے کر دل اور کب کروں۔

حبیبہ خاتون: تو یہ کرنا ہر قدر ہی وقت کر لیجئے۔ اس نے بعد تو بس مجھے دل چسپی نہیں۔

یوسف شاہ: مگر تاحی صاحب اس کے بغیر تاحی کیسے ہوں گے؟

حبیبہ خاتون: یہ آپ ابائے خلیل اللہ پر چھوڑ دیجئے۔

یوسف شاہ: اچھا! ان کو آپ سبق پڑھا چکے ہیں؟

(بیمبار اندر آتا ہے اند آداب جہاں آتا ہے)

چوہدرار: نعل اللہ! حضرت ابائے خلیل اللہ! تاحی ابو محمد اور ان کے چند شاگرد شریف لائے ہیں۔ فرماتے ہیں

نعل اللہ نے انھیں یاد فرمایا ہے۔

حبیبہ خاتون: نہیں ملا۔

(چوہدرار چلا جاتا ہے۔ یوسف شاہ کھڑا ہوا ہے اپنے اپنے کپڑے

دست کرتا ہوا لوٹ کی طرف آتا ہے اس ایک دُور ہونے

کی طرف بڑھتا ہے)

یوسف شاہ: (خدا بھرم کر)

کردم ز شرب ناب توبہ ذرگفتن اصواب توبہ

حبیبہ خاتون: میں بس عالی جاہ! اتنی توبہ کانی ہے۔

(در دماغ سے پچھے جو ہر داخل ہوگا طلب بجا لانا ہے۔ پھر با!)
 خلیل اللہ آتے ہیں۔ ان کے پیچھے قاضی ابو محمد امدان کے چند شاگرد
 بابا خلیل اللہ سکر اکر قاضی ابو محمد غیر جانب دار لہجے میں السلام علیکم
 کہتے ہیں۔ قاضی صاحب امدان کے شاگرد دیوبند قاضی کی دیوبند
 اور محبت کو محبت سے دیکھتے ہیں۔ اسی دن ان میں تین آدمی امدان
 اپنے کپڑوں میں ساز جھپٹائے ہیں۔ چپکے سے داخل ہوتے ہیں اور ایک
 کونے میں بیٹھ جاتے ہیں)

یوسف شاہ: (قاضی ابو محمد کی طرف بڑھ کر) السلام علیکم (معاذ اللہ کہہ رہے) آپ نے میرے اوپر بڑا کرم کیا جو اس
 وقت تشریف لائے تب تکیف دینے کی معافی چاہتا ہوں (تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آج ہی تخت
 کو زینت بنجئے۔

(قاضی ابو محمد کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی ہے۔ مگر سر ہلا کر فریض
 پر مہذب ہو جاتے ہیں)

بابا خلیل اللہ: عالی جاہ! علم اور عالم کے ہمت نام کے لیے کافی ہے۔ اگر آپ ہمارے سفوف فریض پر تشریف رکھیں! یا
 خلیل اللہ قاضی ابو محمد کی نسل میں بیٹھ جاتے ہیں اور یوسف شاہ کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ جہاں ہالوں میں چلنے لگتے
 ہیں اور سب کو پیش کرتے ہیں۔ جب سب جلنے کے دیکھ کر گھونٹ پی لیتے ہیں اور خلیل اللہ قاضی ابو محمد سے
 مخاطب ہوتے ہیں (قاضی صاحب یہ تکلف کرنے اور بات کو طول دینے کا وقت نہیں ہے جیسا کہ میں آپ سے
 عرض کر رہا تھا۔ آپ کی تعین کا عالی جاہ اور ملکہ شہان

یوسف شاہ: قاضی صاحب! حجبہ فاترہ آپ کی خدمت میں دست بستہ سلام عرض کرتی ہیں۔
 قاضی ابو محمد: (اسی غیر جانب دار لہجے میں) والسلام۔

بابا خلیل اللہ: عالی جاہ! اور ملکہ شہان پر آپ کی تعین کا بہت اثر ہوا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ وہاں کی پرانی روایتیں ملی
 آ رہی ہیں۔ بہت سے لوگوں کی پریشانی اس پیشے کے ذریعے ہوتی ہے۔ جسے آپ نے حرام قرار دیا ہے۔ غالباً

اور مکہ جہاں کی نذر است ہے کہ آپ نہیں بھیجے۔ اسے میں برایت دیں کہ راگ اور گانے کی کون سی شکل جائز ہے اور کون سی نہیں ہے۔ غزل کے کون سے مضمون مناسب ہیں کون سے نہیں ہیں۔ غزل غزل میں معشوق کا ذکر تو جائز ہے؟

قاضی ابو محمد: اگر اس سے مراد معشوق حقیقی ہو۔

بابا خلیل اللہ: معشوق حقیقی کا تصور انسان کو بے خود کر سکتا ہے؟

قاضی ابو محمد: بے شک کر سکتا ہے۔

بابا خلیل اللہ: معشوق حقیقی سے لگاؤ ڈیبا کرنے کے لیے انسان سے غزل پڑھ سکتا ہے؟

قاضی ابو محمد: ہاں مگر اس طرح نہیں کہ گانے کا سزا غالب آجائے۔

بابا خلیل اللہ: عال جاہ اور ملکہ جہاں چاہتے ہیں کہ آپ چند غزلیں سن لیں اور اس کے بارے میں فتوا فرمائیں۔

اگر کسی کا مضمون مناسب ہے کسی کا نہیں۔ بعض غزلیں تحت اللفظ میں پڑھی جائیں تو بعض سے سے۔

آپ نے کسی سے ہی مقرر فرمائیے عالی جاہ اور ملکہ جہاں وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی برایت کی ہر طرح پابندی

کونے اور ہر لمحہ پر پختہ کیا جائے گا۔ ————— و لہذا زنا قریب آجاؤ۔

(ان تینوں آدمیوں میں سے جو کونے میں بیٹھے ہیں۔ ایک اگر ساتے

بیٹھا جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ساز ہو جائے)

قاضی ابو محمد: ساز کے ساز غزل پڑھنا بھی حرام ہے۔ ساز کو الگ رکھ دو۔

(و لہذا ساتہ کو الگ رکھ دیتا ہے)

و لہذا زنا، (یعنی سخت حفظ اور وقت تلفی سے بچنا)

انے نسیم سحر کو نام گویا رکھتے است

غزل آئی رہ عاشق کش حیار کجاست

قاضی ابو محمد: اس شعر کا مضمون مستحب ہے۔

شب ناست وہ دادی این در پیش

بکش طود کجا دستہ دیدار کجاست

قاضی ابو محمد: اس شعر پڑھ کر نئے کی ضرورت ہے۔

ہر کہ آمد ہر جسمیں انقش خرابی دار

دہ خرابات بیرستید کہ شیار کجاست

قاضی ابو محمد: (نمائتا تر ہو کر) اس میں خرابات کا لفظ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

بابا خلیل اللہ: اب کہنا اندھن سناؤ۔ رنگ بدلتا ہے تو اچھا ہے۔

دلنواز: (زادیر گلگتا کرتے سے)

صبا بطف جو کس خرابی رحمت را

کہ سر کدوہ بسیاں تو دادہ مارا

قاضی ابو محمد: سبحان اللہ سبحان اللہ۔ (بھوٹ ہیں)

خرد سخن امانت گز دادے گل

کہ پرستے نہ کنی خلیب خیدا سا

قاضی ابو محمد: واہ واہ سبحان اللہ

(دلنواز گویا خیالی میں ساز کو زنا بھیڑتا ہے)

قاضی ابو محمد: نہیں۔ نہیں۔ ساز نہیں۔ ساز نہیں۔ وہ لہو و لعب کا احتمال بڑھاتا ہے (مجموعہ کہ) فرقہ میں اہل

مگر نہ دادے گی

(دل نواز ہی شعر کو زیادہ ترنم کے ساتھ دہراتا ہے۔ پھر گے

گا ہے)

چرا حسیب نشینی دادہ پسیا ہی

بسیا آرزو نفلان بودہ پسیا را

نہ فہم از چہ سبب رنگ آفتابی نیت

سی تہاں سید چشم او سیمارا

بزمی قد نتران گفت در جمال تو عیب
 کہ غالب مہر و وفا نیست بوسے زیبا سا
 صبا بملطف گیو آں مستزائل دھانا
 صبا بملطف گیو

(ہی منزل کے تم ہوئے ہی ہم خاتون ایک منزل ساز کے ساتھ
 کا اشرار کرتی ہے۔ تاحضی بلو محمد پاک عورت کی آوازوں
 کہ گہرا جلتے ہی۔ ادا گھیریں نہیں آنا کہ کیا کریں۔ پیلے خارش پیستے
 ہیں۔ پیر خد لطف ادا دہونے لگتے ہیں۔ دمنوازین کی حالت
 کو خور سے دیکھتا ہے ادا صبی ہی اسے خیال ہوتا ہے کہ تاحضی بلو محمد
 احترام میں نہ کریں گے وہ لے اٹھانے لگتا ہے اور ساز کو بھی ہارتے
 آہرت پیرٹنے لگتا ہے)

حبیہ خاتون

گر چشم پوشم از تو بہ دل جلوه گر تویی
 ندوید از بازگشتم در قطر تویی
 گہ در لباس نازگے خرقہ نمیا از
 ہر لحظہ جلوه گر بہ لباس دگر تویی
 چون زلف خورشید قصہ مطول چو کہنی
 از عرش تا بہ فرش سخن مختصر تویی

(تیسرے شعر کے بعد جب خاتون نداء کہ جاتی ہے۔ دنو از ہی منزل
 شروع کر دیتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتا ہے کہ قریب
 آجائیں۔ اب تاحضی صاحب کے سامنے تینوں قوال ہیں۔ اوٹ

کے پیچھے سے جب خاتون ہی نے لٹھائی کرتی ہے)

قوال :

نئی دانم چہ منزل بود شب جائے کون بودم
بہر سوہ قہس لیل بود شب جائے کون بودم
(سبز خاتون کون شکر کوہ مرآتی ہے ۔ پیر و لہذا کے سمتی)

بتے رنگین اولائے سرو الیئے لب لعلے
سرایا آفت دل بود شب جائے کون بودم
نئی دانم چہ منزل بود شب جائے کون بودم
سرایا آفت دل بود شب جائے کون بودم
بہر سوہ قہس لیل بود شب جائے کون بودم
نئی دانم چہ منزل بود شب جائے کون بودم
(سبز خاتون اور قوال اس کا طبع معروف کی الٹ پیر کرتے دیتے ہیں)

قاسمی ابو محمد پر حال کی کیفیت طلدی ہونے لگتی ہے)

نئی دانم چہ منزل بود شب جائے کون بودم
بہر سوہ قہس لیل بود شب جائے کون بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو

دلیواز :

سبز خاتون

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو

قوال

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو

دلیواز

محمد شیح محفل بود شب جائے کون بودم

یہ تیر مبارک آئیں نہیں؟

محمد ریٹ: جمل اللہ! میں نے تو پہلے ہی خدمتِ عالی میں عرض کیا تھا کہ اُسے بلا اے کار ہے نہ ہرگز نہ اُسے گا۔
حبیب خاتون: یہ صاحبِ بہت ہے اور محبت والے آئیں ہیں وہ ضرور تشریف لائیں گے۔

ولی احمد: گلہاں! یہ عجیب بات ہے کہ حکومت کا کام کرنا ہے جس شخص کو مقصدوں اور خدادادوں کا سرخندہ کتے ہیں اُسکی
کا آپ عزت سے ذکر کرتی ہیں۔ یہ علاج حکومت کیسے حل کئی ہے؟

حبیب خاتون: ان خراج! اس طرح حکومت نہیں چل سکتی۔

یوسف شاہ: پھر آپ کیا چاہتی ہیں۔ میں کیا کروں؟

حبیب خاتون: میں چاہتی ہوں کہ آپ خود حکومت کریں۔

یوسف شاہ: گلہ جہاں! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک آدمی حکومت کا سارا کام کسے سمجھ سکا تو میں نے ذمہ دار
بنایا ہے۔ ان کا بھی تو کلمہ ہے۔

حبیب خاتون: جی نہیں عالی جاہ! حق صرف جہم کا ہے۔

یوسف شاہ: آپ اب جہم حسبِ صورت کیا کرتی ہیں۔ کیا آپ کی کھیر میں یہ نہیں آتا کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جہم
میں کوئی اپنا اثر پیدا کر کے مجھ سے محبت و راج چھین لے گا۔

حبیب خاتون: جب آپ بادشاہ ہیں تو جہم میں کسی دسترس کا اثر کیوں ہو؟

یوسف شاہ: آپ نے جہم سنا ہے کہ یہ مبارک نے دارالسلطنت میں فساد برپا کرنے کے لیے تک ہواوں

کی ایک جماعت تیار کی ہے۔ اس کے بعد بھی آپ جہم کا نام لیتے ہیں۔

(چوہدری احمد دہلوی جو کہ آداب بجا لایا ہے)

چوہدری: ظل اللہ! یہ تیر مبارک حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

یوسف شاہ: اسے حاضر کرو۔

یوسف شاہ: ظل اللہ! یہ تیر مبارک حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

کہ کہ ایک طنز کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یوسف شاہ نہیں اُپر

سے نیچے نہیں کہتا ہے۔ مگر نئے کے سبب ہی کی نظر تھی میں)

یوسف شاہ : میری مبارک ! اور سامنے آؤ۔ ہم نے سنا ہے کہ تم شرمِ فساد کرنے کے لیے ایک جماعت تیار کر رہے ہو ؟
سید مبارک : عالی ! وہ آپ جانتے ہیں کہ فیروز کا کام تالیفِ قلوب ہے۔ میں وہی کر رہا ہوں۔
یوسف شاہ : یہ تالیفِ قلوب کا بالکل نیا طریقہ ہے۔

سید مبارک : مجھ سے لوگ بہت ہی مصیبتیں بیان کرتے رہتے ہیں۔ میں جس طرح سمجھتی آتا ہے ان کو سنی دیتا ہوں۔ اب کچھ حرم سے لوگوں میں پریشانی بہت بڑھ گئی ہے۔ انہیں ہن کا دکھ ہے کہ عالی جاہ انہیں دیدار کا کوئی موقع نہیں مہیا کرتے۔ ان کے حال کی طرف تو نہیں فرماتے جو فریاد کرنے آتا ہے۔ اس کے ساتھ اور بھی زیادہ سختی کی جاتی ہے۔ اب وہ میرے گرد بیچ بڑھتے ہیں اور ہرگز تقویٰ کو ان کی شکایتیں آپ تک پہنچاؤں۔

محمد ریٹ : جہاں پناہ ! یہ بات کس قدر غلط ہے کہ آپ کے حال سے باخبر نہیں حکومت کا سارا کام دستور کے مطابق چل رہا ہے اور کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کی جاتی لیکن بعض لوگ ہیں جو پہلی بڑھتی کی وجہ سے سرکڑوں کی حمایت کرتے ہیں اور فتنے کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔

سید مبارک : عالی جاہ ! مجھے پورا یقین ہے کہ آپ غالباً کوسمانی سے مطمئن فرما سکیں گے۔ بس یہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر عالی جاہ کو منظور ہوتی تو میں گل یا بیرون لوگوں کو عہدہ گاہ میں جمع کروں اور آپ ان کی نسی فرمادیں۔

علم شیر خاں ماگے : ظل اللہ ! مجھے اس میں عذر ہے مجھے شہر کا حال معلوم ہے اور اس کی بنا پر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ظل اللہ کا ایسے مجمع میں تشریف لے جاؤ جس میں بددعا سازوں اور غنڈوں کو مروجہ کھنے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا ہو۔ بہت خطر ناک ہوگا۔

سید مبارک : عالی جاہ ! میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی رعایا آپ سے بہت محبت کرتی ہے اور آپ کو اپنے بیچ میں دیکھ کر اسے بہت تسلی ہوگی۔ آپ اپنی رعایا پر اعتبار فرمائے۔

حبیبہ خاتون : عالی جاہ ! میری بھی یہی درخواست ہے۔

دل احمد : جہاں پناہ ! آپ عالی جاہ پر دستبار ضرور فرمائیں مگر اس کے ساتھ احتیاط بھی لازمی ہے۔

سید مبارک : عالی جاہ ! میں اس کا ذریعہ سمجھا ہوں کہ لوگ احترام اور عاجزی کے ساتھ اپنی شکایتیں بیان

کری گئے اللہ کی قسم کہ بے ادبی نہ ہوگی۔

محمد بیٹ: بخل اللہ! جب کسی کا آپ کی رعایا پر اتنا اثر ہے کہ فوج کے بغیر آپ کی سلاطین کا ذمہ لے سکے تو یہ سوچنے کی بات ہے کہ آسنے اپنے اثر سے کام لے کر فساد کو دہرایا کیوں نہیں۔
یوسف شاہ: تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

تید مبارک: عالیجاہ! اس وقت نمایاں دُعا کی ضرورت ہے۔ یہ آپ ہی فرما سکتے ہیں۔ اب میرا اثر لوگوارا کو روک نہیں سکتا۔

محمد بیٹ: بخل اللہ! مجھے اس پر اعتراض ہے کہ اس علاج آپ کے خادموں کے طرز عمل کی شکایت کی جا
کیا آپ اپنی رعایا کے خیر خواہ نہیں ہیں؟ کیا آپ حکومت کے فرائض کو انجام میں دے رہے ہیں۔ یہ دُعا
نرنے کا مطالبہ مجھے صرف ایک ایمانہ معلوم ہوتا ہے۔

یوسف شاہ: (بیمار کی مجلس بن کر) دیکھو۔ سید مبارک اب میں کچھ سنا نہیں جا رہا۔ یہ فساد تھاری وجہ سے
رُندہ ہے اور اسے دور کرنا بھی تھا۔ اہی فرض ہے تم اسی وقت جاؤ اور بے ادبیت کے بند بٹے کو
کے دلوں سے نکالو۔ ورنہ جو کچھ ہوگا اس کے تم ذمہ دار ہو۔

تید مبارک: عالیجاہ! میں آپ کا حکم سبب لانا ہے کہ لڑی کو شمش کردوں گا مگر میری رضا است ہے کہ آؤ
میرے ساتھ اپنے کسی معتبر وزیر کو بھیج دیجئے تاکہ وہ لوگوں کے جوش کا اندازہ کر لے اور میرے طرز
کو بھی جانے لے۔

محمد بیٹ: بخل اللہ! اس میں بھی آپ کی حکومت کو بڑی سبکی کا اندیشہ ہے لوگ کیس گئے کہ بادشاہ اتنا
آیا نہ دیریری کو ذلیل کرو۔

یوسف شاہ: (مستی کے غصہ میں کانپتے ہوئے) بس کرو تید مبارک! اب جاؤ اور تم سے جو کچھ کہ
چہ کرو۔

(سید مبارک سر جھکا کر دیوانِ خاص سے چلے جاتے ہیں جبہ خاتون)

بھی اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ یوسف شاہ ایک پیار بھر کر بیٹا ہے۔)

محرم پٹ : ظل اللہ نے اس وقت ایسی دور اندیشی سے کام لیا ہے کہ حیرت برقی ہے یہ تیر مبارک آپ کے وہ بے
اور شان سے مرعوب دیکھا جا تو اندیشہ تھا کہ سلطنت کا تختہ پلٹ جائے۔ اب ظل اللہ لفظ بتدین نرفادام
جائے دیکھے کہ سید مبارک کیا کرتا ہے۔
یوسف شاہ : اُن جاؤ۔

(یوسف شاہ شاہ سے دربارِ بخت کتا ہے۔ درباری
اور صاحبِ سب چلے جاتے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے یوسف شاہ
ایکلا رہتا ہے پھر ایک خواص آکر اوٹ پڑتا ہے۔ یہی وقت
خیر خاتون دیوانی عورت کے پاس میں داخل ہوتی ہے یوسف شاہ
اسے غصے دیکھنے کے بعد میں پہچان لیا ہے)

یوسف شاہ : یہ کیسا باکس ہیں کرانی ہو؟

خیر خاتون : یہ میری ناس ہے جو میں ملنے سے پہلے پناہ کرتی تھی۔۔۔۔ میں اتنے برس میں رہ کر لپکے
دل میں رہا اب کی محبت نہیں پیدا ہو سکی۔ اب میں چاہتی ہوں کہ جا کر رہا یا کے دل میں آپ کی محبت پیدا
کروں۔

یوسف شاہ : (حیرت سے) آپ کیا چاہتی ہیں؟

خیر خاتون : میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے ایک گناہ عورت کی طرح زندگی گزارنے کی اجازت دے دیں۔

یوسف شاہ : اور میں کیا کروں؟

خیر خاتون : آپ کے اختیار میں پڑا لک ہے۔ ہزاروں آدمیوں کی حیرت، جان، مال اسٹوگ ہے۔ آپ جو

چاہیں کر سکتے ہیں

یوسف شاہ : (سوجا کر) یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

خیر خاتون : میں جس سے چاہوں گی تو ہر بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی۔

یوسف شاہ : (پھر ڈرا دی سوجا کر) یہ آپ کی کھد ہوئی ہیں؟

حبیبہ خاتون: آپ کے ذریعہ اور مصاحب آپ کو مستورہ دیتے ہیں وہ فوراً آپ کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ میں آپ سے
برکتی ہوں تو آپ اچھے میں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی یہ اچھن دودھ جھنکا۔

یوسف شاہ: اور آپ مجھے اکیلا چھڑیں گی؟

حبیبہ خاتون: میں آپ کے لیے ساتھی تلاش کرنے جا رہی ہوں۔

یوسف شاہ: مجھے آپ کے علاوہ اور کوئی ساتھی نہیں چاہیے

حبیبہ خاتون: (بڑی ایسی کے لمحے میں) میرا آپ کا ساتھ ملتا ہوا پھوٹ گیا۔

یوسف شاہ: (رفتہ رفتہ شہر پر کہ) ملکہ جہاں! کل صبح تک تو ٹھہر جیسے۔

حبیبہ خاتون: بل صبح نہ آپ ہی مل رہی ہوں گے۔ نہ میں ہوں گی۔

یوسف شاہ: (گہر کر) کیوں؟

حبیبہ خاتون: مجھے عمل میں رہنے کی اب خواہش نہیں (منہ پھیر کر) آپ اس عمل کے لائق نہیں ہے۔

یوسف شاہ: (بجاحت سے) ملکہ جہاں! کوئی بات تو کہنے سو میری سمجھ میں آجائے۔ یہ میں انسا ہوں کہ اب میں

شراب زیادہ پینے لگا ہوں۔ لیکن آپ ہر رات تو میں اس سے بالکل توبہ کر لوں گا۔ آپ کو میرے فیروں

سے شکایت ہے۔ تو مجھے آپ حکم دیں۔ سوئی پر چڑھا دوں۔ گلاب پنا زیادہ بدل دیجئے۔ جا کر وہ شاہانہ

لیاں پن لیجئے۔ جو آپ ہی کو ذرا تیار ہے۔ کل جب میرے حواس ٹھیک ہو جائیں گے تو آپ مجھے

بھائیے لگا کر لیا کروں۔

(حبیبہ خاتون حسرت کے ساتھ یوسف شاہ کی طرف دیکھتی رہتی ہے)

(اور کوئی جواب نہیں دیتی)

یوسف شاہ: ملکہ جہاں! آخر میں کیا کروں۔ آپ یوان میں بیٹھی ہیں۔ حکومت کے سب معاملے آپ کے ماتھے پر ہوتے

ہیں۔ آپ کی حیات میری سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس پر عمل ضرور کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ آپ خفا ہیں

حبیبہ خاتون: میں خفا نہیں ہوں۔ ایک رشتہ کو جو ٹوٹ گیا ہے پھر سے جڑنا چاہتی ہوں۔

یوسف شاہ: ملکہ جہاں! آپ نے مجھے بالکل حیران کر دیا ہے اب خدا کے لیے ان باتوں کو چھوڑ دیجئے۔

(اور صراحت دیکھ کر) آج تو آپ کی قوم بھی نہیں آئی۔ نسرین۔

(نسرین داخل ہوتی ہے اور آداب بجا لاتی ہے)

یوسف شاہ: جاؤ ملکہ جہاں کے لیے قوم لاداد پر بیدار سے کہو کہ وہ تو ان کو حاضر کرے۔

نسرین: (از جا مل کے بعد) اہل اللہ! اس وقت کوئی چویدار نظر نہیں آتا۔ میں بہ طرف دیکھ آئی ہوں

یوسف شاہ: کیوں سب کہاں غائب ہو گئے؟

نسرین: ظن اللہ! آج شام سے شہر میں بہت شہدہ غشی برپا ہے۔ شہر میں نے یہ خبر مشورہ کر لی ہے کہ عمل پر عمل
ہونے والا ہے۔

یوسف شاہ: یہ کیا؟ مجھ سے تو کبھی نے کچھ نہیں کہا۔ خدا علم شیر خاں کو تو بلاؤ۔

(خواہش مہل جساتی ہے)

یوسف شاہ: یہ سب مبارک شاہ کی شہادت معلوم ہوتی ہے۔ اسے پہلے ہی قتل کر دینا چاہئے۔

حبیہ خاتون: جی ہاں! سیلاب کی خبر لانے والے کا منہ بند کر دیا جائے تو سیلاب رک جائے۔ اب اطمینان دلانے
والوں کا اطمینان کب لگ لانا ہے۔

یوسف شاہ: اس کا کیا مطلب ہے؟

حبیہ خاتون: عالی جاہ! میری بات کا کبھی کوئی مطلب نہیں ہوتا:

یوسف شاہ: (عاجزی سے) آج آپ میری بہت سخت آزمائش کر رہی ہیں آخر تمہارے تو اب کیا کروں؟

حبیہ خاتون: مجھے مل سے جس کی اجازت دے دیجئے۔

یوسف شاہ: لوگ آپ کو پہچانتے ہیں۔ آپ کا محل سے نکلنا خطرناک ہے۔

حبیہ خاتون: لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

دربار میں کاویک دروازہ ندر سے کھلتا ہے اور محمد بٹ

دخاڑی پریشانی اور خوف کی حالت میں داخل ہوتا ہے)

محمد بٹ: ظن اللہ! غضب چرگا! شہر میں آپ کے خادم قتل ہو رہے ہیں اور ان کے گھروں ٹپے جا رہے ہیں:

فوج نے افسروں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ کے جو خیر خواہ بچ گئے وہ ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں اور شہر سے بھاگنے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اب حضور کا کیا حکم ہے ؟

یوسف شاہ : ملکہ جہاں اب قلم اٹھائیے۔

حبیبہ خاتون : عالی جاہ! آپ کو راجہ تھوڑی دیر پہلے ہی یقین دلایا گیا تھا کہ آپ کے خادم و عیال کی حالت سے باخبر رہتے ہیں یہ تو انہیں سے پوچھنا چاہئے۔ انہیں منہ چیلنے اور شہر سے بھاگنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ محمد ریٹ : ظل اللہ انجھے اب یقین ہے کہ تیرے مبارک نے آپ کی دشمنی میں غداروں کو فساد پر آمادہ کیا۔ یوسف شاہ : (گھبرا کر) مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

محمد ریٹ : لیکن اب اسے غداروں کی سزا دینے کے لیے موقع کا انتظار کرنا ہوگا۔ اب وقت تو یہیں اپنی سلامتی کی تدبیر کرنا ہے۔

یوسف شاہ : ملکہ جہاں! اب بتائیے کیا کریں ؟

حبیبہ خاتون : آپ چاروں تو میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔

یوسف شاہ : کہاں چلوں آپ کے ساتھ ؟

حبیبہ خاتون : جہور کے دل میں۔

یوسف شاہ : اسی ہونے کے دل میں جو مجھے قتل کرنے پتے ہوئے ہیں۔

محمد ریٹ : جہاں پناہ اب ایسی بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میں نے خزانہ کھلوا دیا ہے۔ اس میں سے جتنا آسانی سے لے سکیں گے لیں گے۔ دہا کی طرف ایک کشتی تیار ہے اور وہ سب کتنا سے پھینک دوں گے۔

یوسف شاہ : اب بے رہ نہ کیجئے۔

یوسف شاہ : اور ملکہ جہاں! آپ کیا کریں گی ؟

حبیبہ خاتون : میں زمیندار کی بیٹی ہوں کسی کونے میں گھسنا ہی کی جاؤں اور پھر کچھ جادوؤں کی۔

محمد ریٹ : (یوسف شاہ کا ہاتھ پکڑ کر) چلئے ظل اللہ اب وقت بہت تنگ ہے۔

(محمد ریٹ اور یوسف شاہ چلے جاتے ہیں۔ حبیبہ خاتون آہستہ آہستہ چلی جاتی ہے)

اس بارے میں آپ کی رائے دریافت کریں گے۔
حسب تو ان: آپ نے میری طرف سے کہہ دیا ہرگز انہیں غیروں کے انصاف سے بدتمیزانہوں کا کوئی علم نہیں
 ہو سکتا۔

(خاتون شہی)

عطا محمد: میں نے شاہ صاحب کی خدمت میں درخواست کی ہے کہ وہ مجھے قسرتیف لے آئیں۔ انہوں نے فرمایا
 کہ میں آج خود ہی آئے گا۔

حسب تو ان: (اپنے تپے) شاہ صاحب نے ایک سال حکومت کر کے تخت تاج چھوڑ دیا۔ ان کی فیکری
 کی نشان چھو گئی۔ اب دنیا سمجھتی ہے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ کوئی ان کے گلے میں پھر بادشاہ
 کا طوق پہنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہیں چند سال قبل میں رہ کر ہمیشہ کے لیے گنہ گار بن گیا۔

(خاتون شہی)

عطا محمد: (مجھے شکر دیکھتا ہے) معلوم ہوتا ہے۔ تاملی صاحب قسرتیف لائے ہیں۔
 حسب تو ان۔ (ٹھک کر) مجھے یہ چادر ان کے نیچے بچھا رکھیے

(عطا محمد چادر ہٹا کر اس کے سر سے پانچ پھول پٹا کر بچھا
 دیتا ہے۔ سر نیچے کے پھول کی طرف جا کر بنا کر کپڑا
 ہر جاتا ہے۔ تھکے دیوبند تاملی ابو محمد دائیں طرف سے چہرہ لگی
 کے ساتھ آتے ہیں۔ ایک دوسرے خاتون کو بول کر جھکائے نہیں ہے
 دیکھتے ہیں پھر اسلام علیکم کہہ کر الگ الگ بڑھتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر
 چادر انہیں کے لیے بچھائی گئی ہے۔ جوتے اتار کر ان پر بیٹھ
 جاتے ہیں)

قاضی ابو محمد: (اپنے ہاتھوں کو مخاطب کر کے اب کپڑا لگ۔ تاملی دیکھ کے بیٹھے تھنا چھوڑ دیں۔

(تاملی سب چلے جاتے ہیں)

(خاتون شہی)

قاضی ابومحمد: جب خاتون آپ کی ذات سے کشمیر کو برفیض پہنچا ہے اس کا آج احترام کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں آپ کی عتیق عزت آج اور اس وقت ہے آئی کبھی نہیں تھی۔ ابھی وہ جسے میں ایک معاملے میں آپ سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ میرے علم کے مطابق اس معاملے میں شہ کے گمنام نش نہیں لیکن جب سے آپ نے میری تشبیہ کی ہے میں اپنے علم پر ہی بھروسہ نہیں کرتا۔

(جب خاتون خاموش رہ چکا تھے مجھے روتی ہے)

قاضی ابومحمد: آپ دور اندیش اور مردم دوست ہیں اور نبی جیسا ہوں کہ جو شخص جب کہ دل پر سے گزرتا ہے وہ موسیٰ کہ کہے کہ آپ کا خا من نسب مشکلوں کو آسان کرتا رہا ہے جس سے آپ نے مل چھوڑا کشمیر کو بہن نصیب نہیں ہوا ہے۔ سید بابا کہ نے ایک سال کی حکومت کی۔ پھر ابوہر شاہ نے۔ آپ کے گیتوں نے یوسف شاہ کے تصور مراد کو اسیے امدان کے نخل دربار سے بیان کیجئے کہ آئے۔ انھوں نے عمت نہ ہاری ہوئی تو شاید آپ کی شخصیت شہنشاہ اکبر کو بھی مرحوب کر کے کشمیر کی آزادی کو پہنچائی۔ لیکن یوسف شاہ نے پھر شہنشاہ اکبر کے دربار میں پناہ مانگی ہے اور آپ نے وہی گوشے میں دنیا سے پناہ لی ہے اب سقیقہ خاں کی وراثت کرنے کے لیے کوئی نہیں اور طرف ظلم فیادتی کا بانڈ لگام ہے۔

(خاموشی)

قاضی ابومحمد: کل بھرے دربار میں مفتی حمد قاضی امان اللہ شہید کر دیئے گئے اور ان کی نموش کی وہ پھر مٹی کی گئی جو کبھی مجرم کے لیے بھی روا نہیں رکھی جاتی۔

(جب خاتون چپکے سے آہ کرتی ہے اور اس طرح جھک جاتی)

ہے۔ گویا اس کی کڑوٹ کھٹی)

(خاموشی)

قاضی ابومحمد: لیکن بے اہل سنت و جماعت کا کوئی بیرونی خبریں کرنے میں کوئی فیصلہ کرے جو حق کے خلاف ہو۔ میں آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں کہ جو شخص اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتا ہو۔

اسے ہی وقت کیا کرنا ہے۔

حبیہ خاتون: اسوج کہ اسے غلام کو شرمندہ کرنا چاہئے۔

قاضی ابوجعفر: آپ خود فتنہ کیجئے کہ ظلم کو شرمندہ کرنے کے لیے مسلک پر کتنے لوگ چل سکیں گے۔

حبیہ خاتون: حق پر عمل کرنے کے لیے تم سے کم کتنے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

قاضی ابوجعفر: آپ معرفت اور شہادت کی باتیں کر رہی ہیں مجھے جمہور سے مابتہ رہتا ہے وہ ایسا نہیں نہیں سمجھتے۔

حبیہ خاتون: جب آپ نے مہندم کر لیا ہے کہ جمہور کی کھجھ میں کمی آتی ہیں تو مجھ سے کچھ پوچھنے کا کیا مزوت ہے۔

قاضی ابوجعفر: حبیہ خاتون! آپ جانتی ہیں کہ میں کیا کہنے آیا ہوں۔ بادشاہ کے تعصب نے ان لوگوں

کے لیے جو مذہبی معاملات میں سے اختلاف کرتے ہیں کشمیر میں رہنا ناممکن کر دیا ہے اب وہ کیا تو

یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے مذہب کو بدل دیں یا یہ کہ حکومت کو بدل دیں۔

حبیہ خاتون: آپ نے خود ہی مجھ سے یہاں فسہ کہا ہے کہ کشمیر کی حکومت چار مرتبہ بدل چکی ہے۔

قاضی ابوجعفر: جی ہاں اور یہ تبدیلان کے ساتھ وہ زیادہ کمزور ہوتی گئی۔ آگے یہی سلسلہ جاری

رہا کہ کشمیر تباہ ہو رہا ہے۔

حبیہ خاتون: حکومت کو مضبوط اور پائیدار بنانا چاہئے۔ میری ہمیشہ آرزو یہی ہے۔

قاضی ابوجعفر: میری ہی یہی آرزو ہے مگر اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کشمیر میں کئی ایسا نہیں ہے

جو استقلال کے ساتھ حکومت کر سکے۔ بادشاہ متعصب، امراء میں بھڑٹا پرگمی ہے۔ عوام کا

جوش اعتبار کے قابل نہیں۔

حبیہ خاتون: ان کے جوش میں مذہب کے ذریعہ نچنگل اور استقلال پیدا کیجئے۔

قاضی ابوجعفر: مذہب کے ذریعے استقلال کیسے پیدا کیا جائے جب مذہب خود خطرے میں ہے۔

حبیہ خاتون: مذہب تو خطرے سے اور مضبوط ہوتا ہے۔

قاضی ابومحمد: (کچھ سوچ کر) آپ مجھے بار بار پکارتے کہ یہی جگہ پرے آتی ہیں جہاں سے بحث شروع ہونا تھی۔
 حبیہ خاتون: قاضی صاحب اگر آپ مجھ سے اس بیسے میں مشورہ چاہتے ہیں کہ مسئلہ کو کشمیر پر قبضہ کرنے کی
 دعوت دی جائے یا نہ دی جائے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری رائے اور میرا رویہ کیا رہا ہے
 کشمیر کشمیریوں کا ہے اور ہونا چاہئے۔ ان کے حق کا مذہب اور سیاست سے کوئی تعلق
 نہیں۔

قاضی ابومحمد: مجھ پر بات اسلام کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ مذہب کے حق پر کسی اور حق کو ترجیح
 دی جائے۔

حبیہ خاتون: میں یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اسلام کو کشمیریوں کی ظالمی کا ذلیعہ بنایا جائے۔

قاضی ابومحمد: بچے دین کو محبت اور اس کی خدمت کسی کو ظالم نہیں بنا سکتی۔

حبیہ خاتون: تو قاضی صاحب بچے دین کے علم بردار بن جائیے، حاکم اور حکومت بدلے کشمیر کو ظلم سے بچائیے
 میں دل اور جان سے آپ کے ساتھ ہوں۔

قاضی ابومحمد: کچھ سوچ کر میں دیکھتا ہوں کہ آپ وقت کی مصلحت کو نہیں سمجھ رہی ہیں۔ اب بحث کو
 بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

حبیہ خاتون: جن ماں — میری سمجھ میں مرث آزادانہ کی مصلحت آ سکتی ہے مجھ سے بحث کرنے
 میں کوئی فائدہ نہیں۔

قاضی ابومحمد: میں نے کسی کوئی رائے مسالے کے سر پہلو پر غور کئے بغیر نہیں قائم کی ہے۔ ہادشاہوں کے

عمل کے ساتھ ساتھ مجھوں کے عمل پر بھی غور کرتا ہوں۔ آپ مجھ سے ہونی بحث کرتی ہیں مجھے یہ

نہیں بتا رہی کہ کشمیر میں کس کی حکومت قائم کی جائے۔ ادا مجھے یقین ہے کہ اس وقت جمہور میں اس کی

قابلیت نہیں ہے کہ اپنے حاکم کو منتخب کریں اور پھر اس کی فرمانبرداری کریں — ایسا

اب خدا حافظ کہتا ہوں۔

احبہ خاتون کوئی جواب نہیں دیا۔ قاضی ابومحمد جراتاً منہ کر رہے تھے

(اگر تہ چھ جلتے ہیں)

(خاموشی)

عطا محمد: (قریب آکر) ملکہ جہاں! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تاملی صاحب انبر کے دربار میں جا کر اس کی درخواست کریں گے

کہ وہ کشمیر میں کئی حلقے مذہب کو بچانے کے لیے یہاں اپنی حکومت قائم کرے۔

حبیب خاتون: ہاں! بسنی جتنی مذہب کو بچانے کے بہانے سے منڈوں کی فوج آئے گی۔ بستیوں کو لوٹے گی

ہزاروں مردوں۔ عورتوں کی آبد کو خاک میں ملائے گی اور آخر میں جب ہمت والے کشمیری سب مٹ جائیں

گئے تو کہا جائے گا کہ کشمیر میں منشا بادشاہ کے اقبال سے بہن قائم ہو گیا ہے۔

(خاموشی)

(حبیب خاتون اور علاج میں سے جیسے مر لیتے ہیں، ہر طرف کے لوگ جن

میں عورتیں بھی ہیں۔ ایک ایک دو دو کر کے جمع ہوتے ہیں۔ اس طرح گویا

دو دو لاکھیں دستور ہے۔ ایک نورمان ٹیٹھے سے پتے عطا محمد کو ایک

پرچہ دیتا ہے۔ عطا محمد اسے بڑھ کر جب حالتوں کی طرف دیکھنے لگتا

ہے اور پھر پاپی جا کر کھلا ابرو جاتے ہے)

عطا محمد: ملکہ عالم، خواجہ حبیب اللہ لاٹھری نے ایک پیغام بھیجا ہے۔

حبیب خاتون: خواجہ صاحب نے!

عطا محمد: جن ہاں! ملکہ جہاں! ایک باغی لگتی ہے۔

حبیب خاتون: سنائیے!

عطا محمد: فرمائیے:

کار مردانہ بکن کار زناں نیستے نیت

جان خود باز کو این جان جہاں چیز سے نیست

ذکر نامی سخن و منکر مضارح بگنار

کہ بدست رحمہ جز نقد زناں چیز سے نیست

حبیبہ خاتون: یہ بینام کون آیا ہے؟

نوجوان: ملکہ جہاں! آج میں فخر کے وقت خواجہ صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا نماز ختم ہو گئی تھی انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہ چہ ملکہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر پہنچاؤ۔

حبیبہ خاتون: خواجہ صاحب قبلہ کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجئے گا اور فرمادیں گے گا کہ انشاء اللہ کل صبح ملاقات کی سعادت حاصل کر دیں گی۔ ان کی سزا خواہش میرے لیے حکم ہے۔

نوجوان: بہت مناسب ہے ملکہ جہاں!

حبیبہ خاتون: (انتہائی بالوس کے عالم میں) یا خدا میں کیا کروں! ایک طرف سے غلامی اور موت کی دہلکی دی گئی ہے۔ دوسری طرف سے زندگی اور جان بازی کا حکم آیا ہے۔ میری عمرت کا سر! پتہ ختم ہو چکا ہے اب نیا سر یا یہ کہاں سے جمع کروں۔

عطا محمد: ملکہ جہاں! تو صحنی ابو محمد فرما گئے ہیں کہ جھوٹ کی بات نہیں سمجھتے، کیا یہ آپ کے دل میں صدمت پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں۔

حبیبہ خاتون: (عطا محمد کی طرف اس طرح دیکھتی ہے، جیسے پرہیزگار عورت کسی اجنبی کو بوجھلک ساٹھے لگا کر مآپ بھڑ سے اس طرح کی باتیں کریں گے تو مجھے پھر پرے میں بیٹھنا پڑے گا۔

عطا محمد: ملکہ جہاں! اب آپ کے ارد گرد کے درمیان کئی قسم کا پردہ نہیں رہ سکتا۔ میں جس کی ترجمانی کر رہا ہوں۔ ایک نوجوان: عطا محمد بالکل ٹھیک کر رہے ہیں۔ اب آپ ہر اسے دنوں کی کیفیت معلوم کیجئے اور میں اپنے دل کی بات بتائیے

حبیبہ خاتون: میرے دل کی کون سی بات ہے جو اب کو معلوم نہیں۔ پہلے عمل کا پردہ تھا۔ اب کھینچو ہوتی ہوں۔ دوسرا نوجوان: ملکہ جہاں! ہمارا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی خواہش اور مرضی گیتوں میں بیان نہ کیجئے، جس میں صاف صاف حکم دیکھ کر ہم کیا کریں۔ ہم انہوں سے بے زاہدوں تب بھی ہم غیروں کی حکومت نہیں چاہتے۔ ہم آزادی اور خود داری کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ آپ عادی رہنا ہی کیجئے۔

(حبیبہ خاتون ہاتھوں سے چہرے کو بند کر لیتی ہے اور سر ہلاتی ہے)

حبیبہ خاتون میرا ساتھ بننے سے کسی کو کچھ نہ ملے گا۔

عطا محمد: تو پھر ہمیں سمجھا دیجئے کہ منلوں کا خیر ختم کر کے ہمیں کیا مل جائے گا
 (حبیبہ خاتون: پشیمان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور یہی کلمہ کی طرف چلتی ہے
 مگر قدم اٹھانے کے لیے تڑپتا ہوا ہے عطا محمد لوگوں کو اشارہ کرنا
 ہے کہ چھو جائیں اور وہ ایک ایک دو دو کر کے چلے جاتے ہیں آخر
 عطا محمد بھی چلا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو اکیلا پا کر حبیبہ خاتون ہاتھوں سے
 چہرے اور ہاتھوں کو مٹاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی طبیعت
 کو بحال کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ عمدہ میاں میں صاحب
 سید مبارک آتے ہیں تو اس کی طبیعت بہت بہتر ہوتی ہے)

سید مبارک: حبیبہ خاتون کیا بات ہے۔ یہاں کس کوئی نہیں؟

حبیبہ خاتون: میرے پاس زندگی کا ایک پیام آیا تھا میں اسے برداشت نہ کر سکی۔ مردہ قبر میں اکیلا ہوتا ہے اس لیے
 میں اکیلے ہوں۔

سید مبارک: (حبیبہ خاتون کے قریب بیٹھ کر) خیر ایک مٹھے کے پاس دوسرا ملنے کو آجائے تو اس سے بات تو
 کر ہی لیسنا چاہیے۔

حبیبہ خاتون: شاہ صاحب! اس وقت مجھے اپنی زندگی حسرت اور ناکامی کا خیال معلوم ہوتی ہے۔ میں کوئی
 بونہیں۔ کوئی رنگ نہیں۔

سید مبارک: اہں! مجھے بھی کبھی یہ خیال آیا ہے کہ تمہاری زندگی کا رنگت میں کسا ہے۔ — اس
 زمین کا سا جس میں سخن کے پھول ہوتے ہیں۔ — جب کبھی مجھے ایسا خیال آیا ہے۔ تو میں نے
 خودکاشت کر لیا کی ہے کہ دنیا میں اس رنگ کے آدمی بھی ہوتے ہیں۔

حبیبہ خاتون: زمین کے زرخیز سکون کو میری بے چینی سے کیا نسبت — میری عمر تو پختہ گزری ہے۔

سید مبارک: تمہاری عمر تو پتے گندی ہے — خدا کرے تم صدیوں تک صحت مند رہتی رہو۔
حبیب خاتون: اردو کہنا، مسکایہ کی دُعا ہے؟

سید مبارک: یہ کشمیر کی آزادی کے لیے دعا ہے۔ — تم نے کشمیری زبان میں نوردادی پیدا کی ہے کشمیریوں کے
دل کو آزادی کی جوا دی ہے خدا کرے برقرار چلتی رہے — مجھ میں بسے جینی اور تڑپ نہ پیسے تھی
نہ اب ہے۔ علم اور تصوف نے صبر کا ایسا سبق پڑھایا ہے کہ ظلم اور انصاف، غلامی اور آزادی موت
اور زندگی سب ایک ہی جبلت کے مختلف رنگ معلوم ہوتے ہیں

حبیب خاتون: مگر آپ کا ایک طریقہ ہے اور آپ اس پر قائم رہتے ہیں۔۔۔۔۔ میں تکے کھج اور ادھر ادھر اُرتی
رہتی ہوں قاضی بوجھ کو میں سمجھا کج تو شاید وہ اپنا ارادہ بدل دیتے۔ خواجہ حبیب اللہ کی نصیحت پر عمل
کرنے کی صحت برقی ترجمہ کو منظم کر کے صفوں سے رٹنے کی تیاری کرتی۔

سید مبارک: ضرور، تم بہت کچھ کر سکتی ہو اور کرو گی تم یعقوب شاہ کو اس سے آگاہ کر لو کہ ان کے طرز عمل کا
نہج کیا ہوگا۔ وہ تمہارا بہت لحاظ کرتے ہیں تمہارے کہنے سے اثر نہیں لگے۔ گھر کو سانس دینی ہو
تم ہی آوارہ کر سکتی ہو۔ — میں کا حساب نہ لگاؤ کہ آزادی کی قیمت کیا ہے اور کشمیر کا اس
کے لیے کیلئے کتنے ہیں۔ — جو ایسے کو بھی ہوگا اسے آنا کی سہولت بااد — میں
ختم ہے تم بڈشاہ کے مزار کا اکثر خواتن گئے ہو۔

سید خاتون: جی ہاں۔ تم سچی ہوں کہ شاید ہر جگہ نہ جاساں۔ چارہ سانا، فن ہے، توئی دوزخ
چاہو سانا پیدا ہوگا۔

سید مبارک: دیر سوچنے کی بات نہیں ہے، یقین کی ہے، کشمیر کا چارہ سانا پیدا ہوگا۔ ضرور پیدا ہوگا۔ اس لیے
تم اس کے لیے تو تڑپ ہی جو تمہاری نظر دل کی نظر ہے، بہش زانے کے چرووں کو جاک کر کے شہادت
کو دیکھ لیا ہے جو کشمیر کو آزاد کرے گی۔ اپنی نظر کا نور جو ہر میں پھیلاؤ۔

حبیب خاتون: خفاہ صاحب! آپ کی نظر انہ کیسے دل کا ذکر کرے ہیں؟ میں ایک عادت ہوں، عادت کی
طرح سے چاہتی ہوں، عادت کی طرح سے سچی ہوں میری محبت از صمیمی اندہ لاچار ہے۔

ننگار

میرزا ادیب



کر وار

باردل

فرانس

مانسن

کیورنگ — کونسل کے ارکان

وارن پیٹنگز — ہندوستان کا گورنر جنرل

لیڈی وارن ٹیلنگز — گورنر جنرل کی جرمن شاد مہم

سر ایما ہی — عدالتِ عالیہ کا چیف جسٹس

مورن پٹنڈ — کلکتے کا ایک بوجہری

شندلمار —

زمانہ

۱۷۷۵ء ہجری

مقام

کلکتہ

○

پس منظر

(محل پورکھتہ میں ایک شاندار بنگلہ (بلویدیر) کا کونسل ہال) یہ کمرہ اعلیٰ درجے کے ساکن آرائش سے مزین ہے جہت سے بین نہایت خوبصورت اور بیش قیمت خانوں تک پہنچے ہیں یہ بالکل کچھ عرصہ پیشتر مرحوم نواب سراج الدولہ کے محل کی زینت تھے۔ نواب کے خاتمے پر چچ کمپنی کے ارباب بست دکشا دلے اس کے محل میں ٹوٹ مار چھائی تھی زجر جزیں نہیں خاص طور پر بہت پسند آگئی تھیں وہ اٹھوں نے ولایت بھواریہ میں ادب ابقی سامان اپنے ہندوستانی بنگلوں اور سرکاری دفاتر میں منتقل کر دیا تھا۔ ان خانوں اور فرش پر پچھڑے ہوئے بیش بکاشمیری قالین کے علاوہ اور بھی کافی سامان گورنر کے حصے میں آیا تھا جس سے بلویدیر کے محقق کروں کی زینت بڑھائی گئی تھی۔

دیوالوں پر منگلیہ امد جینی آرٹ کے نادر نمونے آویزاں ہیں۔ یہ چیزیں کہتی کے اس کا گورنر کے خاص مراعات حاصل کرنے کے لئے اس کی خدمت میں دفن تو تھا پیش کش کیے گئے ہیں۔

تین دن کا وہ سہرا پہر ہے۔ کمرے کے وسط میں ماقہی دانت کی بڑی چول میز کے ارد گرد گورنر جنرل کی کونسل کے چاروں کان بیٹھے ہیں۔ دائیں طرف فرانسس ہے اور کونسل میں کرنل ہانس۔ اس طرح دوسری جانب جنرل کھیرنگ ہے اور کونسل میں فرانسس کے

بالقابل بارول " بیٹھا ہے ایک طرف کونسل کے صدر اور ہندوستان
 میں برطانوی مقبوضات کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کی کرسی
 خالی پڑی ہے ۔

ان میں سے کم عمر فرانس ہے جس کی عمر پینتیس کے گنگ بنگ
 جنگ . باقی تینوں . کان کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان ہے ۔
 چاروں نے قومی لباس کوٹ تپون میں ملہوس ہیں ۔
 فرانس کے ہاتھ میز پر کچھ کاغذات پڑے ہیں جن پر دو نگاہیں جمائے
 کچھ سوچا ہے ۔ بارول مذاکرے کھسکا کر فرانس کی طرف دیکھتا ہے
 فرانس کی توجہ میں کاغذوں سے ہٹ کر اس کی طرف منقطع
 لگاتی ہے)

بارول : یوں سمجھا ہوں یہ معاملہ نہایت اہم ہے ۔ میں ہر ممکن احتیاط سے کام لینا چاہئے ۔

فرانس : (ذرا مسکرا کر) مسٹر بارول ! یہ فقرہ آپ کم از کم چار مرتبہ کہہ چکے ہیں ۔

بارول : معاملہ اس وجہ سے اہم ہے کہ میں بار بار یہ فقرہ کہنے پر مجبور ہوں

مانسن : احتیاط سے کام لینے بغیر ہم اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ۔

فرانس : (کاغذات کو نہیں دوبارہ میز پر رکھنے دیتے) کیا اس شہادت کے باوجود کسی فیصلے پر پہنچنا مشکل ہے ؟
 بارول : کسکس باوجود بھی ۔

فرانس : میں نے یاد وہ بھی کسی وضاحت کی ضرورت ہے ؟ مسٹر بارول ۔ آپ ان خطوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ؟

بارول : میں ایک لمحے کے لیے جی ان پر اہستہ بار نہیں کر سکتا ۔ وجہ ظاہر ہے ۔

کلوزنگ : وجہ کیا ہے ؟

بارول : کیا مجھے پھر وہی فقرے اُپہرائے پڑیں گے جنہیں میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں ۔

کلوزنگ : کیا ہر جگہ ہے ؟ زیادہ وضاحت ہر جائے گی ۔

بارول : اجابات تو ظاہر ہے کہ گورنر جنرل نے اس جگہ کی برہمن نندکار کی دیرینہ آرزوی نہیں کی تھی۔ یعنی نندکار چاہتا تھا کہ رضا خاں کی بجائے دوبارہ جگالے کا صوبہ دار بن جائے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ گورنر جنرل نے گورنر جنرل ایکٹ کے ماتحت صوبوں کے دیوانی خست یا مات اپنے قبضے میں سے لیے۔ یعنی نندکار جو حمدہ چاہتا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ کیا اب بھی یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ نندکار نے گورنر جنرل پر رشوت ستانی کا جوالا م لگا لیا ہے وہ ایک اتھامی کاروائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں؟

مانسن : لیکن یہ خط؟

بارول : میں پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ مجھے ان خطوں پر کوئی اعتبار نہیں یہ نقلی ہیں!

فرانسس : (کسی کے ہاتھ دایں کنی رکھتے ہوئے) دوستوں! اتنا ہوں۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے اور میں ہر ممکن احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ گورنر سے دست مشرا دل کو یہ خیال دماغ سے نکال دینا چاہئے کہ وہ ہونک ہندوستان میں مشر سٹریٹنگز کے دست راست رہ چکے ہیں۔ اس لیے انہیں گورنر جنرل کی ہر مرحلے میں حمایت کرنی چاہئے اور ہم چونکہ ہمیں انگریزوں سے آگے ہیں۔ اس لیے ہم ان کی ہر طرح مخالفت کریں گے ہمیں حالات کو بہتر اور خوشگوار بنانا ہے۔ ہمیں گورنر جنرل کو ہر مرحلے میں نیک مشورہ دینا ہے۔

بارول : میں اس سلسلے میں مبتلا نہیں ہوں۔

فرانسس : سوال یہ ہے کہ نندکار گورنر جنرل پر الزام لگانے کی جرأت کیونکر ہوئی؟ کوئی شخص بھی اتنی بڑی شخصیت پر بھڑکا الزام لگانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

بارول : بہتر یہ ہے کہ واقعات کو ان کے حقیقی تسلسل کے ساتھ سمجھا جائے جیسا کہ میں پہلے کہ چکا ہوں کہ اگر نندکار کو جگالے کا صوبہ دار بنا دیا جاتا تو معاملہ میں ختم ہو جاتا اور اسے مشر سٹریٹنگز پر الزام لگانے کی تعلق ضرورت نہ پڑتی۔ چونکہ اس کا مقصد پورا نہیں ہو سکا۔ اس لیے گورنر جنرل کو بدم نام کرنے کے لیے اس نے یہ الزام لگا دیا ہے۔ یہ ہندوستانی — اس قسم کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔

فرانسس : مشرا دل! آپ کو اپنی پوزیشن کا خیال رکھنا چاہئے۔

بارول : میں بالکل درست کہہ رہا ہوں۔

فرانس : آپ کو یہی پتہ نہیں کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔

بارول : حقیقت بیان کرنا کوئی جرم نہیں ہے ۔

فرانس : ناجائز حمایت لیتا ایک جرم ہے ۔

کیلبرنگ : حضرت ! اس معاملے کو چھوڑیے ۔ میں بارول سے پوچھا ہوں انہوں نے ان مخلوق کو بڑھا بھی ہے ۔

بارول : بڑھ چکا ہوں اور تین مرتبہ بڑھ چکا ہوں ۔

مالٹن : بارول کو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ خط نذکار نے بھیجے ہیں ۔ اگر نذکار کی بجائے یہ خط کسی اور شخص سے

بھیجے ہوتے تو شاید انہیں زیادہ اعتراض نہ ہوتا ۔ کہیں بارول !

بارول : ہمیں ہندوستانوں کی عظمت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور اس چیز کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ کہیں اور گند

جنرل کا اس ملک میں مقصد کیا ہے ۔

فرانس : اکاش بادل کو معدوم ہونا کہ اس وقت انگلستان میں ان کا محبوب گورنر جنرل کس دھجہ بدنام ہو گیا ہے ۔

بارول : سب کچھ فضل — وارن ہیسٹنگز اس حد کا ہیرو ہے گریٹ مین (GREAT MAN)

کیلبرنگ : آپ لوگ کن چیزوں سے اُچھ کر رہ گئے ہیں ۔ اہل معاملے پر غور کیجئے ۔ مہٹر بارول ۔ آپ یہ بات بھول

گئے ہیں کہ ہمارے پاس صرف نذکار ہی کا نہیں ۔ سنی بیگم کی تحریر بھی ہے ۔ اگر نذکار کے خط کو یہ سمجھ کر نظر انداز

کر دیا جاتے کہ یہ فرض انتقامی ہا روئی ہے تو سنی بیگم کی تحریر کو کیا سمجھا جائے ۔

فرانس : (طنزاً) انا بہر تحریر جلی ہے ۔

بارول : میں ہی تحریر کو صحت سمجھتا ہوں یا نہیں ۔ یہ الگ بات ہے ۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے گورنر جنرل

کو ان بیہودہ حالات میں گھسیٹ بھی سکتے ہیں یا نہیں ۔ ہندوستانیوں کے نگاہے ہوشیہ الزام پر غور کرتے وقت

ہیں یہ بات ۔ ہرگز فرسٹ لوش کوئی چاہئے کہ وارن ہیسٹنگز ہندوستان کا گورنر جنرل ہے ۔ ۔ ۔ ۔

کونسل کا صدر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انگلستان کے تیار کا نامندہ ہے (جو میں کھڑے ہو کر) ہندوستانی

لوگ انہیں میں دانتے رہتے ہیں ۔ ایک دوسرے پر حملہ کرنا ان کی نصرت بن چکی ہے اس لیے وہیں بڑے ٹھنڈے

دل سے اس معاملے پر غور کرنا چاہئے ۔ ہماری مخالفت سے ہمارے اپنے تیار کو نقصان پہنچے گا ہمارے

اپنے مقاصد کو نقصان پہنچے گا۔ — جو کام تم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی راہ میں رکاوٹیں حاصل ہو جائیں گی۔ کیا میرے دوست ہیں امرتے ادا قند ہیں کہ اگر آج ہم اپنی تجویزہ ایسی ہی سختی کے ساتھ عمل نہ کر کے تو ہندوستان کے لیے اور نواب اور محمد متعل بادشاہ اپنا کھوپڑا اتار دو بارہ جاں کر لیں گے۔ بس طرح ہاری کو شیشیں تلک ہیں مل جائیں گی۔ میری بلٹے یہ ہے کہ ان کا غنڈل کو پھاڑ کر پھینک دینا چاہئے۔ اور زندگیاں جیسے فریڈگار شخص کی کسی طرح بھی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہئے۔

فرانسس: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گورنر جنرل ہندوستانوں کے شہوت سے کر انگلستان کے وٹا کو خاک میں ملائے تو ہمیں بالکل خاموش رہنا چاہئے۔ — بات کچھ معقول ہی معلوم ہوتی ہے (طنزاً) ہندوستان میں بے شمار دولت موجود ہے۔ اگر گورنر جنرل چند لاکھ یا چند کروڑ روپیہ بطور شہوت کے لے لیتا ہے۔ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

مانسن، اگر گورنر جنرل یہ روپیہ کئی کے حملے کرنے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

بارول: (سکرا کر) بلکہ بہتر یہ ہے کہ وہ آپ کے حملے کرے۔

فرانسس: (میز پر کھار کر) مسٹر بارول! آپ نے تسلیم کر لیا ہے۔ گورنر جنرل نے شہوت لی ہے۔

مارول: ہرگز نہیں!

کیلیورنگ: یہی تو آپ نے کہا ہے کہ گورنر جنرل شہوت کا روپیہ مانسن کے حملے کرے۔

بارول: وہ تو محض ایک مذاق تھا۔

فرانسس: خیر مذاق مذاق ہی میں آپ نے حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے اور —

فرانسس ہی اپنا فخر بھل کر نے نہیں یا تا کہ گورنر جنرل کرے میں

داخل ہوتا ہے۔ وارن ہسٹنگز۔ سکا آجے اور ہلٹی ہلٹی ختم

اٹھا کہ فرانسس اور کیلیورنگ کے درمیان اپنی منگولوں کر کسی یہ طوطی جاتا ہے

وارن ہسٹنگز چہرے بدن کا آئی ہے۔ آنکھیں پھٹی چھوٹی

گو نہایت تیزی سے غصہ خاک کے دل کی گھرائیوں میں اتالی ہیں

خود اناک کشادہ پیشانی راہ تگ۔ چہرے سے ہلکی

ذہانت نمایاں ہے ارکان اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

دارن ہیٹنگز: معلوم ہوتا ہے کہ کونسل کسی ہم مسلطے پر غور کرنا چاہتی ہے۔

بارول: ہمارے دست اس وقت ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گورنر جنرل نے نندکار کے قول کے

مطابق رعایاں۔ مہنی بیگم اور شتاب رائے کے شرحت میں ردیہ حال کیا ہے۔ میں نے انہیں بھانے کی کوشش

کی ہے۔ کونڈکار نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ محض انتقام کی خاطر کیا ہے۔

(دارن ہیٹنگز کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غصے کی سُرخ

آئی ہے اور ہر غائب ہو جاتی ہے)

فرانسس: گورنر جنرل اس معاملے میں کیا کہتے ہیں؟

دارن ہیٹنگز: (سبرادھمل سے) سبرادھمل نے جو کچھ کہا ہے درست ہے۔

فرانسس: تو گورنر جنرل اس الزام کو غلط سمجھتے ہیں۔

دارن ہیٹنگز: (مجھے تیز بخود حکم) کیا کونسل آج اسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہے۔

فرانسس: معاملے کو مان کر کونسل کا فرض ہے۔ اس الزام سے تاج برطانیہ بدنام ہوتا ہے۔

دارن ہیٹنگز: یہ الزام غلط ہے۔ اس نئی برہمن نے انتقام لیا ہے۔

فرانسس: (کافدوں کو ہاتھیں سے کر) اور یہ خط مہنی بیگم کا۔

دارن ہیٹنگز: (انک سے) میں کہتا ہوں۔ یہ سب کچھ کہو اس ہے۔

کلیرنگ: گورنر جنرل یقیناً محسوس کریں گے کہ اس طرح مسائل صاف نہیں ہو سکتا۔

بارول: اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

دارن ہیٹنگز: اس موضوع کو ختم کیجئے۔ کوئی اور معاملہ پھیر بیٹے۔

مانسن: میں گورنر جنرل کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ وہ سب سے پہلے اس معاملے کو ختم کریں۔

دارن ہیٹنگز: تریض اس معاملے کو ختم کرتا ہوں۔ اس پر بحث کر لے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرانسس : کونسل یہ بات سمجھ نہیں سکی۔

وارن ہیڈینگٹن : (لام لہجے میں) دوستو! آپ کو انگلستان سے آئے ہوئے بہت کم عرصہ ہوا ہے۔ میں گورنر اور گورنر جنرل بننے سے پہلے بھی اس ملک میں رہ چکا ہوں۔ مجھے ان لوگوں کی فطرت کا بخوبی علم ہے۔ ایک دستکریہ پر الزام لگانا ان کے کردار کا سبب نمایاں پہلو ہے۔ ہمیں ان باتوں پر وقت نہیں نالغ کرنا چاہیے اور اس کام کو جاری رکھنا چاہیے جس کے لیے ہماری حکومت نے ہمیں بیان بھیجا ہے۔

فرانسس : بہ درست ہے۔ مگر ہمیں حالات کو خوشنودار بنا کر دیکھنا چاہیے۔ ہندوستان اور انگلستان — دونوں جگہ بدنام ہو گئی ہے۔

وارن ہیڈینگٹن : یہ غلط ہے۔

فرانسس : اور دنیا ہی کی وجہ یہ ہے کہ ہماری حکومت کے نمائندے اس ملک میں احتیاط سے کام نہیں لے رہے۔

وارن ہیڈینگٹن : (خفتے سے) تم نے اس کمنٹیٹ برہمن کی باتوں پر اعتبار کر لیا ہے ؟

فرانسس : اس نے اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جو ثبوت ہم چاہا ہے وہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ مسئلے کی ابتدا تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

کیوزنگ : کونسل نے نندکار کو بھی بلایا ہے۔ آہی رہا ہو گا۔

وارن ہیڈینگٹن : (عقے سے کھڑے ہو کر) گو یا ایک فیلیں شخص کو میرے مقابلے میں لا کر کونسل میری توہین کرنا چاہتی ہے ؟

فرانسس : اس سے توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ کونسل چاہتی ہے کہ گورنر جنرل اور نندکار جو کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

ایک دوسرے کے سامنے کہیں۔

وارن ہیڈینگٹن : اس سے بڑھ کر میری اور کیا توہین ہو سکتی ہے ؟

بارول : دانشی گورنر جنرل کی توہین ہے۔ انگلستان کی توہین ہے۔ تاج برطانیہ کی توہین ہے۔ کونسل اس

بات کی مجاز نہیں ہے کہ گورنر جنرل کی موجودگی میں نندکار کو طلب کرے۔

کیوزنگ : نندکار کو اس لیے طلب کیا گیا ہے کہ وہ گورنر جنرل کی موجودگی میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے کہے۔ اس کے

بعد کونسل فیصلہ کرے گی کہ یہ صرف اس کی انتقامی کارروائی ہے یا اس میں کچھ صداقت بھی ہے۔ کونسل

کونپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہے۔ اگر یہ الزام غلط ثابت ہوا تو نندکار جاری کرتے سے بچ کر نہیں
ہٹائے گا۔ مگر یہیں انصاف کا تقاضا پورا کرنا پڑے گا۔

فرانسس : کونسل کو گورنر جنرل سے پوچھتی ہے کہ انہیں نندکار کی موجودگی میں حقیقت بیان کرنے سے کیوں انکار ہے۔
بارڈل : صاف ظاہر ہے۔ یہ تاج برطانیہ کے سب سے بڑے منائشیے کی توہین ہے۔

وارن ہیریٹنگٹن : میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کونسل کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا۔ کہ وہ بیہودہ اور فضول باتوں
میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔

فرانسس : کونسل کو ہر صورت اپنا فرض پورا کرنا ہوگا۔

بارڈل : یہ فرض شناسی نہیں ہٹ دھرمی ہوگی۔

وارن ہیریٹنگٹن : میں عینیت صد کے کونسل کو درخواست کرتا ہوں۔

(وقفہ)

فرانسس : اگر گورنر جنرل کونسل سے الگ ہو جانا چاہتے ہیں۔ تو یہ الگ بات ہے۔ کونسل نے اپنے ذمے جو
کار لیا ہے اسے ضرور پورا کرے گی۔

وارن ہیریٹنگٹن : مجھے معلوم نہ تھا۔ کونسل کے اعلان اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کیلئے ہندوستان میں آئے ہیں۔

میں اس بات کا اعلان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اندھکے تانوں میں کونسل کو برعبارت کر سکتا ہوں

..... اگر میری عدم موجودگی میں کونسل جاری رہی تو اس کا کوئی فیصلہ میرے لیے قابل قبول

نہیں ہوگا۔

(کرسی سے الگ ہو کر جانے لگتا ہے)

بارڈل : مجھے بھی گورنر جنرل سے اتفاق ہے۔

(جانے لگتا ہے)

فرانسس : ہمیں اگلی توقع نہیں تھی۔

(گورنر جنرل چلا جاتا ہے اس کے پیچھے بارڈل بھی نچھت ہو جاتا ہے)

مانسن : اب کیا کرنا چاہیے؟

فرانسس: کاروائی حادی کھنی جائیے میں تجویز کرتا ہوں۔ موجود اجلاس کی صدارت مٹر کلورنگ انجام دیں۔
 مانسن: مجھے ہر پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیڈ مٹر کلورنگ صدارت کے فرائض انجام دیں گے
 کلورنگ: یقیناً ————— دوستو! معاملے نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ گو جزل اس بات
 کو پسری نہیں کرتے کہ رشتہ ستانی کے معاملے میں ان سے باز پرس کیا جائے۔

فرانسس: یہی میں بات کا ثبوت ہے کہ سبب شکر کے دل میں کھوٹ ہے۔ اگر انھوں نے رشتہ نہیں لی تو نذکار کے سامنے
 اظہارِ صداقت کرتے ہوئے انھیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم انگلستان سے تماشائی کی حیثیت سے نہیں
 آئے ہیں حالات کو سنوارنا ہے اور ہندوستان میں کئے دلوں میں انگریزوں کی معرفت سے جو لغزت پیدا ہو گئی ہے
 اسے دور کرنا ہے۔

(ایب چپراسی اندر آتا ہے)

چپراسی: نذکار

کلورنگ: بیچ دو اسے اندر۔

اس کی نگاہیں دروازے پر جم جاتی ہیں۔ نذکار۔ دروازے میں آتا
 ہے۔ سر جھکا کر پر نام کرتا ہے اور کھڑاؤں اتار کر کہتا ہے میں
 داخل ہونا ہے۔ نذکار کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ ہوگی۔
 گو صحت نہایت اچھی ہے جسم پر ٹوہا کی مثل کی قیض اور دھاتی
 ہے۔ چہرے پر ایک ایسا جمال برستا ہے جو روبرو بار ادا ہوتا
 لوگوں کی ہمت یازی خصوصیت ہے۔

نذکار بڑی شرافت اور سنجیدگی سے قدم اٹھاتا ہوا فرانسس کے

قریب آتا ہے)

فرانسس: نذکار (ایک کسی کی طرف اشارہ کر کے) میٹھ جاؤ۔

نذکار: شکریہ۔

(کسی پر یقیناً نہیں)

کلیورنگ : اڈانس کے سامنے کاغذوں پر اتارہ کر کے، یہ خط تم نے بھیجے ہیں؟

نندکار : جی ہاں!

کلیورنگ : تم نے ہندوستان کے گورنر جنرل پر یہ الزام لگایا ہے کہ انھوں نے بہت سارے ریشوت میں لیا ہے؟

نندکار : میں تم پر الزام لگایا ہے۔ اور اس کا ثبوت بھی تم سے چکا ہوں۔

کلیورنگ : ذرا تفصیل سے بیان کرو۔

نندکار : مجھ سے کہا گیا تھا کہ مجھے جو کچھ کتاب ہے گورنر جنرل کی موجودگی میں لکنا ہے۔

فرانس : تم وہ باتیں اب بھی کہہ سکتے ہو۔

نندکار : اور گورنر جنرل — — —؟

کلیورنگ : تمہیں اس کی تائید ہے۔ فیصلہ کونل کرے گی۔

نندکار : گورنر جنرل نے رضا خاں کو جنگ لے کا اور شتاب لٹے کو بہاؤ کا صوبہ دار بنا یا تھا۔ یہ دونوں شخص اپنے

صوبوں کے محال، اصول، کر کے کسب سنی کے حرمے کرتے تھے۔ رضا خاں سات سال تک اپنے عہدے پر رہا

اس سے پہلے یہ کام ہے سپرد تھا۔ — — — نہیں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ رضا خاں نجات سال کے

عہدے میں کم از کم تین کروڑ روپیہ لگوں سے لٹا۔ اور شتاب لٹے نے نوے لاکھ۔ میں نے یہ واقعہ گورنر

جنرل کو بتایا۔ انھوں نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔ اب چاہئے یہ تھا کہ دونوں کے خلاف مقدمہ چلایا جاتا۔ اور انہیں

سزا ملتی۔ مگر دونوں نے گورنر جنرل کو معقول ریشوت سے کرنا ان سے نجات حاصل کر لی۔ رضا خاں نے

گورنر جنرل کو دس لاکھ ریشوت دی اور شتاب لٹے نے چار لاکھ۔ اس کے علاوہ میر جعفر کی بیوہ منی بیگم

نے بھی دس لاکھ کی ریشوت دی اور نواب بنیاں کی محافظہ ستر ستر لاکھ، بیسکر پاس میں کا تحریری ثبوت

موجود ہے۔ منی بیگم نے گورنر جنرل کو پندرہ لاکھ اور تمام ہزار میں ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ

دیا۔ — — — منی بیگم نے یہ خط مجھ کو لکھا ہے اور اس میں اسات طور پر بتایا گیا ہے کہ اس نے دس لاکھ

لاکھ کی ریشوت گورنر جنرل کے حضور میں پیش کی تھی۔

ثروت کے معاملے سے ہے۔

تندکار : ہر وقت بیان کرنے کے لیے تیار ہوں۔

کلپورنگ : تو اب تم ہاکنگتے ہو۔ شکر ہے !

! اندکار ہی تمانت اور سخیڈنگ کے ساتھ چلا جاتا ہے جس تمانت

اور خباہت سے آیا تھا (

فرانسس : میں پیسے ہی کتنا تھا معاملہ آازک ہے۔

کلپورنگ : معاملہ اس نمونے سے اور بھی آازک ہے کہ یہاں کے لوگ ہم سے متنفر تھے جا رہے ہیں۔ نفرت اور

نفاہ میں حکومت برطانیہ کی پالیسی یہاں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مانسن : لوگوں میں نفرت بڑھ گئی۔ نوچیں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

کلپورنگ : اس وقت جمادی پالیسی کی کامیابی اور ناکامی کا سوال ہے۔ گورنر جنرل سے پوری طرح مواخذہ کرنا چاہئے۔

فرانسس : میری رائے یہ ہے کہ یہاں کے لوگ اس وقت مطمئن ہوں گے۔ جب گورنر جنرل سے مواخذہ کیا جائے گا اور سختی سے کیا جائے گا۔

کلپورنگ : کاغذ تیار کر کے کمپنی کے حوالے کر دینے چاہئیں۔ اگر آپ اس پر رضامند ہیں تو فی الفور مقدمہ تیار کر کے کمپنی کے سپرد کریں گے۔

فرانسس : بالکل۔

کلپورنگ : ذرا جلا اس پر توجہ دینا ہے۔



دوسرا منظر

دارن ہسپتال کا ڈرائنگ روم

کمرہ کافی آراستہ ویراستہ سے۔ دروازوں اور طے کیوں پر
 بلیں اور بستیاں پر سے لہرا ہے ہیں، مشرقی دروازے کے پاس
 فرانسیسی مکین ٹرپی ہے۔ سکریں سے درہ تھالی دیوار کے قریب
 ٹھہریں صوفے یروان ہسپتال بیٹھا ہے اور اس کے سامنے کرسی
 میں کھٹنے کی عدالت عالیہ کا چیف جسٹس (میر عدالت) بیٹھا ہے
 نظر آ رہا ہے۔ سرالمیٹھ کھٹنے لگا کا آدمی ہے۔ عمر ہسپتال کے لگ
 جگہ ہوگی۔ چھ سات ماہ کا فرق ہوتا ہے۔ سرالمیٹھ کے پیرے
 سے۔ عبات سات ٹیک ہی ہے۔ لٹا رہ پشانی ہے۔ لٹنگ آہتر
 آہتر کرنا ہے — دارن ہسپتال کا بچین کا دوست

رد چکا ہے۔ اس لیے دونوں میں کافی جیسے کھٹی ہے — اس

وقت رات کا پہلا پہ ہے۔ کمرہ سمعد انوں کی روشنی سے منور

ہے —

صوفے کے پاس تپائی پر ایک خال ہلا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے

ہسپتال ہی بھی میں کی وقت گزرائی کرتا رہے۔

آہی : لیکن مجھے حیرت ہے۔ تمہاری کونسل کے تین ارکان تمہارے خلاف کہیں ہیں ؟

دارن ہسپتال : بے وقت ہیں۔ ان کی مخالفت سے مجھے جو نقصان پہنچے گا۔ وہ تو پہنچے گا ہی۔ ہندوستان میں

برطانوی پالیسی ہمیں کامیاب نہیں ہو سکتی گی

آپہی : تمہارے خلاف انہوں نے سارے کاغذات کمپنی کے حوالے کر دیئے ہیں۔
 وارن ہیسٹنگز : کاروائی شروع ہو چکی ہے۔ گرمیں بھی اس مرنے والے برہمن کے خلاف جرتک عزت کا دعوے کرنے
 والوں۔

آپہی : ضرر نہ کرو۔ اگر اس سے بہتر کوئی صورت ہو سکے تو وہ بھی کرو۔
 وارن ہیسٹنگز : اس سے بہتر بھی ایک صورت ہے۔

آپہی : کیا ؟
 وارن ہیسٹنگز : ایک نکلین اخلاقی جرم میں اس برہمن کو قانون کے حوالے کر دینا چاہئے۔

آپہی : کیا ایسی صورت ہو سکتی ہے ہیسٹنگز ؟
 وارن ہیسٹنگز : یقیناً ————— اور میں ہی کی نام تیار یاں نکل کر چکا ہوں اور اسی سلسلے میں تمہیں
 آج بلا ہے۔

آپہی : مجھے تفصیل بتاؤ۔
 وارن ہیسٹنگز : (خانوں کو ہتھیں سے لے کر) یہ نائل میں نے ہی مقصد کے لیے حاصل کیا ہے آج سے کچھ عرصہ
 پہلے ہانگتے کے ایک جوہری نے اس باج کے خلاف جعل سازی کی نالاش کی تھی۔ اس وقت میں نے انہیں
 کر کے اس تھ سے کوڑا دیا تھا

آپہی : تم نے ایسا کون کیا تھا ؟
 وارن ہیسٹنگز : میں نے منہن اس کا کرنا جاتا تھا کہ لینے تھا صد کیلئے اسے ہتھال کر سکوں۔ اس شخص کا لوگوں
 میں بڑا رعب ہے اور ظاہر ہے ایسے لوگ ہمارے بہت کام آ سکتے ہیں۔

آپہی : ذرا تفصیل بتاؤ۔
 وارن ہیسٹنگز : وقت دیوں ہے کہ کلکے کے ایک صراف بلاتی داس سلاسلہ میں اپنے وارنوں اور قرض خواہوں
 میں جاؤاد کی تقسیم کی وصیت کروا تھی اور اس کا ہتھار نامہ ایک جوہری موہن پرشاد کے نام لکھا گیا تھا۔
 بلاتی داس کی موت کے بعد نند کمار نے ایک جعلی تحریر تیار کر کے بلاتی داس کی بیوی سے اڑنا لیس ہزار

ایک سو اکیس بیسے وصول کرنا چاہیے۔ حالانکہ وصیت نامہ میں نندکار کا صرف دس ہزار کا قرضہ لکھا ہوا تھا پانچ سو تین پرشاد نے اس کے خلاف جعل سازی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ ہمیں مقدمہ چل ہی رہا تھا کہ میں نے مداخلت کرنی ضروری سمجھی اور نندکار بری کر دیا گیا۔

آپہی : نندکار کا اپنا بیان کیا تھا ؟

وارن ہیمننگز : وہ کہتا تھا کہ یہ رستم دس ہزار کے علاوہ ہے۔ اور ہلاتی داس نے بقائم ہوش دلاس اپنے دستخطوں کے ساتھ مجھے یہ تحریر کر دی تھی۔

آپہی : تھا یا خیال ہے کہ میں پرشاد پر مقدمہ بری عدالت میں دائر کر دوں گا۔

وارن ہیمننگز : یقیناً۔۔۔۔۔ میں نے سب کام مکمل کر لیا ہے۔

آپہی : اس خسر یا کولن گواہ بھی نہ ہو گا۔

وارن ہیمننگز : اگر میں پرشاد کو دوبارہ مقدمہ چلانے کی ترغیب دے سکتا ہوں تو اس کے گواہ کو زاہد راستہ پر نہیں لایا جا سکتا۔

آپہی : ضرور لایا جا سکتا ہے۔

(دو روزے کا پیش میں پردہ ہٹا کر لیڈی ہیمننگز آتی ہے۔ برتیس

بیس سال کی جرمن نژاد عورت ہے۔ چہرہ نہایت دلکش ہے۔ پیشیں

بھی لمبی اور ہنٹ باریک ہیں۔ آنکھوں اور منہ میں پرہیزگاری کا ایک

بے لہجہ سکاٹلینڈی چھائی رہتی ہے۔۔۔۔۔ لیڈی ہیمننگز دانے

میں نکل کر سکتی ہے، اس لیے نظر سرامیبا آپہی پر نہیں پڑتی)

وارن ہیمننگز : اس میں ڈارنگس !

لیڈی ہیمننگز : اوہ ! اس نے کتنی ہی کیا کیا آپہی کو دیکھ کر اہمیت آپہی

آپہی : ہیسو۔۔۔۔۔ سیرے والیں آگئیں۔

لیڈی ہیمننگز : اس لیے آپہی ہوں۔۔۔۔۔ اچھا آپ کام کیسے۔۔۔۔۔ گڈ نائٹ !

مپی : گڈ ٹائٹ ۔

(بڈی ہیسٹنگز جن جاتی ہے)

وارن ہیسٹنگز : ڈیز مپی ہست دکھو چند دن کے بعد کیس پیش ہو جائے گا۔

مپی : اگر ایسا ہو جائے تو فقیر سمٹ اچھا ثابت ہوگا۔

وارن ہیسٹنگز : ایسا ہوگا اور ضرور ہوگا۔

مپی : (دائیں اشاری ٹھیٹھ کر) اگر جمل سازی کا جرم ثابت ہو جائے تو یہ کمینڈر برین زندہ نہیں رہے گا۔

اطمینان رکھو۔

وارن ہیسٹنگز : مجھے ہر طرح اطمینان ہے۔

مپی : آل رائٹ ، اٹھ بیٹا ہے ، گڈ ٹائٹ ۔

وارن ہیسٹنگز : گڈ ٹائٹ !

مپی : ہاں گڈ ٹائٹ ہے۔ وارن ہیسٹنگز دروازے تک اس کے

ساتھ جاتا ہے۔ مپی کے جانے کے بعد وہ واپس آتا ہے۔ فائل

پر برسرِ نظر آتا ہے اور کونے میں نیم دراز ہو جاتا ہے)

اسکین کے قریب بارول آتا ہے — ہیسٹنگز اسے

دیکھتا ہے (

وارن ہیسٹنگز : کیوں ؟

بارول : آگیا ہے۔

وارن ہیسٹنگز : گڈ (Good)

(وارن ہیسٹنگز کمرے سے نکل آتا ہے۔ بارول چند لمحے توقف

کرتا ہے۔ جب وارن ہیسٹنگز دیکھتا ہے کہ وہ اسے سے نکل جاتا ہے

تو واپس جاتا ہے۔ وقفے کے بعد واپس آتا ہے تو اس کے ساتھ

موزن پرشاد بھی ہے۔ موزن پرشاد لیے نذکا سادہ آدمی ہے نذکار
 کی طرح دھو آتی اور قبضہ بن بلورس ہے۔ چہرہ اس قسم کا ہے کہ اس
 پر کسی قسم کا اثر نمایاں نہیں ہے۔ عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی
 بارول موزن پرشاد کو کرسی پر بیٹھا رہتا ہے۔ اور خود اس کے سامنے
 دوسری کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ موزن پرشاد کرسی پر بیٹھتے ہوئے دو
 ڈیڑھے حصے وہ اٹھائے ہوئے کرسی پر آتا ہے۔ سبانی بیکھ دیتا ہے (

بارول : آپ کو پہلے کبھی ایڈی ہیٹنگلز سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔

موزن پرشاد : جی نہیں !

بارول : عجیب بات ہے، انھیں تو سبزیوں اور جواہرات کا بے حد شوق ہے۔ کلکتے کی نشاید کوئی ایسی جوہری کی دکان
 ہوگی، وہاں وہ نہ گئی ہوں۔

موزن پرشاد : کئی مرتبہ میرا دل چاہا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی چیزیں پیش کروں — — مگر میں خیال
 نئے رک رہا، یا کہ شاید وہ پسند ہی نہ کریں۔

بارول : آپ کے پاس خاص چیز کیا ہے ؟

موزن پرشاد : ہار۔

بارول : ہار تو انھیں بے حد پسند تھی۔

موزن پرشاد : پھر تو مجھے افسوس ہے کہ اب تک ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔

بارول : اخیر کوئی بات نہیں۔

(ایڈی ہیٹنگلز آتے ہیں۔ اُسے آتے دیکھ کر دونوں کھڑے ہو جاتے

ہیں۔ ایڈی ہیٹنگلز موزن پرشاد کے سامنے بیٹھ جاتی ہے)

بارول : (ایڈی ہیٹنگلز سے) کلکتے کے مشہور جوہری موزن پرشاد۔ کل انہی کا ذکر ہو رہا تھا۔

ایڈی ہیٹنگلز : (NICF) مجھے افسوس ہے، اس سے پہلے کسی آپ کو بلانا سکی۔ مہل مجھے آپ کی خبر ہی نہیں تھی۔

بارول : یہ سچ کہہ رہے ہیں کہ می مرتبہ میرا دل اپنی چیزیں پیش کرنے کے لیے چاہا۔ مگر اس خیال نے دوک دیا کہ شاید لیڈی ہسٹنگز پسند کریں۔

لیڈی ہسٹنگز : اچھی چیز تھے، کیوں نہ پسند ہوگی (مومن پرشاد سے) آپ سے آئے ہیں اور؟
مومن پرشاد : جی ہاں ! ملاحظہ فرمائیے۔

(انہوں نے ڈب ڈبہ مارتا ہے۔ اسے کھولتا ہے اور اڑکھال کر لیڈی ہسٹنگز کے ہاتھ میں دے دیتا ہے)

لیڈی ہسٹنگز : BEAUTIFUL

بارول : پسند ہے آپ کو۔

لیڈی ہسٹنگز : اور میں دکھائیے

(نام بھول جاتی ہے)

بارول : ان کا نام مومن پرشاد ہے۔

لیڈی ہسٹنگز : (احساس اذہا سے مسکراتی مومن پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے) مسٹر مومن پرشاد۔
مومن پرشاد : بہت بہتر۔

(مومن پرشاد دو کسے ڈبے سے اڑکھال کر لیڈی ہسٹنگز کے ہاتھ میں دے

دیتا ہے)

لیڈی ہسٹنگز : (بہت اچھا) یہ نہیں پہلے سے بھی زیادہ پسند ہے۔

بارول : دونوں پسند میں آپ کو!

لیڈی ہسٹنگز : ہاں دونوں پسند ہیں۔

بارول : تو انہیں ضرور خوش کیجیے۔

لیڈی ہسٹنگز : ضرور مسٹر مومن پرشاد! آپ کو سب کبھی امانت — فوراً آجایا کیجئے — میں

ان دونوں امانت کو ضرور بدلوں گے۔ — دو لاکھ ٹھیک ہے قیمت —

مومنین پرشاد: (کھرا کر۔۔۔ اُسے اتنی قیمت کا کبھی تصور تک بھی نہیں ہو سکتا تھا) جی! (لیڈی ہیسیٹنگز: بے خست یا نہیں پڑتی ہے)

بارول: مومنین پرشاد! تم خوش نہیں ہو کیا؟
 مومنین پرشاد: (بے خست یا ماتھ جوڑ کر) بہت خوش ہوں۔
 لیڈی ہیسیٹنگز: آپ آئندہ بھی آتے رہیں گے نا؟
 مومنین پرشاد: جی حضور۔ خدمت میں حاضر ہوتا ہوں گا! آپ نے
 (اس کی سبھی میں نہیں آنا۔ کہ اپنے جذبات کا اظہار کس طرح کرے)
 ضرور آتا رہوں گا۔

بارول: مومنین پرشاد! یہ نندا کا آپ کا عزیز ہے کونسا؟
 مومنین پرشاد: جی ہاں! مگر عرصہ ٹھرا۔ ہمارے تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔
 لیڈی ہیسیٹنگز: بہت چالاک آدمی ہے۔
 مومنین پرشاد: جی ہاں! آج کل گورنر جنرل کو بدنام کر رہا ہے۔
 بارول: یہ شخص تمہارا بھی دشمن ہے۔

مومنین پرشاد: جی ہاں!
 بارول: ششمنی کی وجہ کیا ہے؟
 مومنین پرشاد: یہ شخص چاہتا ہے کہ بلاتی داس سے اپنی جائیداد کا مختار بنا دے مگر اس نے اپنی ذمیت میں مجھے مختار
 نامہ سے دیا۔

لیڈی ہیسیٹنگز: شخص ہر شرتیں آدمی کا دشمن ہے۔ ہاں مومنین پرشاد! تم نے اس کے خلاف مقدمہ بھی کیا تھا؟
 مومنین پرشاد: کیا تھا۔ مگر کھیچہ ہو سکا۔ گورنر جنرل نے دخل سے کر اُسے بچا لیا۔
 لیڈی ہیسیٹنگز: ایسے شخص کو تو کبھی نہیں بچانا چاہئے تھا۔
 بارول: میں تباروں مومنین پرشاد! نکلے میں جو کئی عدالت عالیہ قائم ہوئی ہے آپ اس پر اس عدالت میں

مقدمہ دائر کر دیں۔

موہن پرشاد : (بچھاتے ہوئے) اجی !

لیڈی ہیسٹنگز : یہ عدالت پہلی جہی عدالت نہیں ہے آپ ضرور مقدمہ رجسٹر لیں گے۔
بارول : ہمارا دستورہ یہی ہے۔

(بارول میسڈی ہیسٹنگز کی طرف خاص انداز سے دیکھتا ہے۔)

لیڈی ہیسٹنگز : تالی بر سے روال بنا رہی ہے۔ تپالی پر نوٹوں کے

بڈل پٹے ہیں)

لیڈی ہیسٹنگز : یہ لیجئے۔

موہن پرشاد : (خوشی سے چہرہ سرخ ہو گیا ہے) شکریہ !

بارول : مسٹر موہن پرشاد ! بہتر ہے کہ آپ مقدمہ دائر کر دیں۔ آپ کو ضرور کامیابی ہوگی۔ یہ آپ کا
بیمبیشن ہے۔۔۔۔۔ بہتر شریف آدمی کا کٹن ہے۔ ضرور مقدمہ دائر کیجئے۔

موہن پرشاد : ضرور کروں گا۔

لیسڈی ہیسٹنگز : او تعینس (یہ محنت ہی غلطی کا احساس کر کے) مسٹر پرشاد آپ اُندہ بھی آتے رہیں گے نا،
بارول : (حلائی سے) ضرور آتے رہیں گے۔

موہن پرشاد : کہوں تو اولیٰ گا۔ یہ تو میرا فرض ہے آپ بہت ہی اچھے اور مہربان ہیں۔

لیڈی ہیسٹنگز : (مسرا کر) اور یہ آپ کا نڈکار تو ہمیں بہت بُرا ثابت کر رہا ہے۔

موہن پرشاد : بے وقت ہے۔ کمینہ کہیں کا

بارول : مسٹر موہن پرشاد ! ہندوستان میں جہاں تم جیسے نیک اور اچھے آدمی ہیں وہاں نڈکار جیسے غیر ذمہ دار
لوگ کیوں ہیں۔

لیڈی ہیسٹنگز : ہمیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہی کو نقصان ہوگا۔ جلا لوگ جس جانتے نہیں۔ ہم کیوں شہوت

لیں گے ؟

بارول : جیل سازی خود کرتا ہے۔

لیڈی ہسپتالنگر : ایسے آدمی کو سزا ملنی چاہئے۔

مورین پرشاد : خرد ملے گی۔ میں دوبارہ مقدمہ دائر کروں گا۔

لیڈی ہسپتالنگر : ادھر کیا۔ ایسی بُری باتیں کر کے خواہ مخواہ ہندوستانیوں کو بدنام کر رہا ہے۔

مورین پرشاد : تو اب مجھے اجازت دیجیئے۔

لیڈی ہسپتالنگر : اچھا۔

(مورین پرشاد فوٹوں کے نیل اٹھانے لگتا ہے۔ لیڈی ہسپتالنگر

بارول کی طرف مسکرا کر دیکھتی ہے۔)



تیسرا منظر

(کلکتہ کی عدالتِ عالیہ — جولائی کا آخری ہفتہ)

(گرمی لوہے سے تباہ رہے)

اپنی مخصوص کرسیوں میں عدالتِ عالیہ کے چاروں جج بیٹھے ہیں۔
چاروں کے سروں پر ”وک“ نہیں، دربان میں سر ایجا اپنی ہے
دائیں جانب ٹائٹ اور چیمبرس ہے اور بائیں طرف میسر کمرے
میں چاروں طرف رنگ کھڑے ہیں جو بڑی بے تابی سے سر ایجا
پر اپنی تاملات دیکھ رہے ہیں جو فوجی لکھ رہے ہیں۔

مجھوں کے کپڑے میں تھلا تھلا کھڑا ہے۔ تھلا تھلا کے جیسے پر
تھلا تھلا اور ہسٹال اماں ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے
رُعبِ طلال میں کوئی مرقا نہیں آیا۔

مگر سر ہوشی کے انداز میں ایک اور سے سے باتیں کر رہے ہیں۔
اور ساتھ ساتھ بے چینی سے عین جج کو دیکھتے ہیں جاتے ہیں
ہیں طبع چند لمحے گزر جاتے ہیں۔ سر ایجا اپنی قلم ہاتھ سے رکھ
دیتا ہے۔

سرفوسٹو: ”دیکھو تھانوشس، کبھی ہوائی آواز بلند کرتی ہے
سر ایجا اپنی نیز پر ہاتھ مارتا ہے“

سر ایجا اپنی: خاموش حضرات!

(سکل خاموشی چھا جاتی ہے)

ہیں مقدمے کو شروع ہونے کوئی دن گزر چکے ہیں۔ عدالت نے اس کے ہر ممبر کو پوری طرح غور کیا ہے۔ کلکتے کے جوہری ممبرن پر شاد نے کلکتے کے سابق صوبیدار نندکار پر یہ الزام لگایا ہے کہ نندکار نے اڑتالیس ہزار ایک سو اسی روپے کے لیے جعلی دستاویز تیار کی ہے۔ نندکار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دستاویز اصلی ہے اور اس پر متوفی بلاقی داس کے جو دستخط ہیں وہ جعلی نہیں ہیں۔ یہ مقدمہ آج سے ساٹھ سے تین سال پہلے ایک مقامی عدالت میں چل چکا ہے مگر اس کا فیصلہ نہیں پورا تھا۔۔۔۔۔ اس عدالت میں یہ مقدمہ دوسری مرتبہ دائر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ عدالت نے ہر ملکن طریقے سے اس مقدمے پر غور کیا ہے اور عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے۔ کہ ممبرن پڑانے نندکار پر جو الزام لگایا ہے۔ وہ درست ہے نندکار نے واقعی جعل سازی کا مرتکب ہو چکا ہے انگلستان میں اس جرم کی سزا موت ہے۔ عدالت اسے سزا کا یہاں اعلان کرنے پر مجبور ہے۔

”نندکار۔ ہر سال سال۔ ذات برمن کو جعل سازی کے مجرم میں سپانسی کی سزا دی جاتی ہے۔“

یہ الفاظ سننے پر لوگوں کی یہی کیفیت ہر جاتی ہے۔ جیسے وہ زلزلے کا جھٹکا محسوس کر رہے ہوں۔

نندکار کو چونکہ ایک نعت بلدی کی طرح زرد پڑھا ہے۔ اس کے پاؤں دکھڑاتے ہیں اور وہ سمہارا جیسے کے لیے کھڑے

تو تمام لیتا ہے — دو چار لمحوں کے بعد وہ اپنے
 آگے بڑھتا ہوا ایسا ہے تو کون کی شعور کی کیفیت چمکنے لگتی ہے
 انہیں ایسے دنوں پر یقین نہیں آتا۔ وہ ایک درستی کی طرف مستقر
 دکھتے ہیں۔ "واقعی فیصلہ ہو گیا ہے" — واقعی ایسا
 ہوتا ہے؟

دو چار لمحے اور گزر جاتے ہیں —
 "پہلی سی کی سزا۔ جس سازی کی سزا موت" — اور
 اسی قسم کے فقرات بلند ہو رہے ہیں۔ سر ایلہا فیصلے کے کاغذ
 سے لگا ہیں ٹٹا لیتا ہے۔ سرسری طور پر لوگوں کو دکھتا ہے۔
 ایک لمحے کے بیٹے پھر خرابی چھا جاتی ہے — اس
 بعد وہ الفاظ کہتی ہوئی نکلی نکلی گھسیٹتی آوازیں اُٹھانے
 لگتی ہیں۔

نندکار کا جھکا ہوا سر۔ سر ایلہی کی عات مرتا ہے۔ اس کی
 آنکھیں اب سرخ ہیں۔ گردن اٹھانے لگی ہے۔ لوگ ہوش ہو کر
 بڑی بے آہلی سے اس کی عات دیکھنے لگتے ہیں (

نندکار: مسٹر ایلہا۔ میں نے اپنی بوت کا فیصلہ سنا لیا ہے۔ میں جانتا ہوں یہ قانون کا فیصلہ نہیں ہے (آوازیں جوش
 بڑھتا جا رہے ہیں) اب انصاف کا فیصلہ نہیں۔ بلکہ گورنر جنرل کے ہتھیار کا فیصلہ ہے — گورنر جنرل
 اور چیف جسٹس کی سازش کا فیصلہ ہے۔

سر ایلہا: مجرم کو سزا دینا چاہیے۔ کہ اس قسم کی بات کرنا انصاف میں۔ قانون اور انصاف نے جو فیصلہ کیا ہے۔
 — — — عدالت نے ہی فیصلے کا اعلان کر دیا ہے۔

نندکار: تم اسے انصاف کہتے ہو —؟ اگر یہ انصاف ہے تو دنیا میں نا انصافی کس چیز کا نام ہے؟

سر ایلیجا : عدالت نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ مجلس برصاغت مروتی ہے۔
(اٹھنے لگتا ہے)

نند کمار : مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ ضرور کہوں گا۔

(لوگوں کا شور سن کر تماشائیوں کی آوازیں)

سر ایلیجا : یہ عدالت ہے کوئی تماشائی نہیں ہے۔

نند کمار : اب تک جو کچھ ہوا ہے۔ اس کی حیثیت کٹ پیلوں کے تماشے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔
مجھ جیسے والد ارشخص کے مخالف ہئی سمیرا ستم کے لیے جیل سازی کا مقدمہ کرنا تماشائیں تو اور کہا ہے :
اب تک جتنے لوگ یہاں آکر بولتے ہیں وہ صرف کٹ پیلیاں تھے جو گورنر جنرل اور اس کے ساتھیوں کے
اشاروں پر بنا چھتے بہت ہیں۔ اس سارے کھیل ——— اس سارے تماشے کا مقصد صرف یہ تھا کہ گورنر
جنرل کے مخالف کو راہ سے ہٹا دیا جائے ——— اُسے یہ طرح نکتہ کر دیا جائے اور آج یہ مقصد لیا
ہو گیا ہے۔ ——— مہربن پر تباداد اس جیسے دوسرے کہنے اور ذلیل فطرت لوگوں کو جس کام کے
لیے شہوت دی گئی تھی وہ کام ختم ہو گیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں آج ہی نند کمار کے خلاف جھلساڑی کا مقدمہ
چلانے کی کیوں ضرورت پیش کی گئی جب ایک مرتبہ مقامی عدالت نے سے داخل دفتر کر دیا تھا۔ تو پھر راستے
عرصے کے بعد اسے زندہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مزدت صرف یہ تھی کہ گورنر جنرل اپنے مخالف کو موت
کے حوالے کر کے اپنی مخالفت کے طوفان کو دبا دینا چاہتا تھا۔ اور میری مرتبہ بعد مخالفت کا یہ طوفان خود بخود
دب جانے کا۔ گورنر جنرل کو معلوم ہونا چاہئے کہ جیٹ جس کے فیصلے صادر کرنے کے بعد یہ مقدمہ ختم نہیں
ہو جاتا۔ ——— یہ مقدمہ دوبارہ ہو گا ——— میری موت کے بعد ہو گا۔ اور اس وقت
ہو گا جب میرے ہم وطن تم لوگوں کو ——— تم سفید ٹیڑھے لٹے لٹے تاجروں کو چھیڑ چھیڑ سبھو جائیں گے
اس وقت تمہاری جگہ مجھوں کے کھڑے ہیں ہو گی۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہو گا کہ مجھ سے تندرکنا تھا جس کے
خلاف جھلساڑی کا مقدمہ کیا گیا تھا یا وارن ہو شینگز اور سر ایلیجا آپنی تھے جنہوں نے سازش کر کے ایک بے گناہ
کو پوائس کے تختے پر لٹکا دیا تھا ——— تم نے میرے وطن میں چوروں اور لٹاکوؤں کی طرح لوٹ کھسوٹ

مچا رکھی ہے۔ یہ لوٹ کھسوٹ آج جاری ہے کل جاری نہیں ہے گی۔ وقت آنے پر تمہیں اس طرح اس زمین سے نکال دیا جائے گا۔ جس طرح چوروں اور ڈاکوؤں کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ آج تمہیں موقع ملا ہے۔ ظلمِ ظالمِ کتنے ہوا۔۔۔۔۔ بے گناہوں کو پھانسی پر لٹکا کر رہو۔۔۔۔۔ اور ہم میں پھٹ ڈال کر فائدہ اٹھاتے رہو۔۔۔۔۔ مگر وہ وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ تمہیں تم بھینٹ بکریوں کی طرح ہانک رہے ہوں۔۔۔۔۔ تمہیں نکال دیا جائے اور لیڈر اس جگہ کہ۔۔۔۔۔ ہمال سے چلے جانے پر مجبور کریں گے۔۔۔۔۔ تم مجھے اڑکھائی نہیں مار سکو گے۔۔۔۔۔ میں زمر کو جیوں گا جی جی کو مردوں گا۔۔۔۔۔!

(لوگوں کا جرم بے قرا ہو جاتا ہے۔ نفسا میں آوازیں گونجنے لگتی ہیں)

”یہ ظلم ہے۔۔۔۔۔ یہ دیا آ رہا ہے۔۔۔۔۔ اپنا

فیصلہ دلو۔۔۔۔۔“

(سر ایبھائی کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے)

(اٹل جلدی سے اٹھ کر میز پر ہاتھ مار کر لوگوں کو نادمہستہ ہونے کے

پہلے گناہ)

(شور مچتا ہے)

اٹل : حضرات! عدالت اس فیصلے پر غور کرے گی۔

(”کب کب“ کا شور مچنے لگتا ہے)

اٹل : (میز پر ہاتھ مار کر) چند دن تک ایسے مطمئن رہیں

یہی ننگار کے گرد قطرہ ڈال دیتے ہیں وہ بڑے وڈار اور کھل کے ساتھ قدم اٹھانے لگتا

ہے جب ننگ : دروازے سے باہر نہیں نکل جاتا۔ لوگ طرح طرح کے دوسرے کتے بھتے

ہیں۔ ننگار جب دروازے سے باہر نکل جاتا ہے تو سر ایبھائی بھی اور دوسرے بیچ بھی

دروازہ پر جاتے ہیں لوگ جی ہانک کھڑے ہیں

چوتھا منظر

جہل خزانے کا بلند آہنی اور تفل دروازہ - دروازے کے سامنے

لوگوں کا ہجوم

دن

۵ راکت بروز ہفتہ ۱۳۵۵ عیسوی

وقت

صبح کے سات بجے میں کچھ منٹ باقی ہیں کشتی پوری علاج پھیل نہیں تھا
میں ٹھٹن اور جھل پن ہوا رک رک کر ہیں رہی ہے بہت آہستہ جیسے
ٹکستہ پاؤں ہجوم میں مڑ رہی ہیں عورتیں میں اور بچے بھی سب
دروازے کے سامنے کھڑے ہیں سیکے سپردوں پریم و خال کے گرس
اثرات پھلٹے ہوئے ہیں۔

عورتیں روتی ہیں۔ اور بچے ان کی دیکھا لکھی۔ حالتیں کا اندازہ کیے
بیسرے تھکانے میں نزع خاوش کھڑے ہیں جیسے ان کے مصعوم دلوں
پرغہ بوجہ آپڑا ہو — — نگاہیں بار بار آہنی دروازے کی
طرف اٹھتی ہیں۔ اور پھر خود خود جھک جاتی ہیں ہجوم میں اٹھا دھرتا
جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کا اضطراب میں بڑھتا
جا رہا ہے۔

سرگوشیوں کی ٹھٹھی کی کیفیت میں تمہارے تہ سے وقفے کے
بعد ایک عورت کے رونے کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ اور اس کے

ساتھی ایک ہی قسم کی آواز آنے لگتی ہے جیسے بہت سی عورتیں

ایک ساتھ سکھیاں بھرتی ہیں —————

مکمل سکوت پھیل جاتا ہے۔ کلاک کی آواز اس پر پھیل سکوت میں
ڈوب ڈوب کر ابھرتی ہے۔ ابھر ابھر کر ڈوب ڈوبتی ہے۔

ہجوم میں اضطراب کی ایک ایسی کیفیت بدلا ہوا جاتا ہے جیسے
سندر کی سطح پر دو تان پر پانچ بجائے۔ سب دروازے کی طرف
بھاگتے ہیں ————— مرد، عورتیں، بچے ————— سب کے
سب دروازے کے دونوں طرف ایک دوسرے سے ہوا ہونے
لگتے ہیں۔

نغمہ اندازہ کی بجائے اضطراب اور بے چینی پھاگتی ہے۔ دل
دھڑک رہے ہیں۔ آنکھیں پھیل گئی ہیں اور دنیا پر ایک اضطراب
انگیز سکوت مسلط ہے۔

سپاہیوں کو بھیہہ ہلاتے ہیں ————— مگر ہجوم ہے کہ پیچھے
بچنے کا نام نہیں مینا

”پیچھے ہٹ جاؤ“ ایک سپاہی نلکا زنگ ہے۔ مگر ہجوم نے
اضطراب اور جوش میں کوئی فرق نہیں کیا۔ ایک سخت رکی سب
انہی جگہ پر رک جاتے ہیں۔ سانس بند ہے۔ نکاحیں دروازے کے اندر
جھانپتے ہیں۔ حرکت نہ کیا۔ دروازے پر آتا ہے۔ ان کے
چہرے پر ایک ایسا جلال اور ایک ایسی عظمت نمایاں ہے کہ دیکھنے
والے غرور محترم سے بے خستہ رنگاں میں بھجکاتے۔ اس کی
کٹا دہ پیشانی پر نگر و ملاں کو ہکا سا غبار بھی نہیں ہے آنکھوں

جی سترچی بھیک ہے ہی ہے اور اس سے اس کے چہرے کے جمال میں

اور افاضہ ہو گیا ہے

لوگوں پر ایسی مرحومیت طاری ہو گئی ہے کہ سب رونا دھونا
بھول گئے ہیں۔ خاموش کھڑے ہیں۔ کسی کو یہ احساس نہیں ہے

کہ کیا ہونے والا ہے۔ کیا مورد ہے۔

نندکار فدا اٹھا ہے ————— ایک عورت بدلتی ہوئی

آتی ہے اور اس کے تہوں میں گر پڑتی ہے۔ نندکار اٹھا ہے

عورت بسکیاں بھرنے لگتی ہے۔

نندکار جمیع کی طرف دیکھتا ہے اور اپنے صاف غلوں سے

لمبریز اور بلند آواز میں کہنے لگتا ہے۔

نندکار: تمہیں رونا نہیں چاہیے ————— تم کہیں مدد ہی ہو۔ اس لیے کہیں مرد ماہوں ————— میں مر

رہا ہوں۔ ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے ————— میں ہمیشہ گناہ بے گناہی کا راجح بن کر وارن ہیشنگ

اور آپ کی پیشانیوں پر نمایاں رہوں گا۔ (آواز میں جوش) میں آج گوشت پوست کا انسان نہیں ہوں۔

بلکہ ایک آدھش ہوں۔ اجنبی توت کی نالغافتی ظلم اور لوٹ کھسوٹ کو ٹانے والا آدرش ہوں۔ یہ آدرش

زندہ رہے گا ————— نندکار زندہ رہے گا۔ اپنے راستے پر چلتے جاؤ اور مجھے خوشی خوشی اپنی

راہ پر جانے دو۔

(لوگوں کی نگاہیں اس پر عظمت اور باوقار ہیرے پر جمی ہیں سب

سب سانس دیکھے بت بنے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

نندکار دونوں ہاتھوں کو جو اس میں اس طرح لہراتا ہے جیسے کہ

رہا ہو مجھے جانے کے لیے راستہ دو۔ لوگ درمیان میں

راستہ بنا دیتے ہیں۔

ایک پکڑا ہے اور اس کی ٹانگ سے لیٹ جا تا ہے۔ یہ تو گنا
 کا پلو ہے۔ نذکار اسے گورن اٹھاتا ہے۔ پیار کرنا ہے۔
 اور اسے اس کی سسکیاں بھرتی مرنے والوں کی گورن سے دتا ہے۔
 — نذکار چلا جا رہا ہے — پچھلے کے تختے

کی طرف قدم اٹھا رہا ہے بیٹھ کے۔ بغیر بغزش کے۔ اس
 ہمارے کے ساتھ گویا موت کی طرف نہیں ہی زندگی چاہ کر نے
 جا رہا ہے۔ — آہ ذرا ہی بند ہو رہی ہے۔ چھین بند
 ہو رہی ہیں۔ عورتیں جو عدم سے نڈھال ہو کر گر رہی ہیں
 پتے۔ پناہ۔ وہ ہے ہیں۔

نصائیں سبکیوں کے جینوں سے ایک ہنگامہ برپا ہے۔
 اور ونے والوں کے درمیان چینی والوں کے قریب نڈھال
 ہی موت، جرات کے ساتھ قدم اٹھائے جا رہا ہے جس سمت
 جرات کے ساتھ اس نے کوشل کے سامنے گورنوں کے
 خلاف ثنوت کا الزام لگایا تھا

پانچواں منظر

اُسی دن

سارے نو بجے

(دارن ہسٹنگز کا ڈرائنگ روم)

اکہرے میں دارن ہسٹنگز سراپہا ہی اور لیڈی ہسٹنگز ایک
میز کے گرد کوچ پڑھے ہیں۔ میز پر شراب کی بوتلیں اور ایک نظر
آہستہ میں دو شراب جاری ہے۔ تینوں کے سپروں پر فوجنا راہِ مست
کی سرخیاں نمایاں ہے۔)

دارن ہسٹنگز: (عالمی بیک رکھ کر دوسرا بیک بوتلوں سے لگاتے ہوئے) اس ملک میں ملاری پالیسی کبھی ناکام
نہیں ہو سکتی۔

مہی: اس میں کیا شک ہے۔

دارن ہسٹنگز: یہ پاگل ہی ایسی ہی کو نہیں سمجھ سکتی۔ — بالکل فول (FOOL)

مہی: اس سے بہتر ایسی اس ملک کے ایسے ہو ہی نہیں سکتی۔ دو آدمیوں کو لڑا دو اور پھر ان کے انہوں میں
بندوبستیں دیدو جو سر جانے گا۔ موت کے قبضہ میں چلا جائے گا اور بونڈر حال ہو کر آسرا ڈھونڈے گا

وہ یقیناً ہمارے قبضہ میں آجائے گا (EXCELLANT POLICY)

(دوسرا بیک اٹھا ہے)

لیڈی ہسٹنگز: MIRACLE

(انس بڑتی ہے)

مہی: اس معاملے میں لیڈی ہسٹنگز نے کافی اہم پارٹ ادا کیا ہے۔

دارن ہیسننگلز: (یہی ہیسننگلز کی عزت و محبت انگیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے) (VERY NICE WOMAN)

(ابول آج ہے۔ اس کا چہرہ کسی قدر فکرمند ہے)

مہی: جیو! الٹی ڈیر بارول! اتنی دیر سے کیوں آئے تم؟

دارن ہیسننگلز: مرگیا اچھا بہن۔

(غصے میں پیگ بچے صینک رہا ہے)

بارول: (کڑھی پرٹھیتے ہوئے) عجیب واقعہ!

لیڈی ہیسننگلز: بارول بہت تناؤ سے معموم تھتے ہیں۔

بارول: میں ساری زندگی میں نہیں بھول سکتا۔ بلاؤ کا بہادر انسان۔

دارن ہیسننگلز: (ایک ہی کی طرف بڑھاتے ہوئے) چھوڑو اب اس قصے کو۔ مرگیا ناؤ۔ بیچارہ۔

بارول: مرگیا۔ مگر کس جرأت — کس بہادری کے ساتھ — میں اس کی موت کے واقعہ کو کبھی نہیں

بھول سکوں گا۔ میں جیل سے جھانسی کے میدان تک اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے

میں اس کے چہرے پر گھبراہٹ نہیں دیکھی

مہی: بہت خوفناک انسان تھا — ایسے شخص ملکوں میں انقلاب پیدا کرتے ہیں۔

دارن ہیسننگلز: (تیزی سے پیگ صحن میں آٹھتے ہوئے) DAMN

مہی: جیوں ایک بہت بڑے اور خطرناک دشمن سے نجات ملی ہے۔

بارول: آپ کچھ بھی کہیں۔ مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس جیسا بہادر انسان میں تھے آج تک نہیں دیکھا تھا

موت سے وہ ڈر نہ تائیں تھا۔ پھانسی کے تختے کی طرف اس طرح عدم اظہار اظہار تھا جیسے موت کی طرف نہیں

زندگی کی طرف جا رہا ہے۔ نہ ذرا اس کی ٹانگوں کو لنگڑاستی ہوئی اور نہ ہی اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔

جیسا تھا ویسے کا ویسا رہا! بیڑھی پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے بیٹے کو گلے سے لگایا اور

بے خوف، اضطرمات اور پرجوش لہجے میں بولا۔ میری تعین اور تمام ہندوستانیوں کو یہی نصیب ہے کہ

ان سفید چہرے والے ڈکٹوں کو جلد سے جلد اپنے ملک سے نکال دو۔

دارن ہیسننگز : (غصے سے خالی پیگ پر سے پھینکتے ہوئے) یا جی ۔
 بارول : یہ کہتے مجھے جب اس کی نظر چھریڑھی تو اس کی آنکھوں میں سرخی دوڑ گئی۔ جیسے بھی ہوئی لگ لگھٹ
 بھڑک اٹھے۔ اسے ہر سے نفرت تھی۔ ۔۔۔۔۔۔ وہ ہندوستان میں ہمارے بڑا دشمن تھا
 میں جانتا تھا کہ اسے جلدی جلدی ختم کر دیا جائے۔ مادہ ۱۱ اس کے الفاظ اس نازک موقع پر لوگوں میں بغاوت
 کی آگ لگا دیں۔

دارن ہیسننگز : ابھی نہیں ۔۔۔۔۔۔ ابھی بیسیوں زندہ کارول کی ضرورت ہے۔

بارول : میں نے آخری وقت بھی کہا تھا : میں سر نہیں رہا۔ میں مر مر کر جوں گا جی جی کر مر دوں گا۔
 اور اس کے بعد اس نے بیٹے کو نصرت کر دیا۔ بیٹے کا بڑا حال تھا۔ بیچ و جسم میں وہ اس قدر ٹھنڈا
 ہو گیا تھا کہ اس سے ایک قدم بھی نہ اٹھایا جاتا تھا۔ اس کا ہم لرز رہا تھا۔ کئی لوگوں نے اسے سمجھایا
 اور اسے جانے لگے مگر نہ کارول ہی تڑپ کھڑا رہا جس طرح کھڑا رہا۔ اس نے کھڑکی کا اظہار کیا۔
 وہ اپنے آپ کو شبیہ سمجھ رہا تھا اسے کامل یقین تھا کہ اس کی موت شہادت ہوگی اور وہ
 ہمیشہ زندہ رہے گا اس نے خود اپنی پشت پر ہاتھ رکھ بیٹھے۔ جب اس کے ہاتھ بانڈھ دینے لگے
 تو اس کے چہرے پر سیاہ کیڑا بانڈھا جانے لگا۔ اس نے تیز جیوں پر چڑھتے وقت کسی سہارے کی ضرورت
 نہیں سمجھی۔ اس وقت بھی اس کی ٹانگوں میں نعوش نہ رہی۔ اس وقت میں اپنے اندر ایک عجیب کیفیت محسوس
 کر رہا تھا۔ میں اس کی ہمارے سے متاثر تھا یا کہ بہتر وقت سے۔ میں کہہ نہیں سکتا۔ مرنے کا حقہ ہر شام
 کے ڈوٹن منٹ بعد لائسنر زمین پر اڑی میسر دل میں بڑی خواہش تھی کہ اس کا مردہ چہرہ دیکھوں۔ مگر
 میں نہ دیکھ سکا ۔۔۔۔۔۔ لاش ذرا جلانے کے لیے برہمنوں کے حراسے کر دی گئی۔

لیڈی ہیسننگز : (تاثیر ہر BRAVE MAN)

طارق ہیسننگز : (بہتر غیر تاثیر حالت میں) اہل گنہ کاشن

بارول : ہاں !

(شور سنائی دیتا ہے)

اُپی : یہ کیا شور ہے ؟
بارول : شاید وہ لوگ ہیں۔

(گھڑی کا صاف باآب اور نیچے دیکھنے لگتا ہے)

دارن ہیسٹنگز : کون سے لوگ ؟

بارول : (دوایں کر کے) وہ لوگ احتجاج کر رہے ہیں۔

اُپی : (گھبرا کر) زیادہ لوگ ہیں ؟

دارن ہیسٹنگز : احتجاج کرنے آگئے ہیں

پاجی

لسیٹی ہیسٹنگز : (گھبرا کر) وہ کیا کریں گے — — — وہ کیا کرنے آگئے ہیں !

دارن ہیسٹنگز : (مطمئن لہجے میں) کوئی نگر نہ کر — — — سب ٹھیک رہتا ہے گا — — — سب کچھ

مضبوط ہے — — — بے نگر نہ ہو کر بیٹو — — — غریبوں کو دل کھول کر بیٹو۔ میں نکالنے کے لیے ایک

ننگا کمان نہیں ہزاروں ہنگاموں کا اہمیت ہے۔ ہزاروں ہنگاموں میں گے جب کہیں باکر انگیزہ قوم

ہندوستان چھوٹے چھوٹے ہو گئے۔ آج یہ ننگا کمان — — — نابلے ہیں ہزاروں لوگوں پر شادہ ہر وہی — — —

اور چاری کا میانی میں ہے کہ ہم ہر ہر ہزاروں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں — — — دوستو!

منہ سے پیٹے جاؤ۔ منہ سے پیٹے جاؤ۔

دارن ہیسٹنگز : بیگ، اٹھ کر نہ سے روکنا ہے۔ بارول

آپیں ادب سے ہیسٹنگز اس کی طرف دیکھ رہے ہیں — — —

... شور رہا ہے)

..... تے کو پے سے نکلم

نامر شیبی

○

کردار

رضیہ	آبا جان
احسن	امی جان
اسماء	اکبر
نیلیم	اصغر
عبدل	عافیہ

ایک عورت

زمانہ

۶ ستمبر ۱۹۲۶ء تا ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء



اکبر نے صوفیوں سے جتنے کامائے طوائفیں پھیلائے، تو لین پر بیٹھے ہیں۔ اکبر کا
عصر پینتیس سال کے قریب ہو گا۔ ایک موٹی عینک جو گئے کسی کتاب کا مطالعہ
کرتے ہیں، کچھ کتابیں صوفیوں پر لگی ہیں۔ کچھ قریش پر۔ اور کچھ تخیلی چیزیں۔
یہ میں جانب سے باہر بھرتی کسی مورخ کے اسٹے کی آواز آتی ہے۔

اکبر (آواز جاتا ہے) دو کیوں کس کی موزا آتی ہے باہر ... عبدال

اسٹے میں ٹہرے سے دائیں سترے آتی جان کی آواز آتی
جے جے ہر نصیبے کی تازہ ہے اور غصے کی جاسٹھی جو عمر کی زادت
کی وجہ سے بے سرن ہو گیا ہے۔ یہ آواز تہہ مہہ قدم نزدیک۔

(آتی ہے)

امی جان: (آواز) عبدال باڈار سامان لائے لیا ہوا ہے۔ اٹھ بیٹھے شہ میں کرنیو شہر متو اب۔ ہی وقت تازہ تر کار
وغیرہ بھی آتی ہے اور کوئیں ہی کہتے ہیں۔ دل بچے پھر کرنیو شہر موحا ہے گا۔

اتو جان دہل ہوتی ہیں۔ بچو سال کو سینے میں لٹھے کا ٹیک پھاہر۔

مل کا سفید روٹے اور کسی صوبیانے رنگ کو کرتے جس پر کسی اسے مناسب
نگ کی سرتی سدھی بیٹھے ہیں۔ کلاہوں میں سونے کے سائے اور جڑیاں
جیں اور کانون میں پرانی۔ زلی سٹنے کی مایاں۔ سیدھی ہانگ۔ اور کسی ہونڈی جوٹی ہے
ہنگ بالکل صاف ہے اور آنکھیں ٹری ہانگ اونچی اور تہلی تھوڑی۔ دانت
گرت سے این کہنے کی وجہ سے کتھی ہو چکے ہیں۔ ایک کلاہان کا بیڑا باہر سے
کی وجہ سے نرا کھرا گیا ہے۔ بدن کھی گول تھا، لیکن اب ہما طور پر بھرتی
جو قریش پر پرتی پالتی مار سے جٹنے مہنے کی عادت اور فراغت کا نشان دیتا ہے
چہرے پر بیڑا کی ایک مستقل کیفیت ہے جو زمانے کی ہر کردٹ کے ساتھ

پڑھتی رہی ہے)

امی جان: (بہلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) میں نے اس لیے آٹھ بجتے ہی لے سائیکل لے کر بھیج دیا ہے تاکہ کوئی شروع ہونے سے پہلے نام چیزیں خرید کر واپس آجائے۔

اکبر: زحمت سے (تو کیا امی سے آٹھ بجی بچ گئے؟

(بائیں جانب سے صفیہ داخل ہوتی ہے۔ زردی مائل صاف رنگ

ہے۔ قد لمبا ہے۔ ادرین تپلا۔ چہرہ جی لمبا اور تپلا ہے۔ اس پر

بڑی اور بالکل سیاہ آنکھیں اور ہمیں زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہیں۔

آنکھوں کے گرد ہلکے ہلکے سیاہ گڑھے ہیں۔ سفید کی عمر پچیس سال

کی ہے۔ لیکن پہلی نظر میں تو نازک سی زوہان لگی معلوم ہوتی ہے

یشمی لباس ہے۔ ڈھیلا پاجامے، کاسی ہلکے رنگ کا جوڑا۔

ہلکے ہلکے زلیو۔ ہاتھ گلے اور کانوں میں ہے۔ ہاتھ میں لیسٹری

(PURSE ہے)

صفیہ: آداب بھائی جان! آٹھ بجے آدھ گھنٹے سے زیادہ یہی ہو گیا۔

(پرس بائیں جانب کرسی پر رکھ دیتی ہے)

اکبر: (خوشی سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے) تو یہ تمہاری موٹر آئی تھی صفیہ؟

صفیہ: جی ہاں! ————— آداب امی جان!

امی جان: جیتی رہو بیٹی ————— تمہارے میاں بھی سا آٹھ آگے ہیں؟

صفیہ: جی ہاں! (بائیں دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ ہیں تو۔

(حسن خوش وضع و چہرہ مرد ہے۔ عمر پچیس سال ہوگا۔ لباس انگریزی

ہے۔ سفید پتلون اور (MANILA) شرٹ بلیو کو آگے

آگے لے آتا ہے۔ نیم یا نچ سال کی روٹی ہے۔ یشمی نرک پیٹنے

ہے۔ رنگ اور خود خالی ہتی ال سفید جیسے ہیں ادرین لمبا

(ادوں ہے)

آسن : آداب جانی جان !

البر : (مترت سے) اسے بھی جن ! آج تو بوت سویرے آئیچے !

احسن : اور آپ اس وقت ہی ٹاٹوں میں سرے بیٹھے ہیں۔ آپ نہیں اب میٹ لیجئے اب نہ لیم آگئی سے نا (لیم سے)

حمیا جان : آداب رو لیم ۔ ۔ ۔ اوں دکھا جی جان کی کسی کتاب کا آج کوئی صفحہ نہ پھاڑنا :۔

(صعدی دس تا سب آواز آئی ہے)

صفر : (آواز) اسے یہ تو جن جانی کی آواز آ رہی ہے

احسن : (آواز بند) جی ال ! اسماء بھی ساتھ آئی ہیں۔

صفر : (غوش سے) اچھا اسماء کھینے میں سٹو : SHAKE کر رہی ہیں۔ اچھی آیا۔

(ہیں باب کے دروازے سے اسماء داخل ہوئی ہے سترہ سال

کی رانی ہے، غامورٹ۔ بالکل خوبصورت اور بہت نکتہ دار۔ ڈھیٹے بظاہر

کارتھیکی ہو اپنے ہے۔ مناسب زور ہے۔ زبیر ہون ہے۔ سونگی سب

کی جا لیدار ایکٹ جس میں اگنے کے لیے کھڑے ہیں۔ دونوں ڈھون

میں اٹھائے ہے)

اسمار : آداب !

امی جان : جیتی رہو۔ ۔ ۔ ۔ اقد میں یہ کیا اٹھائے ہو ؟

صفیہ : امی جان ! اسماء کو آپ ڈھیٹے پھاڑ کے پائیچے پیر لٹیر رک رکیت بھولی ناگنی بنا دیکھے۔ یہ اپنا زعمانی جیتے

کہ پابانہ مانتہ لائی ہیں۔

امی جان : ہاں ہاں ! ضرور ادا۔ تو میری ہونے والی ہو رہی۔ یہ جو کچھ کہیں۔ میں کروں گی۔

احسن : (اسپر کر) آج کل تو گھر میں رات دن ہمیں کے جڑوں کی باتوں کے عوار، کوئی اور آواز سنائی ہی نہیں رہتی صفیہ

اور اسماء کو جیر کی باتوں کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہے۔

احسن : ۱۸۵۵ء سے زبیراں یونین جیک لہرا ہے۔ اس سے پہلے چار پانچ صدیوں تک مسلمانوں بادشاہوں کے جھنڈے لہاتے تھے۔ اس سے پہلے یہاں ہندوؤں کا راج تھا۔ — آپ اس پر ایک مقالہ لکھیے بہت دلچسپ ہوگا۔

اکبر : گول سنجیدہ کام تو ابھی مشکل ہے جب تک میں اپنی کتاب کا مسودہ پورا نہ کروں۔

احسن : اکبر کے دین الہی پر !

اکبر : ان مسودہ نوپورا ہو چکا۔ نظر ثانی مانی ہے (اس میں اشیا کو کھرا ہو جاتا ہے) اچھا میں کتابیں رکھ آؤں ذرا۔

احسن : جی ہاں !

اکبر عتب کے دروازے سے گیلہ میں دائیں طرف جاتا ہے اور

بندھے بعد اپس آتا ہے)

اکبر : ہاں بھائی احسن ! شہر کی کچھ نازہ نازہ نہریں تو سنو۔

اصغر : (ہاں جانب سے آواز) ذرا آواز سے سن بھائی۔

احسن : اگر سننا چاہتے ہو تو جیاں آ جاؤ۔

اصغر : ہاں جانب کے دروازے سے ڈرائنگ گاہوں پہنچے۔

گدھے پر تولاٹے والے ہوتے ہیں۔ منہ پر شیوا کا صابن کیس کیس لگا

ہے۔ چھٹی شکل کا تیس سالہ نوجوان ہے)

اصغر : سنا بیٹے !

اکبر : تمہارے چہرے پر شیوا کا صابن لگا ہوا ہے۔

اصغر : (تذہیر سے صاف کرتے ہوئے) اوہ ! صاف کیجئے گا۔ اب صاف ہو گیا ؟

اکبر : ہاں !

اصغر : احسن بھائی ! اگر آپ ذرا ادنیٰ آواز سے سنا دیتے تو کچھ ہرج تھا۔

احسن : ہاں ! میں نہیں جانتا۔ جمادی عورتیں یہ خبریں نہیں سمجھتی کہ دل بہت کمزور ہے۔ میں نے ہی ایسے نہیں کچھ

نہیں بتایا ہے۔

اکبر : تو کیا شہر کی حالت بہت خراب ہے ؟

احسن : نہیں شہر کی حالت زیادہ خراب نہیں۔ شہر میں مسلمان اور ہندو الگ الگ محلوں میں رہتے ہیں اور اپنے اپنے محلوں میں بالکل محفوظ ہیں اور پھر شہر میں زیادہ وقت کر فیوڈ بنا ہے۔

اکبر : کرفیو نے تو زندگی بہیرن کر دی ہے۔

احسن : کاروبار بالکل بند ہے۔ شہر میں کرفیو کی وجہ سے میں خود دکان میں تمام وقت نہیں رہ سکتا آج کھانا

سے کٹاٹ پیس کی میری دکان بند پڑی ہے۔ میں گھر میں بند بیٹھے بیٹھے اکتا گیا۔ سولہ لائسنسز میں کرفیو نہیں

ہوتا۔ اس لیے آج یہاں پلاٹا کر یہاں گھوم پھر سکوں گا۔ شام نو بجی رہی جا کر چلو میں دیگر WANGER

میں پل سکتے ہیں۔ اسما اپنے جہیز کے جوڑوں کے لیے کچھ لپٹی کی ٹرا بھی خرید لے گی۔ اور اگر جی میں آیا تو کوئی

انگریزی فلم بھی دکھایا جاسکتا ہے۔ صفیہ کا دل بھی مل جائے گا۔

اصغر : ارے تو بہت اچھے ہیں۔ تو تم بھی سمجھیں کہ میں بھی آج WANGER میں چلائی جائے گی۔

احسن : ضرور تمہارا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ تمہاری پسند کے بغیر اسما کو کوئی چیز نہیں خریدتی۔

اکبر : خوب !

احسن : ادا لکریزی فلم بھائی صاحب دکھا رہے ہیں ؟

اکبر : بہت خوب !

اصغر : (با آواز بلند صفیہ کو سناتے ہوئے) آیا جان! آپ ذرا بیٹھنے تو!

صفیہ : ادا عقب سے آواز آتی ہے (کیا ہے صفیہ بھائی)۔

(پندرہ بجے صفیہ عقب کے دروازے سے داخل ہوتی ہے)

اصغر : آج شام کا پروگرام دیگر WANGER میں جا رہا ہے اور میں کٹاٹ پیس سے کچھ کچھ خریدوں گے

اس کے بعد انگریزی فلم کی اینٹنگ شو (EVENING SHOW) دیکھی جائے گی۔

صفیہ : (پس کر) میں سمجھتی ہوں کہ اسما کے آنے کی خوشی میں یہ دعوت تم سے ہے۔

اصغر : (ہنس کر) توپ کو آم کھانے سے طلب مڑنا چاہئے۔

صفیہ : لیکن تمہارے آم کھانے کو بہت کم ہٹے ہیں۔

(ہنستی ہے)

اصغر : آواز بتا ہے (رضیہ)!

رضیہ : (عقب پر دائیں جانب سے آواز) بھی اصغر بھائی!

(رضیہ عقب کے دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ عمر میں ۱۱ سال

ہوئی، صورت میں اصغر کی بہت متاثر ہے۔ صفیہ جیسا لبا قد ہے

اور بدن نیچہ برایتے لباس ڈراماٹک ہوا۔ جیسے گھر میں پہننے والے

سے جو جاتا ہے لیکن شلوار قبض اور دھڑلے رہنے پر چہرے

پر بد دلالت ہے اور سمجھتی ظاہر ہوتی ہے)

اصغر : آج کوئی اچھا انگریزی فلم چل رہا ہے ؟

رضیہ : جی ہاں! اوڈیون (ODEON) میں۔۔۔۔۔ میں تو آپ کو بتانے ہی والی تھی اس فلم کو

ضرور دیکھا جائے۔

اصغر : ہم نے تمہارے دل کی بات جان لی (ہنستا ہے) آج شام چلیں گے۔

رضیہ : اچھا!

امی جان : (عقب سے آواز) رضیہ!۔۔۔۔۔ صفیہ بیگم !!

رضیہ : اچھا امی جان!

اصغر : ابا جان! آپ اسما کو بھی بتا دیجئے گا پر پروگرام۔

صفیہ : اسما کو بتانے کی تمہیں یہی بے قراری ہے تو انہیں بھیج دوں گا اسے پاس۔

(ہنستی ہے، جس میں ہنستا ہے)

(صفیہ اور رضیہ عقب کے دروازے سے نکلتی ہیں دائیں طرف چلی جاتی ہیں)

اکبر: بیٹھی سن! کچھ تازہ خبریں تو سنائی نہیں تم نے۔ اخبارات میں ذبح کے فسادات کی خبریں پوری پوری شائع نہیں ہوتیں۔ ریڈیو پر بھی سنا نہیں جاتی اور ہم جو شہر کے باہر سول لائنز میں بیٹھے ہیں۔ انہیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دہلی میں کیا جو رہا ہے۔

احسن: (بچی آواز سے) اقرود باغ۔ پھاٹنگ اور ہنری منڈی کے علاقوں کی حالت بہت خراب ہے۔

اصغر: (متعجب اور قہمی)

احسن: ہلکات ہمارا محمد نہیں سویا۔ محلے والے اپنی تمام ٹوٹیں دوڑا لے رہے اور تسمہ باغ، پھاٹنگ اور ہنری منڈی کے علاقوں سے مسلمانوں کو نکال کر لاتے رہے۔

اصغر: اہں کے معنی میں خطرہ زیادہ ہے۔

اکبر: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

احسن: ان کل رات باہل نہیں سو سنا۔ صغیر کہہ رہی تھی بار اٹکھ کھل گئی۔ باراد میں سواریاں اور سامان اتارنے کی آوازیں آ رہی تھیں انھوں نے کہی بار لو پھیا بھی کہ کی گئی اور اڑیں آ رہی ہیں تو میں نے کوئی بات بنا دنی دہن ان کی نسبت نہ جاتی صبح بختے ہی میں انہیں یہاں سے آیا تاکہ محلہ کی خبریں سن کر پریشان نہ ہوں۔

اکبر: یہ تو اچھا لیا تم نے۔

احسن: اب نئی دہلی میں بھی مسلمان خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔

اکبر: وہاں کیا خط ہے؟ وہاں حکومت و جند کے ملازمین رہتے ہیں اور وہ سب نمہ دا آدمی ہیں۔

اصغر: لیکن ابھی گئے مزاج سے میں نے فسادات میں نہی مرلی میں بھی کتے تری چاقو لہکے واقعات ہوئے۔

احسن: یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسلمان نئی دہلی پیور ٹرک ان لائن لہنے پر انی دہلی آ رہے ہیں۔

اکبر: جیسے انہوں کی بات ہے کہ ملک میں مذہب و مسلم فسادات بہت ہی صیب اور وسیع پیمانے پر ہو رہے ہیں

میں اسے انسانیت کے خلاف فعل سمجھتا ہوں۔ سیاسی انتہا فتنہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو بغیر لگا لگے

اور مقابلہ کا موقعہ دینے مار ڈالنا بزدلی ہے۔

احسن: بس میں کیا شک ہے۔

اصغر : اس میں زیادہ افسوس کہ بات یہ ہے کہ پاکستان کو تسلیم کر لینے بعد ہی ہندو قوم اپنے ان میں مسلمانوں کے خلاف کینہ رکھتی ہے۔

احسن : تمہیں کسی کے دل کا حال کیسے معلوم ہو گیا۔

اصغر : مسلمان بہت فرخ دل ہے۔ وہ اپنا دکھ اور دوسرے کی برائی بھول جاتا ہے مسلمان کو تقسیم پنجاب اور پنجاب کا دکھ ہے اور ہندو کا مسلم دشمنی بھی کبھی عین جانتا ہے۔ لیکن بیرونی مسلمان نے اس کے جھپٹے پاکستان کو پنجوشی قبول کر لیا۔ اور ہندو کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن ہندو سے پاکستان کا قیام نہیں دیکھا جاتا۔ اس نے پاکستان اسپتال کو ہم سے لٹانے کی کوشش کی۔ پاکستان کے عملے کی مال گاڑی کو نوٹا اور آگ لگا دی۔ ہندو نے ہاں اور قوم سے پاکستان تسلیم کیا ہے تاکہ اس بھلنے انگریز کی غلامی کا جو اپنے گلے سے آڑ سکے اور اس کی کوشش پیسے کا طعاب بھی پاکستان کا بیڑہ غرق کرنا ہے۔

احسن : اصغر! ہندو کی مذمت میں تم بہت زیادتی کرتے ہو۔

اکبر : میرا خیال ہے تم یہ باتیں نہ کریں۔

احسن : بہت اچھا۔

اصغر : میں نے شیو (SHIVA) کے بعد مزہ نہیں دھویا ہے۔ میں ابھی آیا۔

ایاجان : (گہری کے دائیں جانب سے آواز آتی ہے جو قدم بہ قدم زرد بھرتی جاتی ہے) میں نے سنا ہے آہن میاں لٹے ہیں۔

(ایاجان کی آواز سن کر آہن کھڑا ہو جاتا ہے۔ اکبر بھی کھڑا

ہو جاتا ہے۔ ایاجان عقب کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں

ایاجان ہاتھ مار بزرگ ہیں۔ سفید لمبی ڈاڑھی ہے۔ سر پر بیٹے

ہیں۔ لباس بالکل سادہ اور سفید ہے۔ چوکر تھریہ مٹھی ٹوپی

سر پر ہے اور ٹانگوں میں شرعی پاجام۔ رنگت دی مائل سفید ہے

اور چہرے پر غمی خدو حال بہت واضح ہیں۔ ان کے چہرے پر

لیک سکتا ہے۔ ہر وقت کی ہر کرٹا سے بے نیاز ہے)

احسن : آداب چچا جان !

آبا جان : (بچے کو سنے پڑھتے ہوئے) جیتے رہو۔ اچھی طرح جو؟

احسن : (پڑھتے ہوئے) جی ہاں۔ آپ کی دعا ہے۔ صنفیہ ادا سماں بھی آپ کے آداب کو ساتھ آتی ہیں۔

آبا جان : میں نے ہی قرآن مجید کا آداب ختم کیا تو وہ توڑ کر پکڑیں آئیں۔ خدا داد کریم سب کو خوش رکھے۔ (پچھلے ماٹولا)

کیوں یہاں تھا۔ کیا خیال ہے۔ یہ فساد اب کب ختم ہوں گے؟

احسن : میں سے خیال میں اب فساد ختم ہونے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے۔ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے ملک کی تقسیم کو

تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ فسادات اب پچھلے سے زیادہ شدید ہو رہے ہیں۔

آبا جان : میں نہیں سمجھتا۔ اب فسادات دو طرفہ ہیں۔ مسلمان اب فساد نہیں کرے گا۔ اسے پاکستان مل گیا۔

احسن : ہندو کا طرز فکر اب یہ ہے جو مسلمان پاکستان کے حامل تھے وہ پاکستان چاہیں اور ہندوستان میں صرف ہندو اور

وہ لوگ رہیں جو نیشنلسٹ ہیں۔

آبا جان : یہ تو بہت زیادتی ہوگی۔ شہریوں نے نیشنلسٹ ہوتا ہے نہ مسلم لیگ نہ کانگریس۔ زیادہ تر آزادی کسی بھی سیاسی

جماعت کے ممبر وغیرہ نہیں جیتے۔ اور پھر ملک کی تقسیم خلعوں کی آہلی میں فساد دارانہ اکثریت کے لحاظ

سے ہوئی ہے۔ اس میں تبادلاً آبادی کا کوئی ہندوستان نہیں کیا گیا۔ اگر ہندو قوم کو یہی حصہ تھا تو صحیح حل یہ تھا کہ تمام

ہندوستان کے مسلمانوں کو مشرق و مغرب میں جمع کر کے پاکستان قائم کیا جائے اور تمام ہندوؤں کو مشرق و مغرب

سے لاکر ہندوستان میں جمع کر لیا جائے۔

اکبر : آبا جان! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانچ کروڑ مسلمان ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ پلے

بٹھے ہوئے۔ پینے گھر بار اور وطن چھوڑ کر پاکستان آجائیں۔ اتنے وسیع پیمانہ پر تبادلہ آبادی ناممکن ہے۔

آبا جان : اگر ممکن ہی ہو تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ ایک دھت جو اچھی طرح بڑی پھیلا چکا ہے۔ اگلا ڈاکٹر دوسری سرزمین

میں نہیں لگایا جاسکتا۔ میں دہلی میں پیدا ہوا۔ یہاں ایک معزز خاندان میں جو ایک خاص تہذیب کا علمبردار ہے

چلا اور بڑا ہوا۔ یہاں کی ہر ایک چیز مجھے بہت مانوس ہے۔ بہت چیزوں سے میری مادی وابستگی ہے میرے

مزید اقارب۔ دستِ آشتی۔ سب میں ہیں۔ یہاں کسے موسم کے سرو و گرم میں میرا بدن اور طبیعت دونوں
 وصل گئے ہیں۔ یہاں کے مناظر میری آنکھوں کی بینائی کے مترادف ہیں۔ اگر جامع مسجد مجھے کچھ دُراں تک نظر
 نہ آئے تو میری آنکھیں ترس جاتی ہیں۔

(امی جان عقب کے دردِ ناسے داخل ہوتی ہیں)

امی جان : آپ کے لیے انڈیا بلا جائے۔ یا سنا سے کاتلا ہوا کھائیں گے ؟

ابا جان : پہلے آپ بریلوئے کرنا سشتہ پر توں ہیں یا روضی کھلیاں ؟

امی جان : میں توں کٹوا کھلی تھی۔ اور سنا سے تھے۔ صفیہ آئیں تو انہوں نے ٹیکوں کے لیے تھوڑے سے آئے
 میں روضی لالیا۔ آج کھیاں بھی ہوں گی اور توں بھی۔

ابا جان : ار۔ تو فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ تلو انڈیا ٹیکوں کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔ اور توں ہوں تو انڈیہ سے کا لطف
 ایلو ارا مانا ہے۔

امی جان : اب تبا بھی کھلیں

ابا جان : جو تمہاری مرضی۔

امی جان : میں انڈیا تو ادرتی ہوں۔ کڑھال گھٹس پر رکھی ہے۔

ابا جان : اچھا ذرا بات تو سنیو۔

امی جان : کیا ؟

ابا جان : تبا خیاں ہے۔ یکم ؟ ہم لوگ بھی اب پاکستان چلیں۔

(سنہتے ہیں)

امی جان : سہ۔ یہ تو تم نے جو مذاق نکالا ہے۔ پاکستان چلیں۔ بنا بنا یا گھر۔ اپنے عزیز ملنے جننے اور اپنا شہر چھوڑ

کر لیا پاکستان چھوڑ گئے انگریز کے آنے سے پہلے ہم یہاں نہ بنے آئے تھے۔ ادا اب انگریز کے جانے کے بعد

بھی نہیں رہتے رہیں گے۔

تضمیمہ : (عقب سے دُور سے آواز آتی ہے) امی جان ! کڑھال میں گھی مل۔ ایسے۔ جلدی تبا ہے ابا جان کے

یہ اٹھ اٹلا جائے گا یا نہیں ؟

امی جان : (جاتے ہوئے) ماں۔ ستائے کا آمل لو۔

(امی جان عقب کے دروازے سے دائیں جانب چلی جاتی ہیں)

(کچھ لمحے بعد دائیں جانب کے دروازے سے صفیہ آتی ہیں۔ کچھ کھنا

چاہتی ہیں۔ لیکن جست و پلا لازم ہے۔ ابا جان ابرار دھن کو ایک نظر

دیکھتی ہیں۔ اور دائیں جانب صوفے پر بیٹھی جاتی ہیں)

اکبر : (قیادہ شناسی سے) کیا بات ہے صفیہ ؟

صفیہ : (ساتت سے) صغریٰ بھائی اور اسماء کی شادی کے لیے سبزی کا مہینہ قرار پایا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ

دونوں کو بہت شوق ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ کیوں نہ یہ شادی جلد ہی کر دی جائے۔

ابا جان : ہاں ہاں ! ہمیں کیا اعتراض ہے۔ ہم تو لڑکے والے ہیں اور لڑکے والوں کو عہدہ جلدی ہوتی ہے۔

نہن میں اور اہنی کو رو بہ کام لڑکی والوں کی رضامندی کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔

صفیہ : میرا خیال ہے کہ بقر عید کے مہینے میں شادی ہو جائے۔

اکبر : یعنی نومبر کے مہینے۔

صفیہ : ہاں۔

اکبر : مجھے تو یہ صغریٰ کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے صفیہ کو چٹی پڑھائی ہے۔

حسن : (بہنسا ہے) بہت خوب ! کیوں صفیہ ! بھائی جان ٹھیک کہہ رہے ہیں ؟

صفیہ : (مسکراتی ہے) بات تو یہی ہے۔ صغریٰ سے سوجو گیا۔ اب بتائیے میں کہا ہوں اس سے ؟

حسن : اسماء کا کیا خیال ہے ؟

صفیہ : آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کے ہتھ کی سونے کی قدر جلدی چل رہی ہے۔ اس کا بس چلے تو راتوں رات اپنا

جہیز تیار کر کے بیاہ دے جائے۔

ابا جان : حسن میاں ! اب تمہیں بقر عید کے چاند کے لیے راضی ہو جانا چاہئے۔

حسن : اچھی بات ہے، چکا جان !

صفیہ : میں جا کر نہیں بتا دیتی ہوں۔

(صفیہ جی اٹھنے نہیں پاتی کہ عتبہ میں گھیدی سے اسما کی آواز

قدم بہ قدم نزدیک آتی ہے)

اسما : صفیہ بھائی ————— صفیہ بھائی !

(اسما دنیلم کو آگے آگے لیے داخل ہوتی ہے۔ دائیں جانب کے

دردانے سے صفیہ داخل ہوتی ہے)

اصغر : کیا بات ہے؟

اسما : نیلم ! انھیں بتا دو۔ انی جان نے کیا کھلوا یا ہے؟

نیلم : نانی جان کہہ رہی ہیں چائے کی پی لاریجے۔

اصغر : (بہتتا ہے) اچھا۔

اسما : عبدل بازار گیا ہوا ہے اور چچی جان چائے لانے کے لیے کتنا بھول گئیں آپ دروازے میں جا کر جلدی سے چائے

کو ایک پکیٹ لائیجے۔

اصغر : کیا اس وقت کے لیے بھی چائے کی پی نہیں ہے؟

اسما : جی نہیں۔

حسن : میں نوٹریں جا کر بھی چائے لائیجوں۔

(کھڑا ہو جاتی ہے)

اکبر : اسے سبائی حسن تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔

حسن : میں ہی تکلیف کن بات ہے۔ صفیہ نے ابھی رات کے کپڑے نہیں بدلے ہیں۔ میں جا کر لائیجوں۔

اسما : FLOWERY ORANGE PEKOE یا LOPCHO کا ایک پکیٹ لائیجے۔

حسن : اچھا! میں بھی لے کر آتی ہوں۔ چلو نیلم میرے ساتھ چلو۔ نوٹریں کی یہ موجود ہے گی تمہاری۔

نیلم : چلئے آباجان !

(آہن نیلم کو لے کر دائیں جانب کے دروازے سے باہر چلا جاتا ہے ۔ ہمارا اندر جانے کے لیے حقیقی دروازے کی طرف مڑتا ہے)

صفیہ : اسمار !

اسمار : جی !

صفیہ : میں بھی ساتھ آ رہی ہوں۔ اٹھ کر اسمار کے ساتھ گیدی میں حقیقی دروازے سے جاتے ہوئے (ایک لم ذرا سہلی اپنا جینز تیار کر لو۔ بقر عید کا مہینہ زیادہ دور نہیں۔

اصغر : ٹھہریے آباجان ! میں جی آ رہا ہوں۔

(اصغر جلدی سے صفیہ کے پیچھے حقیقی دروازے سے گیدی میں جاتا ہے)

اصغر : (گیدی میں سے آواز آتی ہے) میری پیاری آباجان !

صفیہ : اسے ہے تم بالکل ریولنٹر ہو گئے ہو صفر۔

(آواز دور ہو کر غائب ہو جاتی ہے)

(اجڑے خاموشی۔ آباجان اور اکبر دونوں خاموش لیکن مسرور بیٹھے ہیں)

آباجان : آج کا اخبار آیا ہے ؟

اکبر : جی نہیں آج بھی اخبار والا خراب نہیں لایا۔

آباجان : کسی نے ریڈیو پر بھی خبریں سنیں ؟

اکبر : رضیہ سن ہی تھیں (آواز دیتا ہے) رضیہ ! ————— رضیہ !!

رضیہ : (گیدی کے دو سکر سب سے آواز آتی ہے) کیا ہے بھائی جان ؟

اکبر : تم نے صبح ریڈیو پر خبریں سنی تھیں ؟

رضیہ : (گیدی میں آواز تدم۔ تدم نزدیک ہوتی جاتی ہے) جی ہاں۔ دہلی شہر میں کرفیو کے اوقات دہری ہیں جو

پہلے تھے۔ (ڈھل ہوتی ہے) قردل باغ۔ پہاڑ گنج اور سبزی منڈی کے علاقوں میں بھی اڑتالیں گھنٹے کا

کرفیو لگ گیا۔ ہے۔ وہاں کئی جگہ آگ لگی اور کئی کونٹھیاں اور دکانیں لوٹ لی گئیں۔
(آئیلری کے تہتی جتہ سے اتنی جان کی آواز آتی ہے)

امی جان، (آواز) رضیہ!

رضیہ: (باد آواز بلند) امی جان! (جاتے ہوئے)

اکبر: (بچی آواز سے) رضیہ!

رضیہ: جی بھائی جان!

(رک جاتی ہے)

اکبر: (بچی آواز سے) شہر کے فرادات کی خبریں سنی آپاجان اور امی جان کو مت سنانا۔ وہ گھبرا جائیں گی۔
رضیہ: بہت اچھا۔

(عقبی دروازے سے وہیں جانب گیلری میں چلی جاتی ہے)

آپاجان، رات کو سونے ایک عجیب خواب دیکھا۔ ایک سیاہ جنگل سے ہزاروں اور لاکھوں بھڑیے نکلے۔ ان کی سرخ آنکھیں۔ ان کے سیاہ رنگ پر شملوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا ہے۔ ان کے بسے بسے پیچھے چمک رہے تھے۔ وہ انسانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ انھوں نے لاکھوں کی تعداد میں اگر دہائی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب رات ہوئی۔ سب طرف اندھیرا چھا گیا۔ تو ان کی سرخ آنکھیں انکاروں کی طرح چمکیں۔ ایک دم سے جھپٹے۔ اور ان کے تیز پیچھے انسانوں کے گوشت میں پروت ہو گئے۔ رات کی ٹانگوشی میں انسانوں کی چھینیں اور بھڑیوں کی خونخوار بھیا ایک آوازوں پر طرف سنائی دینے لگیں۔ ان بھڑیوں کے پیچھے گیلڈر آئے اور مروج اور مردہ انسانوں کو گھسیٹ کر اپنے بھٹوں میں لے گئے۔ ————— کتنا بھیا ایک خواب تھا؟

اکبر: آپ چونکہ فرادات کی خبریں سنتے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ کے ذہن میں حیرانیت کے حملے کا خوف چھپا رہتا ہے یہ خوف رات کو خواب میں کر آپ کو نظر آیا۔

آپاجان: رات یہ خواب دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ خوف اور سس محسوس ہوا۔ نہایت شدید۔ اس وقت بھی میرے سر

میں سخت رو ہے۔

(عقبی دروازے سے فیہ اور صہزاد لہتے ہیں دونوں گھبرائے

ہوتے ہیں)

رضیہ : بھائی جان! عبدال بازار سے واپس آیا ہے وہ بہت گھبرایا ہوا ہے۔ کتا ہے کہ شہر میں چور ہیں
گھنٹے کا کرفیو لگ گیا ہے۔ طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سکھ اور ہندو مسلمانوں
پر حملہ کر رہے ہیں۔ رسول لائسنز میں تاراجی سڑک کے شروع کی مسلمانوں کی کوٹھی جو تیس ہزار ی سے لگی ہوئی
ہے۔ اس پر سکھوں اور ہندوؤں نے حملہ کیا۔

انکیر : نوکریا کا جنگل ٹپنا دیتے ہیں۔

رضیہ : نہیں بھائی جان! حقیقت تو یہ ضرور اس کی باتوں میں آپ اُس کی حالت دیکھنے سٹی گم ہے جس نے
اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی کوٹھی لٹنے دیکھی ہے۔

انکیر : تم گھبراؤ نہیں۔ عبدال نوہیاں بھیجو۔ اور تم امی جان اور صہزاد کے پاس رہو۔ انہیں باتوں میں لگائے رہنا
تا کہ اور صہزاد آئیں۔ نہ معلوم یہ باتیں صحیح بھی ہیں۔

رضیہ : (تنگ ر) آپ خود تمام کر لیجئے۔ میں عبدال کو بھیج دیتی ہوں۔

(جدی سے قدم اٹھاتی عقب کے دروازے سے دائیں گیلری میں

چلی جاتی ہے)

اصغر : مجھے حیرت نہیں ہوئی اگر یہ سب کچھ صحیح بھی ہو۔ ————— سکھ پناہ گزینوں کا ایک بڑا کیمپ
سیزی منڈی میں ہے اور دوسرا بہت بڑا کیمپ کنگسوے (KINGSWAY) پر ہے مغربی بندوستان
سے تے تے ہندو اور سکھ نپا گزینوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ لوگ قطعاً پڑے ہوئے
ہیں۔ اور کھلے خزانے کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو مار کر یہاں سے جھکا دیں گے۔ مال لوٹیں گے۔ ان کی
جان بچاؤ۔ حکمان اور دکانوں پر قبضہ کر لیں گے۔ انہوں نے مسلمانوں کے قتل عام کی پوری سلیب بنا رکھی ہے
اور اس کام میں راسٹر ٹریسنگ سکھ ان کی مدد کر رہا ہے۔

اعقب کے دروازے سے عیدل نکلتا ہے۔ بہت گھبراہٹ ہے

اور سانس سانس میں

عیدل: (گھبرا کر) میاں صاحب!

اکبر: تم ہیں قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو عیدل؟

عیدل: میں پہلی کوٹھی کے سامنے سے تمیں نزاری کی طرف آ رہا تھا۔ ایک تانگے میں ڈاڑھی والے مسلمان بیٹھے تھے۔ ان کی سوی پی بقیع اڑھے تھیں۔ دو بچیاں اور ایک لڑکا تانگے میں سامنے کی طرف بیٹھے تھے۔ چھ شریف آدمی تھے بقیع ہی ریشمی تھا۔ جو بھی تانگہ پہلی کوٹھی کے سامنے آیا۔ دس بارہ سکھوں نے تانگے کو گھیر لیا۔ تانگے والا ہندو تھا۔ وہ تو ہاتھ جوڑتا سنا سنا کرتا۔ تانگے سے اتر کھا گیا۔ ایک سکھ نے کریا نکالی اور مسلمان پر حملہ کرنا چاہا۔ عورت کے سر سے اٹا کر کی آواز ایسے نکلی۔ جیسے کوئی کنوئیں میں سے بھارتا ہو۔ میرے نذران کی حرکت بند ہو گئی۔ دونوں بچیاں رنے گئیں۔ اور لڑکے نے جینا شروع کیا۔ بچاؤ بچاؤ اور کئی کریا میں نکل آئیں اور سب ہی آنکھوں کے سامنے خون خون ہو گیا۔ وہ تو کچھ خدا کی خیر سونے کو گھوڑا اچھکا اور بھاگ نکلا۔

میں نے دیکھا کہ تانگے میں سے کئی سوٹ گیس اور ایک بڑا سیاہ ٹرک سکھوں نے آتا ہے

اباجان یہ مسلمانوں پر خدا اپنی خیر کرے۔

عیدل: ریٹے صاحب میرے قہیر تے سے زمین نکل گئی۔ میں نے سائیکل لوٹائی اور سوادھو کر دیس بھاگا۔ نھر سعادت خاں کے چول پر آیا۔ وہاں ایک مسلمان کی لاش پھری پڑی تھی۔ رطلان سے اتر کر ایک مسلمان کی دکان کو لٹے دیکھا۔ فیصل سے ہر آیا تو بہت سے سکھوں اور ہندوؤں کو تمیں نزاری کے میدان میں سے اُتے دیکھا۔ راتہو روٹ پڑا تو دوسری کوٹھی کے اندر سکھ گھے ہوئے تھے۔ کوٹھی کے باغ میں بہت سا رافرنچر مل رہا تھا

میں توڑ لگا کر سائیکل چلا آ کر سبھا ہوں۔

اکبر: اس تمام طلاق میں تمیں پوئیں نظر آئی؟

عیدل: دو سیاہی پہلی کوٹھی کے سامنے کھڑے تھے۔

اکبر: انہوں نے اگر سکھوں کو دکان میں؟

عبدل : وہ ترکشے دیکھتے ہے۔ جب تا نگہ بھاگ گیا اور کچھ سا ان اٹھائے بیٹے جا رہے تھے ترکشوں کے
 ماخذ وہ سیاہی بھی نہیں ہے تھے۔

ہصغر : (گرم ہو کر) منہ سیاہی مسلمان کا خون بننے سے کیوں روکتا۔

عبدل : آج تو ہڈی بچا ہوا ہے۔

اکبر : تم گھراؤ نہیں عبدل۔ ہا کر ٹھنڈا پانی پیو۔

عبدل : میان صحت۔ اگر بوائی بیان آگئے تو کیا ہوگا ؟

اکبر : تم پریشان نہ ہو۔ ہم ہندو بت کرتے ہی۔

عبدل : جو حکم سرکار !

(عقب کے دروازے سے گیلی میں چلا جاتا ہے)

اباجان : (گھرا کر) عبدل ٹھیک کتا ہے۔ پولیس کو اطلاع کرنی چاہئے۔

اکبر : راجپوت بڑے پولیس کا تھانا ہے۔ بوائی ابھر آئے تو تھانے کے سامنے سے آئیں گے۔ پولیس ہی مسلمان سیاہی
 بھی ہی۔ وہ ضرور بوائیوں کو روکیں گے۔

ہصغر : پولیس کا افسر منہ بھرا تو وہ کیوں مسلمان سپاہیوں کو بوائیوں پر گولی پلانے دے گا۔

اکبر : پولیس فریسا نہیں کر سکتے۔

اباجان : (خون کے ساتھ) ذرا مستنا۔ کیسی آوازیں ہیں ؟

(اکبر اور ہصغر دونوں توجہ جتتے ہیں۔ کچھ شور سنائی دیتا ہے)

اباجان : (گھرا کر) ذرا ابھر نکل کر دیکھو تو کیا شہ ہے۔ بوائی تو نہیں آئے ہے ؟

(ہصغر بائیں جانب کے دروازے سے باہر جاتا ہے۔ اباجان

گھراؤٹے بیٹھے ہیں۔ وہ شور آہستہ آہستہ ساد کے نغمے میں تبدیل

ہو جاتا ہے۔ آواز گیلی میں سے آ رہی ہے)

تقریب : (گیلی میں آواز آتی ہے) سبائی جان ریڈ ریڈ آپ کی پسند کا ریکارڈنگ رہا ہے۔ مکہ پھر وہ کل گائی

ہوئی خائب کی خزاں۔

(ساڑھی اور دہندہ ہوتی ہے اور گانا سنائی دیتا ہے تب تکیں کو

ہم نہ دوں جو ذوقِ نظر لے)

اکبر : ابھی یہ آواز ریڈیو کی تھی؟

رضیہ : (گیسری سے) نہیں ریڈیو میں کمرہ ہی تھی۔

اباجان : (علیہ نمان کا سانس سے کر) یا اٹھنی تیرا شکر ہے۔

(ریڈیو پر ریڈیو کا آواز آتی رہتا ہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی گئی

میں تھی ہے۔ اور صوبہ کی ٹیلی فون برابرت کرنے کی آواز گئی

میں سے آتی ہے)

رضیہ : (گھبرائی ہوئی آواز) جیلو ————— میں ہلاتی ہوں ————— ٹھہریے ————— اچھا

فرمائیے۔ ————— آپ انی کشتی کوٹھی جا رہے ہیں ————— ٹھہریے توں بھائی جان

کو ہلاتی ہوں۔ ————— جیلو ————— جیلو۔

(ٹیلی فون کھٹنے کی آواز آتی ہے اور بیگانہ ہوتی رضیہ صوبہ کے

دروازے سے امداد آتی ہے)

رضیہ : بیگانی جان! آپ کے دوست اسد اللہ صاحب کا ٹیلی فون بھی دہلی سے آیا تھا۔ تھی وہی میں بلوائی کناٹا پلیس

کی مسلمانوں کی وکائیں اور کوٹھیاں ٹوٹ رہے ہیں۔ اسد اللہ صاحب گھر کے سب آدمیوں کو لے کر پاکستان

دلی کشتی کوٹھی گئے ہیں۔ بہت جلدی ہیں تھے۔ ٹیلی فون پڑھ کے نرن کی آواز آئی اور وہ فوراً بھاگے ٹیلی فون

بند کرنا ہی بھول گئے۔

اکبر : تم نے ابھی ٹیلی فون بند تو نہیں کیا؟

رضیہ : نہیں!

(اوپر اٹھ کر چلے گئے تھی دروازے سے گھنٹی میں جانا ہے۔ وہاں

سے سن کر آواز آتا ہے۔

اکبر : (گلدی میں سے) ہیلو! ہیلو!

(اکبر ٹیلی فون مندر کے واپس آتا ہے۔ اس کا بھروسہ زود ہے)

اکبر : ان کی کوٹھی میں ٹوائی گھس گئے۔

اباجان : یا اٹھی خیر!

(ریڈیو پر ریکارڈ بجنے کی آواز سنائی دیتی ہے)

اکبر : رضیہ!

رضیہ : (غصے سے شکل بول سکتی ہے) جی!

اکبر : تم میں دھو۔ صنفید اور اسی جان کے پاس مت جاؤ۔ تمہارا رنگ ندر ہو گیا ہے۔

(ہائیں جانکے دردانے سے صفر آتا ہے)

صفر : راج (RIDGE) کے پیچھے سے دھواں اٹھتا نظر آ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یوکرسیٹی پر حملہ ہوا ہے۔

ابہا میرے سامنے راج (RIDGE) پر سے ایک لٹری ٹرک آئی جس میں فوج کے سپاہی یوکرسیٹی کے

مسلمان شاہ اور طلباء کو نکال کر لائے تھے۔

اباجان : اب تو بولائی بالکل ہمارے قریب ہیں۔

اکبر : سن باہر گئے رہتے ہیں۔ ہمیں کسٹائیں نہیں آئے۔

اباجان : خدا نہیں بنی حفاظت میں رکھے۔

(باہر بھری پرایک مٹر اندر آنے کی آواز آتی ہے)

صفر : شاید آگے آسن بھائی!

جلدی سے ہائیں جانب دردانے کے باہر جاتا ہے اور جن کو آگے آگے لیے

دخل ہوتا ہے۔ جن کا رنگ ندر ہو گیا ہے)

احسن : (گہرا ہوا ہے) جہا جان! اب بالکل وقت نہیں ہے۔ فوراً یہاں سے نکل چلیے۔

ایاجان : اکھڑے چڑھتے ہیں (خیر تو ہے؟)

احسن : (اکبر سے) بھائی جان! یہی تو موقع ہے کہ نکل کر جانیں جیاجیں۔ میں بڑی مشکل واپس آسکا ہوں جو ابائی ہر طرف پیچھے ہرٹے ہیں۔ حور تون کو بلوٹھے اور سب کو مڑھیں سے چلئے۔

اکبر : (پریشان) یہ کوٹھی، سامان۔ سب چیزیں؟

احسن : اس وقت اپنے سامان کی ٹکر کی توڑ ہے کہ جانیں ہی نہ بچیں۔

اکبر : مگر بارہ چور کیسے خالی، تھکھا لگیں۔ کوئی بات یہی ہے؟

احسن : (لمبیز) ہنر بھائی! یہ وقت بہت نازک ہے۔ چند منٹوں کی محنت ہے۔ فوراً نکل چلئے۔ ورنہ میرا ہم سب چھپے کی ہوت طے جائیں گے۔

ہنر : اب میں آتا ہوں۔

(ہنر میں جانب دروازہ سے اندر جانا چاہتا ہے۔ بہن کو

روک لیتا ہے)

احسن : کہاں جا رہے ہو ہنر! اصغر!

اصغر : (اپنے کچھنڈا کر اندر جانا چاہتا ہے) میں بندوبست اور پستون نکال کر لانا ہوں۔

احسن : تم سنو تیرا میری بات (یکدم لیتا ہے) تم بچیں نہ کرو۔ یہ وقت بھاری دکھانے یا مقابلہ کرنے کا نہیں ہے

ہم تمہیں مرد بندوبست اور پستون سے کھینچیں گے۔ بھائیوں کے پاس تھیاریں۔ اور وہ بچاؤ جیاجیں سے زیادہ

تعداد میں ہیں۔

اصغر : لیکن بھاگ کر جان بچا نا بڑی بزدلی ہے۔

احسن : (اتھرتے چلئے) ہنر! جیاجان! آچکے پاس نقد روپیہ ہر تر ساتھ لے لیئے — بھائی جان

آپ حور تون کا مارا گانا لے آئیے (دیکھتے چلئے) جلیئے — ہنر بھائی! تم گراچ سے

اپنی مڑھ نکالو۔ بیٹی (دیکھتے ہرٹے) جلدی کرو وغیرہ۔ تم اپنی ایاجان اسماء اور امی جان کو بلاؤ اور ان

سنو انھیں کچھ مت بتانا — سمجھیں — اور ماں عبدل کو ساتھ لراؤ و سٹ لگیں

میں دو دو جھٹے رکب رکھ لو۔ جلدی جلدی۔

(یکے بعد دیگرے آجان۔ اکبر اور صغر جا چکے ہیں۔ اب بھاگتی چلتی
عقب کے دروازے سے خیز جاتی ہے۔ جن کمرے میں ایک لہے
پریشان۔ اپنے حواس جمع کرتا ہے۔ چند لمحوں بعد گلدی کے دائیں
سکرے آتی جان کی آواز قدم بہ قدم نزدیک آتی ہے)

امی جان : (آواز) کیا بات ہے۔ یہی جلدی کی۔

(امی جان داخل ہوتی ہے۔ پیچھے صغیر اور اکبر بھی داخل ہوتی ہیں)

احسن : (صغیر کے قریب جا کر صغیر کا سر نیچے سینے سے لگا لیتا ہے تاکہ وہ جن کی پریشان صورت نہ دیکھ سکے) بتاؤ نہیں۔
امی جان : (انہرا نگلی سے) آخر بات کیا ہے ؟ بتاؤ ؟

احسن : آپ کو رشیدہ آپانے ابھی بلایا ہے۔ ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔
امی جان : میں ابھی چلوں ؟

احسن : جی ہاں ! صغر بھائی مورڈ کھال ہے ہیں۔

امی جان : اچھا تو میں کپڑے تو بدل لوں۔ اور کنجیاں وغیرہ کو سنبھال دوں۔

احسن : کپڑے بدلنے میں دیر ہوگی چچی جان ! جلدی کیجئے۔

امی جان : ہاشمہ تو میرا رکھا ہے۔ ایک پیالی پل لوں۔ پھر چلتی ہوں۔

احسن : چلنا آپ رشیدہ آپا کے ہاں پی لیجئے گا۔

امی جان : (تسک کر) اسے ہے یہی بھی کیا جلدی ہے ؟

احسن : صغیر ! تمہارا (PURSE) کہاں ہے ؟

صغیر : نہیں امی ساتھ چلوں ؟

احسن : ہاں ابھی لوٹ آؤ۔ اسما تم بھی چلو۔ اپنے ساتھ ٹانگے کے بے ہو کر بڑے لالٹی تھیں وہ بھی لے چلو۔

اسما : اچھا میں بھالی جان کا ————— ادائیگی ٹکڑی سے آؤں۔

احسن : جلدی لانا۔

(اسما جلدی سے عقب کے دروازے سے گلدی میں چل جاتا ہے)

صفیہ : مجھے تو گھراٹ پڑی ہے۔

احسن : ایک گلاس پانی پی لو (باوا زبند) اما ایک گلاس پانی لیتی آنا۔

(جنٹے بعد اما روایں آتی ہے۔ ایک اتھیں پانی کا گلاس ہے۔

جو وہ جن کو پیتی ہے۔ دوسرے اتھیں صفیہ کا برس اور اپنی ٹولی۔

احسن صفیہ کو پانی پلاتا ہے۔ باہر سے بلوائیوں کی آوازیں دور سے

سنائی دیتی ہیں۔ یہ آواز کوٹھی کے قریب آ رہی ہیں)

صفیہ : (غل سن کر) یہ غل کیسا ہے؟

احسن : غل : نہیں غل تو نہیں ہوا تمہیں خیال ہو گیا ہے۔

(یکے بعد دیگرے آجا جان گلدی۔ کچھ دروازے سے جو عقب میں ہے

اکبرائیں دروازے سے اور صفیہ رائیں دروازے سے داخل

ہوتے ہیں۔ آجا جان نے شیرانی پن ل ہے۔ لیکن ٹنٹھ سے ہوا

کے اتھ جڑوان میں پڑا تو ان تر لیت ہے۔ اکبر کے اتھوں میں ایک

کالا کبس ہے)

آجا جان : (گھبراتے ہوئے) جلدی کرو جلدی! میں نے قرآن شریف بھی ساتھ لے لیا ہے۔

احسن : بھائی جان! آپ نے وہ چیزیں لے لیں؟

اکبر : ہاں! میں کس میں ہیں۔

اصغر : مڑ نکال لی ہے جلدی چلئے۔

احسن : (بچی جان صفیہ اور اسما سے) چلئے چلئے۔

امی جان : اے ہے۔ ایسی ہی رہا صحبت ہے مجھے پان کا کڑا ہی کھا لینے دو۔ میرا منہ پھیکا ہو رہا ہے۔

دوست مہنظر

دریائے گندھار کے کنارے قلعہ کی شکستہ فصیلا کے اندر جنوب مشرقی گوشہ میں ایک خیر میریہ۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۲ء کی صبح سورج آنا بلند ہو چکا ہے کہ اس کی کرنیں خیر کے اندر زمین پر تقریباً ۴۵ درجہ کا زاویہ بنا رہی ہیں۔ خیر بالکل چھوٹا ہے۔ خیر کے بیچ میں کھڑے ہوئے دونوں بالوں کے درمیان ایک میلی سی دوی لگی ہے۔ دائیں جانب داخلہ کے لیے خیر کا پورا اٹھا کر لے آئے اور اس کے آگے بڑھے کہ پیٹھ سے پیٹھ کے دونوں اُپر کے گتے خیر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ بائیں جانب ایک سوٹ لیس رکھا ہے اور اس پر سید کی ٹوکی رکھی ہے جس کی چائروں سے لٹھی سہنری کپڑا جھک رہا ہے۔ اور اس کے برابر کالا کیس رکھا ہے۔

بائیں ہاتھ سے پیٹھ کے گتے سفید بیٹھی ہے۔ صفیہ کے رنگ پر ندوی کھنڈی ہوئی ہے۔ اس کی سیاہ بڑی آنکھیں اب بہت زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی حالت اور گہرا ہٹ بھکتی ہے یہ کیفیت آنکھوں کے گرد سیاہ معلقوں کے اور سیاہ ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ عسریں ہوتی ہے۔ آئی جان بائیں سوٹ لیس کے پاس بیٹھی ہیں۔ ان کے چہرے پر عراب زیادہ معلوم ہو رہی ہے۔ آنکھیں سرخی مائل ہیں۔ اور سبھی سرخی جیسی زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر جاتی ہیں۔ چہرہ بھی کچھ سو جا ہوا اور ٹھکانا ہے۔ بان نہٹنے کی وجہ سے

ہونٹوں کی ہاتھیں جھک گئی ہیں۔ رضیہ۔ صغیرہ کے پاس بیٹھی ہے۔
 وہ اب پہلے سے زیادہ ڈوب چکی ہے۔ اس کا چہرہ بالکل بے حس
 ہے۔ اس کی ہونٹیں سکڑی ہوئی ہیں جیسے کوئی خیالی طبیعت کو پریشان
 کر رہا ہے۔ مرنٹ اس طرح سمجھتے ہیں۔ جیسے کوئی چیز شدت سے
 محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن آکٹانہ چاہتی ہے کہ یہ ایک مستقل کیفیت
 ہے۔ جو چہرے پر سجھائی رہتی ہے۔ اسما دردی کے باہر عقب میں
 وسط میں بیٹھی ہے۔ چُپ۔ خاموش۔ اب ہنگامی مصیبت اور
 یہی جان لیوا ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس میں حزن و اس گھل مل گیا ہے
 اس کی شکل بھی معدوم ہو چکی ہے۔ لیکن چہرے پر اب بھی آہ ہے
 اس کی خاموشی کچھ نہیں ہے۔ جیسے وہ خود نہیں جانتی کہ اب کیا کہے
 نیم حیرت کے باہر بیٹھی ہے اس کے ال پیسے اور نرہ تھیلہ ہے
 اس کی آنکھیں گڑبڑوں میں دھنس گئی ہیں۔ چہرہ آڑ گیا ہے اور
 رنگ نہ دہرا گیا ہے۔

گھر سے نکلے صرف بارہ دن بچے ہیں لیکن ان کی صورتیں دیکھ
 کہ معدوم تو ہے کہ بارہ سال گذر گئے ہیں۔ پہلی خوش حالی اور
 بے تکراری کی جگہ اب پریشان حالی اور ناقوں کے نشان چھوٹوں
 پہنچیں۔ سب کا لباس سہلا ہے۔ اور نرہ تھیلے صرف اسما
 اب بھی اپنے ہی لباس پہنے ہے۔ صرف ایک چیز ان کی سابقہ
 خوش حالی کا پتہ دیتی ہے اور وہ زلیخہ ہے۔ جو اب بھی سب
 پہنے بچے ہیں۔

رضیہ کو کانسٹیٹنٹ ہے۔ اتنی جان ڈاڈھ بڑھا کر بید کی ٹوکری

اٹھاتی ہیں اور سنہری ساٹن کے ڈیسے پاجامے کی کھلی گوٹ
پر رکھت ہوئی، یعنی گھٹی ہیں)

اتنی جاہلی، اہماد آؤ، اپنے پاجامے کی گوٹ پر رکھت ہوئی، بناو۔ اب تو توڑی ہی گوٹ باقی رہ گئی ہے
اسے پورا کرو۔

اسما : (اٹھ کر آئی جان کے پاس آ بیٹھتی ہے) میں جاتی ہوں، آپ دیکھتی ہیں، کڑھانے میں گھوم کر دو غلط تو نہیں
موتی۔

اتنی جان : تم بیٹھ جاؤ میسے پاس، ایک کھٹکے میں جھروں۔

اسما : بہت اچھا!

(اتنی جان کھٹے میں بیٹھتی رہتی ہیں)

اتنی جان : ہں پاجامے کے ساتھ بیٹھنے کے کرتے کے دامن پر دو انگیلی چلی بیٹھ گیا۔ اس کے آگے گھوم کر کھٹکے اور سرے
پر دھک تپ کہیں اس پاجامے کی دیکھت، سبوں سے سہل ہو گا۔ درپہر گھوم کر دیکھنے چاہئیں۔
اندھیل پر بیٹھ گھوم کر داد دھک کھٹے۔ میں نے ایسے خوبصورت گھوم کر کے پھول نچ پوری پر سراج الین
کھٹے دلوں کی دکان پر دیکھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گیند سے کا باغ کھلا ہوا ہے اور تمنا سے رنگ پر توڑ ہوڑا
ایسا کھٹا کر کیا کھٹے !

اسما : ہں پاجامے کے ساتھ کے کرتے اور دوپٹے کا کپڑا تو گھروں رہ گیا !

اتنی جان : مجھے کیسا ارمان تھا کہ اپنے صغیر کی دامن بیاہ کر گھر لاؤں۔

صغیر : اسما بے پردی چیز ملتے بار بار مجھ سے کہتی کہ کسی فقیر کی دھلیبے کہیں کا کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ میں یونہی
بہن کر ڈال دیتی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ غریب کا یہ جزایوں نکلت کہ وہ جاتے گا۔

اتنی جان : (ہرانی ہوئی آواز میں) ہں سوئی مجھے اب اٹھنا نظر نہیں آتا۔

(سوئی اب پاجامہ سما کر دیتی ہیں اور اپنے آئینہ بویچھی ہیں)

صغیر : ہں پاجامے کی گوٹ میں بیٹھتے آپ نے مانگے میرے ہی اتنے ہی آپ کے آئینے ہیں۔

امی اجان: (رہنے پرے) میں کیا کروں، میں سدا دل بھرا ہے۔

(امی جان رو کر مچتی تھی۔ رضیہ کو کھانسی آتی ہے۔ نیلم نے چہرے کے باہر سے ہنسنے لگا کر آتا ہے۔ بسنتی برائی اور سفید گدیوں میں گھس جاتا ہے اور ہنسنے لگتی ہے)

نیلم: (ہنسنے پرے) امی — امی!

رضیہ: کیا بات ہے۔ کیوں رو کر نیلم۔ چہرے پر جاؤ۔ تمہارے ہاتھیں اجاں ہیں۔ وہ تمہارے لیے کھانے کو بیٹھ جائیں گے۔

نیلم: (رہنے پرے) مجھے جھوک لگی ہے امی!

رضیہ: چہرے پر جاؤ نیلم! تم تو بہت تھکی ہو، تمہیں سب پیار کرتے ہیں۔ پیار سے بیٹے روتے نہیں چھاؤ، میرے پاس آ جاؤ۔ میں تمہیں پیار کروں گی۔

نیلم: (بسکیاں پتے پرے) مجھے جھوک لگی ہے نا اجان۔

(رضیہ اٹھ کر بسکیاں میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر نیلم کو دیتی ہے)

رضیہ: یہ نیلم روٹی کا ٹکڑا — اسے کھاؤ — جی تمہارے اجاں آ جائیں گے وہ تمہیں بیٹھ دیں گے۔

نیلم: بہت سخت ہے، ہم اپنی روٹی نہیں کھاتے۔

رضیہ: (پیارے) توڑی توڑی کھاتے کھاتے (گتڑا دکھاتا ہے) ایسے! اسے توڑی پر زہ میں گھونڈ توڑم پر جلتے گی۔ ہمیں شاباش!

(نیلم روٹی کھا کر ایسے بسکیاں میں خیر سے بہرہ رکھتا ہے)

اور باہر گھاسی بیٹھ جاتا ہے)

رضیہ: (اباؤ بسنتی) نیلم! دیکھو، خیر کی بسکیوں سے آگے نہ جانا۔ وہ بیٹھ رہی کھو جاو گی۔

نیلم: (باہر سے) اچھا نا اجان!

(رضیہ کو کھانسی اٹھتی ہے۔ چند لمحے بعد اباجان خمیر میں لپکتے ہیں باقی
 وہی ہے۔ جو پیسے منظر میں تھا۔ لیکن بہت سیلام ہو چکا ہے۔ سفید
 ڈاڑھی میں ملگئی ہو گئی ہے۔ نسل میں قرآن شریف ہے قرآن شریف
 کا سے کس کے اوپر رکھ دیتے ہیں سفید کے پاس اگر ہوں کے چہرے
 پر انڈیشہ کرتے ہیں۔ اور خمیر کے دو از سے کی جانب وہی
 کے گونے پر ٹیٹھ جاتے ہیں۔)

اباجان: قرآن شریف کا آدھا پارہ پڑھ کر کس قدر طبیعت سنبھلتی ہے۔ خدا نے کسی کے ساتھ مدد نہیں کیا کہ وہ اسے
 ہمیشہ خوش حال رہی رکھے گا۔ وہ اپنے بندوں پر آزمائش کے لیے مصیبت نازل کرتا ہے تاکہ دیکھے کہ مصیبت
 میں ہی کوئی اس کا مشکوٰۃ گزارتا ہے۔

رضیہ: جی ہاں!

اباجان: مجھے تو صرف ایک چمچ کی تکلیف ہے۔ وضو اور غسل کے لیے پانی نہیں ملتا۔ اتنا نہیں کوئی بیکڑے پانی میں کنگال
 کہہ رہی ہوں۔

رضیہ: اچھا! صبح اندیر سے اپنی لپٹے کے لیے قہار میں کھڑا ہے۔ میاں پانی کی بہت دقت ہے۔ ایک لپٹ ہے
 اور ایک لاکھ آدمی پانی لینے والے۔

اباجان: تبہم کر لیستہ تاروں۔ لیکن طبیعت کو لینان نہیں ہوتا۔

(رضیہ کو کھانسی اٹھتی ہے)

اباجان: رضیہ! تمہاری کھانسی میں کوئی ناقہ نہیں ہوا؟

رضیہ: بارش کی ٹنڈک اور گیلے کر پڑے پسنے رہنے کی وجہ سے سردی سینے میں بیٹھ گئی ہے۔

اباجان: صفیہ تم لیٹ جاؤ۔ بیٹھے بیٹھے تمیں تکلیف ہوتی ہے۔

رضیہ: اباجان! زہن بہت سخت ہے۔ زہن پر لیٹنے کی نسبت بیٹھے رہنے میں کم تکلیف ہوتی ہے۔

اباجان: (گرم ہو کر) ہم پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے۔ ہم بہت آرام پسند ہو گئے تھے۔ ہم خیال ہی نہ کر سکتے تھے

کہ کھنک کا ناز کی حسنی رکھتا ہے۔ یہی موسم کے سرد گرم کی باطل برداشت ذریعہ تھی ہم سے اپنے پیچھے کی بو بھی دس گھنٹی جا سکتی تھی اور کپڑوں میں مچا لگاتے تھے۔

امی جان: (بھرائی ہوئی آواز میں) گھر سے نکلے آج بارہواں دن ہے۔ اب بارہ دن ہی دودھ دن کے ماتھے ہی کٹے پیچھے کپانی نہیں ملائیں دن تک آسمان سے چھاجوں پانی برسنا کپڑے بھیگ کر بدن کو چمک گئے۔ بٹلے کو کپڑے نہ ہے۔ لیٹے کو جگر نہ ملی ٹخنوں ٹخنوں پانی میں بیٹھے کئی ساتھیوں کاٹی ہیں۔

رضیہ: مصیبت کیا دکھ کے تخلیف ہوتا ہے۔

امی جان: صبر کی عادت ڈالیے ہمارے اور مسلمان بھائی بن سیاں سسک سسک ہی بری حالت میں ہیں۔

(امی جان مدافعتی ہیں۔ رضیہ کو کھانسی ٹپتی ہے)

اباجان: آج جب میں قرآن شریف کے آدھے پاسے کی تلاوت کر چکا تو بار بار مجھے یہ خیال آیا کہ قدرت اپنے حکم سے سلطانین بناتی اور مٹاتی رہتی ہے۔ بدو پرانا قلعہ ہے جو کبھی ہندوؤں نے بنایا تھا۔ اور ان کے راج کی نشانی ہے۔ پھر جہرہ مستوں پر مسلمانوں کو غلبہ چال ہوا۔ تو شیر شاہ سوری نے اس قلعہ میں سہنر لالہ اکھنڈوں کا راج قائم ہوا تو اس قلعہ کی دیواریں بڑھ کے دانتوں کے مانند تھیں۔ نئی دیواریں اکھنڈ کی راج ستانی قائم ہوئی تو اس قلعہ کی مرمت ہوئی۔ گھاس گی اور اکھنڈ اپنے کٹنے کو بھرانے یہاں لائیتھا۔ اور اب جب دیواریں ہندوستان کا بنا کر گھا بھنڈا لہرا رہے تو دیواریں کے مسلمان شہر بدر ہوئے۔ ان کی خشکتہ دیواریں ہنپاہ لیٹے ہوئے ہیں۔

صحیہ: مجھ سے تو پناہ گزینوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔

اباجان: یقین نہیں آتا کہ مسلمانوں کے لیے دیہی کی وسعت ان خشکتہ دیواریں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ شیر شاہ سوری کی مسجد میں مسلمانوں کے حکم کی پوری آن تھی۔ اب سر بہ سجدہ نظر آتی ہے۔ وہ جات مسجد کے حینا کے لیے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے پیشیہ نام۔ لیکن قلعہ دیوں کے نماز پڑھ رہا ہے۔

(رضیہ کھانسی ہے امی جان مدافعتی ہیں سیکوں کا آواز آ رہی ہے)

اباجان: میں جامع مسجد کو دیکھتا ہوں تو بری بہت بہت بندھتی ہے۔ سر اٹھائے سیر ہی آسمان پر نظر کیے مارے شہر کے درمیان گھری گھڑی ہے۔ ساکت۔ نماوش متوکل ————— میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہی

جسکے دل میں گڑبڑوں اور اس کی مٹی کو دھبوں۔

صفیہ : آہا جان یہی کھلا ہٹ بھڑکی ہے۔

آہا جان : تم بہت کمزور صبی ترقی ہو۔

صفیہ : میں مجھ سے دل کی مرضی ہوں۔ اب تو میری یہ حالت ہے کہ برقت دل نہ کھاتا ہے۔ جب مسلمان کا خیال

آتا ہے جو بے رحمی کی حالت میں خدایہ کہنے میں تھوڑا ہی سوئیاں جینے لگتی ہیں جب کسی بچے کو بڑے

بکتے دیکھتی ہوں تو دل سوس کر رہ جاتی ہوں۔ ابھی جب نیم صبح سے ساری تھی تو مجھ سے کہا نہ جاتا تھا۔

آہا جان : اللہ مالک ہے اس پر پھر دوسہ رکھو۔

رضیہ : آپ اپنے دل کو سمجھایا کیجئے۔ آہا جان۔

صفیہ : (گہرا کر) بھائی کہاں گئے ہیں؟

رضیہ : (تسکین دیتے ہوئے) ابھی رضیہ سے نکل کر باہر گئے ہیں۔ آہا جان کے۔

صفیہ : (اٹنے کرتے ہوئے) مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔

آہا جان : ابھر کو گھر کی بربادی کا بہت افسوس ہے۔

امی جان : (آنسو پونج کر) اب کرنے اپنے بھائی بہنوں پر اپنی جان پھینکے ہے۔ اس نے گھر کی عزت اور حیثیت

بنائے کھی۔ اب اس بربادی کے بعد اس کا چہرہ ایسا سادھم ہوتا ہے جیسے کوئی اندھیرا غار ہو۔ اس میں

زندگی کی وہ اسل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔

صفیہ : (ٹھنڈا سانس لے کر) اٹئے۔

رضیہ : بھائی جان کو دیکھ کر سب کو تکلیف ہوتی ہے۔

امی جان : اگر اب شادی کر لیتا تو اس کا فخر غلط کرنے کو اس کے بوی بچے تو ہوتے۔

رضیہ : اب حالات ٹھیک ہو جائیں تو شادی کر دیجئے گا۔

امی جان : (اسنے ہنسنے) اب تو غریب کی دنیا اچھڑ گئی۔

صفیہ : ابھی امی جان۔ آپ روئیں نہیں۔

رضیہ : اچھی تھی! نہیں تو آپا جان کو پھر دھڑکنہ منے لگے گی۔

(پکھدی خاوشی۔ امی جان رو رہی ہیں)

رضیہ : عبدل صبح اندھیرے سے پانی کے لیے تھاریں جا کھڑا ہوا تھا۔ غریب بھی تک واپس نہیں آیا۔

صفیہ : تھا سے بجائی صاحبہ اور صفیہ جان صبح سویرے کے گئے پتھے میں بھی واپس نہیں گئے۔ جب اپنے اپنوں

میں سے کوئی ایک بھی نظر سے اوچل ہو تو دل کو قرا نہیں آتا۔

رضیہ : لاہور جانے کے لیے وہ ذیل کے ٹکٹوں کا بندوبست کر رہے ہیں۔

صفیہ : میری کڑ سبھ میں کچھ نہیں آتا۔ کیوں لاہور جانا چاہتے ہیں۔

رضیہ : آپ اپنی طبیعت پریشان نہ کیجئے۔

آپا جان : تم سب لاہور جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا۔

امی جان : مجھے کیا معلوم تھا کہ گھر سے نکل کر دوبارہ گھر جانا نصیب نہیں ہو گا مجھے کپڑے بھی نہ بدلنے پڑے۔ چار

کی ایک پینالی بھی نہ بیٹھے دی۔ گھنٹی پر دو دو جوش کرنے رکھا تھا۔ وہ بھی تو نہ آتا رہا۔ ریڈیو بھی بجھا پھوٹا گئے

ساتھ پاندن میں نہ لانے ہر وقت اپنا گھر نظروں میں پھرتا ہے (روتے ہوئے) اگر مجھے بتایا ہوتا کہ

گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو میں ضرورت کا سارا سامان جمع کر کے موٹر میں رکھ لیتی۔ یہی کھانے کا نیا سیٹ

خریدا تھا۔ میں ایک بار کھانا نہ کھایا۔

رضیہ : امی جان! جب یہاں کھانے کو ہی نہیں ملتا تو اب ڈز سیٹ کا خیال کرنے سے محال؟

امی جان : اب تم لاہور جانے کے لیے کہہ رہے ہو۔ البتہ مسلمان کے کیا کیا مصیبت یہاں اٹھائی۔ اب دیکھئے وہاں

کیا مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔

رضیہ : آپ بیٹھے گا۔ لاہور میں اتنی مصیبت نہیں ہوگی۔

امی جان : جب اپنے شہر میں یہ حال ہے تو پردیس میں تو اور بھی بُرا حال ہوگا؟

رضیہ : کبھی دیس سے پردیس بھی بھلا ہوتا ہے۔

امی جان : میان ہاری جاؤ داد کا کیا ہوگا؟ کون کرے یہ دھول کرے گا؟ مجھے تو دیس سے پردیس جانا اچھا نہیں لگتا

رضیہ : اُمی جان! آپ تو طمانی ہیں کہ ہمارے خانہ ان کی روایت ہے کہ ہر بیڑی میں ایک مرد فقیر الشہر تھا ہے بھلا بیڑی میں
 نا اخصرتھے۔ اس بیڑی کے فقیر اجان ہی۔ آپ جانتی ہیں کہ انہوں نے کسی بھی آپ کے ایک پیسہ کو بھی اپنی ذات پر صرف
 نہیں کیا۔

اُمی جان : اسے یہ کیا نا اخصرت کی برابری کریں گے۔

(رضیہ کھانسی ہے۔ اُمی جان سنبھالے بیٹھی ہیں بسفیدہ کو گھبراہٹ
 ہو رہی ہے۔ سہما دلپنے اچا مری گوٹ بر دیکھت جھولی بنا رہی
 چند لمحوں پر دائیں جانب سے نسر میں ایک عورت آتی ہے۔ معمولی
 حیثیت کی شریف عورت ہے جس نے ریشمی سیاہ برقع اڑھ دکھا ہے
 اس کے ایک ہاتھ میں کھیر برتن ہیں اور دوسرے ہاتھ میں گٹھڑی ہے)

عورت : اسلام علیکم !

اُمی جان : وعلیکم !

عورت : پرانے برتن اور کپڑے بھ سے خرید لیجئے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ہمارے پاس بیچنے کو یہی ایک دو بیڑی ہیں ؟
 رضیہ : آپ بیٹھ جائیے۔

عورت : (بیٹھتے ہوئے) دیکھ لیجئے، مکن ہے آپ کی ضرورت کی کوئی چیز ان میں نکل آئے۔

رضیہ : (اسکرار) اب ضرورتیں بہت ہی مختصر ہو کر رہ گئی ہیں۔

عورت : (سہما کی طرف اشارہ کر کے) یہ کیا باجاس کی گوٹ ٹانگ رہا ہے۔

رضیہ : ناں

اُمی جان : ان کے چیز کا بھڑا ہے۔ نو مہر میں بچاری کی شادی ٹھہری ہوئی ہے۔

عورت : خدا کرے میں صین ہو جائے اور منہ ہی خوشی ہیں۔

رضیہ : بچاری کو دم ہے کہ کسی فقیر کی دعا ہے کہ اس کا کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ آپ دعا کیجئے کہ شادی بخیر ہو جائے۔

عورت : انشاء اللہ ! (سالن کی طرف اشارہ کر کے) آپ باری کوئی چیز خریدیں تو ہمارے کچھ دے دو جائے گی جو فضلہ

ساتھ۔ یہ سہ ماہ لائے تھے۔ وہ سب ختم ہو گیا اس سالانہ کوچ کرکھ روپیہ اتھ میں آجائے تو بہت سہولت ہو جانے گی۔

رضیہ : آپ کو اس سالانہ کی خود بھی ضرورت ہوگی ؟

عورت : انسان کو ضرورت تو ہر چیز کی ہوتی ہے۔

رضیہ : لیکن سالانہ بچے کے بعد کیا کریں گی ؟ یہی تک شہر میں رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پناہ گزین دہلی کے کوٹہ کوٹہ سے اٹھنے چلے آتے ہیں آٹا ہی بڑا ایک اور کمپ ہمارا ان کے مقبرے میں رکھ گیا ہے۔

عورت : اب تو لاٹ کر شہر طمانے کی بہت نہیں ہے۔ دل میں خوف بٹھ گیا ہے۔ دیکھئے پاکستان جانے کیلئے یہاں میں جگہ کب

ملتی ہے۔ اذندہ بھی پہنچ پاتے ہیں یا نہیں۔ نہ معلوم خدا کو کیا منظور ہے۔

رضیہ : ہم آپ کی کچھ مدد کریں تو آپ برا تو نہیں مانتیں گی ؟

عورت : آپ اس سالانہ کو کچھ لینے جو چیزیں چاہیں اور جس دام چاہیں خرید لیں۔ یہ بڑی مدد ہوگی۔

رضیہ : ہر ایک کو یہی چیز چاہی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ خوشی کے زمانے کی بہت سی ماہوں والی ستر ہوتی ہیں۔ آپ اپنی یہ

چیزیں اپنے اس کچھ ہمارے اس کچھ لغت دلا دیا ہے۔ اپنی ضرورت کے مطابق کچھ آپ لے لیجئے۔

عورت : آپ کی انعامات کا شکریہ !

(یہی ٹھٹھی اٹھ لیتی ہے اور برتن اٹھا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ رضیہ بھی

ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے)

رضیہ : آپ نے میری بات کا رُ انمایا ؟

عورت : آپ مجھے صاف کچھ لگے۔ اگر میں نے کوئی کستاخی کی ہو۔

رضیہ : اچھا۔ آپ جو چیزیں جو وقت کے لئے کیوں لے لیں اور اس کے عوض نو پیسہ لیجئے۔

عورت : (مڑک جانے لگتی ہے) جی نہیں۔ سلام علیکم !

(جلدوں سے دائیں جانب سے خبر سے نکل جاتی ہے)

رضیہ : (بچے آواز دیتے ہوئے) خدا بخٹے تو !

(عورت ٹرکری نہیں دیکھتی اور چل جاتی ہے۔ — رضیہ کھانسی

ہے اور درمی پھنیہ کے پاس آتی ہے)

رضیہ : (آہ بھرتی ہے) یہ کیسے شریف آدمی اور کس مغنی کو پہنچ گئے ہیں۔

امی جان : اسے بے رضیہ! تم نے اس کا سامان دیکھا ہی تو نہیں۔ ممکن ہے۔ کوئی ضرورت کہ جینز ہی کل آئی

یہاں تو ہر چیز کے لیے ہاتھ تنگ ہے۔

رضیہ : آپ نے دیکھا ہر تین چیزیں مجھے تو کسی کی معیت سے فائدہ اٹھانا اچھا نہیں لگتا۔

(خوشی) — امی جان کی تہری پرٹھ گئی ہے۔ صفیہ گھر آکر اپنی

گردن ادھر ادھر مڑاتی ہے۔ اسما پاجے کی گوٹ پر دیکھت

جھری ٹانگت ہی ہے۔ اکبر کے دروازے پر آتا ہے۔ نیکم کو گویں

اٹھا لیتا ہے۔ ادا ادا آتا ہے۔

اکبر کے چہرے پر اب مہربت زیادہ معلوم ہو رہی ہے۔ چہرہ بہت

پشیمو ہے اور لباس میلا۔ اکبر دیکھ پودا دازے کی طرف ٹھہر جاتا

ہے اور نیکم کو اپنے پہلو میں بٹھا لیتا ہے۔

رضیہ : بھائی جان!

اکبر : کیا بات ہے؟

رضیہ : آپ اس فڈ خاؤشس کیوں سنتے ہیں؟

اکبر : اب جو محسوس ہوتا ہے۔ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

رضیہ : لیکن کیوں؟

اکبر : (زور سے کہتا ہے) مجھے صحیح نہیں جانتا۔ شاید اس لیے کہ اس میں جان میں کوئی آسودگی نہیں پاتا۔

رضیہ : اچھا! آپ کیا سوچتے رہتے ہیں بروقت؟

اکبر : کچھ نہیں۔ داغ کا ہر ہی نہیں کرتا جو نظر آنکھوں کے سامنے ہے۔ شاید اس نے داغ کی قوت کھڑکتل کر دی ہے۔

- رضیہ** : آپ ایسی باتیں کریں گے تو آپا جان گھبرائیں گی۔
- اکبر** : دیر میں مانتا ہوں۔ اسی لیے خاموش رہتا ہوں۔
- رضیہ** : آپ کو رہنے کے مسلمانوں کی بربادی دیکھ کر افسوس نہیں ہوتا۔ میں نے کبھی آپ کے مزے سے ایک لفظ بھی نہیں سنا۔
- اکبر** : میں مسلمان اور انسان دونوں کی بربادی پر روتا ہوں۔ افسوس نہیں بہتے۔
- رضیہ** : آپ کو خیال نہیں آتا۔ کہ آپ کے کس محبت اور جانفشانی سے ہماری تعلیم اور بہبودی کا خیال کیا۔ ہماری حیثیت اور عزت قائم رکھی۔ وہ سبچہ چشم زدن میں برباد ہو گئی۔ آپ کو اپنی بربادی کا بھی افسوس نہیں ہوتا۔
- اکبر** : (مدد کر بے سے) تم یہ باتیں کیوں کہہ رہی ہو؟
- رضیہ** : میں آپ کے دل کی آواز آپ کی زبان سے سنتا چلا آتی ہوں۔
- اکبر** : (بے تاب) لیکن کیوں؟
- رضیہ** : وہ آواز اس خاموشی جیسی دردناک نہیں ہو سکتی۔
- صفیہ** : اپنے دل کی بات ہیں تو بتائیے !
- امی جان** : ہاں بیٹیا! بتاؤ تو سہی !

(اکبر) توقف کے بعد اچھے انسان کی جلی شرافت پر عقائد تھا۔ مجھے یقین تھا کہ علم اور تہذیب انسان کو سزا دیتے ہیں۔ میرا ایمان تھا کہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب انسان جوان نہیں ہوتا۔ لیکن جب میں نے بے گناہ مسلمانوں کا خون تعلیم یافتہ اور مہذب ہندوؤں اور سکھوں کو بہاتے دیکھا تو میرا اعتماد تباہ ہو گیا۔ میں نے اپنی ساری زندگی انسانیت کو خدمت کے لیے صرف کی۔ ادراپ یہ معلوم ہوا کہ انسان پر تعلیم اور تہذیب کے بعد بھی جو اہمیت کا سہن طاری ہو جاتا ہے۔ ایک دو افراد پر نہیں پوری بوم کی آبادی پر۔ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں انسان جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو جان سے اڑتے پھرتے ہیں۔ بے دردی ہے۔

بڑے جی سے بچوں کو جوڑوں کو، بوڑھوں کو — مجھے انسان اور
تہذیب پر پھروسہ نہیں رہا — اب میری زندگی بے کلابہ
اؤنٹنم (کھڑا ہوجاتا ہے) چلو تھیں ذرا کیسپ میں پھر لائیں

نیلیم : چلئے :

(اکبر - نیلم کو لے کر دائیں جانب سے ابھر چلا جاتا ہے)

ضفیہ : جانِ جان کو تیری اذیت پہنچی ہے۔ یا اللہ ! اب کیا ہوگا ؟
رضیہ : (کھانتے پھرتے) آپ گھر لائے تو نہیں آیا جان۔
آجی جان : میرے دل کی کسی زندگی تباہ ہوئی ہے۔

(رواتی ہے)

(کچھ دیر بعد دائیں جانب سے آجا جان آتے ہیں جہاں اکبر بیٹھا تھا
اسی جگہ بیٹھ جاتے ہیں)

آجا جان : تم سب اس قدر پریشان کیوں ہو ؟

رضیہ : کوئی بات نہیں آجا جان۔

آجا جان : اکبر میاں آئے تھے۔ پھر چلے گئے پھر ؟

رضیہ : جی ہاں ! آجائیں گے رضیہ کے اندر ان کا دل گھبراتا ہے۔

آجا جان : میں خیبر کے باہر جاتا ہوں تو جہر نظر پڑتی ہے۔ انکھیں پھر لینے کو ہی چاہتا ہے۔ وہ مسلمان خاندان جن کی مستعدا

پر وہ کرتی تھیں۔ اس مصیبت نے انہیں بے پردہ کر دیا ہے۔ جو غرب لوگ اپنا کچھ سامان سے آئے تھے اب

اونے ہونے بیچ رہے ہیں۔ پانی کے لیے سردت آدھ میں ہی قطار لگی رہتی ہے۔ ہر طرف گندگی پھیلی ہوئی ہے

کوئی شخص بھی صاف کپڑوں پہلے حال نظر نہیں آتا۔ کوئی چہرہ ایسا نہیں جس پر فاقوں کے نشان نہ ہوں اس مصیبت

میں رہنے کے یس بھی ہیں۔ اعلیٰ خاندان بھی ہیں۔ غرض حال لوگ سب ہیں۔ اور شریف انسان بھی۔

ضفیہ : آجا جان ! ایسی باتیں مجھے مت سنائے۔ میرا دل ٹھیک نہیں ہے۔

رضیہ : (کھانتے ہوئے) عبدالصبح اندر سے سے پانی کے لیے قطار میں کھڑا ہوا ہے۔ ابھی تک غریب کی باری نہیں آئی۔

(حسن اور صفیرا اُس جانب سے خیمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ دونوں کا لباس مسلا ہے۔ بال میلے اور لکھے ہوئے حسن کی صورت پہچانی
سب حالتی ہیں کہ چہرے پر سنج اور باسیت کی بریلیاں چھائی ہوئی ہیں۔
ہنر کے چہرے پر سنج لگتی ہے)

حسن : اجاڑوں طرت دکھ کر (نیلیم کہاں ہے؟

رضیہ : بھائی جان ہیں ساتھ لے گئے۔ ہیں لے آئیں گے۔

حسن : (صفیرہ سے) تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ — آج مزہ بہت اُترتا ہے؟

صفیرہ : گھبراہٹ بہت ہے۔

صفیرہ : (اسماء کی طرف متوجہ ہو کر) آپ اپنی بے سلائی براہِ مہربانی سمیٹ لیجئے اور چھپنے کو تیار ہو جائیئے۔

اسماء : (حیرت سے) کھہ اٹھا کر کہاں؟

صفیرہ : لا پورا۔ آج کے دن کے دیکھنے آپشٹ ٹرین۔ نظام الدین ادویا کے اسٹین سے لا پورا جا رہی ہے۔ اس کے لیے ٹکٹ مل گئے ہیں۔

حسن : دس ٹکٹ ہیں تم کب لے لے۔

اباجان : (نا راض ہو کر) تم نے میرے لیے ٹکٹ کیوں لیا؟ میں نہیں جاؤں گا۔ نہیں جاؤں گا۔ نہیں جاؤں گا۔

حسن : اچھا کوئی نہیں جاتا۔ آپ غصہ نہ ہوں چھا جان۔

امی جان : (دلتے ہوئے) میں اپنا گھر گھلا چھوڑ کر چلی آئی۔ میں تو گھر واپس جاؤں گی۔

حسن : چچی جان ہم سب آپ کو تیار نہیں تھا کہ آپ کو تکلیف نہ ہوگی۔ جو نہی ہم کو بھی سے نکلتے۔ بلوانی کوٹھی میں گھس

آئے اور تمام قہقہے سا مان لوٹ لیا۔ بھاری فرنیچر توڑ ڈالا۔ کتابوں کو بچا کر گرگ لگا دی۔ اب وہاں کچھ

باقی نہیں رہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک کھنڈے کوٹھی پر قبضہ کر لیا ہے۔

امی جان: (روتے ہوئے) میں داپس ڈل گئی۔ بہت بڑگا تو سکھ مجھے مار ڈالے گا۔ جب میرا گھر لٹ گیا تو اب میں ہی کرکیا کروں گی۔

صفیہ: (امی جان کے رونے کی آواز سے گھبرا کر) اللہ! ہمیں پڑا رہنے دیجئے۔ یہ مصیبت کیا کم ہے جو لاہور لیے جا رہے ہیں۔

(جیتلھے امی جان کے رونے کی آواز آتی ہے۔ وہ کچھ آنسو پرتا ہوا)

(انہیں)

احسن: تمہارا کیا خیال ہے صفیہ بہن؟

صفیہ: (اکھالتے ہوئے) میرے خیال میں سب کو ساتھ لے کر چاہئے۔ یاسب ہیں میں۔ یاسب لاہور جائیں بھائی جان آگئے۔ ان سے پوچھیے۔

(اکبر: نیلم کو گود میں بیٹھا ہے۔ نیلم دور ہی ہے۔ احسن نیلم کو اپنی

گود میں لیٹا ہے)

احسن: چپ بوجاؤ نیلم۔ (بار کرتے ہوئے) تم تو چھی ٹیٹی مر۔ (جب میں سے نکال کر بکٹ دیتا ہے۔ نیلم ہلکے سے سے کرکمانے لگتی ہے) ان لٹتے نہیں۔

(نیلم چپ بوجاتی ہے۔ احسن نیلم کو گود میں بیٹھا لیٹا ہے)

صغ: بھائی جان! لاہور جانے کے لیے ٹکٹ مل گئے ہیں۔ آپ لاہور چلیں گے؟

اکبر: تم سب جانا چاہتے ہو؟

احسن: اگر سب جانا چاہیں تو آپ ساتھ چلیں گے؟

اکبر: ہاں۔ چلوں گا۔

احسن: چچا جان! بھائی جان کو تو جانے میں اعتراض نہیں۔

ابا جان: میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں دہلی نہیں چھوڑوں گا۔

صغ: اس مصیبت کے ٹکٹ بے ادب جانے کو کوئی تیار نہیں (غصہ سے) لاہور دلاقوہ میں یہ ٹکٹ داپس

کرتا ہوں۔

حسن: ٹھہرو تو صغریٰ بھائی۔

اصغر: (غصے سے) ان پندرہ دن میں جو کچھ چھوڑا، اس سے سبق نہیں ملا۔ اب سبھی ہم لوگ دہلی چھوڑنے پر تیار نہیں (طنز پر)

ہنس کر) دہلی، دہلی چھوڑ گئی۔ دہلی کے باہر نکلنے والے قلعہ کی شکستہ دیواروں میں بیٹھے ہیں۔ پھر سبھی دہلی چھوڑنے کو

تیار نہیں۔

اباجان: (اصغر سے) اصغر!

حسن: اصغر بھائی، تم غصہ کیوں ہو جاتے ہو۔ سمجھ کر بات کیوں نہیں کرتے۔

اصغر: میں جا کر کٹ لے کر آتی ہوں۔ پھاڑ دیتا ہوں۔ پھینک دیتا ہوں۔

(اٹھ کر جانے لگتا ہے)

حسن: انیل کو فریش پر جگا کر صغریٰ کو دکھانا ہے (اسے بھائی ٹھہرو تو سہی تم بیٹھو تو یہاں۔

اصغر: میرا خون پلے ہی کھولا ہوا ہے۔ اب مجھ میں زیادہ تاب نہیں۔

حسن: (اصغر کو بٹھاتے ہوئے) تم بیٹھو تو سہی۔

اصغر: (ٹپٹے ہوئے) بس نہ کہہ دیا ہے کہ میں دہلی نہیں رہوں گا جس شہر میں مسلمانوں کا اس قدر خون بہا۔ وہاں اگر

اب بھی مسلمان رہے تو اس پر لعنت۔

حسن: (دکھتے ہوئے) صغریٰ بھائی! ایسی بات کیوں کہتے ہو۔

اصغر: کیوں کہتا ہوں؟ کیا مسلمان یہاں کے باشندے نہیں ہیں؟ یہاں کی حکومت کا فرض نہیں ہے کہ ان کی حفاظت

کرسے۔ یہ حفاظت کی بات کہہ رہے تھے مسلمانوں کو جو بے کی موت مراد دیا۔

صفیہ: (کھبرا کر) اے اللہ!

رضیہ: اباجان!

حسن: اللہ خاموش نہ ہو۔ صغریٰ بھائی۔

اصغر: مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ سب جانتے بوجھتے انہیں ان کیوں بیٹے ہیں۔ اب ہی کیمپ کا کچھ تجربہ جانتا ہے کہ دہلی

میں مسلمانوں کے قتل و غارت کے لیے بڑی منظم سازش کی گئی تھی۔ مفتوں اس کی تیاریاں کیں گئیں۔ نکلے خزانے اس کے لیے ہندو اور کچھ عوام کو بھرا کر لیا گیا۔ پھر وہیں کے مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ ان کا مال لوٹا گیا۔ ان کے مکان جلانے گئے۔ کائنات میں یہی دن وہ دن مسلمانوں کی دکاتیں لونی گئیں، ایک ایک مسلمان کے کوڑے اور کوٹھے پر حملہ ہوا۔ قذافی باغ بہاؤ گج اور سبزی منڈی سے مسلمانوں کو کاد کر دیا گیا شہر کے مسلمان مجلس پر حملے ہوئے جب مسلمان بی جا نہیں تھے یہ رکھ کر اپنے گھروں سے نکل بھاگے اور انھوں نے آکر کہاں تباہ ملی تب حکومت کو تیرہ چلا کر وہی میں کشت و خون ہوا۔ اور آج تین دن ہونے کو انھیں ہوش آیا کہ مسلمانوں کی حفاظت ان کی آمد واری ہے۔ ملاحظہ ہو۔ قلعہ کے باہر ڈگر افوج کے سپاہی ماریاں مار رہے ہیں۔

آمن : آپ یہ اوش عورتوں کے سامنے دوہرانے سے کیا حاصل؟

اصغر : میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمان کے لیے اب ہل میں جگہ نہیں۔ جب ہمیں تو اور کربان کی نوک سے گھروں سے نکالا گیا ہے۔ تو اب وہ ہیں واپس گئے ہیں گئے؟ ہم واپس گئے تو ہمیں وہاں لہنے دیا جائے گا؟ میں نے مسلمانوں کی لاشیں چوراہوں پر پڑی دیکھی ہیں جن کے سینے پر ان ہی کے خون سے لکھا ہوا تھا۔ تیر مسلمان ہیں جنہیں ہندو نشان میں سنے دو۔ میں اس طرح یہاں لہنے کو تیار نہیں ہوں۔

آمن : اچھا بھائی! تو مت رموں۔ تم لاہور چلے جاؤ!

اصغر : ہاں۔ میں یہیں نہیں رموں گا؟

اکبر : (چند لمبے بعد) اب تم گنتی کے چند نفس بھی تقسیم ہو جائیں گے۔

آمن : کیا کیا جسے؟ چچا جان بلی نہیں چھوڑیں گے۔ اصغر بھائی یہاں میں گے نہیں؟

(چند لمبے خاموشی)

ضمیمہ : سہانی جان آپ لاہور جانا چاہتے ہیں؟

آمن : ہاں۔ ایک تو اس لیے کہ صفیہ دل کی مریض ہیں۔ یہاں معلوم کب حالات درست ہوتے ہیں اور ڈاکٹر اور وہاں

وسیا ہوتی ہیں۔ علاج کے علاوہ بھی ایسے مریض کے لیے ضروری ہے کہ وہی کی تباہ حالت نظر سے اوجھل ہو۔

لاہور جا کر وہاں کی کھا گئی شاید ان کی طبیعت رجھلے۔ اور پھر میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ اگر لاہور چلا گیا تو ستاویس

امی جان: (رتے ہوئے) مت جلنے دو۔ انھیں لٹا!

آسن: آپ اکیلے درہلیں کیا کریں گے۔ کہاں میں گئے؟

اباجان: میں یہاں اس لیے نہیں پیدا ہوا تھا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ یہاں کی مٹی

مٹی میں میری سات پڑوسیوں کی مٹی ملی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے لیے یہاں قبرستان میں جگہ محفوظ کر رکھی ہے

مجھے کہیں جگہ ملی تو وہاں جا کر لیٹ جاؤں گا۔

امی جان: (دوڑتے ہوئے) نہ کو ایسا۔ ایسا نہ کو۔

رضیہ: (دوڑتے ہوئے) اباجان!

رضیہ: اباجان! کیا آپ کو مردوں کی مٹی۔ زندوں کے آستوں سے زیادہ عزیز ہے۔

اباجان: میں درہلی سے نہیں جاؤں گا۔ مجھے زبردستی مجبور نہ کرو۔ (آواز بھراتی ہے) میں درہلی سے نہیں جاؤں گا۔ نہیں

جاؤں گا۔ (دوڑتے ہیں) درہلی!

(اباجان، امی جان اور رضیہ مار رہے ہیں کھینچے بعد سسکیوں کی آواز رہ جاتی ہے)

اکبر: (باسیت سے منسوب ہو کر) ہر سب جیتنے ہی مر گئے ہیں۔ ہمارا جڑیں کٹ گئی ہیں۔ ہمیں اپنی جگہ سے اٹھا کر

دیا گیا ہے۔ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ ہمیں شہر بدر کر دیا گیا۔ اب ہمارے لیے یکساں ہے کہ یہاں

ہیں کہیں چلے جائیں۔

(اکبر کے الفاظ کے دوران سسکیاں بند ہو جاتی ہیں۔ اب صرف اباجان

دور ہے ہیں)

رضیہ: اچھے اباجان! آپ مت بیٹے۔

(اباجان روتے رہتے ہیں۔ عبدل پانی کا گھڑا اپنے آٹا ہے گھڑا

ہاتھیں ہی رہتا ہے اور حیرت سے اباجان کی طرف دیکھ

رہا ہے)

رضیہ: (جدی سے ٹھوکر) عبدل! تم نے آٹے پانی! اباجان کو ایک گلاس پانی دو۔

عبدل : گہرا کر) یہ لیجئے۔

رضیہ : (گلاس میں پانی لے کر) یہ لیجئے آبا جان! اپنی لیجئے۔ طبیعت نیستلگی۔

(آبا جان پانی پیتے ہیں اور اپنے کو تھماتے ہیں اور کچھ حیلہ بند)

آبا جان : آج جھڑ پئے تمہارا، گاڑی حضرت نظام الدین اولیا کے اسٹیشن سے جایاں گی میں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ جاتا ہوں۔ وہاں اہل کے پانی میں اپنے کپڑے دھوؤں گا اڈل کے بعد جمعہ کی دو رکعت نماز پڑھوں گا پھر وہی

پھوٹنے سے پہلے آخری بار حضرت خواجہ صاحب مزار اقدس پر فاتحہ پڑھوں گا۔

رضیہ : انا زبان اللہ آپ دیر نہ کیجئے گا، در نہ کیس ایسا نہ ہو کہ گاڑی روانہ ہو جائے۔

عبدل : اجرت سے (کہاں جا رہے ہیں سب؟ بیگم صاحب؟)

رضیہ : (خوشی سے) ہم سب پاکستان جا رہے ہیں۔

عبدل : بیچ؟ بڑے صاحب بھی جا رہے ہیں؟

رضیہ : ہاں! آبا جان بھی ساتھ چلیں گے ٹکٹ مل گئے ہیں ہم آج دو بجے کی ٹرین سے لاہور جاؤنگے تم بھی ساتھ چلو گئے؟

عبدل : ضرور! (فرط مسرت سے بے ساختہ ہو کر) نعرہ تکبیر!

عبدل و اصغر : خوشی سے) اللہ اکبر!

آبا جان : (خند لہے بعد آہستہ سے) اللہ اکبر!

اصغر : جلدی سے صفیر کے پاس جا کر خوشی سے) اچھی آبا جان، ذرا ایک بات سنئے۔ کان میں۔

رضیہ : ایسی کیا بات ہے؟

اصغر : ال! (کان میں کچھ صفیر سے کہتا ہے)

رضیہ : (سنستی ہے) اسے تم تو دہلوانہ ہو گئے ہو۔

اصغر : خوشی کی بات نہیں ہے۔ اب ہماری شادی پاکستان میں ہوگی۔

(رضیہ ادھمن ہستے ہیں۔ اکبر اور آبی جان مسکراتے ہیں)

(آبا جان غمگین ہیں)

تیسرا منظر

لاہور۔ جمعہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۶ء

چھوٹے سے مکان کا ایک کمرہ۔ سورج طلوع چکا ہے۔ کمرے میں گھٹتی گھٹی روشنی ہے۔ کمرے کے عقب کی دیوار کی وسط میں پھوٹی اور پچی کھڑکی ہے جس کے تہ کی سلاخیں لگی ہیں۔ کھڑکی میں گھر کے استعمال کی کچھ چیزیں رکھی ہیں۔ کھڑکی کے دونوں طرف دیوار میں لگی ہوئی کیوں پر کچھ کپڑے لٹکے ہیں۔ ایک کیل پر اسماء کا لیٹھی اور حفصہ کی پانچواں ہاتھی لٹکتی ہے۔ اس کے پانچواں کی بکھت بھولی بھی لہری نہیں ہوئی ہے۔ کھڑکی کے نیچے ٹیڑھی کی بے وضع تپائی پر دو لٹی کی سفینیاں لٹکی ہیں۔ تھن کے ریش اور بائیں صفحہ کی گولوں میں دو پانچ کپڑے ہیں۔ دائیں پانچ پر صفحہ سوہی ہے اور بائیں پر صفحہ کیونڈا سوہم گرم ہے۔ اسی سے دونوں سے ملتی رنگین لیکن پیلے چادریں اوڑھی ہیں۔ بیٹوں پر پٹی ہوئی دو ٹریں کھچی نظر آتی ہیں۔ دونوں سے کمرے کے اگلے حصے میں بے عنوان پٹے ہیں۔ اب اس جانب اگلے حصے میں کمرے سے باہر جانے کا راستہ ہے۔

ایک بے پشت کے موٹے حصے پر جن صفحہ کے پاس بیٹھے ہیں۔ اسماء کھڑکی کے نیچے موٹے پر بیٹھی ہے۔ جن کا قیاس پہاڑ جیسے ہے۔ اسماء سفید روتی ستوا قیاس ہے۔ کپڑے اسماء کے

جس پیلے ہیں اور ان کے بدن پر کوئی دیور نہیں ہے جس کے چہرے
کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ رنج و غم کی بدلیاں خوب لگ چکی
کر رہیں ہیں۔ اس کے چہرے کی وجاہت غم کے اس طغیان میں ابہر
جلی ہے اسما کے چہرے کا رنگ اور آب دونوں مفقود ہیں
آنکھیں ہفتے رفتے سُرُخ ہو چکی ہیں اور سُوج گئی ہیں۔

کچھ دیر اسما کو تم سہم ہی میں لٹھکتی ہے جس میں طبعاً صغیر کو دیکھنا
ہے۔ سوتے سوتے صغیر ڈرجاتی ہے اور ایک ہلکی سی چیخ
ارتا ہے نسبت میں کچھ بڑا تو ہے لیکن سنبھل نہیں۔ اس
جلدی سے اٹھ کر صغیر کے گنگے پاس اڑوں میں جھپٹتا ہے اور
صغیر کے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اب اسما چلنے چلنے
دور رہی ہے۔ دو بیٹے سے آنسو بونٹھتی ہے جس میں مرگن سما کی
حرف ا بکھلتی ہے۔ اور اٹھ کر پاس آتی ہے۔

آسن : بیدار نہ لگیں اسما۔ اپنی طبیعت اسنبھلنے کی کوشش کرو۔

اسما : (سہیلیاں پتے چمٹے) میں بوہت ضبط کرتی ہوں۔

آسن : اسما! میں نے اب تک بہت سی تکلیفیں اور رنج برداشت کیے ہیں۔ تم نے کبھی بسوں آنکھوں میں آنسو
نہیں دیکھا۔ لیکن تمہیں دن رات روزانہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ لہذا! اہمیت دو۔ اسما!

اسما : (سنٹے چمٹے) بھائی جان! میں کیا کروں؟ مجھ سے چیخیں ۔۔۔۔۔ !

(بچگی بدصورتی ہے)

آسن : (آہستہ سے) تم دور رہی ہو۔ تمہاری آواز سے صغیر جاگ جائیں گی۔ آج تین رات اور تین دن بعد ان کی خدمت
آنکھوں سے ہے۔

اسما : (اپنے کولہاٹے چمٹے) میری آنکھوں میں آنسو امانڈ سے چلے آتے ہیں۔

(کچھ لمحے بعد)

احسن : تم ایک بار دل کھول کر دو۔ جو کچھ تم محسوس کرتی ہو۔ جو کچھ تمہارے دل میں چھب رہا ہے۔ جو کچھ تم نے اپنے سینے کو گھونٹ رکھا ہے۔ وہ سب کہہ دو۔

اسما : میں صفر بھائی کے ساتھ صر کیوں نہ گئی — میں اب کیوں زندہ ہوں — اللہ! آپ مجھے زیر لا بیٹھیے۔

احسن : کتنی جاؤ جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالو۔

اسما : جب میں سکھنے میرا ہاتھ پکڑ گھسیٹا تو آپ نے میرا گلہ کیوں نہ گھونٹ دیا۔ آپ نے صفر بھائی کو سامنے کیوں نہ لے دیا۔ آپ نے انہیں روکا کیوں نہیں۔ میں مر جاتی۔ آپ نے ان کی جان کیوں ضائع ہونے دی

————— بتائیے! بتائیے!

احسن : (خاموشی کے بعد) تم کتنی جاؤ۔

اسما : میں اب شادی نہیں کروں گی۔ میری زندگی بیکار ہے — طرین پر حملہ ہوا۔ اتنے مسلمان مرد عورتیں پتے مے۔ مجھے کیوں نہ موت آگئی؟

احسن : (انگلی سے خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے) صنفیہ جاگ جائیں گی!

اسما : (آہستہ سے) مجھے رومی کے سیلاب میں ڈبو بیٹھیے۔ میں اب زندہ رہنا نہیں چاہتی۔

احسن : (اسما کو اٹھکے پکڑ لٹھکتے ہوئے) چلو۔ باہر چلو۔ ایک دفعہ دل کھول کر دو۔ پھر نہیں مبرا آجائے گا۔

————— چلو ————— اٹھو ————— چلو باہر چلو ————— یہاں دو گی

توصیف کی آنکھ کھلی جانے گی۔ آج اتنے دن تو ان کی آنکھ لگی ہے چلو باہر چلو۔

یا احسن ہسما کو نشان کشاں! میں جانب! ہرے جا آجے۔ باہر سے

ہمارا کہہ دینے کی آواز آرہی ہے۔ صنفیہ سوتے سوتے پھر ٹر جاتی ہے

اور ایک خوفزدہ آواز اس کے منہ سے نکلتی ہے احسن سب کا سب کا

بکسے جس آج ہے اور صنفیہ کے پاس فرخیں پر کڑوں ٹیٹھا آج ہے۔

حب دیکھتا ہے اور صغیر کی سینہ میں ٹوٹی اور بے خبر موری ہے۔
 تو نہڑے کو گھسیٹ کر ٹھیکہ جاتا ہے۔ ایشیا جانب سے آئی جان
 آتی ہیں کھلی ہوئی بے مدعا اطمینان کے، انہیں جھٹک کر پھینک دیتے ہیں۔
 بے جان بے رنگ۔ تروتقیل چہرہ جیسے بیخوشی کے شکر سے ڈھالی
 گئی ہو۔ لباس بے حد میلا ہے۔ اسی جان ایک نظر صغیر اور صغیر کو
 دیکھتے ہیں اور پھر جن کئے ہیں غالی ہیں (

امی جان : (آہستہ سے) اہماد بہت دور ہے ۔

آسن : ایک بار دل کھول کر دوسے تو شاید فرار آجائے ۔

امی جان : اب کیا متار آئے گا ۔ امی جان بیکان لہری ہے ۔

آسن : بے صغیر ہائی سے نہ ہوش بخت تھی ۔ اب یہ ایک شریف لڑکی کو بوجھتی ہے ۔ اس نے اپنی آنکھوں سے صغیر کو
 ساموں کے اتموں قتل ہوتے دیکھا ہے ۔ وہ منظر اس کی نظروں سے کیسے اچھا ہر کشتا ہے ۔ وہ اگر روٹی ہے
 تو ایسے کیسے روکے ؟

امی جان : صغیر میرا بیٹا تھا ۔ لیکن بیڑی تو آنکھوں سے آنسو سوکھ گئے ہیں میں اب اس کی شہادت بردہ لیتی نہیں ہوں ۔

آسن : اللہ آپ کو صبر الیوب عطا فرمائے

امی جان : ڈاکٹر نے آج صغیر اور صغیر کو بچھ کر لیا کیا ؟ مجھے سچ سچ بتا دو !

آسن : اب سچ کو نیا وہ دن چھپا ایسی نہ جاسکے گا ۔

امی جان : تو بتا دو نا مجھے ۔

آسن : ڈرین پر چھلے کا مٹھی کے ذہن پر بندہ اثر ہوا ہے ۔ دل کی حالت بہت اذک ہے ۔ اگر آج رات نہیں بندہ

آئی اور گھبراہٹ کا ہی عالم رہا ۔ تو بہت خطر ہے کہ دل کی حرکت بند نہ جاسکے ۔

امی جان : (اناجوشی کے بعد) جو اللہ کو تعلقو سو (ٹیٹہ اسانس بھرتی ہے) صغیر سے لڑیں پی ۔ تم نے اسے پھول کی

طرح دکھا ۔ وہ یہ مصیبت کیسے برداشت کر سکتی ہے ۔ اس کا دل تو حباب جیسا ہے ۔

حسن : صبر کھیٹے چھی جان اپنے کو نعمتے دین اکھنیر پراپکی پریشانی خاطر نہ ہو۔ وہ ادگر گھرائیں گی نہیں تو۔
 امی جان : اللہ صبر دے گا تمہیں بھی مجھے بھی۔

حسن : چھی جان ہمیرنی زندگی بر باد ہو گئی۔ ایک تاجر اپنی دکان زندگی سے زیادہ عزیز مورتی ہے۔ میری دکان لٹ گئی
 آپ نو پو چھیے کر میرے دل کا کیا حال ہوا۔ میری زندگی میں اب کوئی آسٹوگی۔ کوئی چین۔ کوئی آرام باقی نہیں رہا
 مجھے اپنی اس بادی کا آنا افسوس نہیں۔ افسوس اس کا ہے کہ اب صفیہ بھی مجھے چھو کر چلی جائیں گی۔ اس کے بعد
 میری زندگی میں کیا رہ جائے گا۔

امی جان : (خاموشی کے بعد) صفیہ کا دل بہت نازک ہے۔ اس مصیبت سے جس قدر جلد چھٹکارا ملے۔ اچھا ہے۔
 میری تو یہی دعا ہے کہ اللہ اسے اب جلدی اللہ لے۔

حسن : (خاموشی کے بعد) آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ صفیہ کو بہت تکلیف ہے۔
 امی جان : اصغر خوش قسمت تھا جو پیسے ہی مر گیا۔ ایک قیامت ٹوٹی تھی۔ جب ٹرین۔ بیاکس پل کے پاس شام کے
 اندر سے میں رکی۔ اور سکھوں اور ہندوؤں نے حملہ کیا۔ چار گھنٹے سنا آواز۔ اب میں سوچتی ہوں
 اصغر خوش قسمت تھا۔

حسن : وہ بھی جگہ چسلا گیا۔

(صفیہ نیند میں بھر خوف سے جھنجھی ہے۔ حسن جلدی سے صفیہ کے ہلکے

کے پاس جاتا ہے۔ تمی جان بھی صفیہ کے پاس جاتی ہیں۔)

امی جان : نیند میں خوف سے چونک پڑتی ہے۔

حسن : ڈاکٹر نے صفیہ کو آدھا دیا ہے۔ تو ذرا غفلت ہو گئی ہے لیکن رانا سے خوف اور درشت دوزخیں ہو گئی۔
 تھوڑی تھوڑی دیر لیبہ غفلت میں میں خوفزدہ ہو کر چھٹی ہیں۔ آج کمزوری اور تقاربت میں بہت زیادہ ہو گئی ہے۔

امی جان : صفیہ سو رہی ہے۔ کتنی دیر سے ؟

حسن : کوئی دو گھنٹے سے کمزوری بہت زیادہ ہے اور جسم اندر سے بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔

امی جان : ڈاکٹر نے صفیہ کو کیا مرض تشخیص کیا ہے ؟

احسن : وہ جلدی آجائیں گے۔ آج پناہ گزینوں کی ایک ٹرین دہلی سے لاہور پہنچنے والی ہے۔ اکبر بھائی دیکھنے گئے ہیں۔
مکان بے چھا جان آج اس ٹرین سے لاہور پہنچ جائیں۔

رضیہ : (کھانٹتے ہوئے) میں ڈرتی ہوں۔ آجا جان اس کبھی نہیں آئیں گے وہ دہلی نہیں چھوڑیں گے۔ آجا جان کو آنا ہوتا
تو وہ ہمارے ساتھ ہی آجاتے۔

احسن : تم اپنی طبیعت پریشان مت کرو۔ تم یہ تو سوچو کہ چھا جان جمعہ کی نماز ادا کرنے گئے تھے۔ نماز میں دیر ہو گئی۔
اور ماروی ٹرین حضرت نظام الدین اولیاء کے اسٹیشن سے چل پڑی۔ وہ پچھارے دہلی ہی رہ گئے۔ ان کی
شفقت ہم تکبے لیے بے تاب ہوگی۔ تم دیکھنا وہ بہت جلد ہمارے پاس آجائیں گے۔

رضیہ : مجھے یقین نہیں آتا۔ لیکن بے ہم میں تہی کشش نہ ہو۔ ممکن ہے انہیں اپنے بزرگوں کی طبیعت سے زیادہ عزیز ہو۔
اور وہ دہلی نہ چھوڑیں۔

احسن : تم خیال دل سے نکال دو۔ چھا جان ضرور آئیں گے۔

(رضیہ کھانستی ہے)

رضیہ : آج بھائی جان مجھے اپنے ساتھ حاضرین کے کیمپ بھی نہیں سے گئے۔ وہاں ہم سے بھی زیادہ مصیبت زدہ
ہو جا رہے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں پیدل چلتے پہنچے ہیں۔ اس طرح کہ نہ بیٹے کو یا بی بی کو اور نہ کھانے کو کوئی
چیز۔ ان کو دیکھ کر کوئی کیسے گھر میں ٹھہرنا ان سے ٹھیکہ نہ دے سکتا ہے۔ میں پتنگ پڑی ہوں تو ان معصوم بچوں
اور عذراء عورتوں کی صورتیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں (کھانستی ہے) مجھ سے اور کبھی نہیں ہو سکتا تو ان
کے خط لکھتے ہیں ہوں ان کی خرد توں کی چیزیں کیمپ کے کارکنوں سے مانگ مانگ کر لاتی ہیں۔

احسن : کل کیمپ چلی جانا۔ آج آرام کرو۔

رضیہ : نہ معلوم میں کس قدر تھکتی ہوں۔ کیوں جاتی ہوں۔ یہ کھانسی پھری جان نکالے تھی ہے۔

احسن : تم لمبی دیر کی تو کھانسی زیادہ نہیں اٹھے گی۔

رضیہ : (ریٹ جاتی ہے) مجھے صغیر بھائی بہت یاد آتے ہیں۔ انہیں پاکستان لانے کی کسب پٹ لگ گئی تھی۔ دہلی کے
مسلمانوں کے قتل عام کے بعد مسلمان ہونے کا جذبہ۔ ان میں کس قدر بھرا آیتنا ————— کیسا

اچھا دل تھا جو اپنی فسوس بکرتکوں کے بچے سے پھڑپھڑاتے شہید ہو گیا۔

آسن : رضیہ بن تم سب کو آڈا لٹس ہر مہر کی تعین کرنی تھیں۔ اب تم ہی ایسی باتیں کرو گی تو پھر سب کا کیا حال ہو گا؟
رضیہ : جب اپنے لاکھور سنبھنے کا منظر آدا ہے اور مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھری ٹرین، آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو میں سوچتی ہوں موت اس منظر سے بہت بہتر ہے۔

(صغیر کی مہ سے اٹھ بیٹھتی ہے۔ رنگ بالکل سوکھ گیا ہے۔ اور
گادوں کے گڑھے بہت نمایاں ہیں۔ گردن میں بہت تپتی ہوئی گولی ہے اس
دقت سے نمایاں بھیڑی ہوئی آنکھیں ہیں جن کی سیاہ بڑی بڑی
پتلیاں درخت سے خلائیں گھوم رہی ہیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقو
نے آنکھوں کو اور میں زیادہ ڈراؤنا بنا دیا ہے۔)

صغیر : (بیچھارتی ہے) وہ دیکھو۔ کچھ تو اسے مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ — ہے ہے ہے کتنا سارا
خون! (آسن اور رضیہ دونوں لپک کر صغیر کے پاس پہنچتی ہیں) اس مرد کے پیٹ میں سے ساری اینٹیں نکل پڑیں
ہیں کاسرٹ گیا۔ — اسے کوئی روکوان کو — یہ تواریں ایسے ہماری
موت آ رہے ہیں — اسے دکو — دکو —
(ایک بیچھارتی ہے اور اندھا اندھا کر کے بڑھاتی ہے)

رضیہ : منہ پر پھڑکنے کو میں پانی لاتی ہوں۔

(رضیہ طلبی سے دائیں جانب باہر جاتی ہے اور گلاس میں پانی لے کر
بھاگ واپس آتی ہے۔ ہوا میں بچھے بچھے آتی ہے)

رضیہ : لیئے منہ پر پانی چھڑکئے۔

آکام : سبابی جان کر ڈٹ لیں ہیں سجت لٹا دیئے۔

آسن : اچھا!

(صغیر کو چت لٹا دیتے ہیں۔ منہ پر پانی چھڑکئے ہیں۔ —)

(کھانسی ہے)

احسن : (صفیقہ کے مزید پانی چھڑک کر مرثا یا کرتے ہیں) صفیقہ! صفیقہ!!

صفیقہ : (اُپرستے سے) کون؟

احسن : میں ہوں احسن۔ میری طرف دیکھو صفیقہ۔ ————— صفیقہ!!

صفیقہ : ہمارے کپارنٹ کی چھت پر کون چل رہا ہے؟

احسن : کئی نہیں صفیقہ۔ یہ لو گھر ہے۔ ٹرین نہیں۔

رضیقہ : آپا جان!

(دونوں ہانوں میں صفیقہ کو بھینس لیتی ہے)

صفیقہ : مجھے مضبوط پکڑ لو ————— مضبوط ————— مجھے چھوڑا نہیں۔

رضیقہ : آپ گھبرائیے نہیں۔ میں نہیں چھوڑوں گی۔

(صفیقہ زار و قطار دوڑ رہی ہے)

رضیقہ : انہیں تھوڑا سا پانی پلائیے۔

احسن : پانی تو صفیقہ۔

(پانی دیتا ہے)

(صفیقہ پانی پیتی ہے۔ رضیقہ پانی میں دوڑ بھگڑ کر ملنے پر رکھتی ہے)

صفیقہ : میرا سر درد سے پشما جا رہا ہے۔

رضیقہ : میں سر دباتی ہوں۔ آپ لیٹ جائیے۔

(رضیقہ سر داتی ہے۔ جن پیر داتا ہے۔ آس حان دائیں جانب آتی ہیں)

امی جان : اُپرستے سے (صفیقہ کو پھر دوڑ پڑا؟

احسن : جی ہاں!

امی جان : اللہ ہی حافظ ہے۔

احسن : اللہ سے دعا کیجئے

امی جان : آج کل دھائیوں میں عرضش تک نہیں پہنچتی (کچھ دیر خاطرش کے بعد) ابھی تک اکبر مایاں واپس نہیں آئے۔
عبدالنیم کو لے کر بازار گیا تھا وہ بھی واپس نہیں ٹوٹا۔

احسن : دیر ہو گئی ہوگی۔ واپس آجائیں گے۔

امی جان : سہما اور بیٹی مل رہی ہے۔

رضیہ : ابھی اپا جان نے ہسٹریکائی کا نام لے کر غریب کا زخم بھرا کر دیا۔

امی جان : خدا خیر کرے۔

رضیہ : امی جان۔ آپ اپا جان کا سر دبا لیں۔ میں گھر کا کام کرتی ہوں۔

امی جان : نہیں۔ تم یہاں رہو۔ میں کام کر رہی ہوں۔

رضیہ : (رونگھی ہو کر) امی جان ! آپ دن بھر خادموں کی طرح کام کرتی رہتی ہیں اور مجھے ماتھ بھی نہیں بتانے

دیتیں۔ جتنے عرصہ آپ کو پہنچے ہیں۔ کوئی دوسرا مفقود ہے حال ہو جائے۔

امی جان : اللہ نے مجھے صبر دیا ہے۔

رضیہ : لیکن آپ اس قدر کام تو نہ کیجئے۔ آپ بیٹھے یہاں۔ میں جاتی ہوں کام کرنے

امی جان : نہیں تم نہیں بیٹھو۔

احسن : رضیہ بہن ! تم ہی امی جان کی بات مان لو۔

(رضیہ کھالتی ہے۔ امی جان چلی جاتی ہیں۔ رضیہ صغیر کا سر دباتی ہے۔)

اور احسن پیر سہلا ہے۔ عبدالنیم ہے۔ گود میں نیلم ہے۔ نیلم بہت

بدلی ہو گئی ہے۔

نیلم : امی جان ! امی جان !!

احسن : (خاطرش کا اشارہ کرتے ہوئے۔ جلدی سے نیلم کو اپنی گود میں لیتا ہے) اشٹی۔ چپ ٹال۔ تمہاری امی جان

موتی ہیں۔

صفیہ : (اڑتے سے) نیلم !

احسن : نیلم عبدل کے ساتھ بازار کی سیر کر کے واپس آگئی۔ یہ دیکھو۔

(نیلم کو صفیہ کے پاس سے جاتا ہے)

صفیہ : میرے پاس بٹھا دو۔

احسن : تم حضورؐ کی دیر آرام کر لو۔ نیلم کو میں یہ بے بیجا ہوں تم طلبستان رکھو (نیلم کو پارکرتا ہے) نیلم بہت بیاری لڑکی ہے۔

عبدل : ایگم صاحب کی طبیعت کیسی ہے حضور؟

رضیہ : ویسی ہی ہے۔ جیسے پہلے تھی۔

عبدل : خدا جلدی شفا دے۔

رضیہ : لاہد کی کیا خبریں ہیں؟

عبدل : کیا باتوں حضور۔ سارے شہر میں سننی بھلا ہوئی ہے۔ اور مسلمان غصہ سے بھرے ہوئے ہیں۔

رضیہ : کیوں کیا بُرا؟ خیر تو ہے؟

عبدل : مسلمان ماجرہ کی ایک ٹرین درمی سے آرہی تھی۔ وہیں ساٹھ تین ہزار کے قریب مسلمان تھے۔ جب وہ ٹرین یہاں پہنچی تو اس میں مشکل سے ڈھائی سو مسلمان زندہ بچے تھے۔

رضیہ : (اڑکی چیخ) تم سچ کہہ رہے ہو عبدل؟

نیلم : اباجانی! آج تو تم نے بہت خون دیکھا — اتنے ملے آدمی۔

احسن : (منہ کرتے ہوئے) ایسی باتیں نہیں — تم آج اپنی گریا سے نہیں کھلیں؟

نیلم : میں عبدل کے ساتھ گئی تھی ہم نے اسپتال میں دیکھا۔ جہاں گاڑی آتی رہے۔

(رضیہ کھانستی ہے)

عبدل : حضورؐ نے انہوں کو کھول دیا ہے۔ میرا بس چلے تو ایک ہندو اور ایک سکھ کو زندہ دھچھڑوں۔ نکالوں نے

کیسی بے دردی سے مسلمان بچوں اور عورتوں کو قتل کیا ہے۔

ضیہ : یہ سب مجھے مت بتائیے۔

(منہ چھپا لیتی ہے)

عبدل : میں نے باناس سے سامان لادیا ہے۔ میں اب باہر جا رہا ہوں۔ اگر رات کو واپس نہ آؤں تو انتظار نہ کیجئے گا۔

احسن : تم کہاں جا رہے ہو؟

عبدل : میں مسلمانوں کے خون بدلوں گا۔

احسن : (اٹھ کر آتا ہے کہ عبدل کو دروزن شانوں کو کپڑا لپیٹتا ہے) نہیں عبدل! تم میری بات انوار غصہ ٹھوک دو۔ یہ وقت

بدلو لینے کا نہیں ہے اور نہ اس طرح بدلو لیا جاسکتا ہے۔ نئے انسانوں کو ہارنا کوئی بہادری نہیں ہے۔ اگر سکھا دو

ہندو نئے مسلمان عورتوں اور بچوں کو قتل کرتے ہیں۔ تو اس کا بدلہ یہ نہیں ہے۔ کہ تم بھی نئے ہندوؤں اور کتھوں

کو ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرو۔ ایسا کہنا مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

عبدل : مجھ سے اب اور دیکھا نہیں جاتا۔

احسن : تم سسٹین نہ جایا کرو۔

عبدل : حضور! آپ تو مجھے کسی بات کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ بغیر پیسے دیئے کوئی چیز نہیں لیتے دیتے۔ چاہے وہ

کسی عمدی کمال کیوں نہ ہو۔ ہمارا گھبراہٹ میں لٹ گیا۔ سارا ازلیہ جسم پر سے سکھوں نے تھوڑا کر پانی

دکھا کر پھین لیا۔ اب ہم یہاں مرجیڑ کو محتاج ہیں۔ یہاں ہندوؤں کے بھرے گھر ٹپے ہیں۔ آپ ایک چھری بھی

اٹھا کر لانے نہیں دیتے۔

رضیہ : اب ہم ان سب چیزوں کے بغیر بھی رہ سکتے ہیں عبدل۔

(دائیں جانب باہر سے آئی جان عبدل کو آواز دیتی ہیں)

آئی جان : (آواز) عبدل! ..

عبدل : آیا حضور!

(دائیں جانب باہر چلا جاتا ہے)

رضیہ : (کھانسی کر) امی صحتی رہتی ہوں کہ لاکھوں مسلمان جو ہندوستان سے پاکستان میں نادار کی حالت میں

آ رہے ہیں۔ کیسے وہ بارہ آبادیوں گئے؟ کہاں اور کیسے پھر رہنا گھر بنائیں گے۔ معاش کا کیا بندوبست کریں گے؟
 ————— سو دو سو نہیں ————— لاکھوں مسلمان۔ عورتیں۔ بوڑھے۔ بچے ایسے ہی جن کا دم لہرا
 رہے۔ ایسے ہی جو اپنی زندگی سے سبزا مر گئے ہیں۔ ایسے ہی جو اب زندگی کی کش مکش کی آہ نہیں رکھتے۔ ایسے ہی
 جن میں امید کمر نہیں رہی۔ ایسے ہی جن کا دنیا میں کوئی اپنا نہیں رہا۔
 احسن : اللہ مالک ہے۔

(دائیں جانب سے ہی جان آتی ہیں)

امی جان : جھول چکا گیا ہے۔ کہہ گیا ہے اگر رات کو نہ اُسے تو انتظار نہ کروں۔
 رضیہ : اچھا!

امی جان : یہ کہاں گیا ہے؟ کچھ معلوم ہے؟

احسن : (اٹلتے ہوئے) آجائے گا۔ کچھ کام ہو گا ————— بازار کا کچھ کام ہو تو مجھے بتا دیجئے گا۔ میں
 کر دوں گا۔

امی جان : نہیں۔ ابھی تو کوئی کام نہیں (نیلیم سے) نیلیم! جیلو باہر چلو۔ اپنی سہارا پھیر بیٹے کے پاس۔ دیکھو وہ باہر
 بیٹھی دور رہی ہیں۔ جا کر نہیں منانا۔ چلو۔
 احسن : ہاں جاؤ نیلیم۔

امی جان : چلو۔

(نیلیم کی انگلی پکڑ کر چلتی ہیں)

نیلیم : اجاتے ہوئے آواز دیتی ہے (سہارا پھیر بھی ————— سہارا پھیر بھی !

(نیلیم اور امی جان دائیں جانب سے باہر چلی جاتی ہیں۔ کچھ دیر بعد

رضیہ بونٹے لگتی ہے)

احسن : تم دور رہی ہو۔ رضیہ ہیں!

رضیہ : میں پانی پی آؤں۔ ابھی آتی ہوں۔

حسن دائیں جانب سے باہر جاتا ہے اور گلاس میں پانی لے کر
دائیں آتا ہے)

حسن : لیٹھے پانی !

رضیہ : (اے کر) شکریہ .

(پانی پیتی ہے)

(چند لمحے خاموشی)

رضیہ : (کھانجے ہوئے) ابا جان . وہی میں اکیلے ہیں . اس عمر میں بے آسرا رہ جانا کس قدر تکلیف دہ ہوگا . ان کی
شفقت کسی لپٹے کو ڈھونڈتی سپرتی ہوگی . ان کے کانوں میں ہمدردی آوازیں گونجتی ہوں گی . ہمدردی صحت میں ان کی
نفلوں کے سامنے ہوگی . اودہم ان سے اتنی دور ہیں . یہ ناصلا دنیا میں سب سے طویل ناصلا ہے .

حسن : بڑی عمر میں ضد بڑھ جاتی ہے . بغض ضد ہو گئی تھی . کہ وہی نہیں چھوڑوں گا .

رضیہ : لیکن انہوں نے وعدہ بھی تو کر لیا تھا لاہور آنے کا .

حسن : انہوں نے اپنی زبان سے تو کبھی استرا رکھا .

رضیہ : ہم ہی وہی سے نہ چلتے .

حسن : جو ہو چکا . اس کے متعلق سرچنا بے سود ہے . اب دعا کرو کہ لاہور آجائیں .

رضیہ : (کھانستی ہے) بھائی جان ابھی تک واپس نہیں آئے .

حسن : کہیں کے آنے کی آواز تو آئی ہے بھی ابھی .

(دائیں جانب سے اکبر داخل ہوتا ہے لباس مہلا ہے اور حال)

پیشاب چہرہ کسی نازہ عمر میں اتم کر رہا ہے . گردن کھلی ہوئی ہے

(نظر اٹھ نہیں رہی)

رضیہ : آپ آگے بھائی جان . (اٹھ کر اکبر سے لپٹ جاتی ہے) ابا جان کی کوئی خبر معلوم ہوئی ؟

اکبر : وہ نہیں آئے .

رضیہ : (منت کرتے ہوئے) اچھے بھائی جان۔ بروی بات بتائیے۔

اکبر : (اُتارے ہوئے) ارے بھائی۔ وہ نہیں آئے۔

رضیہ : کب آئیں گے، یہ بھی معلوم ہوا، کس طرح ہیں؟ کہاں ہیں؟

اکبر : (اپنے کو چھڑاتے ہوئے) تم اہلسنمان سے ٹھیکر تو۔

رضیہ : (اپنے ہانگ برآٹھیجی ہے) بتائیے۔

اکبر : (اتو قفسے بعد) اباجان دہلی میں ہیں۔ پرانے قلعہ سے سب مسلمان واپس شہر گئے تو اباجان بھی شہر کے

اپنے آہائی مکان میں جسے کہ ای ریٹے رکھا تھا جا کر رہ گئے۔

رضیہ : ان کی طبیعت کیسی ہے؟ مجھے بتائیے تو! مجھے بتا کیوں نہیں دیتے؟

اکبر : ممان سے جسے آئے کے بعد تنہائی نے انہیں بہت پریشان کیا۔ رات کو نیند نہ آئی۔ ستر لٹے تو اپنے تختے کی حالت

دیکھ کر بہت منوم ہوئے۔ مکان پرانے مکان چھوڑ کر چلے گئے رختے۔ کھلی ہیں کوسے اور گنہ گری کے ڈھیر لگے تھے

مجلسنمان پڑا تھا۔ اباجان دن رات روتے تھے۔

رضیہ : جہاں آپ کو کیسے معلوم ہوا۔

اکبر : میرے ایک ملاقاتی کل ہوائی جہاز سے لاہور آئے ہیں ان سے معلوم ہوا۔

رضیہ : کچھ اور بھی بتایا انہوں نے؟

اکبر : اباجان کو سخت پیمیش ہو گئی ہے۔ ان ممان نے اباجان سے بہت کہا کہ لاہور چھوڑے۔ لیکن وہ نہ آئے۔

رضیہ : مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اباجان اب کبھی ہمارے پاس نہیں آئیں گے۔ ہم کبھی ان کی صورت نہ دیکھ سکیں گے۔

(روتی ہے)

اکبر : دہلی کے مسلمان۔ دہلی چھوڑ بھڑ کر پاکستان آئے ہیں۔

رضیہ : (راتے ہوئے) لیکن اباجان دہلی نہیں چھوڑیں گے۔

اکبر : رضیہ! مجھے ایک گلاس پلٹی پلا دینا۔

رضیہ : (آنسو پونچھتے ہوئے جاتی ہے) اچھا بھائی جان۔

اکبر : (آہستہ سے) احسن بھائی۔ اباجان کا درجہ میں انتقال ہو گیا ہے مجھ میں تو تاب نہیں کہ ان مصیبتوں کو تباہیوں کو ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ — احسن بھائی —
(آنکھوں سے آنسو بہتے تھے)

احسن : انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اکبر : ہم میں تو ہی کشش نہ تھی جو اباجان کو پاکستان کھینچ لاتی۔ انہیں دہلی کی مٹی ہم سے زیادہ عزیز تھی۔
احسن : آپ آنسو پونھیے بھائی جان! رضیہ آ رہی ہے۔
(رضیہ گلاس میں پانی لیے دائیں جانب سے آتی ہے)

رضیہ : لیجئے بھائی جان۔

اکبر : اٹھنا سانس لے کر! اللہ!

(بہی جان دائیں جانب سے داخل ہوتی ہیں)

امی جان : اکبر مہاں! تمہارے اباجان کی کچھ خبر ملی؟

اکبر : (عام لہجے میں) جی ہاں! امی جان۔ اباجان دہلی میں ہیں اور صوبہ لاہور آجائیں گے۔
امی جان : اللہ مالک سحر۔ اٹھنا سانس لے کر! مجھے ہتھیلیں کراہ دو بارہ نہیں دیکھ سکوں گی۔
(امی جان باہر چل جاتی ہیں رضیہ بھی گلاس لٹکتے باہر چل جاتی ہیں)

اکبر : امی جان کو کیا ہو گیا ہے۔

احسن : بالکل سن ہو گئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غم اتنا کھا گیا ہے کہ اب غم ان میں حلول کر گیا ہے جسم کا عابدانہ ہمارا تم ہو گیا ہے۔ آنکھوں میں آنسو نہیں آتے۔ بالکل خاموش رہتی ہیں۔ نہ دہلی کا نام ان کی زبان پر آتا ہے نہ دہلی کی کسی چیز کا ذکر کرتی ہیں۔ یہ سچا جان کی طرف سے بریشیانی کا ٹھوس راکر تھی اور نہ منہ زخم کے لیے یہ کبھی مین کرتی ہیں۔ رضیہ کو تب دن کا نوڈی مرض کھلے جا رہا ہے صفیہ چند گھنٹوں کی چھان ہے۔ لیکن امی جان بالکل خاموش ہیں۔ جیسے ان کے حساب سن ہو گئے ہیں۔

اکبر : خدا خیر کرے۔ امی جان کا یوں غم شہم رہنا ایسا نہیں۔ ان کے سر پر غم کا طوفان ٹوٹ پڑا ہے (چند لمحے

سوچتا ہے! میں سوچتا ہوں اب ہماری زندگی کیسے بسر ہوگی؟ صنفیکہ یہ حالت ہے۔ رضیہ دق کی مریض! ہمارا
کی آنکھ سے آنسوؤں کی بھڑکی لگی ہے، امی جان غصے بالکل بے اداس ہیں۔ جو لفظ ہمارے پاس عقادہ ختم
زور داتا ہے۔ یہاں گرائی روز بروز بڑھ رہی ہے، ہمارا کا خرچ ہے۔ تیمارداری کے لیے تمہارا لنگر پر دہننا
ضروری ہے۔ میری سبھی میں نہیں آتا کہ روزی کا کیا بندوبست کروں؟

۱ صنفیکہ میں غم سے صحبتی ہے۔ چند لمحے بعد رضیہ کھانسی ہوئی

دائیں جانب سے آند آتی ہے)

حسن : بھائی جان! میں تو صنفیکہ کی اس حالت کو دیکھ نہیں سکتا۔ مجھے اپنے ندکی میں کوئی لمبھی سپر اور نہ اتنی سکت
ہے کہ پھر سے کوئی کاروبار کر سکوں۔

اکبر : بیٹے اپنی عمر کتابوں کی دنیا میں بسر کی ہے لیکن اب میری طبیعت نہیں چاہتی کہ کسی کتاب کو ہاتھ بھی
لگاؤں۔ اتنا مطالعہ۔ اتنی جستجو اور سفر و پاشمی کے بعد اب اور دیدہ ریزی کی تاب نہیں۔ کوئی اور کام آتا
نہیں جو کر سکوں۔

رضیہ : بھائی جان! آپ فکر نہ کیجئے۔ آپا جان چھی ہو جائیں تو میں لڑکیوں یا بچوں کے کسی اسکول میں استانی کی نوکری
کروں گی۔ اب ہماری ضرورتیں ہی زیادہ نہیں ہیں۔ ہم آسانی سے گزارہ کر لیں گے۔

اکبر : تم میں بہت ہے رضیہ؟

رضیہ : جی ہاں! — اچھا آپ ذرا منہ لا تھو دھو لیجئے۔ دن بھر کی تنگی دور ہو جائے گی۔

اکبر : (اٹھتا ہے) میں ننگ بھی گیا ہوں۔

(اکبر اور رضیہ دونوں دائیں جانب باہر جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد

صنفیکہ آئیں کھولتی ہے)

صنفیکہ : (آہستہ سے) آپ کہاں ہیں؟

حسن : (پک کر صنفیکہ کے پاس پہنچتا ہے) میں یہاں بیٹھا ہوں۔ تمہارے پاس۔ اور دھڑکھو۔

صنفیکہ : نہ معلوم میں کہاں بھٹکتی پھرتی ہوں۔ میں پریشان ہو جاتی ہوں۔

حسن : لو۔ تھوڑی دیر لکھ لکھو۔

صفیہ : اچھا۔

حسن : (صفیہ کو سارا دے کر بھا دیتا ہے اور خود سر ہانے اٹھتا ہے) تم اپنا سر میرے نکالو۔

صفیہ : ہاں! (سر لگا کر آنکھیں بند کر لیتی ہے) تمہارے دل کی حرکت مجھے سنائی دے رہی ہے۔

حسن : (مسکرا کر) اچھا بناؤ تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟

صفیہ : (مسکرا کر) وہی جو پہلے کہا کرتا تھا۔

حسن : (آہستہ سے) تم میری ہو۔

صفیہ : ہاں! (اپنا رخسار حسن کے سینے سے لگا دیتی ہے اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگتی ہے) تم کتنے اچھے ہو؟

حسن : تم آنکھیں بند کر لو۔ میں تمہارے بال انگلیوں سے سنوارا ہوں، نرم نرم، چمکیے بالوں کی جیسی رنگیاں ایسا

معلوم ہوگا کہ ہلکی ہلکی گھمبیریں صبح کے سورج کی کرنیں، ہلکی ہلکی گرم گرم، تم آنکھیں بند کئے کوئی خوبصورت سا

خیال اپناتی ہو۔ ————— کوئی بہت ہی خوبصورت خیال ————— جیسے تم بے داغ رنگ ناز

کے حوض کے پاس بیٹھی ہو۔ حوض میں کنول کھلے ہوئے ہیں۔ ————— سفید ————— گلابی —————

اور ان کے گول گول پودے سبز پتوں پر پانی کے قطرے ہیرے کی طرح چمک رہے ہیں۔ ان پھولوں کے درمیان

راج ہنس، پنہ شفا، سفید پیر پھلانے تیر رہے ہیں ————— ایک دوسرے کے پیچھے ہیں پتے کے

اِس سے گذرے اور اس پھول کا طواف کیا ————— پیچھے پانی کی سطح پر سلوٹس انگلیں ————— تم نے

بکھیل کے دو دانے پانی میں ڈالے ————— راج ہنس ایک دوسرے کے پیچھے تیزی سے دوڑتے آئے۔

خاموش ————— بے آواز ————— ٹبک تھامی کے ساتھ ————— تمہارے بالکل پاس آگئے

بالکل پاس ————— ان کے سفید پیر ————— نرم اور صاف ————— جیسے آسمان پر سفید ابل تیرتے

ہوں ————— سفید گہرے نیلے آسمان پر ————— اس گرد آلود زمین سے بہت اُدپر۔

(خاموش ہو جاتا ہے)

صفیہ : (چند لمحے بعد) تم خاموش کیوں ہو گئے۔ کہتے جاؤ۔ نہیں تو یہ بلسا ٹوٹ جائے گا۔

آسن : تم خود بھی تو حسین خراب دیکھنے کی کوشش کرو۔

صفیہ : اب تو حسین خراب بھی بمیانک نظر آتے ہیں کبھی میں نہ جہاں اور دماغ محل کے خراب دیکھا کرتی تھی۔ لیکن اب — خراب نہ مگر سے زیادہ بھیا نکہ ۔ ڈراؤنے ۔

آسن : تم اسٹیل میں ٹھیکہ لگایا ہے۔ اسے نکال دو۔ اب تم پاکستان میں ہو۔ یہاں نہ سمجھ تمہاری طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھ گئے ہیں۔ اور نہ ہنس دو۔ تم اپنے دل سے ڈر نکال دو۔

صفیہ : میں خود اپنے کو بہت سمجھاتی ہوں۔

آسن : تم بالکل بھی ہو۔ اب مت گھبرا کر دو۔

صفیہ : نہیں کیا کروں : مجھے اپنے پر قابو نہیں رہتا۔ میری نظر کے سامنے سمجھ اپنی عینیں اٹکیں اور نیکی تواریں چمکاتے پرتے ہیں۔ (کانپ کر) مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

(ایک ہلکی سی چیخ مارتی ہے اور دماغ نڈھا کر پڑ جاتی ہے)

(نیلم بوری ہے اور بھاگی بھاگی دائیں جانب سے اندر آتی ہے)

نیلم : آیا میاں : نانی جان کو کیا ہو گیا ہے ؟ — نانی جان !

(اسما مدخل ہوتی نیلم کے پیچھے پیچھے دائیں جانب سے آتی ہے)

اسما : نیلم اڈ میری گود میں۔ تمہاری امی جان جاگ جائیں گی۔

(نیلم گود میں سے کراہ کر منہ اٹھتے سے ڈھانک لیتی ہے کہ آواز غیب زد ہو)

آسن : (گھبرا کر) کیا ہوا : جی جان کو ؟

اسما : (ہلکتے ہوئے۔ باہر جاتے ہوئے)

آسن : یا اللہ !

(گھبرا کر بھاگتا ہے اسما ہمارے پیچھے دائیں جانب سے باہر جاتا ہے صنیعہ کے زیر اہلی)

چہ وہ ایک بار اٹھ ٹھیکتی ہے اور خوف سے پیٹھی تھری انگٹوں سے مدد کر لئی بمیانک

تلفظ رکھتی ہے۔ ایک چیخ مارتی ہے اسما بے ہوش ہر کر ہنگ پر گر جاتی ہے)



